

الْحَاجُّ مَعَهُ الرَّضْوِيَّةُ كَأَقْرَبِ جَنَّاتٍ، مَسْلُوكِ الْعَلِيِّ بِصُحْبَتِكَ كَأَفْقَدِ الْبَارِسَانَ

مَا هُنَا مَهْ نُورِ مُصْطَفَى پَسُنْكَ

کا

اَنَا أَهْلُ سُنَّتِكَ

مَدِينَةُ الْعِلْمِ

مَوْلَانَا مَلِكُ الظَّفَرِ سَلَسِرِ الْاِيْمَانِ

مَدِينَةُ الْعِلْمِ

مَوْلَانَا اَنْبَسِيْنَ بِعَالَمِكَ سَيِّوَانِي
مَوْلَانَا مُحَمَّدِ بْنِ سَمِيْعٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى

واللہ واللہ مجھے دو مرتبہ زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور میرے ناقص کانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات سنے ہیں۔ فرمایا ”موجودہ وقت میں میری امت کو اگر صحیح راستہ اختیار کرنا ہو تو میرے احمد رضا کا راستہ اختیار کرے۔ احمد رضا کا راستہ ہی میرا راستہ ہے۔“

حضرت مولانا سید شاہ حافظ
غلام حسین مصطفیٰ رضا قادری، ملتان شریف
حضور محدث اعظم ہند تاحیات دین اسلام یعنی
مسلمک اعلیٰ حضرت کی خدمت انجام دیتے رہے۔
شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں

اعلیٰ حضرت کی ادبی و شعری خدمات پر تفصیلی بحث



پروفیسر محمد اقبال جاوید، پاکستان

حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم و شعور اور جذب و جنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ الفاظ و ترکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پر شکوہ اظہار بھی جا بجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔ وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس حد تک متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لئے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں لفظی برجستگی، فنی رعنائی اور سہل ممتنع کی مثالیں وافر تعداد میں جلوہ گر ہیں۔ قرآنی آیات اور عربی جملوں کی پیوند کاری، ان کی فنکارانہ دسترس کا منہ بولتا شاہ کار ہے۔ نکسالی زبان کو نعتیہ تغزل کی روح روا بنا دینا، ان کی ایک منفرد خصوصیت ہے۔ لفظی تکرار سے شعری آہنگ کو تاثر آفرین بنا دینا انہی کا کمال ہے۔ ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فکر و خیال کا ایک بحر بے کراں ہے کہ بے روک ٹوک، شعر و سخن کی سنگلاخ گھاٹیوں میں یو رواں دواں ہے کہ اسے کوثر و سنیم کی موجیں بھی رشک سے دیکھتی ہیں:

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے! طبیعت کی روانی اس کی

برصغیر کے ہند و پاک میں اسلامی روایت کے فروغ اور علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں جن علمائے کرام اور مشائخ عظام نے غیر معمولی کردار ادا کیا ان میں امام احمد رضا خاں کا نام نمایاں طور سے شامل ہے، اور یقیناً ہونا بھی چاہیے۔ افکار دینی اور عشق رسول ﷺ ہر دو اعتبار سے وہ ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قدرت کے دستِ فیاض نے انہیں بے پایاں صلاحیتوں سے نوازا اور بڑے کاموں پر معمور کیا۔ ایسی سعادت بزورِ باز و نیت۔ امام احمد رضا خاں صاحب کی علمی اور تخلیقی شخصیت اس درجہ ہمہ جہت تھی کہ اس کی کلیت کا احاطہ تو رہا الگ، اگر ایک ایک جزو پر بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ کام کیا جائے تو اس کے لیے دفتر درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ متعدد دہائیوں میں ان پر علمی، فکری اور مطالعاتی حوالے سے کام کرنے والوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ ہر عہد کے کام کرنے والے ان کے فکر و نظر کی نئی جہت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے دور کے سیاق میں ان کی معنویت پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دینی تناظر میں عملی و فکری جستجو کا ایک کارواں ہے کہ نئے راستوں کو جالتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

ماہنامہ ”نور مصطفیٰ ﷺ“ پبڈہ کا زیر نظر خصوصی شمارہ ”امام اہل سنت نمبر“ اسی سلسلہ فکر و خیال کی تازہ تر دستاویز ہے۔ اس شمارے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے مرتبین نے محض عقیدت و محبت پر انحصار نہیں کیا بلکہ متانت اور ذمہ داری سے کام لیتے ہوئے علمی و فکری تقاضوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ مضامین و مقالات کی بنیاد پر یہ خصوصی شمارہ ایک اعلیٰ دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ایسی دستاویز جو آج ہی نہیں آئندہ بھی کارآمد اور فیض رساں سمجھی جائے گی۔ اس عمدہ کاوش اور گراں قدر شمارے کی اشاعت پر میں سید محمد ولی الدین، مولانا ملک الظفر سہسرامی اور مولانا رحمت اللہ صدیقی کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

صبح رحمانی

بظلم کرم:

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرتِ نبیہ، حضورِ حجۃ الاسلام، جانِ شینِ حضورِ عظیم حضرتِ مَعْتَبِ مُحَمَّدٍ اَخْبَرُ رِضَا قَادِرِی اَنْزَهَرِی تَوَالِدُہ

سیریز ۱

شمارہ ۱

الجامعۃ الرضویہ کا ترجمان، مسالکِ اعلیٰ حضرت کا نقیبِ پارسیان

ماہنامہ نُوْرِ مُصْطَفٰی پٹنہ

کا

اَنَا اَهْلُ سُبْحَانَ

مَدْرِ اَعْلٰی

مَوْلَانَا مَلِکُ الظَّفَرِ سَلَسِیْرِ اَبِی

مَدْرِ اَعْلٰی

مَوْلَانَا اَنْبِیْسِیْنَ عَالِمِ سِیَوَانِی

مَوْلَانَا مُحَمَّدِ حَمِیْدِ اللّٰہِ صَدِیْقِی

کا دروین ہنورِ مصطفیٰ

حضرت مولانا مفتی وحی احمد صاحب فرید کوٹوال گنج
 حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمن رضوی مظفر پور
 حضرت مولانا مفتی حامد القادری مظفر پور
 حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد رضوی گھوسی
 حضرت مولانا مفتی کوثر امام قادری سیوان
 حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری سرت
 حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی بدلیون
 حضرت مولانا مفتی سید اقبال حسینی، گکسا
 حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری
 حضرت مولانا ڈاکٹر ساجد سہبہ سہبہ
 حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم نشتر اوقی بریلی شریف
 حضرت مولانا ظہیر الفت قادری پلوہڑوی
 حضرت مولانا ڈاکٹر شفیق اجمل، بنارس
 حضرت مولانا مختار اشرف اشرفی، ممبئی
 حضرت مولانا مفتی کفیل احمد راشدی بریلی شریف
 حضرت مولانا قاری لیاقت رضا نوری اجین
 حضرت مولانا خالد علی رضوی شمس کلیر
 حضرت مولانا مفتی محمد اشرف رضوی پور بزرگ نجات
 حضرت مولانا احسان الحق رضوی ممبئی
 حضرت مولانا وسیم اکرام رضوی سیوان
 حضرت مولانا شمس اللہ رضوی پٹنہ

اس شمارے کی قیمت - 400 روپے

پرنٹر پبلشر: سید محمد ولی الدین رضوی جنرل سیکرٹری الجامعۃ الرضویہ لتاج افسیٹ پریس پٹنہ سے چھپو اگر دفتر نورِ مصطفیٰ سے شائع کیا۔

صوبہ مہاراشٹر میں فقہ حنفی کا منفرد مفتی ساز ادارہ

امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ناسک

زیر قیادت: شہزادہ حضور تاج الشریعہ قاضی القضاة فی الہند مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی

یہ ادارہ خالص مسلک اعلیٰ حضرت کا حقیقی ترجمان و ناشر ہے، دسمبر ۲۰۰۹ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، حضور تاج الشریعہ نے اس کا افتتاح فرمایا، ابتدا سے تاحیات محسن ملت حضرت علامہ مفتی محمد شعیب رضا لیبی متوفی ۱۵ رمضان ۱۴۳۸ھ سرپرست اعلیٰ رہے، اس ادارہ نے نہایت مختصر اور قلیل وقت میں اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے شہر اور بیرون شہر کے عوام و خواص میں ایک امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔

ادارہ کے بنیادی معاصد یہ ہیں ○ مذہبی اور عصری تعلیم یافتہ لوگوں کے مابین ربط باہم، فکری اور نظر پانی اصلاح ○ صلح کل کی وبائے عوام اہل سنت اور بالخصوص جدید نسل کی حفاظت ○ مسلم طلبہ کو انگریزی اسپیکنگ اور کمپیوٹر کورس کے لئے مواقع فراہم کرانا ○ چھوٹے بچے اور بچیوں کے لئے دین و مذہب کی بنیادی تعلیم ○ اصلاحی جلسے جلوس کے ذریعہ نوجوان نسل کو فکراہلسنت سے جوڑنا ○ مرکز اہل سنت بریلی شریف اور اعلیٰ حضرت کے نظریات کو ہر سنی مسلمان تک پہنچانے کی کوشش کرنا۔

ادارہ کے شعبہ جات اور خصوصیات

○ **شعبہ تخصص فی الفقہ:** یہ دو سالہ مفتی کورس ہے، جس میں فقہی ذوق رکھنے والے فاضلین مدارس کو فقہ حنفی کا تحقیقی مطالعہ اور فتویٰ نویسی کی دشوار گزار راہوں سے گزار کر فقہ اسلامی کا ماہر بنایا جاتا ہے، اس شعبہ کا قیام ۲۰۱۵ء میں اس کے سرپرست اعلیٰ محسن ملت مفتی محمد شعیب رضا لیبی علیہ الرحمہ کی رہنمائی میں عمل میں آیا، فاضل علوم اسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمد مشتاق احمد اویسی امجدی از ابتدا تا حال مستقل اس شعبہ میں تدریس و تربیت کا فریضہ نہایت حسن و خوبی کیساتھ انجام دے رہے ہیں، اب تک ۱۵ مفتیان کرام (تین بیچ) نے فراغت حاصل کی، جن کی دستار بندی حضور محدث کبیر مدظلہ العالی نے ۲۰۱۷ء اور ۲۰۱۸ء میں فرمائی، مذکورہ شعبہ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی سے الحاق شدہ ہے۔ [فارغین میں اکثر و بیشتر ملک کے مشہور و معروف مدارس و جامعات جیسے جامعہ امجدیہ گھوسی، جامعہ الرضا بریلی شریف اور جامعہ اشرفیہ مبارکپور وغیرہ کے فضلا شامل ہیں]، اس شعبہ کے طلبہ کے لیے جدید سہولیات کے ساتھ عمدہ قیام و طعام اور ماہانہ وظیفہ کا مکمل اہتمام کیا جاتا ہے۔ [جو طلبہ شعبہ تخصص فی الفقہ میں داخلہ کے خواہشمند ہوں شوال الحکم کے ابتدائی عشرہ میں درج ذیل مہمراہات پر رابلہ کریں]۔

○ **شعبہ حفظ و قرأت [غیر رہائشی]:** اس شعبہ کے تحت اسکول میں زیر تعلیم طلبہ کو حفظ بالحد رکرایا جاتا ہے۔

○ **شعبہ امدادی فنڈ:** اس شعبہ کے ذریعہ شہر ناسک کے تقریباً دو سو سے زائد غریب و نادار اور بیوہ خواتین کو چیک کے ذریعہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

○ **مصطفیٰ رضالا سیریری:** لائبریری میں شہر کے باذوق اور علم دوست حضرات کے لیے حدیث و فقہ، ادب و تاریخ، تصوف و سلوک اور قرآنیات و عقائد سے متعلق سینکڑوں کتابیں دستیاب ہیں۔

○ **شعبہ نشر و اشاعت:** دین و مذہب کا عظیم علمی سرمایہ کتابوں ہی کے ذریعہ محفوظ ہے، اس لیے ہمارے اسلاف نے ہر زمانے میں کتابوں کی اشاعت و طباعت کا اہتمام کیا اور آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے، اس سینٹر میں یہ شعبہ بھی قائم ہے اور بجزہ تعالیٰ اس کے زیر اہتمام مختلف مواقع پر مختلف رسالے، کتابچے اور مہفلت شائع ہوتے رہتے ہیں، جن میں ”برکات تاج الشریعہ“ ایک ضخیم، تاریخی دستاویز اور اس شعبہ کی فخریہ پیش کش ہے۔

اپیل: اہل خیر حضرات سے پر خلوص گزارش ہے کہ نیک دعاؤں کے ساتھ اس علمی، تحقیقی اور فلاحی ادارہ کا مالی تعاون فرما کر ثواب کے حقدار بنیں۔

ادارہ ماہ نامہ نور مصطفیٰ کی دستاویزی پیش کش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر رفقائے نور مصطفیٰ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

منجانب: شعبہ نشر و اشاعت امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر ناسک، مہاراشٹر

9822617486/8830789911

اس شمارے میں

۵	انتساب		۱
۷	سید محمد ولی الدین رضوی	تجلیات نور مصطفیٰ	۲
۹	اپنی بات	باب اول	۳
۱۱	مدیر اعلیٰ کے قلم سے.....	شذرات	۴
۲۷	پیغامات	باب دوم	۵
<p>حضرت مولانا مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری، حضور محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری، علامہ وصی احمد وسیم صدیقی، مولانا مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، مولانا مفتی اختر حسین قادری، مولانا مفتی شمشاد احمد مصباحی، مولانا سید اقبال حسنی، مولانا کوثر امام قادری، مولانا مفتی محمد رحمت علی امجدی، مولانا مفتی مشتاق احمد اویسی امجدی، مولانا مفتی عبدالملک رضوی، مولانا قاری قیصر رضوی، مولانا قاری محمد سرفراز عالم رضوی، مولانا شمس الحسن ویشالوی، مولانا مفتی عبدالکحیم نوری</p>			
۴۹	نبویات	باب سوم	۶
۵۱	مولانا سید اولاد رسول قدسی	آقائے کائنات کے مشاہیر اجدادِ کرام	۷
۶۴	محبوب گوہر اسلام پوری	منقبت	۸
۶۵	رضویات	باب چہارم	۹
۶۷	مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری	مسئلہ اعلیٰ حضرت ضرورت، اہمیت اور افادیت	۱۰
۷۷	مولانا مفتی سید شاہد علی حسنی نوری	امام احمد رضا کی تدریسی خدمات	۱۱
۹۱	مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری	بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟	۱۲
۱۰۲	مولانا ملک الظفر سہسرامی	محدث اعظم ہند امام احمد رضا کی خدمت میں	۱۳
۱۱۰	مفتی ڈاکٹر ساحل شہسرامی [علیگ]	امام احمد رضا کی مقبولیت اور.....	۱۴
۱۴۳	مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی	بینارہ عشق و عرفان امام احمد رضا	۱۵
۱۶۴	مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی	کاروان عشق عرفان اور امام احمد رضا	۱۶
۱۷۷	مولانا ملک الظفر سہسرامی	احترام نبوت اور امام احمد رضا	۱۷
۱۸۸	مولانا سید اولاد رسول قدسی	عقیدہ ختم نبوت تصانیف رضا کی روشنی میں	۱۸
۱۹۷	مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری	تحقیقات رضویہ کے خلاف جدید تحقیقات	۱۹
۲۰۹	مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی	کنز الایمان: اردو ترجمہ قرآن کا منفرد عنوان	۲۰

۲۱۹	ملاقات	باب پنجم	۲۱
۲۲۱	مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی صاحب سے	اثر ویو	۲۲
۲۴۱	ادبیات	باب ششم	۲۳
۲۴۳	سید صبیح رحمانی، پاکستان	تفہیم کلام رضا — چند معروضات	۲۴
۲۵۰	پروفیسر محمد اقبال جاوید، پاکستان	رضابریلوی کی نعتیہ شاعری	۲۵
۲۸۶	ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی	مولانا احمد رضا خان کی اردو نعتیہ شاعری	۲۶
۳۱۴	پروفیسر کاشف عرفان	کلام رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل	۲۷
۳۳۲	ڈاکٹر تنظیم الفردوس	کلام رضا کی لسانی تشکیلات	۲۸
۳۵۳	ڈاکٹر محمد افتخار شفیع	کلام رضا میں سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۹
۳۶۶	احمد جاوید۔ پاکستان	کلام رضا۔ آئینہ رسول مرکزیت	۳۰
۳۷۸	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری	۳۱
۳۸۴	ڈاکٹر سراج احمد قادری	’الاستمداعلیٰ اجیاد الازداد‘	۳۲
۴۰۰	شمیم احمد بریلوی	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا.....	۳۳
۴۱۲	مولانا انیس عالم سیوانی، لکھنؤ	رؤبدند ہباں حدائق بخشش کی روشنی میں	۳۴
۴۱۷	ڈاکٹر سراج احمد قادری	مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی	۳۵
۴۳۲	مفتی محمد شمشاد حسین رضوی	امام احمد رضا کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات	۳۶
۴۶۱	تعاقدات	باب ہفتم	۳۷
۴۶۳	مولانا محمد ملک الظفر سہرامی	مسئلہ رویت ہلال: پس منظر و پیش منظر	۳۸
۴۷۵	تقیقات	باب ہشتم	۳۹
۴۷۷	مولانا محمد ملک الظفر سہرامی	حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور.....	۴۰
۴۸۵	مولانا محمد ملک الظفر سہرامی	حرا کا چاند	۴۱
۴۹۴	شعریات	باب نہم	۴۲
۴۹۴	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی	وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا	۴۳
۴۹۵	مولانا سید اولاد رسول قدسی	شریعت کے روح رواں اعلیٰ حضرت	۴۴

انتساب

نور مصطفیٰ کا یہ خصوصی شمارہ امام اہل سنت نمبر کو

ہم

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

کے نور دیدہ

ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین فاضل بہاری

حامی سنیت، مبلغ مسلک اعلیٰ حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی علیہما الرحمہ

جنہوں نے اپنی اپنی سطح سے رضویات کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

اور اسے ایک مستقل فن کی حیثیت عطا فرمائی

اور

طوطی ہند، حافظ صحاح ستہ، شیدائے امام احمد رضا حضرت علامہ الحاج الشاہ قادر بخش سہرامی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حقانیت کے اظہار کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کے رائج الوقت نعرے کی داغ بیل ڈالی کے نام معنون کرتے ہوئے یگ گونہ سکون محسوس کر رہے ہیں

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را



قادر بخش سہرامی



قاضی عبدالوحید فردوسی



ملک العلماء

Azad

AZAD SHADI MAHAL

Gulfam

(Managing Director)



شادی، نکاح، کانفرنس و سیمینار، ولیمہ اور اسی طرح کی دوسری تقریبات کے لئے جدید سہولتوں سے مزین انتہائی رعایت کے ساتھ، ہمیں خدمت کا موقع دیں۔
نور مصطفیٰ پٹنہ کی فخریہ پیش کش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر
آزاد شادی محل کے ذمہ داران ہدیہ خلوص پیش کرتے ہیں۔

آزاد شادی محل

AZAD SHADI MAHAL

Jaggi ka Chauraha, Nawab Bahadur Road, Patna City-800 008

www.facebook.com/AzadShadiMahal

+91 72580 36786 / +91 9334479444

تجلیات نور مصطفیٰ

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہونا م رضاتم پہ کرو روں درود
محترم قارئین! — آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ شہر عظیم آباد میں دین حق کا پاسبان، مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب
و ترجمان ”الجامعۃ الرضویہ“ جو ابتدائے قیام سے احقاق حق و ابطال باطل کے میدان میں نہایت پامردی کے ساتھ کام کر رہا ہے اس کے قیام کا
بنیادی مقصد مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت ہے اور ادارہ اسی شناخت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہے۔
ہم نے مذہب و مسلک کے نام پر کبھی کوئی سودا نہیں کیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی یہی ہمارا تعارف نامہ ہوگا۔

میں غلام رسول اکرم ہوں

یہ تعارف بڑا تعارف ہے

مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟ وفاداری رسول اکرم، اطاعت سرکارِ دو عالم، محبت آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف یہ ہے۔
مذہب حق کے خلاف جب بھی کوئی آواز بلند ہوئی ہے تو یہ ادارہ اپنے مضبوط عزائم و ارادے کے ساتھ میدانِ عمل میں اتر کر مذہب
حق کا بھرپور انداز میں دفاع کیا اور اس وقت تک میدان میں ڈنار ہا جب تک حریف کی کمر نہ ٹوٹ گئی۔ مسلک اعلیٰ حضرت اہل حق کی شناخت
و پہچان ہے ہم اس کی ہر طرح کے دھول دھبوں سے حفاظت کرتے رہیں گے۔ ہم گندم نما جو فروش نہیں ہیں کہ ڈھڈھرا تو مسلک اعلیٰ حضرت کا
پیٹے ہیں اور کام اسکے خلاف کرتے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت حق و صداقت کا اعلا میہ ہے۔ اہل حق کے اس حقیقت پسند نعرے کے خلاف کچھ
آزاد خیال حضرات نے جدید افکار و خیالات کے چراغ جلانے کی کوششیں کیں لیکن قدرت نے انہیں ہر طرح سے ذلیل و خوار فرما دیا۔ اور اب
وہ کنج خمولیٰ میں بیٹھ کر اپنے کیے پر ندامت کے آنسو بہا رہے ہیں۔
الجامعۃ الرضویہ کو فکر و عمل کے آفاق میں پرواز کے لیے قدرت نے کچھ نئے بال و پر فراہم کئے ہیں اور میری گذارشات پر ان
معروف ترین حضرات نے اپنی مکمل حمایت و سرپرستی میں ادارے کو لے لیا ہے۔ اور فی سبیل اللہ بلا اجر دنیا اپنے قیمتی اوقات کی قربانی پیش کرنا
قبول فرمایا ہے۔

حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی، دارالعلوم خیر یہ نظامیہ سہسرام۔ حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی، نیویارک امریکہ
حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغامِ رضا بمبئی۔ حضرت مولانا انیس عالم سیوانی، امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ
جس کا بہتر ثمرہ یہ سامنے آیا کہ مختصر سی مدت میں ادارے کی ذوقی رنگوں میں زندگی کی حرارت دوڑنے لگی ہے اور عام لوگ بھی اسے
بہتر تعلیم و تربیت کی شاہ راہ پر گامزن ہوتا ہوا محسوس کرنے لگے ہیں۔

یہ میرے سرکار اعلیٰ حضرت کا فیضانِ روحانی ہے کہ ان حضرات نے اپنی مکمل توجہات ادارے کی تعلیم و ترقی کی جانب مبذول
فرمادی ہیں۔ آج انہی حضرات کی کوشش و کاوش کا نتیجہ ہے کہ ”نور مصطفیٰ“ کا یہ ضخیم، باوزن اور معیاری شمارہ امام اہل سنت نمبر کی خوبصورت پیش
کش کے لائق ہو سکا۔ اگر ان حضرات کا ہمیں قدم بقدم تعاون حاصل نہ ہوا ہوتا تو آج یہ خاص شمارہ آپ کی زینت نگاہ نہ ہوا ہوتا۔ نور مصطفیٰ کی
اس نورانی کرن سے انشاء اللہ دلوں کے آفاق روشن و منور ہوں گے اب اس روشنی کی اشاعت میں تسلسل ہوگا۔

ہم بارگاہِ خداوندی میں شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں قوتِ پرواز کے لیے ایسے قیمتی بال و پر عطا فرمادیے، فالحمد للہ علی ذلک!
ہم جامعہ کے اساتذہ ذی وقار کے لیے بھی دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں ذہنی، روحانی سکون عطا فرمائے تاکہ قلبی سکون کے ساتھ یہ
حضرات ادارے کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر باحوصلہ انداز میں حصہ لے سکیں اور ادارہ اپنے عزائم میں کامیاب کامران ہو سکے۔

اہلسنت و جماعت زندہ باد مسلک اعلیٰ حضرت پابندہ باد

طالب دعا:

سید محمد ولی الدین رضوی جنرل سکرٹری الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی

ٹائلس کی دنیا کا انتہائی معیاری نام



EVERSHINE

EVERSHINE MARBLE

Infront of Punjab National Bank, Near Shalimar Cold Store, By Pass Road, Anisabad, Patna
Mob.: +91 9905504402, evershinemarbles001@gmail.com, www.evershinemarbles.com

Marble, Granite, Tiles & Sanitary Ware



دکان، مکان، آفس، مساجد، مدارس، خانقاہ کی آرائش زیبائش کے لئے ہر طرح کے ٹائل و ماربل دستیاب ہیں۔ ہمیں خدمت کا موقع دیں۔ ہر طرح کی رعایت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کی تاریخی پیشکش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر ہم دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں

باب اول اپنی بات

شذرات

جب زمین تپتی ہے تو باران کرم کی بوندیں زمین کے تپتے ہوئے سینے کو ٹھنڈک پہنچاتی ہیں، رات کی تاریکی جب گھور ہوتی ہے تو لیلانے صبح کا آنچل فضاے بسیط پہ لہراتا ہے، گناہوں کی ظلمتیں جب گہری ہوتی ہیں تو ان اولیائے کالمین کا ورود مسعود ہوتا ہے جن کی اصلاحی کوششوں سے شب ظلمات کا سینہ چاک ہوتا ہے اور اعمال صالحہ و افکار عالیہ کا سپیدہ صبح نمودار ہوتا ہے۔

اقوام و ملل کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جب جب زوال بد اماں وقت قوموں پہ آیا ہے تو قدرت خداوندی کی جانب سے کسی روحانی مسیحا کی بعثت ہوتی ہے، مذہب اور مذہبی اقدار کی صیانت و حفاظت کے لیے پروردگار عالم کسی شخص کو شخصیت بنا کر قوم کی زبوں حالی دور کرنے کے لیے دنیا میں مبعوث فرماتا ہے جو اپنے تجدیدی کارناموں، اصلاحی کوششوں کے ذریعے گم شدہ نقوش کی کامیابی سے بازیافت کر کے جملہ مذہبی قدروں کا معیار و وقار بحال کرتا ہے۔

جب نصاریٰ کی بڑھتی ہوئی طاقتوں نے ایک طوفان کی شکل اختیار کر لی تو اس کے خلاف محاذ سنبھالنے کے لیے حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی، جب معتزلہ کا فتنہ سرا بھارا تھا تو سیدنا امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جیسی متکلم شخصیت نے علم کلام کی روشنی میں ان فتنوں کی سرکوبی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ منطق و فلسفے کی موٹھ گانیوں کا جب زمانہ آیا تو سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسا منطقی و فلسفی سامنے آیا جس نے علوم عقلیہ کی روشنی میں دین اور اقدار دین پر ہونے والے حملوں کا بروقت اور بر محل جواب دیا۔ مذہب اسلام کے خلاف جب اکبری فتنے نے سرا بھارا اور دین الہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تو دین اسلام کی صیانت و حفاظت کے لیے پروردگار عالم نے سیدنا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا میں مبعوث فرما کر ان فتنوں کا سدباب فرمایا۔

۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں سرزمین بریلی شریف میں پیدا ہونے والی ذات امام احمد رضا قادری جنہیں دنیا اعلیٰ حضرت کے بلند بالا لقب سے یاد کرتی ہے۔ ایک ایسے دور کی تاریخی شخصیت ہیں جو پُر آشوب تھا۔ سیاسی، سماجی، مذہبی اور ملی محاذ پہ ہر طرف طرفہ انتشار تھا۔ مذہب کے ٹھیکیداروں نے مذہب کے نام پہ بد مذہبی کا طوفان بد تیزی برپا کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ تاریخ پہ نظر رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ زمانہ بہت انقلابی زمانہ تھا۔ برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پہ یہ بات روز روشن سے زیادہ عیاں ہے کہ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں پہ قیامتیں توڑی گئیں اور امت مسلمہ قیامت بردوش حالات سے دوچار ہوئی۔

ایک طرف انگریزوں کا تغلب و تسلط تھا تو دوسری جانب زرخیز علماء کی جانب سے دین اور اقدار دین پہ شب خون مارنے کا

مکروہ و ناپسندیدہ عمل تھا، عوام میں معمولات و مراسم کے نام پہ بے ہودگیوں کا جو طوفان مچا ہوا تھا اس نے دین اسلام کا چہرہ بگاڑ رکھا تھا ایسے پُر آشوب دور میں بریلی کی سرزمین سے ابھر کر مذہبی منظر نامے پہ سامنے آنے والی شخصیت نے اپنے زمانے کے تمام فتنوں کے خلاف بہت چابک دستی سے محاذ سنبھالا اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ذریعے ان فتنوں کے خلاف مضبوط بند باندھ کر دین کے خود ساختہ ٹھیکیداروں کے تمام اسلام مخالف منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ علوم ظاہرہ میں مہارت و مہارت رکھتے تھے بلکہ اپنے دور میں وہ علوم طریقت میں بھی ایک اونچا مقام رکھتے تھے اگر وقت کے عظیم مفتی، بلند پایہ فقیہ، دور رس نکتہ بین محدث تھے تو وہیں روشن ضمیر صوفی اور سلسلہ برکاتیہ کے مسند نشین صاحب سجادہ بھی تھے۔ آپ نے اپنے دور میں خانقاہی معمولات و مراسم کی نہ صرف ترویج و اشاعت میں حصہ لیا بلکہ ان کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کو محسوس کرتے ہوئے ان کا دندان شکن جواب دیا۔

اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمتوں سے کھلوڑ کرنے والوں کا علمی محاسبہ کیا رسول اللہ ﷺ کی محراب عظمت پہ حرف گیری کرنے والوں کا شرعی دلائل کی روشنی میں گریباں تھا، احکام شرع کے خلاف زبان درازی کرنے والوں کا فکری محاسبہ کیا تو وہیں صوفیاء کی عظمتوں کو نشانہ تنقید بنانے والوں کا بھرپور تعاقب فرمایا، خانقاہی معمولات و مراسم کے خلاف کفر و شرک کے فتوے صادر کرنے والوں کو شرعی دلائل کی روشنی میں مسکت جواب دے کر ان معمولات و مراسم کا تحفظ فرمایا۔ نیز عوام اور بعض جاہل نام نہاد صوفیوں کی جانب سے خانقاہی معمولات و مراسم کے نام پہ پیدا کیے جانے والے خلاف شرع امور کا فکری محاسبہ فرما کر شریعت کے احکام واضح فرمائے۔ آپ کے تجدیدی کارنامے آب زر سے تحریر کئے جانے کے لائق ہیں۔ سیاسی، سماجی، ملی اور مذہبی ہر محاذ پہ ہونے والے حملوں کے خلاف کامیاب چوکھی جنگ لڑی۔ انہی زریں خدمات کی بنیاد پر آپ کی شخصیت کو با اتفاق رائے مرکزیت حاصل ہوئی اور بریلی شریف حق پسند، حق نگر علما و صلحا کا مرکز تسلیم کر لیا گیا۔ آپ کے بعد بھی آپ کے جانشینوں نے مذہب و ملت کی خدمات میں آپ کی جانشینی و نیابت کا مکمل حق ادا فرمایا۔ احقاق حق و ابطال باطل میں آج بھی آپ کے جانشین آپ کے نقش قدم پر ہیں اب تو مرکز اہل سنت بریلی شریف کا اسم مجازی ہو گیا ہے۔

حق و باطل کے درمیان جو معرکہ آرائی ہے اس کا سلسلہ کچھ نیا نہیں بلکہ بہت قدیم ہے اور پھر حق کے علم برداروں کو باطل سے ممتاز کرنے کے لیے کچھ خطوط متعین کیے جاتے رہے اسلام جب اپنے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا تو اس وقت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قلبی و لسانی اقرار ہی مومن کی پہچان قرار پایا۔ پھر جب نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ایمان و کفر کے درمیان نماز حد فاصل قرار پائی۔ جب منافقت کے سیاہ و منحوس بادل نے اسلام کے بدر کامل کو اپنی اوٹ میں لے کر ظلمت کی چادر ڈھانے کا ارادہ کیا تو پھر رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ان سے رشتہ و فاداری ایمان کی علامت قرار پایا اور پھر جب اسلام کی پاکیزہ قدروں پہ زوال آنا شروع ہوا مغربی تہذیب و تمدن کے خونیں پنجوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کو لہو لہان کرنے میں

ایڑی چوٹی کا زور لگادیا اسلامی تہذیب و تمدن کی چمک دمک مسلم معاشرے سے دھیرے دھیرے رخصت ہونے لگی اور مسلمانوں میں اعمالِ صالحہ پہ جو مضبوط گرفت تھی وہ کمزور پڑنے لگی تو ظاہری شکل و صورت کی بنیاد پر مومن و کافر کی شناخت ہونے لگی ٹھیک اسی طرح جب نجد کی وہابیت کے ہندوستانی ایڈیشن نے دیوبندیت کی شکل و صورت میں عام مسلمانوں کو بد عقیدگی کے شعلوں میں جھونکنے کی شاطرانہ چال اختیار کی تو اس وقت اس بات کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی گئی کہ خوش عقیدہ مقلد مسلمانوں کی گمراہ جماعت سے دوری و علیحدگی قائم کرنے کے لیے دو مسلکی نظریہ پیش کیا جائے اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے امتیازی تشخص کے لیے کوئی علیحدہ نام دینے کا ایک جبری تقاضا اکابر علمائے اہل سنت کے سامنے آیا تاکہ گمراہ جماعت کی شیطانی چالوں سے عام مسلمان محفوظ رہ سکیں۔ چونکہ دیوبندیت نے جو چولہ اختیار کر رکھا تھا وہ حنفیت و سنیت کا ہی تھا لہذا ایک نام کا انتخاب عین تقاضائے وقت بن گیا۔ اب سوال نعرے کے انتخاب کا تھا۔ حق و باطل کے درمیان خط فاصل کھینچنے کے لیے کون سی علامت مقرر کی جائے یوں تو بد عقیدوں کے رد میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے قبل کے بزرگوں اور ہم عصروں نے بھی قلمی سرمائے چھوڑے لیکن اس باب میں جو طرہ امتیاز ہے وہ اعلیٰ حضرت کے سر پہ ہی سجتا ہے۔ چونکہ عشق رسول ﷺ کی سرشاری نے آپ کو بلند مقام پہ فائز کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نثری و شعری نگارشات کا جائزہ لیں تو ان میں اسی پاکیزہ جذبے کی جھلک صاف طور پہ ملے گی ہر ربط پہ عشق و محبت کا یہی ساز چھیڑا ہوا محسوس ہوتا ہے اور عشق حقیقی کی فیض بخششیوں کا یہی یہ نتیجہ سامنے آیا کہ۔

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

اسلامی زندگی کا وہ کون سا گوشہ ہے جس پہ چودہویں صدی کے اس عظیم مفکر نے روشنی نہیں ڈالی بلکہ جدید و عصری علوم پہ ایسی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں جن پہ دور جدید کے مفکرین خود کو داد دینے پہ مجبور پاتے ہیں۔ وہ اپنے علم و فکر، فقہ و تدبر اور تجدیدی کارناموں کی بنیاد پر لاریب بیسویں صدی کے ایک ایسے مفکر تھے تاریخی شواہد کی روشنی میں جنہیں اپنی پیش کردہ فکر سے کبھی رجوع کی نوبت نہیں آئی چنانچہ ان کے بے پناہ علمی و فکری برتری اور تجدیدی کارنامے نے ان کے ہم عصروں میں انہیں مرجع فتاویٰ بنا دیا کسی بھی اختلافی مسئلے میں ان کی رائے اور فیصلہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا۔ انہوں نے انہی افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت میں اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ صرف فرمادیا جو سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ ان کی قدیم الخیالی اور حنفیت پہ پختہ فکری کی گواہی غیر سنی مفکرین سے لے کر غیر مسلم ادیبوں نے بھی پیش کی ہے مشہور غیر مقلد عالم احسان الہی ظہیر کا یہ اعتراف ”یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے“ (البریلویہ ص ۷) ایک دوسرے مورخ کی رائے میں ”انہوں نے (فاضل بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طرز کی حمایت کی“ (موج کوثر) مشہور محقق اور ادیب مالک رام کے خیال میں ”جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ بریلی مولانا احمد رضا خاں

مرحوم کا وطن ہے وہ بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے، جماعت اسلامی کے آرگن ماہنامہ ”الحسنات“ نے اس سلسلے میں یہ تبصرہ کیا ”یہ خیال درست نہیں ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے دین اسلام میں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی ہے البتہ یہ درست ہے کہ علما کی اس جماعت کو عرف عام میں احمد رضا خاں بریلوی سے عقیدت کی بنا پر بریلوی کہا جاتا ہے، اور دوسرے احناف سے بعض مسائل میں اختلاف کی بنا پر الگ تشخص قائم ہو گیا“ (ماہنامہ الحسنات رام پور کا شخصیات نمبر ص ۵۴/۵۵)

غیر سنی علما و مورخین سے لے کر غیر مسلم محققین تک نے مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی کے انتخاب کو اسلاف کرام کے علمی و فکری ورثے سے بغاوت قرار نہ دے کر قدیم الخیالی پہ مہر لگا دی ہے۔

اسلاف شناسی کی روشن و تابناک تاریخ میں رنگ و روغن بھرنے میں شہر عظیم آباد میں واقع اہل سنت و جماعت کے معروف ادارے الجامعۃ الرضویہ کی خدمات بہت نمایاں ہیں بالخصوص الحاج سید محمد ولی الدین رضوی سیکریٹری جامعہ ہذا ان کے ہم خیال و ہم قدم رفقاء بالخصوص عزیز گرامی قدر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی، فاضل بغداد حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کے ہم شکر گزار ہیں۔ تحریک اسلاف شناسی کی مہم میں حصہ لیتے ہوئے وقت کی عبقری شخصیت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات کے یوٹوبہ گوشتوں میں سے چند گوشوں پہ مشتمل ”نور مصطفیٰ“ کا خصوصی شمارہ امام اہل سنت نمبر کی اشاعت کا عزم و ارادہ لے کر میدان عمل میں اترے اور بہت کم وقت میں پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر آپ کے روبرو کرنے میں کامیاب و کامراں نظر آتے ہیں۔ زندہ قوموں کا یہی شعار رہا ہے۔ اس قوم کو زندہ رہنے کا حق نہیں جو اپنے اسلاف کی روشن و تابناک تاریخ کو پردہ گمنامی کے حوالے کر دے ان کی زریں و روشن خدمات کو زندہ رکھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلاف کی روشن و تابناک حیات و خدمات سے نور کشید کر کے شاہ راہ زندگی کو اجالا جائے۔

مجدد امت ماضیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی حیات و خدمات پہ مشتمل یہ خصوصی شمارہ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک خوبصورت کڑی ہے۔

پوری دنیا کا منظر نامہ اس وقت انسانی خون سے سرخ ہو رہا ہے، انسانیت چیخ رہی ہے، آدمیت کا جنازہ آدمی کے کندھوں پہ جا رہا ہے، لیکن ضمیر فروشی کی حد ہوگئی کہ جن کے پاس قوت و طاقت ہے، حکومت و اقتدار ہے وہ یکسر خاموشی کی چادر تان کر سو رہے ہیں۔ ہندوستان کے نقشے میں بھی مذہبی تعصب کا رنگ بھرنے کی سازش رچی جا رہی ہے اور ہندوستانیوں کو قوم و مذہب کے نام پہ الگ الگ خانوں میں بانٹنے کی منصوبہ بندی ہو چکی ہے، ملک کے وزیر داخلہ انتہائی نامناسب اور غیر آئینی جملے استعمال کر رہے ہیں ایک ذمہ دار اور سیکولر روایات کی پاسداری کرنے والے ملک کے اعلیٰ قلمدان سنبھالنے والے وزیر داخلہ کے بیان میں اس قدر عصبیت، کڑواہٹ اور منافرت کا رنگ پیدا ہو سکتا ہے عقل قبول نہیں کرتی۔ کسی بھی ملک کے وزیر

داخلہ کی آئینی و منصفی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس ملک میں رہنے والے تمام باشندوں کو بلا تفریق مذہب و ملت تحفظ فراہم کرے ان کے تمام جمہوری حقوق کی نگہداشت کرے لیکن وہ برسرِ اسٹیج ایک قوم کو نشانہ بناتے ہوئے اپنی تمام آئینی ذمہ داریوں سے دست کش ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں ہماری ذمہ داریاں دو چند ہو جاتی ہیں ان قیامت بردوش حالات میں آج ہر طرف سے یہ آواز اٹھائی جا رہی ہے کہ مسلمان ایسے دور میں تمام مسلکی اختلافات ختم کر کے باہم شیر و شکر ہو جائیں اور باطل پرست قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر قانونی و آئینی طور پر اپنے حقوق کی جنگ لڑیں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں لیکن سوال یہ ہے کہ اتحاد و اتفاق کی اساس و بنیاد کیا ہو؟ بلا تفریق مسلک و مذہب بنام اسلام تہتر فرقوں سے وابستہ افراد یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ دین و مذہب کی اساس و بنیاد تعلق باللہ و بالرسول ہے، کوئی شخص کسی بھی جماعت، کسی بھی مسلک اور نظریے سے تعلق رکھتا ہو وہ اس نقطے سے اختلاف نہیں رکھے گا یہی تعلق باللہ و بالرسول مذہب اسلام کی اساس و بنیاد ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ سے تمام مسلمانوں کا تعلق خاطر قائم ہو جائے اور ان کی محبت اور وفاداری کو جان ایمان روح ایمان تسلیم کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پہ جمع ہو جائیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اپنی تمام نگارشات کا خلاصہ و نچوڑ یہی پیش فرمایا کہ تعلق باللہ و بالرسول کے بغیر ہر دعویٰ باطل و مردود اور ہر نعرہ کھوکھلا ہے لہذا اتحاد و اتفاق کے اسی اساسی و بنیادی تصور کو لے کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ جس فرقہ کے اسلاف کی جن تحریروں کے ذریعے اسلامی تصور پر ضرب پڑ رہی ہے اور اس تعلق خاطر کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے ان تمام عقائد و نظریات، افکار و تصورات سے برأت و پاکدامنی کا اظہار کر کے ایمان و اسلام کا وہ تصور پیش کیا جائے جو صحابہ سے روایتاً ہم تک آیا ہے۔

سیدی امام احمد رضا نے بھٹکے ہوئے آہوؤں کو گنبد خضریٰ کی راہ پہ لگا دیا۔ ان کے افکار و خیالات اور حیات و خدمات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو بات صرف ایک جملے میں مکمل کی جاسکتی ہے کہ ان کا تمام تر زور قلم اور قوت بیان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ سے رشتہ و تعلق استوار کرنے پہ تھا جو صحابہ کبار کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

منہ بولتی صداقت بھی یہی ہے کہ دین کی اساس ہے محبت رسول، دینداری کی بنیاد ہے تعلق باللہ و تعلق بالرسول۔ ڈاکٹر اقبال نے بھی یہی کہا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
اعلیٰ حضرت اسی محبت رسول کے سفیر بن کر دیوانہ وار گھومتے رہے۔ ان کی علمی، فکری اور فقہی خدمات اور شعری نگارشات کا جو آئینہ خانہ تیار ہوا ہے اس میں اسی محبت رسول کا نقش و عکس ہر چہاں جانب نمایاں انداز میں نظر آئے گا۔ وہ فرماتے ہیں۔
جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اصحاب کرام سے لے کر تابعین عظام تک، اغواث، اقطاب، ابدال تک اور اولیا سے لے کر جملہ ائمہ مجتہدین تک دین اور دینداری کا جو درست اور حقیقی تصور رہا ہے اسی تصور و خیال کی آپ نے تاحیات ترجمانی فرمائی۔
آپ نے دینداری کا کوئی نیا ویژن نہیں پیش کیا بلکہ وہی ویژن تھا جو اصحاب کرام نے اللہ اور اس کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے اپنے نگار خانہ دل میں سجا رکھا تھا۔

محبت رسول ہی اصل میں جان ایمان ہے، دین کی اساس ہے محبت رسول دین کی بنیاد ہے الفت رسول دین کی اصل ہے تعلق بالرسول۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سلسلے میں ارشاد فرمایا: ”النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم“
مومن وہی ہے جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا تعلق خاطر پیدا ہو جائے، ایسی محبت اور الفت کا جذبہ پیدا ہو جائے کہ دنیا کے تمام رشتوں کا رنگ اس کے آگے پھیکا پڑ جائے۔ تمام حوالے اس حوالے کے سامنے بے اصل و بے وقعت ہو جائیں۔ دنیا سے لے کر آخرت تک ہر جگہ یہی ہماری شناخت و پہچان رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ نسبی، مسلکی اور مشربی جتنے بھی حوالے ہو سکتے ہیں وہ تمام کے تمام اگر اس حوالے سے متضاد و متعارض ہوں تو ان سے دست کش ہو جانا ہی عین تقاضائے ایمان ہے۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ یہی صحابہ کرام کا طریقہ تھا اور یہی پیغام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عام فرمایا۔ تعلق باللہ و بالرسول کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

”نور مصطفیٰ“ کا یہ خصوصی شمارہ ہم پیغام رضا، مسلک رضا اور فکر رضا کے تین اہم اور قابل قدر نقیب و ترجمان کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کرتے ہوئے ایک گونہ سکون محسوس کر رہے ہیں۔

ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ / ۱۳۸۲ھ) اعلیٰ حضرت کے علمی دربار کے نورتنوں میں ایک اہم رتن ہیں جن کی علمی و فکری شعاعوں سے آج بھی دبستان علم میں تابانیاں ہیں۔ افکار رضا، مسلک رضا اور پیغام رضا کی خوشبو بکھیرنے والوں کی فہرست کا یہ نام سرفہرست مقام پانے کے لائق ہے۔ ”حیات اعلیٰ حضرت“ رضا شناسی کے باب میں نیوکا پتھر ہے۔ اخذ و استفادے کی تمام راہیں رضویات کے باب میں تقریباً اسی سے کشادہ نظر آتی ہیں۔ ”حیات اعلیٰ حضرت“ کی ترتیب و تہذیب اور اشاعت کی داستان بھی ہماری مذہبی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے۔ ایک عرصے تک تو اس کی زیارت کے لیے مشتاق حضرات کی نگاہیں ترستی رہیں۔ الحمد للہ اس حوالے سے بھی الجامعۃ الرضویہ کے قابل قدر سکریٹری الحاج سید محمد ولی الدین رضوی کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں کہ جہد مسلسل کے سائے میں اسے ترتیب و تہذیب کے مرحلے سے گزار کر منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

ملک العلما کا نام آتا ہے عقیدت سے گردن جھک جاتی ہے، علم و فکر کا جبل شامخ، اعلیٰ حضرت کا نور دیدہ، اہل سنت و جماعت کا عظیم سپوت، مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک نقیب و ترجمان، رضویات کا عظیم اسکا لڑھاری بے توجہی کے سبب اس عظیم شخصیت ان کی تمام خدمات کا دائرہ سمٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے، علم توقیت کا ماہر بدمذہبوں کے علمی ایوان میں بھی اپنی علمی شوکتوں کے پرچم لہرانے والی ذات و شخصیت اپنے قرار واقعی تعارف کے لیے ہم سے پیہم تقاضے کر رہی ہے۔ عقیدت کے یہ چند جملے ”نور مصطفیٰ“ کے ارباب کی جانب سے ان کی بے پناہ عظمتوں کا کما حقہ احاطہ نہیں کر سکتے۔ ملک العلما کی ذات اپنے ہر فضل و کمال میں عرش نشین ہے ان کی علمی وسعت، فقہی بصیرت اور حدیث دانی کے سامنے علم و فکر کا کوئی حوالہ نہگا ہوں میں چچتا نہیں ہے۔ رضویات کی جتنی شاخیں ہیں سب پہ ان کی فکر کا عندلیب چہکتا نظر آتا ہے۔ آج خود کو ماہر رضویات لکھنے کی وباسی چل پڑی ہے حد تو یہ ہے کہ جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی کسی بھی کتاب کا ایک ورق درست تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا وہ بھی ماہر رضویات لکھ رہا ہے جب کہ ماہر رضویات اگر کسی کو کہا جاسکتا ہے تو وہ صرف ملک العلما کی ذات ہے اگر ملک العلما نہ ہوتے تو رضویاتی دبستانوں سے ہم کبھی آشنا نہ ہوتے۔ رضویاتی ادب کو انہوں نے جو تحفظ دیا ہے اس کی ہم کوئی دوسری نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

رضویاتی تاریخ کا دوسرا نام حضرت علامہ الحاج قاضی عبدالوحید فردوسی (ولادت ۱۲۸۹ھ، وصال ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) شہر عظیم آباد سے تعلق رکھنے والی عظیم شخصیت ہے۔ جنہوں نے ملک العلما کے بعد افکار رضا کی اشاعت میں دل کھول کر حصہ لیا۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت آپ کی اولین ترجیحات میں تھی۔ تحفہ حنفیہ کے نام سے آپ نے رسالہ، مذہبی درس گاہ اور اشاعتی ادارہ قائم فرما کر افکار رضا، پیغام رضا اور مسلک اعلیٰ حضرت کو عام کیا۔ پورے ملک میں اتنے عظیم پیمانے پہ اخلاص و لہجیت کے ساتھ فکر رضا کی ترویج و اشاعت کا جذبہ پیش کرنے والا کوئی دوسرا نام نظر نہیں آتا۔ دین اسلام یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے آپ کی خدمات ایسی نہیں ہیں کہ لفظوں میں بیان کر دی جائیں اس کے لیے دفاتر درکار ہیں۔ اور یہ موقع نہیں۔ ان کی شخصیت، ان کی دینی، ملی اور مسلکی خدمات سب پہ ہماری نظر ہے اس حوالے سے ہم بہت جلد قارئین ”نور مصطفیٰ“ کو حوصلہ افزا، مسرت آمیز اور اسلاف شناسی کے حوالے سے منصوبہ بنا کر شاد کام کریں گے۔ قاضی صاحب کا وجود یقیناً دینی درد کا استعارہ تھا۔ انہوں نے پیغام رضا کی تشہیر، ترویج اور تبلیغ میں کسی کے روٹھنے کی کبھی فکر نہیں کی۔ بریلی شریف سے ان کا رشتہ اتنا مستحکم تھا کہ ان کا دل دھڑکتا اور سیدی اعلیٰ حضرت کو اس کی خبر ہو جاتی۔

انہوں نے اپنے عہد میں اٹھنے والی ہر باطل قوت کا فکر رضا کی روشنی میں تعاقب کیا۔ پٹنہ کی سرزمین پر ندوہ، کے خلاف سات روزہ اجلاس کے آپ ہی روح رواں تھے اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں غیر منقسم ہندوستان کی ساری اعلیٰ قیادتیں موجود تھیں۔ ایک ہزار سے زائد علما تھے اور عوام کی تعداد شمار و قطار سے باہر تھی۔ اسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت کی مجددیت کا اعلان و اظہار ہوا۔ اور تمام حاضرین اجلاس علما نے انشراح صدر کے ساتھ اس اعلان کی تائید و حمایت کی۔

قاضی صاحب نے بہت کم عمر پائی اگر ان کی عمر مزید ان کا ساتھ دیتی تو فکر رضا کے حوالے سے بہار کی تاریخ آج مختلف ہوتی۔ ان کا کوئی منصوبہ کاغذ تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ منصوبہ بناتے اور اسے بہت جلد عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیتے۔ ان کی دینی، ملی اور مسلکی قربانیوں کو دیکھ کر حضور مجاہد ملت کی تصویر نگاہوں میں گھومنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حیات کی ہر متاع عزیز کو محبوب کے قدموں پہ قربان کر دینے کا بیکراں جذبہ رکھتے تھے۔ انہیں اپنے جنون عشق کی تشہیر و تعبیر کے لیے کسی کے در پہ دستک دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ رب قدیر نے انہیں دینی دولت کے ساتھ دنیوی دولت سے خوب خوب نوازا تھا۔ ان کا شمار پٹنہ عظیم آباد کے رساء میں ہوتا تھا۔ ان کے بیٹے قاضی عبدالودود، کا بیان ہے کہ ”میرے باپ نے اپنی ساری دولت بریلویت کے فروغ میں خرچ کر دی۔“

اعلیٰ حضرت کی محبت ان کی حیات کا نشان امتیاز ہے۔ وہ اس راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹ کو اپنے قدموں سے کچل دیتے۔ انہوں نے اپنے ذاتی صرفے سے اس زمانے میں ۲۵۰ سے زائد اعلیٰ حضرت کی کتب و رسائل کی اشاعت کی اور انہیں پوری دنیا میں مفت عام و تمام کیا۔ اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے آج جو سہولتیں میسر ہیں اس زمانے میں اس کی عشر عشر بھی نہیں تھیں۔ جب عشق جنوں خیز ہوتا ہے تو دشواریاں خود پیغام رساں بن جاتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی بے پناہ محبت و الفت کا جو چراغ ان کے دل میں روشن تھا اعلیٰ حضرت کے دل میں بھی ان کی محبت و چاہت کا وہی چراغ روشن تھا۔ یہ اعلیٰ حضرت کی محبت ہی تھی کہ جب وہ مرض الموت کے شکار ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس کی خبر ہوئی تو اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے وارد پٹنہ ہوئے۔ ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت کی گود میں ان کی روح نفسِ عنصری سے پرواز کی۔ یہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت اور ملک العلماء ان کی قبر میں اترے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے چہرے سے کفن ہٹا کر فرمایا ”جسے جنتی چہرہ دیکھنا ہو دیکھ لے“ میرے علم کے مطابق قاضی صاحب اس شرف میں تنہا ہیں۔ رضویات کے اس دوسرے امام کی قبر پہ بے بسی کی ایک دبیز چادر پڑی ہوئی ہے یہ دیکھ کر پلکیں اشکوں سے وضو کرنے لگیں ان کی قبر جماعتی بے حسی کا مرثیہ بنی ہوئی ہے۔ ان کی قبر تک جانے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔ جی چاہتا تھا کہ ان کی قبر سے لپٹ کر اتنا روؤں کہ ساری دنیا میرے آنسوؤں میں ڈوب جائے۔ میرے ساتھ اہل عقیدت کا ایک انتہائی محض کارواں تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ ہمدرد قوم ملت جناب سید محمد ولی الدین رضوی، عزیز گرامی مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی، عزیز محترم مولانا قاری قیصر رضا رضوی اور مولانا قاری محمد سرفراز عالم رضوی مرکزی، میرے ساتھ احباب کا کارواں بھیگی پلکوں کے ساتھ وہاں سے واپس ہوا۔ افسوس کہ ملت کا یہ جاں فروش سپاہی صرف ۷۳ سال کی عمر پا کر ہماری نگاہوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ ان کی قبر دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنی قبر سے آواز دے رہے ہیں۔

پینے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی پھول مجھ پہ چڑھائے کیوں جو چمن خزاں میں اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
سہسرام ابتدا سے ہی خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت سے اہل علم و ارباب فکر کے درمیان متعارف رہا۔ قدیم مذہبی درس گاہیں بھی مذہبی فکر کے اعتبار سے متصلب سنی رہیں اور ان کی باگ ڈور علمائے اہل سنت کے ہاتھوں میں

رہی۔ مدرسہ خانقاہ کبیرہ، مدرسہ حسنیہ اور دارالعلوم خیر یہ نظامیہ یہ تمام مذہبی درس گاہیں اہل سنت و جماعت کی ترجمان کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔ مدرسہ خانقاہ کبیرہ میں تو ایک عرصہ تک ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسند صدارت کو زینت بخشی۔

طوطی ہند حافظ حدیث حضرت علامہ مولانا الحاج حکیم محمد قادر بخش سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۳ھ / ۱۳۲ھ تو مسلک اعلیٰ حضرت کے عظیم نقیب و ترجمان کی حیثیت سے پورے ملک میں خطابت کی دھوم مچاتے رہے بلکہ مسلک اعلیٰ حضرت کا جو نعرہ وجود میں آیا اس کی خشت اول آپ ہی نے رکھی۔ ملک العلماء ”حیات اعلیٰ حضرت“ میں رقم طراز ہیں:

”جب حضرت مولانا (علامہ قادر بخش سہسرامی) بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کے ذریعے ہم لوگ بھی سنی اور وہابی کو پہچان سکیں کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ مولانا سہسرامی نے فرمایا کہ اتنا آسان عمدہ اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ لوگ جب کسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں کہ سنی ہے یا وہابی، تو اس کے سامنے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان کا تذکرہ چھیڑ دیجیے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھیے اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دکھائی دیں تو سمجھ لیجیے کہ سنی ہے اور اگر چہرے پر پڑ مردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھ جائیے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔“

آپ صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں

”التقریر المعقول فی فضل الصحابہ و اہل بیت الرسول“، ”البعین فی اشاعت مراسم الدین“، ”ضرب قادر برگردن واعظ فاجر“، رفع الارتياب عن المفترین بشراف الانساب“، غایت المقال فی مسئلہ رویت ہلال“، تحفۃ الاشقیاء فی فضائل آل العبا“ اور ”جور الاشقیاء علیٰ ریحانۃ سید الانبیاء“ تذکرے میں یہ چند تصانیف آپ سے منسوب ہیں ان کے علاوہ بھی مخطوطات تھے جو دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔

آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ انتقال کے بعد دو کرامتیں تمام عقیدت مندوں نے چشم خود ملاحظہ کیں۔ آپ کے تمام جسم میں چچک کے بڑے بڑے دانے تھے جن کی گولائی انگریزی دور کے پیسوں کے برابر تھی لیکن جسم سے روح پرواز کرتے ہی ایک دانے کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا سا رابدن بالکل صاف شفاف اور بے داغ ہو گیا۔

اپنے خطاب میں آپ بارہا فرماتے کہ جنت میں کوئی بوڑھا نہیں جائے گا۔ بعد انتقال لوگوں نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ آپ کی سفید داڑھی بالکل سیاہ ہو چکی ہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی ۳۰ ۳۲ سالہ جوان لیٹا ہوا ہے۔

یہ چند سطوریں جاں نثار اعلیٰ حضرت کی بیش بہا خدمات کا اعتراف نہیں بن سکتیں۔ ضرورت ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے اس بے لوث ناشر کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے منصوبہ بند انداز میں کام کیا جائے۔

”نور مصطفیٰ“ کا یہ خصوصی شمارہ اپنے متن، اسلوب، طرز نگارش اور پیش کش کے اعتبار سے یقیناً اہل ذوق قارئین کو اپنی

جانب بطور خاص متوجہ کرے گا۔ اور قارئین کے مذہبی، ادبی و فنی ذوق کی تکمیل کے لیے ہم نے اس کے مشمولات میں تنوع اور بوقلمونی کا خیال رکھا ہے۔

اعلیٰ حضرت اردو نعتیہ شاعری میں ایک معتبر و مستند حوالہ تسلیم کیے جاتے ہیں ان کی نعتیں یقیناً مذہبی ادب کو معیار و وقار بخشتی ہیں ندرت بیانی، خوبصورت تراکیب، شائستہ لب و لہجہ محاورات کا جا بجا خوبصورت استعمال اور عشق و محبت کے دل آویز لیکن حقیقت پسند اظہار کے لئے اشعار رضا نعتیہ ادب میں اپنی شناخت و پہچان رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اردو زبان و ادب میں ابھی تک اعلیٰ حضرت کی ادبی خدمات غیر تسلیم شدہ ہیں۔ اب تک عصری درسگاہوں میں رضویات داخل نصاب نہیں۔ اس میں کسی حد تک قصور ہمارا بھی ہے کہ ہم نے حضرت رضا بریلوی کو خالص ادیب و شاعر کی حیثیت سے ابھی تک متعارف نہیں کرایا۔ ان کے تعارفی خاکے میں ایک شاعر و ادیب جو ادبی منظر نامے پہ ابھرتا ہے اس کے آگے پیچھے تقدس کا ایسا ہالہ ہوتا ہے کہ اندر کا شاعر و ادیب کھل کر منظر نامے پر نہیں آ پاتا۔ اس حوالے سے پاک و ہند کے عظیم دانشور، ادیب و قلم کار ڈاکٹر خورشید رضوی نے بھی اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام شہرت و مقبولیت کے مرتبہ بلند پہ فائز ہے۔ تاہم قبول عام بسا اوقات ایک حجاب بھی بن جاتا ہے۔ مولانا کے ساتھ یہی ہوا کہ ان کے عقیدت مندوں کا جذباتی و فوران کے خالص علمی و ادبی مقام کی تعیین میں حارج رہا۔“

”نعت رنگ“ کے مدیر جناب سید صبیح الدین صبیح رحمانی بھی اس حوالے سے اپنے درد و کرب کا اظہار فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”یہ سب باتیں اپنی جگہ لیکن اس امر کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ اب تک مولانا کو بحیثیت شاعر، اردو زبان و ادب کی تاریخ میں وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اس احساس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کی تمام تر مقبولیت کے باوجود تاریخ ادب کا ان کی طرف عدم التفات اور کلام رضا کے اہم فکری، فنی اور لسانی حوالوں کا عصری ادبی مباحث اور تجزیاتی مطالعات میں نظر انداز کیا جانا ہماری تنقید کے آگے ایک بڑا سوالیہ نشان اور ہماری ادبی روایات کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔“

اس کے اسباب و علل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہم نے مولانا کی نعتیہ شاعری کو بنیادی نقطہ نظر سے سمجھنے اور بحیثیت شاعران کی تخلیقی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ خود کی، نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ مولانا کی نعتیہ شاعری اور ان کا شعری عمل خالص ادبی نقطہ نظر سے ہونے والی گفتگو کا وسیع، خیال افزا اور خیال افروز ماحول چاہتے ہیں۔ مگر ہم مولانا کی نعتیہ شاعری کو ان کے دیگر اہم اور موقع کاموں کے ساتھ ملا کر دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ جس کے نتیجے

میں وہ بحیثیت شاعر محدود تر حوالے سے موضوع گفتگو بنتے ہیں اور ایک معروف عالم دین اور مذہبی، مسلکی رہنما کی حیثیت سے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں ادب کے نقاد اور قاری دونوں ہی ان کے کلام پر آزادانہ اور ناقدانہ رائے دینے میں محتاط رویوں کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں“

کچھ یہی احساس ہمارا بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے علم و فکر، تدبر و تفکر، فقہی بصیرت، محدثانہ فہم و فراست، مفسرانہ شعور و آگہی کی بنا پر پوری دنیا میں ایک تسلیم شدہ شخصیت ہیں۔ آپ کی ادبی و شعری خدمات کا جادو بھی مذہبی مجالس و محافل میں سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ وہ کون سا خطہ ارض ہے جہاں ”مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام“ کے بول نہیں گونج رہے ہیں۔ لیکن ہماری کوتاہ نظری کہ ہم اس قدر نعت گو شاعر و ادیب کی شاعرانہ عظمت و رفعت تسلیم کرنے کے لیے کشادہ نظر نہیں۔ اسی داعیے اور پکار کے تحت ہم نے اس خصوصی شمارے کو اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کی مختلف نوع و بنوع جہتوں کے حوالے سے قریب قریب مخصوص کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی نگارشات کا مطالعہ کرنے والے ہر فرد کا یہی اقرار و اعتراف ہے کہ دین کا جو اساسی و بنیادی تصور ہے وہ محبت رسول ﷺ ہے۔ جو آپ کے یہاں بہت عمیاں و بیاں ہے۔ ہندو پاک کے حالات تو اس وقت اس کا بہت شدت سے تقاضا کر رہے تھے کہ محبت رسول ﷺ کا اسیر بنا کر قوم مسلم کو اخوت و اتحاد کی شاہ راہ پر چلا کر معرفت الہی کی منزل سے ہم کنار کیا جائے۔ اس باب میں اعلیٰ حضرت کی عقیدت و نیاز مندی اس حد تک آجاتی ہے کہ آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوال رسول ﷺ کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس درمیان کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے آپ کا نعتیہ دیوان ”حدائق بخشش“، تو نجات اخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی عقیدت و محبت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک دیندار اگر اسے اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں۔

ایک وسیع الخیال، بالغ نظر، لفظیات کے استعمال کے آداب سے آگاہی رکھنے والا نقاد جب ”حدائق بخشش“ کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے تو وہ وسعت قلبی کے ساتھ یہ تاثر پیش کرتا ہے کہ۔ اعلیٰ حضرت کے یہاں تخلیق شعر کا جو ہر بڑا اثر و مند ہے۔ ان کے یہاں نہ تو مضامین کی تشنگی کا احساس ہے نہ لفظیات کے ذخیرے کم پڑتے معلوم ہوتے ہیں رواں دواں قافیے روشن ردیفیں اور دلوں میں کھب جانے والے کلمات جو تا نفس کو چھیڑتے ہیں۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی اردو، فارسی اور عربی تین زبانوں پہ ماہرانہ قدرت رکھنے والے عظیم نقاد و قلم کار ہیں تاریخ پہ بھی ان کی گہری نظر ہے۔ اپنے وسیع مطالعے کے تناظر میں انہوں نے حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ جو خاصے کی چیز ہے۔

دور جدید میں علم کا جس قدر شور ہے، علمی شعور سے آدمی اسی قدر دور ہے۔ انسانی آبادی کی اکثریت علم و فکر کے آبشار سے

دور افتادہ ہے۔

علم و فکر کے ایوان میں جب ہم اپنے اسلاف کے نقوش علمی کی زیارت کرتے ہیں تو عقل ششدر و حیران رہ جاتی ہے۔ اللہ! وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں ان کی گرد قدم سے ہمیں نسبت نہیں۔ علم و فضل کے اس کارواں کا ایک ایک فرد تنہا اپنی ذات میں انجمن ہوتا تھا۔ فضیلتیں ان کے ارد گرد چکر لگاتی تھیں۔ وہ بولتے تھے تو علم و فکر کا آبشار جاری ہوتا تھا۔

اعلیٰ حضرت اسلاف کی انہی روشن و تابناک سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی تھے، علم تفسیر سے لے کر علم حدیث تک، علم توقیت سے لے کر علم حساب تک، علم ہندسہ سے لے کر علم جفر تک علم و فکر کی وہ کون سی شاخ تھی جس پر تیرہویں صدی کے اس بلبل باغ رسالت کی چچھاٹ سنائی نہیں دے رہی ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے ہی کان بند کر لیے ہوں اور آنکھیں حقائق نظری سے موند رکھی ہوں۔ کئی زبانوں پر آپ کو عالمانہ و فاضلانہ قدرت حاصل تھی حضرت رضا کی شاعری وہی تھی۔ ان کے اشعار کی تفہیم و تشریح کے لیے بھی قاری و سامع کا ذوق شعر و سخن اسی قدر بلند ہوگا تب ہی اسے کلام رضا صحیح لطف دے گا اور اس کی حقیقی لذتیں محسوس کر سکے گا ورنہ اس کی داد بھی بے داد ہوگی۔ آپ کی شاعری اردوئے معلیٰ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ آپ کے کلام سے دراصل وہی شخص صحیح طور پر لطف اندوز ہو سکتا ہے جسے عربی فارسی زبان پر اچھی دسترس حاصل ہو۔ حضرت رضاعت گو کی حیثیت سے اپنی ایک مکمل شناخت و پہچان رکھتے ہیں۔ آپ اعلیٰ فکری صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور زبان و بیان پہ بھی عالمانہ قدرت رکھتے تھے۔ فن عروض کی باریکیوں سے بھی آگاہ تھے۔ اور الفاظ کو موسیقیت کی میزان میں تولنے پر بھی قدرت تھی۔ ہر شعر کمال سیرت کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید دانشوروں کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فکر میں گہرائی، نقد و نظر میں توازن ہے۔ ایک ایسے ہی بالغ نظر محقق و دانشور نے کلام رضا کا جائزہ و انتخاب پیش کیا۔ جو اعلیٰ حضرت کے شعری و ادبی مقام و معیار کو متعین کرتا ہے۔

نعتیہ ادب کی شاہ راہ پہ نہ صرف چلنے والے بلکہ اس راہ پہ پورا قافلہ تیار کرنے والے مخلص و بے لوث خدمت گار سید صبیح الدین صبیح رحمانی جو اپنی خدمات کی اساس و بنیاد پہ اس وقت قافلہ سالار نعت بن چکے ہیں۔ یہ نعت گو، نعت خواں اور نعتیہ ادب پہ نئے نئے درتچے کھولنے والے ایسے قلم کار ہیں کہ عقل حیران ہے۔ ذہن صحیح فیصلہ نہیں کر پاتا کہ یہ نعت خوانی عمدہ کرتے ہیں یا نئے لب و لہجے میں نعت نگاری خوبصورت کرتے ہیں یا پھر نعتیہ ادب پر حسین و جمیل رشحات قلم رقم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین فکر، خوبصورت لب و لہجہ اور شگفتہ زبان و قلم کی دولت سے نوازا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند و نیاز مند ہیں۔ نعت سے شغف و تعلق رکھنے کے سبب انہیں سفیران نعت سے فطری لگاؤ و تعلق ہے اس لیے اعلیٰ حضرت سے بھی آپ کی عقیدت و نیاز مندی بحیثیت شاعر نعت زیادہ ہے۔ وہ اس بات پر نالاں رہتے ہیں کہ اب تک اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پہ کما حقہ کام نہ ہو سکا اور ان کی شاعرانہ رفعت و عظمت عصری دانش گاہوں میں غیر تسلیم شدہ ہے جو وقت کا ایک بڑا المیہ ہے اور ہمارے ادبی رویوں کی بے ادبیوں کا اشاریہ بھی۔ انہوں نے اس حوالے سے ”نعت رنگ“ کا ضخیم اور باوقار ”امام احمد رضا نمبر“ شائع فرمایا اور کلام رضا

کی تفہیم و تشریح کے لیے بیس گراں قدر مقالات کا مجموعہ ”کلام رضا: فکری و فنی زاویے“ کے نام سے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل خوبصورت کتاب منظر عام پہ لا کر ان کی شاعرانہ عظمتوں کا مختلف نوع بنوع جہات سے مستند دانش وروں، وسیع انخیال مفکروں اور روشن نگاہ محققوں سے اقرار و اعتراف کرایا ”تفہیم کلام رضا: چند معروضات“ بہت مثبت تحریر ہے جو ہماری کوتاہ نظری پہ کھلی تنقید ہے۔

”سر اپانگاری“ ایک فن ہے اس میں ایک سے ایک فنکار گزرے ہیں اور اس کا اظہار شاعری میں بہت سلیقے مندی سے ہوا ہے عربی، فارسی اور اردو شاعری میں موجود نعتیہ سرمائے میں سر اپانگاری کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے دیوان ”حدائق بخشش“ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف مقدس سے ناخن پاتک مختلف اعضائے بدن کی توصیف کا نظارہ آپ کو حد درجہ نفاست کے ساتھ ملے گا۔ ڈاکٹر محمد افتخار شفیق نے اس تناظر میں اعلیٰ حضرت کے دیوان کا جائزہ لے کر ”کلام رضا میں سر اپانگاری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم“ یہ عمدہ مضمون قلمبند فرمایا ہے۔

دنیا کی وہ کون سی زبان ہے جس میں نعت نبی کی خوشبو نہیں ملتی۔ دنیا کی ساری زبانیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و جمال، خوبیوں و کمال کی گواہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے نعتیہ دیوان میں عربی، فارسی، ہندی، اودھی برج، پنجابی اور ہریانوی زبانوں کے الفاظ کو ہم آہنگ کر کے اپنی شاعری میں ایک نیا لہجہ پیدا کیا ہے۔ آپ سے پہلے شاعری میں ایسے نمونے اگر نظر بھی آتے ہیں تو نمونے کے طور پر لیکن اعلیٰ حضرت نے مختلف زبانوں کے اتصال سے جو نیالب و لہجہ پیدا کیا وہ لسانیات پہ ان کی ماہرانہ قدرت کی شہادت ہے۔ ”حدائق بخشش“ میں شمال مغرب، شمال مشرق، شمال جنوب کی بولیوں کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر تنظیم الفردوس نے ”حدائق بخشش“ کا جائزہ لیتے ہوئے ”کلام رضا کی لسانی تشکیلات اور اس پر مقامی اثرات“ کے عنوان سے تشفی بخش گفتگو کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ خصوصیات کے تعین میں یہ مضمون بہتر رہنما بنے گا۔

مفتی شمشاد حسین رضوی۔ افکار رضا کی اشاعت میں جو قافلہ سرگرم ہے اس کے ایک نمائندہ فرد کی حیثیت سے اہل علم کے درمیان متعارف ہیں فکر میں گہرائی ہے۔

اعلیٰ حضرت اگر عالم شریعت تھے تو علم طریقت میں بھی آپ کا مقام بلند و بالا تھا سلسلہ برکاتیہ سے وابستہ روشن ضمیر صوفی با صفا تھے۔

آپ کی شاعری میں تصوف کے اعلیٰ نکات بیان ہوئے ہیں اور صوفیانہ اثرات قدم بقدم دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے مفتی صاحب نے کلام رضا میں صوفیانہ اثرات کی نشاندہی اپنے مضمون ”امام حمد رضا کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات“ میں کی ہے۔ نیز امام احمد رضا کے علمی نوادرات پر ایک جائزہ لیا ہے۔

کوئی بھی فنکار اپنے عہد اور زمانے کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکا زبان کے اجتماعی نظام کے خول سے باہر نکل کر فکری چراغ نہیں جلا سکتا۔ فنکار اپنے زمانے کی ثقافت کو زبانوں کے اس نظام کے ذریعے خود میں جذب کر لیتا ہے۔ جس کے تحت اس کا ادب پروان چڑھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری بھی اس عمومی جذب و اثر سے محفوظ نہیں رہی اور آپ کی نعتیہ شاعری میں ثقافتی عناصر کا دائرہ سرزمین عرب سے لے کر ہندوپاک کی مذہبی رسمیات تک محیط ہے۔ اس تناظر میں پروفیسر کاشف عرفان نے ”حدائق بخشش“ کا ایک جائزہ اپنے مضمون ”کلام رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل“ میں لیا ہے اور کلام رضا میں مذہبی ثقافت کے اثرات کا اس طرح تعین فرمایا ہے (۱) عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲) قرآن، حدیث اور سنت (۳) تاریخی حقائق (۴) تہذیبی اشتراکات (۵) ثقافتی عناصر (۶) زبانوں کے اشتراکات سے پیدا ہونے والے اثرات (۷) مروجاہی روایت (۸) سپردگی کی کیفیت (۹) مخصوص لفظیات۔

موصوف نے خوبصورت معنویت سے بھرپور جائزہ پیش کیا ہے۔ یقیناً کلام رضا کی تفہیم و تشریح میں نئے ابواب بھی کھلیں گے۔ اس دنیا میں عشق و محبت سے سرفراز ہو جانے والوں نے کائنات کی تسخیر کی ہے اور وہی اپنے عہد کے ذہین ترین لوگ ہیں جنہیں عشق و محبت کا سرمایہ فراہم ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت تو عشق و محبت کے سفیر بن کر رہے، آپ کتاب زندگی کا سرنامہ، مقدمہ تمہید، مضمون، حاشیہ، بین السطور، اختتامیہ سب پر اسی کا عکس و نقش نظر آئے گا۔ ”حدائق بخشش“ سے لے کر ”فتاویٰ رضویہ“ تک ”المملووظ“ سے لے کر تصنیفی خدمات تک ہر جگہ اسی کی جلوہ گری نظر آئے گی ”حدائق بخشش“ تو مکمل اسی کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر و معتبر ہے۔ محترم احمد جاوید نے اعلیٰ حضرت کے دیوان کا ایک جائزہ اسی تناظر میں لیا ہے۔ ان کا مضمون ”کلام رضا: آئینہ مرکز رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ قارئین کو تازہ ہوا کے جھونکے کا احساس دلائے گا۔

شاعری ایک وہی وصف ہے اس میں کسب کا عمل دخل بہت کم ہے۔ شاعری کرنا ہر کہہ و مہ کے بس کی بات نہیں یہ الگ بات ہے کہ شاعری کی مشاطگی میں زبان و ادب اور فن کا عمل دخل ہے لیکن جو شخص زبان و ادب سے واقف ہو وہ شاعر بھی ہو جائے یہ ضروری نہیں اور وہ بھی نعتیہ شاعری جو پل صراط اور تلوار کی دھار پہ چلنے کے مترادف ہے کچھ سہل نہیں۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری میں ہی نہیں بلکہ ان کے بے کراں علوم و معارف پہ گہری نظر رکھنے والوں کا یہی اقرار ہے کہ وہ علم لدنی اور معارف وہی سے فیضیاب تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا جائزہ ناقدین ادب اور ارباب فکر و تحقیق نے الگ الگ انداز میں لیا ہے۔ جناب شمیم احمد بریلوی نے آپ کی نعتیہ شاعری کا فنی و لسانی تجزیہ اپنے مضمون میں پیش کیا ہے جو کلام رضا کو ایک الگ انداز میں سمجھنے کا شعور بخشتا ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد بستوی ایک اسکالر ہیں ان کی فکر و تحقیق کی جولان گاہ شعر و ادب ہے۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پہ انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ علم و تحقیق کی راہ کا مسافر جب شعر و سخن پہ قلم اٹھائے گا تو اس کے خیالات و افکار میں علم و فکر کے نقوش روشن و تاباں ہوں گے۔ موصوف نے اعلیٰ حضرت اور ان کے برادر اصغر حضرت حسن رضا بریلوی کی

نعتیہ شاعری کا ”مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک موازناتی مطالعہ“ کے عنوان سے ایک اچھا خلاصہ مطالعہ پیش کیا ہے ”الاستمداعلیٰ اجیاد الارتراد“ یہ بھی اپنی گراں قدر تحریر پیش فرمائی ہے جو اہل ذوق کے لیے توجہ طلب چیز ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا علم کا جبل شامخ اور عبقری روز روز خاکدان گیتی میں جنم نہیں لیتا بلکہ فلک کی برسوں کی گردش کے بعد خاک کے پردے سے ایک ایسا انسان جنم لیتا ہے جس پہ انسانیت ناز کرتی ہے۔ آپ نے اپنی خداداد علمی و فکری صلاحیتوں کا فیضان عام و تمام کیا اور کس کشت پہ اعلیٰ حضرت کا جھالا نہیں برسا علم و فکر کی تمام کھیتیاں اسی علمی آبشار سے سرسبز و شاداب نظر آرہی ہیں۔ تصنیف، تالیف، فتویٰ نویسی، تدریس، تبلیغ، تقریر علم و فکر کا ہر میدان آپ کی جولان گاہ رہا۔ آپ نے تدریس کا سلسلہ کسی درس گاہ کی مسند تدریس سے وابستہ ہو کر نہیں شروع فرمایا بلکہ اس سلسلہ الذہب کا آغاز حصول علم کے زمانے میں ہی ہو چکا تھا یہی سبب ہے کہ آپ علمائے کرام کے لیے مرجع بن گئے اور دور دراز سے طلبہ آ کر استفادہ کرتے۔ آج ہندوپاک میں علم و فکر کے جتنے بھی چراغ جل رہے ہیں ان تمام میں بالواسطہ روغن اسی مرکز علم و فن بریلی شریف کا ہے۔

آپ کا انداز تدریس بھی بہت نرالا اور انوکھا ہوتا تھا اس تعلق سے حضرت مولانا مفتی سید محمد شاہد علی رضوی علیہ الرحمہ نے عمدہ تحقیقی کاوش پیش فرمائی ہے۔ جو رضا شناسی میں نئے ابواب کھولنے میں مدد و معاون ہوگی۔

اس طرف کچھ دنوں سے یہ بحث چل رہی ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنا درست ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اندھی عقیدت کے شکار ہیں؟ نیاز مندی کے جذبے سے مغلوب ہو کر ہم نے یہ نعرہ ایجا د کر ڈالا اور ایک غیر حکیمانہ روش پر چلنے کے لیے پوری جماعت کو مجبور کر دیا۔ پس منظر اور پیش منظر سے آنکھیں موند کر کر اور نہ تقلید کی راہ پہ چل پڑے۔ مفتی محمد عیسیٰ رضوی شگفتہ قلم کے مالک ہیں افکار میں وسعت اور گفتگو میں شائستگی ہے اس حوالے سے انہوں نے اپنے افکار کی خوشبو بکھیری ہے اور ”مسلک اعلیٰ حضرت ضرورت، اہمیت اور افادیت“ پہ کھل کر بحث فرمائی ہے۔

مولانا سید اولاد رسول قدسی علم و فکر کا یہ آبشار کے خلاف بند باندھنا اور عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت کی وضاحت۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے نور کشید کر کے انہوں نے عقیدہ ختم نبوت پہ عمدہ مضمون قلم بند فرمایا ہے۔ ماہ ربیع النور کی آمد آمد ہے۔ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت سے سیرت کے اہم گوشے ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہیر اجداد کرام“ ان کی عمدہ کاوش زینت شمار ہے۔

دور جدید میں رویت بلال کا مسئلہ کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہو گیا ہے یا کر دیا گیا ہے۔ بالخصوص عید کا چاند تو علماء، ائمہ کے لیے مسرت و شادمانی نہیں بلکہ رنج و آلام کی فضا قائم کر دیتا ہے۔ علمائے کرام کے طبقہ اولیٰ کو اس سلسلے میں بیٹھ کر کوئی متفقہ لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔ اس سال بھی ۲۹ رمضان کو کچھ ایسا ہی ہوا۔ بات عقل سے بھی بہت دور ہے کہ جو ذمہ دار ادارہ ۲۹ رمضان کو

چاند کا اعلان جس بنیاد پہ کرتا ہے دو ماہ بعد عید الاضحیٰ کے اعلان رویت ہلال کے موقع پر وہ اس بنیاد کو عملاً رد کر دیتا ہے۔ کیا شریعت میں اس کے لیے دو الگ الگ پیمانے ہیں؟ اس حوالے سے مفتیان کرام کی تحریروں کی روشنی میں ”مسئلہ رویت ہلال: پس منظر اور پیش منظر“ آپ کو دعوت فکر دے گا۔

علم و فضل کی بلندی پہ جانے والوں کے ساتھ یہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے کہ ان کے حاسدین بھی پیدا ہوتے رہے۔ لیکن تیرھویں صدی کے اس مجدد کے جس قدر حاسدین ہیں شاید کسی دوسرے کے حصے میں نہ آئے ہوں جماعت مخالفین سے لے کر جماعت موافقین تک ہر جگہ آپ کے حاسدین و مخالفین ملیں گے بلکہ کچھ لوگوں کا تو مقصد تبلیغ ہی آپ کی مخالفت ہے۔ رضا شناسی کی تحریک میں رنگ و روغن فراہم کرنے والا جو قافلہ ہے اس میں ڈاکٹر ساحل سہسرامی کا نام بھی اہمیتوں کا حامل ہے۔ ”امام احمد رضا کی مقبولیت اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں“ کے عنوان پہ انہوں نے ایک جائزہ پیش کیا ہے۔

مفتی مطیع الرحمن رضوی مظفر پوری ہمارے اکابر اسلاف کے پروردہ ہیں سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے فیض یافتہ ہیں۔ ایک عرصہ بریلی شریف کی باوقار درسگاہ میں مسند تدریس سجائی، فقہ و افتاء میں آپ بالغ نظر اور دور رس ہیں فتاویٰ کی زبان شگفتہ، شستہ اور رواں ہے تحریر میں اسلاف کی جھلک ملتی ہے۔ آپ سے مولانا رحمت اللہ صدیقی نے جماعت کے سلگتے ہوئے حساس مسائل پہ ایک انٹرویو لیا ہے۔ جو باذوق قارئین کی نذر ہے۔

اعلیٰ حضرت کی علمی، فکری سیادت و قیادت کی بنیاد پہ اہل علم کے دل و دماغ کا سارا کھنچاؤ بریلی شریف کی طرف ہونے لگا۔ آپ مرجع فتاویٰ اور مرکز علمائے گئے اور بریلی شریف اہل سنت و جماعت کا مرکزی مقام قرار دیا گیا۔ جماعتی سطح پہ شیرازہ بندی کے ساتھ وہاں سے قیادت بھی ہوتی رہی۔ اس طرف بریلی کی مرکزیت پہ سوال اٹھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری ہماری جماعت میں سنجیدہ، متین قلم کار اور دانشور کی حیثیت سے متعارف ہیں انہوں نے ”بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟“ کے عنوان پہ بہت تفصیل سے سارے پہلوؤں کا منصفانہ جائزہ لیا ہے۔ اس موضوع پہ پیدا ہونے والے اعتراضات کے خلاف ایک مضبوط بند باندھا ہے۔

دیگر اہل علم و فکر کے قیمتی مضامین بھی آپ کے ذہن و فکر پہ دستک دیں گے۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ کا یہ خصوصی شمارہ آپ کو کیسا لگا اس سلسلے میں ہمیں اپنے قارئین کی آراء کا شدت سے انتظار رہے گا۔ امام

اہلسنت نمبر کی تقسیم میں ہم اپنے قارئین کا تعاون بھی چاہتے ہیں۔

ملک مظفر سہسرامی

۱۵/۱۲/۲۰۱۹ھ

باب دوم پیغامات

جانشین تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری
محترم سید صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالب خیر مع الخیر ہے۔

یہ جان کر بے پناہ خوشی ہوئی کہ آپ کے ادارہ ”الجامعۃ
الرضویہ“ پٹنہ سٹی کی جانب سے میرے جد کریم، اعلیٰ حضرت،
مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی رضی
اللہ عنہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ”نور مصطفیٰ“ کا خصوصی
شمارہ ۱۰۱ ویں عرس رضوی کے موقع پر ”امام اہل سنت
نمبر“ کی شکل میں منظر عام پر آ رہا ہے، آپ کی اس کاوش پر
میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مذکورہ شمارہ اعلیٰ
حضرت کے افکار و نظریات اور آپ کی تعلیمات کے نئے
گوشوں کو اجاگر کرے گا۔

صوبہ بہار سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خانوادہ
رضویہ کے دیگر تمام اکابر کا خصوصی لگاؤ اور رشتہ رہا ہے، پٹنہ ہی
کی سرزمین پر سرکار اعلیٰ حضرت کو مجدد کے عظیم الشان لقب
سے ملقب کیا گیا، ملک العلماء، قاضی عبدالوحید فردوسی اور علامہ
سید سلیمان اشرف بہاری جیسے وفاشناس اور رضویات کے
آفتاب و ماہتاب اسی دیار و امصار کے مطلع پر نمودار ہوئے،
جن پر اعلیٰ حضرت کو کس قدر اعتماد تھا یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں اور
ان حضرات نے اعلیٰ حضرت کے ساتھ کیسی وفاداری کا مظاہرہ
کیا یہ بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔

ایسے میں وہاں مسلک اعلیٰ حضرت سے منسوب جو بھی

ادارے سرگرم عمل ہیں ان کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی

ہیں، ان کا ایک ایک عمل مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان اور امام
اہل سنت کی تعلیمات کا آئینہ دار ہونا چاہئے، ایسا ہرگز نہ ہو کہ
ان اداروں کے کردار و عمل سے مذہب و مسلک کی روح
مجروح ہو، اور مخالفین کو انگشت نمائی کا موقع مل جائے۔

والد گرامی کی جانب سے جو مناصب مجھ حقیر کو تفویض کئے
گئے ان کے مقتضیات کے پیش نظر ہم یہ بر ملا کہتے ہیں کہ ہمارا
موقف، مسلک اور نقطہ نظر وہی ہے جو ہمارے اکابر و اجداد کا رہا
ہے، اسی میں ہم سب کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی مضر
ہے، ہم آپ سے اور وہاں کام کر رہے اہل سنت کے دیگر اداروں
سے یہی امید کرتے ہیں کہ آپ اور دیگر سبھی ادارے مسلک کی صحیح
ترجمانی کا حق ادا کریں گے، وقت کم اور کام زیادہ ہے اس لئے ہم
سب کو مل کر اس عظیم مقصد کے لئے کام کرنا چاہئے۔

انخیر میں آپ اور آپ کی ٹیم کے جملہ علما اور اہل قلم
بالخصوص مولانا ملک الظفر سہرامی، فاضل بغداد مولانا انیس
عالم سیوانی اور مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحبان کو مبارکباد پیش
کرتا ہوں اور سب کے حق میں دعا گو ہوں کہ رب کریم ہم
سب کو ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رکھے اور دنیا و آخرت میں
سرخروئی عطا فرمائے آمین۔

محمد عسجد رضا خاں قادری

خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ تاج الشریعہ، بریلی شریف

۱۱ صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

شہزادہ صدر الشریعہ، حضور محدث کبیر
علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری
نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

اما بعد

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ کے مشہور ادارہ ”الجامعۃ الرضویہ“ کے زیر اہتمام عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر ”نور مصطفیٰ پٹنہ“ کا امام اہلسنت نمبر شائع ہو رہا ہے۔ میں اپنی مصروفیات اور ضعف کے سبب کوئی تفصیلی مضمون تو نہیں چند دعائیہ کلمات کے توسط سے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ عزیز مکرم سید ولی الدین رضوی اور حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کو اللہ تعالیٰ اس کوشش میں سرخرو فرمائے اور غیب سے ان حضرات کی مدد فرمائے آمین۔

مجھے امید ہے کہ پٹنہ کی سرزمین پر ”الجامعۃ الرضویہ“ مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے بہتر اور امید افزا خدمات کے ذریعہ مذہب اور خلط ملط کی پالیسی اختیار کرنے والوں کے لئے چراغ سحری کا کام کرے گا۔

حالات بہت پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں، بالخصوص مذہب و مسلک کے حامیوں کے لئے پُر اسرار تاریکیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، عوام تو عوام خواص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت سے باز رکھنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ہمارے ملک کی سیاست، مسلمانوں کی نوجوان نسل، مدارس کے ذمہ دار حضرات اور مذہب کا دم بھرنے والے لوگ، جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیں ہر چہار جانب فکری اور

نظریاتی طور پر عجیب و غریب کشمکش پھیلی ہوئی ہے۔ ان حالات اور پس منظر میں ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ مخلصانہ طور پر خدا و رسول کی رضا کے لیے کام کریں، ”مسلک اعلیٰ حضرت“ کا نعرہ لگانا اعلیٰ حضرت پر تقریر اور مضمون تحریر کرنا آسان ہے، اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلک اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں، آج کا بڑا مسئلہ اختلاط کی پالیسی ہے، افسوس ہے ان تمام حضرات پر جو لوگ جانے انجانے میں صلح کل کی روش اپنا رہے ہیں، اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں، سرکار مفتی اعظم، میرے والد ماجد حضور صدر الشریعہ اور استاذی الکریم جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہم الرحمۃ کا مذہب و مسلک وہی تھا جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں اور فتووں میں مذکور و مسطور ہے نہ ہم اس سے الگ ہو سکتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کی حمایت کر سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہ الکریم اپنے کرم خاص سے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل ہم سب کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائے اور ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے آمین

ضیاء المصطفیٰ قادری جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

۱۱ صفر ۱۴۴۱ھ بروز جمعہ مبارکہ

استاذ الاساتذہ، جامع معقول و منقول

علامہ وصی احمد وسیم صدیقی

سابق وائس پرنسپل الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی فیض آباد

عزیزان گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ادیب شہیر حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب

اور جماعت کے ذی ہوش، وفا شناس افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ الجامعۃ الرضویہ اس وقت پٹنہ کی سرزمین پر خالص مذہبی نقطہ نظر سے جو اقدامات کر رہا ہے اس کی ہم سب کو حمایت اور پُر زور تائید کرنی چاہئے۔

وصی احمد وسیم صدیقی گوپال گنج (بہار)

یکم صفر ۱۴۴۱ھ

حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، مظفر پور

امام اہل سنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ القوی اس یگانہ روزگار، معجزہ نبی مختار، نعمت پروردگار، شخصیت باوقار کا نام نامی اسم گرامی ہے جس کی خدا داد اور گونا گوں صلاحیتوں کا عرب و عجم نے نہ صرف علوم دینیہ بلکہ علوم عقلیہ اور سیاسی بصیرت کا اعتراف کیا اور انہیں اپنا امام و پیشوا مانا ہے۔

تحریک آزادی ہو یا مسئلہ خلافت و امامت و ترک موالات، عقیدہ توحید و الوہیت ہو یا تحفظ ناموس رسالت، عبادات ہوں یا معاملات، غرض جس موضوع پر قلم اٹھایا حق تحقیق ادا فرمادیا سچ ہے جس سمت آگے ہو سکے بٹھادیے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی مختلف دینی علمی و فنی خدمات پر مستقل خصوصی شمارے منظر عام پر لائے جائیں تاکہ خدمت فقہ و افتا کے علاوہ ان علوم و فنون میں بھی آپ کی انفرادی خدمات اجاگر ہو سکیں جنہیں معاصرین سے لے کر اگلے، پچھلوں نے ہاتھ تک نہیں لگائے۔

مجھے حیرت کے ساتھ مسرت بھی محسوس ہو رہی ہے کہ اس میدان کے شہسوار نہ ہوتے ہوئے بھی محدود وسائل کے

کے ذریعہ یہ جان کر حد درجہ مسرت ہوئی کہ الجامعۃ الرضویہ کے زیر اہتمام جاری ہونے والا مجلہ ”نور مصطفیٰ“ کا خصوصی شمارہ اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت رضی المولیٰ تعالیٰ کی عالمی آفاقی شخصیت کے حوالہ سے منظر عام پر آنے والا ہے۔ اس کوشش کی سرانہانہ کرنا بڑی نا انصافی ہوگی۔

کیونکہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہم سب کے محسن اور بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد کے محافظین میں سرخیل اور علمبردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت پوری زندگی اپنی گفتگو، اپنے فتووں، تحریروں سے اللہ و رسول کے دشمنوں کی سرکوبی فرماتے رہے، ان کی حیات مبارکہ کا ہم پہلوان کا عشق رسول اور خدا کے محبوب کے باغیوں کی ناکہ بندی کرنا رہا ہے۔

ہمیں خوشی ہو رہی ہے کہ صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ سے الجامعۃ الرضویہ اعلیٰ حضرت پر خصوصی شمارہ شائع کر کے اس روایت کو آگے بڑھا رہا ہے جس کی ابتدا ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین بہاری، امام المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، علامہ قاضی عبدالوہید فردوسی، مشہور و معروف بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن محلی، محدث اعظم بہار حضرت مولانا احسان علی مظفر پوری، شیخ الشیوخ حضرت تیغ علی شاہ علیہم الرحمہ جیسی مقبول شخصیتوں نے کی تھی، آج کے دور میں پہلے کے بالمقابل اس امت کو اعلیٰ حضرت کی ضرورت اور زیادہ ہے، جس قدر فتنے رونما ہونگے ان کے سدباب کے لیے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔

میں ”نور مصطفیٰ“ کی پوری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں

باوجود محب گرامی قدر جناب سید محمد ولی الدین رضوی نے سال گزشتہ ”معارف تاج الشریعہ“ کے نام سے ایک ضخیم و وسیع نمبر شائع کر کے تحسین و آفریں حاصل کی تو اس بار عرس رضوی کے حسین موقع پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی بارگاہ عالی جاہ میں قیمتی معلومات اور چشم کشا تحریرات پر مشتمل ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت کر کے سچا خراج عقیدت پیش کرنے جا رہے ہیں اس قابل تقلید مبارک اقدام پر دلی مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ان کے حوصلہ کو سلام اور دعائے دوام۔

اس سفر میں الجامعۃ الرضویہ کے لائق و فائق سرپرست حضرت علامہ محمد ملک الظفر سہرامی اور مجلس ادارت کے رفیق کار حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی اور باخلاص معاون و مددگار حضرت مولانا انیس عالم سیوانی بغدادی کو بھی ہدیہ تبریک، جن کے مفید مشوروں، عملی قربانیوں کے ساتھ قلمی تعاون اور مضامین کی فراہمی نیز ترتیب و تہویب غرض مختلف مراحل میں ان کا سہارا و سنبھالا ملتا رہا۔ مولیٰ تعالیٰ ان سب کے ساتھ اس ناچیز کو بھی آسیب روزگار سے محفوظ رکھے اور آپس میں اخوت و مودت ایثار و قربانی، مہتر شناسی، کہتر نوازی اور جملہ اوصاف حمیدہ سے متصف بنائے اور خدمت مسلک و ملت کی توفیق ارزانی فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دعا گو و دعا جو

محمد مطیع الرحمن غفرلہ رضوی

جامعۃ الخضر، مظفر پور

۸ صفر ۱۴۴۱ھ ۱۹/۱۰/۸

حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری

محب مکرم نازش صحافت گل بزم ادب مولانا رحمت اللہ صدیقی قادری رضوی صاحب زید مجددہ کے ذریعہ یہ فرحت بخش اور مسرت خیز خبر موصول ہوئی کہ ناشر اسلام و سنیت، پاسبان مسلک اعلیٰ حضرت، زیب و زینت سیادت، گل گلزار الفت کرم نواز حضرت سید محمد ولی الدین رضوی صاحب دام مجدہم کی جدو جہد اور ان کے رفقاءے کار کی کد و کاوش سے ”عرس اعلیٰ حضرت“ کے پُر بہار اور سعید و حمید موقع پر ”امام اہل سنت نمبر“ منظر عام پر آ کر باعث انبساط اور وجہ ازدیاد نور و سرور ہوگا۔

بلاشبہ اس دور پر فتن اور عہد بلا خیز میں ایمان و عقیدے کا تحفظ، اعتقاد و عمل کی تطہیر اور گفتار و کردار کی پاکیزگی کا اطمینان بخش درس اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، کنز الکرامت، جبل الاستقامت، امام العارفین، قدوة السالکین، زبدۃ الواصلین، مجددین و ملت سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کی تالیفات، تصنیفات، ارشادات، ملفوظات، فقہیات اور تعلیمات میں ہے۔

لہذا اس عظیم محسن اور ملک و ملت کی ہمہ جہت شخصیت کے انوار و تجلیات سے نسل نو کے قلوب و اذہان کو روشن و تابندہ کرنا وقت کا اہم تقاضہ بلکہ یک گونہ قلمی جہاد بھی ہے۔

میں اس ساعت خیر و برکت میں رسالہ ”نور مصطفیٰ پٹنہ“

کے ارباب حل و عقد با انخصوص حضرت مولانا ملک الظفر

سہرامی، آفت جان صلح کلیت فاضل بغداد حضرت مولانا

انیس عالم سیوانی کو گل دستہ تہنیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ

رب قدیر جملہ مجاہدین مسلک کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول بخشے

اور بیش از بیش خدمت کی سعادت ارزانی فرمائے آمین۔ فقط

محمد اختر حسین قادری غفرلہ

خادم دارالعلوم علییہ جمد اشاہی، بستی، یوپی

۲۸ / محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد مصباحی برکاتی

نازش فکروفن، فخر اہل سنن، زینت صحافت، فدائے اعلیٰ

حضرت، حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی زید حکیم

مدیر اعلیٰ پیغام رضا بمبئی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ سن کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ آپ ماہنامہ ”نور مصطفیٰ“

متعلقہ الجامعۃ الرضویہ مغلیہ پٹنہ کے بینر تلے امام اہلسنت

نمبر کی اشاعت کے سلسلے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اپنی

تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان دنوں پٹنہ میں فرودکش ہیں،

میں اس تاریخ ساز نمبر کی اشاعت پر آپ کو اور آپ کی پوری

ٹیم کو بالخصوص مخیر قوم و ملت، جناب سید ولی الدین رضوی

صاحب کو ہزار بار مبارک باد، ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

آپ نے ہمیشہ فکر رضا کی ترسیل اور مسلک اعلیٰ حضرت

کی بے لوث خدمت میں کلیدی رول ادا کیا ہے اور مسلک کے

خلاف اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی میں بھی آپ کا اہم کردار رہا

ہے۔ اور آج بھی آپ اپنے ان اسلاف کی روایات کو آگے

بڑھا رہے ہیں جنہوں نے اپنا خون جگر بہا کر گلشن رضویت کو

تروتازگی اور رعنائی بخشی ہے۔ آپ کا حال آپ کے شاندار

ماضی سے پیوستہ ہے، آپ کے زیر ادارت اب تک جو بھی

نمبرات شائع ہوئے وہ علمی اور ادبی حلقوں میں اپنی مثال

آپ ثابت ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مضامین

کے انتخاب، مواد کی فراہمی، اور عمدہ قلم کاروں سے مسلسل

رابطے میں آپ کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور ہر نمبر میں خود آپ کا

محیط اور مبسوط علمی، ادبی، فکری مقالہ نہ صرف نمبر کی شان

و عظمت میں چار چاند لگاتا ہے بلکہ رضویات پر آپ کے

حاکمانہ دسترس، اور امام احمد رضا کے علمی کمالات پر آپ کی

گہری بصیرت کا پتہ دیتا ہے اور گزشتہ کئی سالوں میں مخالفین

رضا کا جس طرح آپ نے تعاقب کیا ہے اور جس طرح آپ

نے ان کی مضبوط علمی گرفت کی ہے، اس نے اچھے اچھے

ادیبوں کی نیند اڑا دی ہے۔ وہ آپ ہی ہیں جس نے شتر بے

مہار کی طرح زباں چلانے والے خطیبوں اور بدست شراہیوں

کی طرح لڑکھڑانے والے قلم کاروں کی تکلیف میں ایک

حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ اللہ رب العزت آپ کو دفاع

امام احمد رضا پر دنیا اور آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ذات پر نمبر نکالنا اور ان کی

زندگی کے نئے گوشوں کو اجاگر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

امام احمد رضا کی ذات علم و عرفان کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ اس

عبقری ذات پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے بہت کم

ہے جو باقی ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے ترین (۵۳) سالہ

دور تصنیف و تالیف میں سو (۱۰۰) سے زائد علوم و فنون پر

مشتمل ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں، لاکھوں

تحقیقی فتاویٰ تحریر فرمائے، ہزاروں فتاویٰ جو رجسٹر میں نقل نہ

ہو سکے وہ غائب ہو گئے۔

فتاویٰ رضویہ کی کئی جلدیں جس میں کتاب الطلاق،

کتاب السیر، کتاب الحظر والاباحۃ، سے متعلق ہزاروں

پر بھی زمین کی جنس سے ہونے کا شبہ گزرتا ہے اس پر جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنی تحقیقات کے دریا بہائے تو بڑے بڑے محققین کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ نے تحقیق فرمائی کہ ایک سو اسی (۱۸۰) چیزوں سے تیمم جائز ہے جبکہ فقہائے متقدمین کی کتابوں میں صرف تہتر (۷۳) چیزوں کا ذکر ملتا ہے ایک سو سات (۱۰۷) چیزوں کا استخراج خود امام احمد رضا کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

اور جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں جبکہ ان پر بھی بظاہر جنس ارض سے ہونے کا شبہ گزرتا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو بتیس (۱۳۲) ہے۔ کتب فقہ میں صرف انسٹھ (۵۹) چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس میں تہتر (۷۳) چیزوں کا اضافہ فرمایا جو آپ کی خداداد قابلیت اور غیر معمولی فقہی بصیرت کا بین ثبوت ہے، اس قسم کے صدہا مسائل ہیں جن کی اعلیٰ حضرت نے ایسی نفیس تحقیق فرمائی جو کہیں کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی وہ سب اعلیٰ حضرت کا استخراج اور استنباط ہے جو قلب امام احمد رضا پر مبداء فیاض کے فیضان کا ثمرہ ہے۔

اسی طرح جب پانی کی تحقیق اور اس کے اقسام کی تفصیل پر اعلیٰ حضرت نے قلم اٹھا یا تو بڑے بڑے دانشوروں اور محققوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ پانی کی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے اور ایک سو پچیس (۱۲۵) قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز نہیں اور بیس (۲۰) قسمیں ایسی ہیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اور پینتالیس (۴۵) قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی جواز اور عدم جواز کا فیصلہ نہیں

فتوے تھے وہ اب تک نایاب ہیں۔ اور کتاب الطلاق، کتاب السیر، کتاب الحظر والاباحتہ سے متعلق موجودہ فتاویٰ رضویہ میں جو فتاویٰ چھپے ہیں، یہ وہ ہیں جو ان جلدوں کے غائب ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمائے۔ اگر اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے تمام فتاویٰ محفوظ ہوتے تو فتاویٰ رضویہ کی جلدیں ۱۲ سے زائد ہوتیں، یہی حال اعلیٰ حضرت کے رسائل کا بھی ہے۔ سینکڑوں رسائل اب تک غائب ہیں، کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اہل علم و دانش خود غور فرمائیں: جب امام احمد رضا قدس سرہ روزانہ سولہ سولہ گھنٹہ، سترہ سترہ گھنٹہ لکھتے تھے، اور مسلسل تریں سال تک لکھتے رہے جن کی یومیہ تحریر کا اوسط تقریباً چھپن صفحات ہوتے ہیں۔ اور محققین کے ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کے کل صفحات کی تعداد دس لاکھ پینسٹھ ہزار آٹھ سو پینتالیس (۱۰۶۵۸۴۵) ہوتے ہیں۔ ان کے علمی فکری، لسانی اور تحقیقی خدمات کا تعارف کیا کوئی آسان کام ہے؟

اعلیٰ حضرت کے تجربہ علمی، وسعت مطالعہ، شانِ تفقہ، اور مجتہدانہ بصیرت کا یہ عالم ہے کہ بعض مسائل کی تحقیق، تفصیل اور تشقیق میں فقہائے ماسبق پر بھی سبقت لے گئے۔ مثلاً مسائل تیمم ہی کو سامنے رکھئے۔ کن کن چیزوں سے تیمم جائز ہے اور کن کن چیزوں سے تیمم جائز نہیں۔ اس سلسلے میں فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جو چیزیں زمین اور زمین کی جنس سے ہیں ان سے تیمم جائز ہے اور جو چیزیں زمین اور زمین کی جنس سے نہ ہوں ان سے تیمم جائز نہیں، کیا کیا چیزیں زمین کی جنس سے ہیں اور کیا کیا چیزیں زمین کی جنس سے نہیں ہیں، جبکہ ان

کیا جاسکتا اور یہ مؤخر الذکر قسمیں از اضافات رضویہ ہیں

(فتاویٰ رضویہ جلد اول، باب المیاء)

مسئلہ لمحہ کی سب سے تفصیلی بحث شرح وقایہ میں موجود

ہے اور اس کی کل پندرہ (۱۵) صورتیں ذکر کی گئیں ہیں۔ لیکن

جب امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس پر قلم اٹھایا تو اس

کی اٹھانوے صورتیں اہل علم کے سامنے پیش کر دیں اور اس

پر وارد ہونے والے تمام شہادت کا ایسا ثانی و کافی جواب تحریر

فرما دیا کہ تمام کتب فقہ اس سے خالی ہیں۔ بلاشبہ امام احمد رضا

کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ اور ژرف نگاری اور اصابت فکر و نظر

اس بات پر روشن دلیل ہے کہ امام احمد رضا کا علم، علم و صہی تھا،

کسی علم کا یہ جلوہ نہیں ہو سکتا۔

برصغیر ہندوپاک میں امام احمد رضا نے فقہ حنفی کی تنہا جو

خدمت کی ہے وہ گزشتہ دو صدیوں میں پوری جماعت کی مجموعی

خدمت پر بھاری ہے اسی لیے سید محمد یوسف شاہ بنوری کراچی

کے والد سید زکریا شاہ بنوری پشاور نے پشاور کی ایک مجلس میں

برجستہ فرمایا: ”اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا خاں

بریلوی کو نہ پیدا فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی۔“

(فصل بریلوی اور ترک موالات، ص ۱۰۰)

اور حافظ کتب حرم سید اسماعیل ابن خلیل کی امام احمد رضا

کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگر امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ آپ

کے فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور

اس کے مؤلف (یعنی امام احمد رضا) کو اپنے خاص شاگردوں

میں شامل فرما لیتے۔“ (الاجازات المتینہ)

امام اہل سنت نمبر کے لیے آپ نے پٹنہ کی سرزمین کو

منتخب فرمایا ہے یہ بھی کسی نیک فال سے کم نہیں۔ یہ وہی عظیم

آباد پٹنہ ہے جس کی ایک تاریخی کانفرنس منعقدہ ۱۳۱۸ھ /

۱۹۰۰ء جس میں ہزاروں سامعین، سینکڑوں مقامی و بیرونی

علماء و مشائخ شریک رہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولانا عبد

القادر بدایونی، مولانا معوان حسین رامپوری، علامہ ہدایت

اللہ رامپوری، سید شاہ عبدالصمد پھونڈوی، مولانا محب احمد

بدایونی، مولانا عبدالکافی الہ آبادی، سید محمد فاخر الہ آبادی،

وغیرہ اسی تاریخ ساز کانفرنس میں مولانا عبدالمتقن بدایونی نے

سب سے پہلے امام احمد رضا کو ”مجدد مآد حاضرہ“ کہہ کر مخاطب

کیا اور تمام علماء و مشائخ اور عوام و خواص نے اس کی بھرپور

تائید و توثیق کی۔ علماء و مشائخ کی تعداد ایک ہزار سے زائد

تھی۔ حیات اعلیٰ حضرت میں ۳۱۳ شخصیات کا ذکر ہے۔

عالم اسلام میں اس شان و شوکت کے ساتھ اب تک کسی کی

مجددیت کا اظہار و اعلان نہیں ہوا ہے۔ میں دل کی گہرائیوں

سے آپ کو حضرت مولانا ملک الظفر سہرامی اور سید ولی

الدین رضوی بلکہ الجامعۃ الرضویہ مغلیہ پٹنہ کے تمام اساتذہ کو

مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل

میں بے پناہ برکتیں نازل فرمائے اور اس نمبر کو قبول عام اور مقبول

انام بنائے اور الجامعۃ الرضویہ مغلیہ پٹنہ کو مسلک اعلیٰ حضرت کا

سچا داعی و ترجمان بنائے۔ آمین بجاہ حمیدہ سید المرسلین۔

شمشاد احمد مصباحی

خادم جامعہ مجددیہ رضویہ گھوسی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

مطابق ۲۸ ستمبر ۲۰۱۹ء

مفکر اسلام حضرت مولانا سید اقبال حسنی گویا

محترمی حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی زید مجدک
العالی، تسلیمات وافرہ!

ماہنامہ ”نور مصطفیٰ“ پٹنہ سیٹی کے ”امام اہلسنت نمبر“ کی اشاعت کی تیاریوں کی اطلاع جملہ محبان رضا کے لئے بالعموم اور بہار کی مذہبی صحافت کے لئے بالخصوص نسیم سحری کے لطیف جھونکوں کی مانند ہے۔ آپ کی قیادت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے تئیں آپ کی جانثاری وحمیت کے سائے میں ملک التحریر حضرت مولانا ملک الظفر سہرامی کی ادارت، فکر رضا کی زمین پر ابر باراں کی طرح ہے۔ مستزاد یہ کہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی کے جنرل سکریٹری جناب سید محمد ولی الدین رضوی صاحب کی پیرخانہ سے والہانہ وابستگی جگ ظاہر ہے، اس طرح یہ نمبر دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بن کر ان شاء اللہ معرض وجود میں آ رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی قوم کو اپنی تاریخ کے مایہ ناز سپوتوں اور لائق احترام و التقیاد شخصیات سے رو بہ رو کرانا تقاضائے انصاف بھی ہے اور علمی و تاریخی دیانت کا اظہار یہ بھی، کیونکہ قومیں اپنے اسلاف کی تاریخوں کے سائے ہی میں زندہ اور متحرک رہتی ہیں، جو قوم اپنے قابل تقلید پیش رو، محسنین کی سوانح حیات اور کارناموں سے نابلد رہی، وہ ناکام و نامراد ہی رہی۔ اس حوالے سے قوم مسلم کا معاملہ واقعی اک طرفہ تماشا ہے۔ بالخصوص فارغین جامعات کی اکثریت اپنے مقالات، مضامین، رسائل، اخبارات اور جراند میں جہاں کہیں علمی، ادبی، تحقیقی، اخلاقی، سماجی، سیاسی اور معاشرتی سرخیلوں کے نظائر پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے فوراً ہی

ارسطو، بیکن، بطلیموس، نیوٹن، رستم و سہراب و افراسیاب، نوشیروان عادل و حاتم طائی، سیکس پٹر، ہومر، نیولین، کارل مارکس، فردوسی اور اسپارٹا اور دیگر فرما روایان عالم اور محققین و اسکالرس کے اسمان کے نوک قلم پر آجاتے ہیں اور حیدر و عمر، خالد و طارق، ابوذر و امام جعفر، رازی و غزالی، رومی و جامی، سعدی و ابن جریر، ابن اثیر و ابن خلدون، ابن سعد و سیوطی، بخاری و مسلم، ابن ہشام، ترمذی اور واقفی کی تاریخیں اور ان کے کثیر الجہات کارنامے ذہن سے اڑن چھو ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی پراگندہ خاطر اور مخبوط الخیال افراد کو مختلف الانواع تحقیقات، توضیحات اور ایجادات کی حد تک علمی ادراکات رکھنے والی شخصیت امام اہل سنت مجدد دوراں امام احمد رضا خاں کے ذریعہ علوم و معارف، مذہبی و اخلاقی اور ذہنی راستی کا صلئے عام اور علم و ادب کا جام عطا کرنے والے محقق و مجدد کے جملہ ناقابل تسخیر کارناموں کو یکجا کر کے AT A GLANCE پیش کرنا وقت کا ناقابل تردید تقاضا تھا اور بجا طور پر اپنے محسن عقیدہ و ایمان کے قدموں میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کا حسین انداز بھی ہے۔ جس کی تکمیل و ادائیگی کا مذکورہ شخصیات اور ان کے وفا شعرا علمی، قلمی، مالی اور انتظامی معاونین نے اپنی دیگر کثیر جہتی مصروفیات کے باوصف بیڑہ اٹھایا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ انقلاب پسند طبیعتیں اسی قسم کے کارنامے انجام دیتی رہتی ہیں۔ ع

اس کا راز تو آید و مر داں چنیں کنند!

مبارکباد یاں انہیں جنہوں نے یہ تحریک پیدا کی اور تہنیتیں انہیں جنہوں نے عقیدتوں کے چراغ قصر رضا کے

کو پر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور رفقائے ادارہ کو دارین کی عافیتوں سے شاد کام فرمائے آمین۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری آل رسولی کا عالم اسلام کی عبقری شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حیات کا ترجیحی عنوان ہے۔ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کے ہاں جو وسعت و گہرائی ملتی ہے۔ اس کی دوسری نظیر ماضی قریب میں بمشکل ملے گی محدث سورتی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کو امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے علوم و فنون کی سیکڑوں شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں وہ امام یگانہ نظر آتے ہیں۔ ان پہ تحقیقین جو کام کر رہے ہیں اس کی حیثیت ابتدائی کی ہے۔ ان کی ذات ہر فن میں بحرنا پیدا کن نظر آتی ہے جو محقق، مدبر اور مفکر ان کی سمت متوجہ ہوتا ہے ان کے علمی آفاق میں گم ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات جب تصور میں آتی ہے تو زبان و قلم کو بال و پر مل جاتے ہیں۔ ان کے نام میں بڑی برکت ہے جو شئی ان کے نام سے منسوب ہوتی ہے اسے نفس و آفاق میں غیر معمولی شہرت و قبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ نمبر بھی انشاء اللہ تاریخی شہرت حاصل کرے گا۔ رفقائے ادارہ کو ہدیہ تبریک پیش ہے۔

دعاؤں کا طالب

محمد کوثر امام قادری

حضرت مولانا مفتی محمد رحمت علی امجدی

محترم جناب مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ذریعہ ماہنامہ ”نور مصطفیٰ پٹنہ“ امام اہل سنت

مناروں پر روشن کرنے کے لئے اپنا خون جگر پیش کیا۔ امید ہے یہ نمبر اپنے پورے علمی و تحقیقی وقار کے ساتھ افاق صحافت پر جلوہ گر ہوگا اور اہل ذوق کی روحانی تسکین کا باعث ہوگا۔ اور اہل علم و تحقیق کے لئے ایک دستاویز ثابت ہو، یہی میری خواہش و دعا ہے۔ فقط

اسیر کوچہ برکات: سید اقبال احمد حسنی برکاتی
خادم نظامت جامعہ برکات، پیر منصور، شہر گیا (بہار)
وسکر میٹری البرکات ٹرسٹ رجسٹرڈ گیا

9431988884

حضرت مولانا کوثر امام قادری سیوانی
محترم حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب
”ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ“ کی نشاۃ ثانیہ کی خبر نے بہت زیادہ مسرور کیا ہے۔ دعا ہے کہ رب کعبہ اس کی اشاعت کو دوام اور تسلسل عطا فرمائے آمین۔

صوبائی سطح پر ماہنامہ ”نور مصطفیٰ“ کی صحافتی خدمات سے ان کا بہت مشکل ہے۔ آج سے قریب قریب بیس سال قبل نور مصطفیٰ کی تجلی سے بہار کا ہر خطہ روشن و منور تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے سنی رسائل کی طرح یہ بھی نظر بد کا شکار ہو گیا۔ میرا اپنا ماننا ہے کہ علماء، ائمہ اور طلبہ سنی رسائل کے خریدار ہو جائیں تو کوئی بھی رسالہ بند نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس کہ مذکورہ طبقہ کتب رسائل کو شجر ممنوعہ تصور کرتا ہے۔

”نور مصطفیٰ“ کی نشاۃ ثانیہ امام اہل سنت نمبر سے ہو رہی ہے۔ میری معلومات کی روشنی میں اب تک اس نام سے کوئی نمبر شائع نہیں ہوا ہے۔ یہ خلا محسوس ہو رہا تھا آپ نے اس خلا

تفصیلات کی ضرورت ہو وہ اعلیٰ حضرت سے متعلق کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، اعلیٰ حضرت میں بہت ساری عالمی خصوصیات ہیں ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اب تک اعلیٰ حضرت یہ قریب قریب پندرہ سو سے زائد کتابیں منصفہ شہود پر جلوہ گر ہو چکیں ہی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، اس کی رفتار میں مزید تیزی لانے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ حضرت جس بلند و بالا مقام پر فائز ہیں ان کے شایان شان ترجمانی کا حق ابھی تک ادا نہیں ہو سکا ہے اور نہ ادا ہو سکے گا، وہ ایک بیکراں سمندر تھے جو اس میں غوطہ لگاتا ہے وہ موتیاں اور سیپ نکال لیتا ہے، لیکن اسے کنارہ نہیں ملتا ہے، اس لیے عہد حاضر کا جبری تقاضا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحقیقات پہ باضابطہ نظم و ضبط کے ساتھ کام کیا جائے، کیوں کہ یہی چراغ جلے گا تو روشنی ہوگی، اس کے لیے تحقیقاتی ادارے قائم کیے جائیں، دانشور علماء و مفکرین کی باضابطہ ٹیم تشکیل دی جائے، انہیں خاطر خواہ تنخواہیں دی جائیں تاکہ وہ یکسوئی سے کام کر سکیں، بحمدہ تعالیٰ اہل ناسک نے اس کی شروعات کر دی ہے جس کی زندہ و تابندہ مثال امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر ہے لیکن یہ بھی ابھی ابتدائی منزل میں ہے اسے ابھی بہت آگے جانا ہے، ہماری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اسے بام عروج تک پہنچائے، نیز ”ماہنامہ نور مصطفیٰ“ کے اس خصوصی شمارہ کو قبول عام عطا فرمائے اور ادارہ کے جملہ ارکان و رفقاءے کار کو جزائے خیر سے سرفراز فرمائے، آمین یارب العالمین۔

[میں رفقاءے ادارہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں خصوصیت کے ساتھ سید ولی الدین، حضرت مولانا ملک الظفر سہرامی، حضرت

نمبر کی اشاعت کی خبر سے بڑی مسرت ہوئی، ماہنامہ نور مصطفیٰ کی صحافتی تاریخ ہے، اس سے کوئی انصاف پسند آدمی انکار نہیں کر سکتا، اس کے بند ہو جانے کے بعد اہل سنت ایک خلا محسوس کر رہے تھے، اب آپ کے ذریعہ اس کی سزاۃ ثانیہ ہو رہی ہے، ان شاء اللہ العزیز علمی و ادبی حلقوں میں اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے، اب امید بندھ چلی ہے کہ اس کے تسلسل میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی، نور مصطفیٰ نے ہمیشہ فکر رضا کو ہر طرح کی آمیزش سے بچانے کی کوشش کی ہے، راجدھانی پٹنہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے الجامعۃ الرضویہ کی جو صاف و شفاف تاریخ ہے کوئی دوسرا ادارہ اس کی گرد راہ بھی نہیں پاسکتا، دعوے تو دوسرے ادارے بھی کر رہے ہیں مگر ان کا دعویٰ دلیل کا محتاج ہے، رواں سال میں بعض اداروں کی رفتار و گفتار سے مسلک اعلیٰ حضرت کو جو چوٹ لگی ہے، سب پہ روشن ہے، اس باب میں الجامعۃ الرضویہ کی اصلاحی کوششیں قابل تعریف ہیں، یہ بات اہل علم و ہنر پہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہماری دینی، ملی اور مسلکی تاریخ کا ایک بہت ممتاز اور نمایاں نام ہے، اعلیٰ حضرت کی دینی و ملی، علمی و عملی خدمات ہیں، ہم ان کی خدمات کا احسان تازندگی ادا نہیں کر سکتے، اعلیٰ حضرت اسلامی تاریخ کا وہ واحد چہرہ ہے، جو اپنے عہد میں پورے عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا، اس سلسلے میں علماء، مشائخ، مفکرین اور ماہرین فقہ و فتاویٰ کے خیالات و نظریات تاریخ کے دامن میں بکھرے ہوئے ہیں، اس مختصر سے تاثر میں ہم علماء و مشائخ اور دانشوروں کے تاثرات کو پیش نہیں کر سکتے، جن حضرات کو

مولانا نائیس عالم سیوانی، حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی]

خیر خواہ اہل سنت محمد رحمت علی امجدی
خادم تدریس و افتا جامعہ اہل سنت صادق العلوم
شاہی مسجد گھاس بازار، ناسک مہاراشٹر
7385463654

حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد ایسی امجدی

محترم قارئین --- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحافی عصر، آبروئے قرطاس و قلم حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی دام فیضہم کے ذریعہ معلوم ہوا کہ سرزمین علم و ادب عظیم آباد پٹنہ سے نکلنے والا اور تاریخ صحافت میں اپنی ایک منفرد وجہاگانہ شناخت رکھنے والا مجلہ ”ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ“ مختصر مدت جو دو تعطیل گزار کرامسال امام احمد رضا قدس سرہ کے ۱۰۱واں عرس رضوی کے عظیم موقعہ پر اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات پر ایک ضخیم خصوصی شمارہ نکالنے جا رہا ہے، یہ مزدہ جانفراں کر قلبی مسرت اور دلی فرحت محسوس ہوئی، یقیناً اس کی نشاۃ ثانیہ ارباب قرطاس و قلم، اصحاب علم و دانش، دانشوران قوم و ملت اور باذوق قارئین کے لیے بے حد خوشی کا سامان ہے، نیز مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی بارگاہ عالیہ میں حسین خراج عقیدت اور بے نظیر نذرانہ محبت ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات نہ صرف برصغیر ہندوپاک بلکہ پورے عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں، سال گذشتہ آپ کا صد سالہ عرس سراپا قدس تقریباً دنیا کے بیشتر ممالک میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا جو آپ کی محبوبیت کی کھلی دلیل اور واضح ثبوت ہے، آپ کا شمار دنیا کی ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جو اپنے علم و فضل، زہد و ورع

تقویٰ و طہارت، دینی خدمات اور مجددانہ شان و شوکت کی وجہ سے پورے عہد پر غالب و حاوی رہی ہے، آپ نے فروغ علم، فروغ عشق اور فروغ عمل میں بڑا نمایاں اور ممتاز کردار ادا فرمایا ہے، آپ کی حیات کا ہر باب اتنا طویل اور ضخیم ہے کہ اب تک آپ کی عہد ساز شخصیت اور آپ کی علمی و دینی، ملی و قومی، تصنیفی اور تالیفی خدمات پر درجنوں پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالے پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور مختلف یونیورسٹیوں نے اصحاب مقالات کو ڈگریاں تفویض کیں اور گولڈ میڈل سے بھی سرفراز کیا ہے اور کئی مقالے زیر تکمیل ہیں نیز ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک آپ کی حیات و خدمات پر ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل اور خصوصی شمارے منصفہ شہود پر جلو گر ہو چکے ہیں مگر پھر بھی اب تک آپ کی حیات کے کئی ایک اہم پہلو تشنہ تحریر ہیں، ایسی عظیم و جلیل ہستی کی حیات و خدمات پر خصوصی شمارہ کا اجرا بلاشبہ لائق تحسین اور قابل تقلید ہے۔

ہم سرزمین مہاراشٹر کے مفتی ساز منفرد ادارہ امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹرز پر اہتمام جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ ناسک کے جملہ ارکان و ممبران کی جانب سے مجلہ کے تمام ارکان و کارکنان کی خدمت میں مبارکبادیوں کے حسین گلستے پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اس کے بڑھتے اقدام کو مزید تقویت و استحکام عطا فرمائے اور اسے روز افزوں شاہراہ ترقی پہ گامزن کرے، فقط والسلام۔

دعا گو و دعا: جو مشتاق احمد ایسی امجدی

صدر مفتی و پرنسپل امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر،

ناسک، مہاراشٹر 8830789911

حضرت مولانا مفتی عبدالملک رضوی

امام اہل سنت محدث بریلوی صرف ایک عالم و فاضل اور فقیہ و مجدد ہی نہیں بلکہ وقت کی ضرورت کا نام ہے۔ انھوں نے اپنی حیات میں جس طرح لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے کر مذہبی، سیاسی اور معاشرتی بے راہ روی کا سد باب کیا۔ آج ایک صدی بعد بھی ان کے افکار و خیالات اور رہنما خطوط انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مفید و کارآمد ہیں۔ وہ صرف ماضی اور حال ہی نہیں بلکہ اپنی مومنانہ فراست سے مستقبل کے احوال و کوائف سے بھی خوب باخبر تھے اس لیے آج بھی ان کے خیالات سے روشنی کشید کر کے آبرو مندانہ حال اور تحفظ آمیز مستقبل کا ہمالیائی قلعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آج سے تقریباً اٹھائیس سال پہلے ماہ نامہ نور مصطفیٰ، پٹنہ بہار کی راجدھانی سے نئے رنگ و آہنگ، انقلابی خیالات اور فکر انگیز عزائم کے ساتھ شائع ہونا شروع ہوا تھا اور بہت جلد ہی مذہبی صحافت میں اپنا نمایاں مقام بنانے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا جس سے اسلام و سنت کی نشر و اشاعت بھی ہو رہی تھی اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ایمانی و عرفانی پیغام بھی گھر گھر پہنچ رہا تھا مگر محسوس ایسا ہوا کہ جیسے ہی اس کی خدمات کے گہرے نقوش مرتسم ہونے لگے یہ رسالہ بھی اپنے نامی گرامی اور قد آور پیش روؤں کی صف میں صلیب زدہ ہو گیا۔ جس پر باجمیت افراد نے اپنے درد و کرب اور اضطراب و اضمحلال کا اظہار بھی کیا جسے محسوس کرتے ہوئے رسالہ کے مؤسس، ہمدرد سنیت سید ولی الدین رضوی صاحب بانی و سربراہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ نے وقفہ وقفہ سے کئی مرتبہ اس کی نزاعی حالت میں خون جگر پیش کر کے بادہ کشان علم و ادب کے

ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ماہنامہ نور مصطفیٰ، پٹنہ کی نشاۃ ثانیہ کی مسرت افزا خبر سن کر دل و دماغ باغ باغ ہو گئے۔ مزید یہ کہ عرس رضوی کے پر بہار موقع پر اس کا خصوصی شمارہ امام اہلسنت نمبر کی شکل میں شائع ہو رہا ہے یہ مسرت بالائے مسرت ہے۔ اللہ رب العزت اس نمبر کو عوام و خواص کے لیے مفید سے مفید تر بنائے اور باب رضویات میں یہ سنگ میل ثابت ہو۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۹۲۱-۱۸۵۶) عالم اسلام کی وہ عبقری اور نابغہ دہ شخصیت ہیں۔ ماضی کی صدیوں میں جن کی مثال ناپید ہے۔ ان کی ذات علوم و معارف کا ایسا بحر ناپید کنار ہے جس میں تقریباً ایک صدی سے اہل علم و دانش غواصی کر رہے ہیں اور اپنے ظرف کے مطابق لوء لو و مرجان حاصل کرنے میں سرگرداں ہیں مگر کسی کے اندر یہ مجال نہیں کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ میں ان کی شخصیت کی تہ تک پہنچ گیا۔ تحقیقات کی نئی نئی دنیا اور نئے نئے ابواب جیسے جیسے واہور ہے ہیں ان کی شخصیت کی نئی نئی حیرت انگیز پرتیں کھلتی جا رہی ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ گزشتہ ایک صدی میں ذاتی انجمنوں سے لے کر عالمی جامعات تک میں ان کے حوالے سے مختلف جہات پر کام ہوئے ہیں اور تادم تحریر یہ سلسلہ جاری بھی ہے اس تناظر میں آپ کی جدوجہد بھی اسی سلسلۃ الذہب کی تابندہ کڑی ہے مگر پھر بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

قدم پہ اس چیز کا بھر پور خیال رکھا ہے رفقائے ادارہ نے کبھی اس بات کو قبول نہیں کیا کہ:

صبح کو خوب پیما شام کو توبہ کر لی
 رند کے رند، رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی
 میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مجھے
 الجامعۃ الرضویہ میں بحیثیت مدرس خدمت دین کا موقع ملے گا
 بچپن میں الجامعۃ الرضویہ کی جن خصوصیات سے کان آشنا
 ہوئے تھے جب بحیثیت مدرس کے حاضر ہوا تو وہ ساری
 خصوصیات محسوس پیکر میں نظر آئیں۔ سید صاحب کا دل درد
 ملت سے آشنا ہے۔ لوگ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لیے
 ان کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باغ کا مالی چمن
 کی شادابی چاہتا ہے، پودوں کی شادابی کے لیے کبھی کبھی وہ
 سخت قدم بھی اٹھالیتا ہے۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ، الجامعۃ الرضویہ کا ترجمان اور مسلک
 اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان ہے اس میں سو فیصدی سچائی ہے
 ۔ شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں نے تفسیر اشرفی میں، مسلک اعلیٰ
 حضرت کو دین اسلام سے تعبیر کیا ہے، اسلام کے جتنے
 مبادیات ہیں وہ سارے مبادیات مسلک اعلیٰ حضرت
 میں اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں، برصغیر ہندوپاک میں مسلک
 اعلیٰ حضرت سے جدا ہو کر دین اسلام کا صحیح تصور بہت مشکل ہے۔

نور مصطفیٰ بہت دنوں سے بند تھا، ادھر اپنے سمجھے جانے
 والے لوگ فتنوں کی پشت پناہی میں مصروف ہو گئے، ان کی
 اصلاح اور تعاقب کے لیے ایک رسالے کی ضرورت شدت
 سے محسوس ہو رہی تھی۔ تاکہ نام نہاد رہنمایان ملت کی

افکار عالیہ کو ضیاء بار اور مشام جاں کو معطر کیا مگر اس راہ کی سنگلاخی
 کی وجہ سے ان کے حوصلے بھی دم توڑ دیا کرتے تھے مگر اس
 مرتبہ یقین ہے کہ آپ ارواح ثلاثہ یعنی حضرت سید ولی الدین
 رضوی کی بافیض سیادت، حضرت علامہ ملک الظفر صاحب کی
 مستحکم قیادت اور آپ کی جہاں دیدہ نظامت و ادارت میں
 رسالہ طویل مسافت طے کرے گا بلکہ میری دلی دعا ہے کہ
 رسالہ کو کبھی منزل ہی نہ ملے اور یہ ہر دم جواں پیہم رواں کی
 لذتوں سے محفوظ ہوتا ہوا قارئین کی آسودگی کا سامان اور
 مسلک اعلیٰ حضرت کا آہنی ترجمان بنا رہے۔ آمین ثم آمین
 بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر (مفتی) عبدالمالک مصباحی
 بانی و سربراہ اعلیٰ دارین اکیڈمی، جمشید پور
 8409987217

حضرت مولانا قاری قیصر رضارضوی

نقیب مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 ماہنامہ نور مصطفیٰ کا ”امام اہلسنت نمبر“ کے اشاعت کی
 خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی، جس زمانے میں میں مکتب کا
 طالب علم ہوا کرتا تھا اس زمانے سے سید ولی الدین رضوی
 ، الجامعۃ الرضویہ اور نور مصطفیٰ کے ذکر سے کان آشنا ہوتے
 رہے ہیں۔ جب شعور میں پختگی آئی تو محسوس ہوا کہ بہار کی سر
 زمین پر فکریات رضا کی ترویج کے حوالے سے رفقائے الجامعۃ
 الرضویہ انتہائی مخلص ہیں۔ فکریات رضا ایک ایسا آئینہ ہے جو
 کسی طرح کی دھول کو قبول نہیں کرتا۔ رفقائے ادارہ نے قدم

زیر نظر نور مصطفیٰ کا ”امام اہل سنت نمبر“ اپنے مضمولات کے اعتبار سے انتہائی جامع ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت کا ہر زاویے سے لحاظ رکھا گیا ہے۔ وقت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ نسل نوا علیٰ حضرت امام عشق و محبت کو پڑھتی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی روایات اور اسلاف و اکابر سے اس کا رشتہ کمزور ہوتا جا رہا ہے جب کہ دین کی دولت، اسلاف و اکابر کے قرب سے ملتی ہے۔ جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف سے ٹوٹ جاتا ہے وہ قوم تاریکیوں میں گم ہو جاتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے اپنی دینی، ملی اور علمی تحقیقات سے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس تعلق سے کافی سے وافی شواہد کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو صحیح تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اور آج بھی ہم اسی ڈگر پہ چل رہے ہیں بلکہ اب تو اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کو نشانہ بنانے کی ذہنیت بھی پروان چڑھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہلک مرض سے محفوظ فرمائے۔ آمین

نور مصطفیٰ کی اس فخریہ پیش کش ”امام اہل سنت نمبر“ سے نسل نو کی سوچ میں تبدیلی آئے گی اور اعلیٰ حضرت کی تحریک، تحریک عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیکراں جذبے کو فروغ ملے گا۔ ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کی یہ نشاۃ ثانیہ ہے اور اب اس کی شروعات سیریز کے طور پر ”امام اہل سنت نمبر“ سے ہو رہی ہے۔ اس ضخیم و وسیع نمبر کو منظر عام پر لانے میں رفقاء الجماعۃ الرضویہ بالخصوص نامور ادیب حضرت مولانا مفتی محمد ملک الظفر سہرامی، مسلک اعلیٰ کے بے باک صحافی حضرت مولانا

کارستانیوں سے قوم و ملت کو بروقت آگاہ کیا جاسکے۔ نور مصطفیٰ کا آغاز ”امام اہل سنت نمبر“ سے ہو رہا ہے۔ یہ بڑی مسرت کی بات ہے۔ ویسے کتب و رسائل کے خریدنے کا مزاج قریب قریب ختم ہو چکا ہے، قوم کی زبوں حالی کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ بہر حال اہل علم اور اہل عقیدت کو یہ نمبر ضرور اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ اعلیٰ حضرت ہماری شناخت ہیں ہم اپنی اس شناخت کی ہر طرح حفاظت کریں گے۔ دعا ہے رب کائنات الجماعۃ الرضویہ، نور مصطفیٰ اور رفقاء ادارہ خصوصاً حضرت مولانا ملک الظفر سہرامی، حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی اور حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کو آسیب روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین

دعاؤں کا طالب: محمد قیصر رضارضوی

پرنسپل الجماعۃ الرضویہ پٹنہ

حضرت مولانا قاری محمد سرفراز عالم رضوی

محترم قارئین!

ماہنامہ نور مصطفیٰ ترجمان الجماعۃ الرضویہ پٹنہ کی دینی، ملی اور صحافتی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے، یہ ادارہ اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اپنی شناخت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت و صیانت میں مصروف ہے۔ اس حوالے سے ادارہ کبھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوا اور نہ ہی اس سلسلے میں اس نے کسی کی رعایت کی۔ آج تو عجب رسم چلی ہے کہ لوگ ذاتی مفاد کی خاطر لمحوں میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر لیتے ہیں۔ الجماعۃ الرضویہ ایسے اذہان کی ہمیشہ مذمت کرتا رہا ہے اور اس حوالے سے آج بھی اس کی پالیسی بہت واضح ہے۔

سمینار کا انعقاد، وصال کے بعد اعلیٰ و ارفع پیمانہ پر ”معارف تاج الشریعہ“ کی اشاعت اور اب ”امام اہلسنت نمبر“ کے ذریعہ ۱۰ ارواں عرس اعلیٰ حضرت کا استقبال، کیا خوب ہمت و جرأت اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، ہم جتنی بھی تعریف کریں کم ہے۔

آپ کے عزائم اور حوصلے، آپ کے رفقا کی جماعت سب قابل داد و تحسین ہیں، جو آج کے سرا سیمگی کے ماحول اور پُر خطر حالات میں بھی مذہب و مسلک کی بات کر رہے ہیں۔

جہاں ہم پر حکومتی، سیاسی، میڈیائی سطح پر دباؤ بنائے جا رہے ہیں، دین و ایمان کا تحفظ موجودہ حالات میں بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے، یہی نہیں بلکہ ہر مسلمان گھبرایا اور سہا ہوا نظر آ رہا ہے، ہر طرف سناٹے کا عالم ہے، اہل اسلام کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں، کاروبار خطرے میں ہیں، پھر بھی دیوانوں کی جماعت جان کی نہیں ایمان کی بات کرتی ہے اور وہ ہر لحظہ یہی نعرہ مستانہ لگاتی پھرتی ہیں:

زمانہ کچھ کہے دیوانے اپنی جان دیدیں گے
مگر دامن نہ چھوڑیں گے تمہارا یا رسول اللہ
ان سب کے بیچ سب سے پریشانی کی بات یہ ہے کہ
بعض اپنے کہے جانے والے لوگ آستین کا سانپ بن گئے
ہیں، مسلمان غیروں سے تحفظ کرے یا اپنوں کی جماعت میں
شامل بیگانوں کی نشان دہی کرے

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
ہمیں رہنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

علمائے اہل سنت پر پچھلے سوسالوں سے یہ الزامات عائد ہوتے رہے ہیں کہ اہل سنت کے علما، اہل خانقاہ اور بالخصوص

محمد رحمت اللہ صدیقی، صلح کلیوں کے لئے برق تپاں، فاضل بغداد حضرت مولانا انیس عالم سیوانی اور مخیر قوم و ملت الحاج سید محمد ولی الدین رضوی کی کاوشیں قابل ذکر ہیں رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان حضرات کی خدمات کو قبول فرما کر دارین کی سعادت سے شاد کام فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

طالب دعا محمد سرفراز عالم رضوی

مدرس الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

حضرت مولانا شمس الحسن ویشا لوی

محترم سید ولی الدین صاحب رضوی

ہدیہ تکریم و تسلیم عافیت طرفین

اللہ تعالیٰ غیب سے آپ کی مدد فرمائے اور آپ کی

سچی، واضح رضویت کو پٹنہ کے جملہ سنیوں کے لئے مفید سے مفید تر فرمائے آمین

میں کن لفظوں میں آپ کی ستائش کروں، کہاں سے

خوبصورت الفاظ و بیان کے گل و لالہ لاؤں، ویسے تو ہمیشہ سے آپ کے لئے میرا دل نرم رہا اور یہ نرمی اس نسبت کی بنیاد پر پیدا ہوئی جو آپ کو جان ایمان حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل پاک سے ہے، اس میں مزید اضافے کا باعث بنا، آپ کا مرکز اہل سنت کے سچے، مخلص حامیوں، میں ہونا۔

ایک عام آدمی ہو کر سنیت اور فکر رضا کی اشاعت کے

لئے آپ کے دل میں جو ٹرپ ہے اس کی قدر بھی کرتے ہیں اور تائید و حمایت بھی۔

ہم سب کے مرشد برحق، نبیرہ اعلیٰ حضرت سرکار تاج

الشریعیہ علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں حضرت کے حوالہ سے

مرکز اہل سنت بریلی شریف سے مسلمانان ہند کے لئے سوارڈ وہابیہ، دیابند اور عرس و نیاز فاتحہ کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ سنی علما اور اہل خانقاہ سیلاب متاثرین کے لئے کچھ نہیں کرتے، انگریزی اسکول نہیں کھولتے، ڈھنگ کے مدرسے نہیں قائم کرتے، اصلاح معاشرہ اور غریب و نادار مسلمانوں کی امداد و اعانت، فساد زدہ علاقوں میں کوئی تعمیری اور رفاہی کام نہیں کرتے۔

ہمارے علمایہ سنتے رہے لیکن اس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے وہ یہی پیغام سناتے رہے
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں
سنی علما کی بڑی پریشانی یہ رہی کہ ایک طرف ہماری جان کا مسئلہ ہے، تجارت اور تعلیم کا مسئلہ ہے اس کے علاوہ اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارے لئے جان، تجارت، باز آباد کاری جیسے مسائل سے بڑا ایک اور مسئلہ ہے، وہ ہے ایمان اور عقیدے کا تحفظ، ایک صحیح الدماغ کے نزدیک خدا اور رسول کا باغی زندہ رہ کے بھی مردہ ہے اور ایک مسلمان محب صادق مرکز بھی زندہ ہوتا ہے، اسی بنیادی نکتے نے علمائے اہلسنت کو ایک نکاتی منصوبے پر ثابت قدم رہنے پر مجبور کر رکھا ہے اور یہ سودا گھائے کا نہیں بلکہ بہت سود مند اور نفع بخش ہے۔

حریص اور طمع پسند لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی بہت قیمتی ہے لیکن اہل ایمان کی اصل زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب روح حقس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے اور مومن قبر کی تاریک کوٹھری میں پہنچتا ہے، مومن کی قبر میں آقائے کریم

کا جلوہ نظر آتا ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں
قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمیں نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی
تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی
بریلی کے سامنے ہمیشہ نجدی، وہابی عقائد و نظریات سے
مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانا بہت بڑا مسئلہ رہا ہے اور یہ
ذمہ داری بریلی نبھاتا رہا ہے اور آج بھی یہ کام نبیرہ اعلیٰ
حضرت، شہزادہ تاج الشریعہ، قاضی القضاة فی الہند علامہ مفتی
محمد عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی کی قیادت میں ہو رہا ہے
لیکن صلح کل کے طرفدار، ضمیر فروشوں کی جماعت بجائے اس
کے کہ مذہب حق کی حمایت اور باطل کی امامت کا فریضہ نبھائیں
وہ بریلی کی مخالفت کو بہت بڑا کارنامہ گمان کئے بیٹھے ہیں۔
حالانکہ ٹکوں کے مہنگے ان بدنہادوں کی نہ کوئی گنتی نہ
وقعت، روزی روٹی اور اپنی جھوٹی انا کے لئے بے حیائی اور
ہرزہ سرائی کے کرتب دکھاتے ہیں۔

سید صاحب! میر تقی میر کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔
میر نے کہا تھا:

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چُپ بھی رہا نہیں جاتا

پٹنہ کی سرزمین پر حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی محب
رضویت اور مخلص امام احمد رضا کی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا
جاسکتا، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ اسی پٹنہ سے بریلی کے
نام پر روٹیاں سیکنے والے مولوی جو دھرتی پر بوجھ سے زیادہ کی

حیثیت نہیں رکھتے، بریلی کو آنکھ دکھا رہے ہیں، چوری کرتے ہیں اور پھر سینہ زوری۔

حالانکہ وہ حالات سے بالکل بے خبر اور نا آشنا ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی کمین گاہوں سے باہر نہیں نکلتے، انہیں نہیں معلوم کہ جسے وہ اپنے لئے محفوظ پناہ گاہ (جو درحقیقت فنون کی آماجگاہ ہے) سمجھ رہے ہیں وہ بھی بریلی کے نام سے ہے ورنہ ایسے لوگ جنہوں نے کسی ڈھنگ کے مدرسے کا منہ تک نہیں دیکھا وہ اپنے نام کے آگے مفتی کا پیوند لگا کر تال ٹھوک رہے ہیں اور یاروں کی جماعت میں اس مجنوں کی طرح ڈینگیں مار رہے ہیں جو پاگل پن میں کہتا ہے کہ اس پوری دنیا کا مالک اور بادشاہ میں ہوں حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اس کے پاس دماغ نہیں اس لئے ایسا بک رہا ہے جیسے اُس کی دماغی حالت درست ہوتی ہے وہ اپنی بیوقوفی پر نادم ہوتا ہے۔

پٹنہ کی سرزمین پر بعض ایسے مولوی نما جو اعلیٰ حضرت اور بریلی کے نام پر کاروبار چلا رہے ہیں، نام تو مسلک اعلیٰ حضرت کا لیتے ہیں لیکن دل میں بغض و کینہ کی گھٹری چھپائے ہوئے ہیں،

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے
لیکن یہ عدیم الحیا، غلاموں سے نہیں جگر کے لالوں سے
الجھ رہے ہیں۔

ایک عرصہ سے یہ پالیسی چلی آرہی ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اعلیٰ حضرت کو مانتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کے جانشینوں سے اختلاف کرتے ہیں، بعض وہ جو کہتے ہیں اعلیٰ

حضرت کہیں تو مان لیں گے، مفتی اعظم کہیں تو مان لیں گے لیکن مفتی اعظم اور اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کے امین تاج الشریعہ کہیں گے تو ہم ان سے بحث کریں گے، دنیا نے دیکھ لیا کہ تاج الشریعہ سے بحث کرنے کا مزاج رکھنے والے کو توں کو سنیوں نے نلکے کے بھاؤ میں بھی نہیں گردانا، اب کچھ ایسے بیوقوف اور نادان نقاب سے باہر آئے ہیں جو شہزادہ تاج الشریعہ سے مقابلے کی بات کرتے ہیں، ہم انہیں علی الاعلان چیلنج کرتے ہیں کہ جب جماعت نے مفتی نظام الدین صاحب مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا یسین اختر مصباحی، مولانا مطیع الرحمن پورنوی کو کسی خانے میں نہیں رکھا تو یہ بگلا بھگت خود ساختہ مفتی وقاضی کس کھیت کی مولیٰ ہیں۔

جہاں بڑے بڑے ڈھول وہاں ٹمکی کے مول
علم ضرور گھٹ رہا ہے، اکابر اٹھ رہے ہیں لیکن علم ابھی اتنا بھی نہیں اٹھ چکا ہے کہ جماعت جاہلوں اور بے بہروں کو مفتی وقاضی سمجھ لے۔

جنہیں اتنا شعور نہیں کہ رویت ہلال کے ثبوت کے طریقے کیا کیا ہیں، اعلان، خبر اور شہادت کی تمیز جنہیں نہیں وہ ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم احترام کرتے ہیں خانوادے کا، رہی بات علم کی تو ہمارے شاگردوں سے بات کر کے دیکھیں، واہ کیا کمال کے رضوی ہیں، ایسے اوباش اپنے کو مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کا مرید گمان کریں تو کمال بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔

سید صاحب بہت صاف ستھرے انداز میں یہ حقیر عرض کرتا ہے کہ بریلی کے مقابلے میں چاہے کوئی سید سراواں کا بابا ہو، یا ناگپوری نابکار ہوں یا کسی ادارہ شرعیہ کا کوئی مزدور ہم

ایسوں کو جوتی کی ٹھوکروں سے اڑا دیتے ہیں۔

وہ زباں لفظ کے خنجر سے قلم کردوں گا
جو بھی اسلاف کے کردار پہ نکتہ رکھے

کیا کمال کا ادارہ شرعیہ ہے، وہابیوں، دیوبندیوں کے ساتھ میٹنگ کریں، شیعہ وقف بورڈ کے اہتمام میں مدرسہ قائم کریں، چاند پورنیہ کمشنری کے مفتی دیکھیں اور بغیر شہادت شرعی کے پٹنہ سے سنٹرل مفتی اعلان جاہلانہ فرمائیں، ادارہ کے ذمہ دار کہے جانے والے لوگ پھلوراریوں، مجیبیوں، صلح کلیوں کی نماز جنازہ میں شرکت کریں۔

پوری جماعت کے برخلاف نادانی اور خطبہ الحواسی کے باعث مسلمانوں کو پیشگی مشورہ دے ڈالیں کہ چرم قربانی کو دفن کر دیں۔ لاجول ولاقوۃ۔ کیا اسی کا نام ادارہ شرعیہ ہے، ارے بھائی روزی روٹی کے لئے کوئی اور دوکان کھول لو، اس طرح کی حرکت جہاں ہوتی ہو اسے ادارہ شرعیہ نہیں ادارہ جبریہ ہونا چاہئے۔

ادارہ شرعیہ پٹنہ کی تاریخ شاید لوگ بھول گئے ہوں تو بتا دوں کہ اس کے بانی مبنی قائد اہل سنت، پاسبان ناموس رسالت، رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بلیاوی نے اس ادارہ کو مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے لئے قائم کیا تھا مسلک کے کنیا دان کے لئے نہیں، نوخیز اور نو آموز مفتیوں، قاضیوں سے پوچھو، مولانا رکن الدین اصدق سے اخیر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے کیوں ادارہ شرعیہ سے ہٹا دیا تھا؟ اس لئے کہ ان کا نقطہ نظر بریلی کے تعلق سے بہت صاف شفاف نہیں تھا، تو جب بانی ادارہ نے مولانا رکن الدین اصدق جیسے معمر اور بڑے مصباحی عالم کو جو کہ بہار کے ایک

مشہور خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، برداشت نہیں کیا تو آپ جیسے طفل کی کیا گنتی، بریلی کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز پر ہماری نظر رہے گی۔ یہ ہمارے جذبات نہیں ہیں بلکہ حقیقت ہے۔

سید صاحب! اگر آپ برداشت کر سکیں تو میرا یہ پیغام اپنے نمبر میں شامل فرمائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ شہزادگان اعلیٰ حضرت کو چیلنج کرنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے کسی شہزادے کی نہیں پٹنہ اور اس کے اطراف میں ایسے رضوی ہیں جو مخالف کلائیوں کو مروڑنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

سید صاحب اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اپنے آقاؤں سے آپ کی غیر مشروط وابستگی پہ مجھے رشک آتا ہے آپ نے امسال بڑے پیمانے پر یومِ رضا منایا جس میں صاف ستھری شبیہ رکھنے والی شخصیات کو مدعو کیا۔ ملک کے جید عالم دین، مستند فقیہ اور نامور خطیب حضرت علامہ مفتی شمشاد احمد رضوی، جامعہ امجدیہ گھوسی، کو بحیثیت خطیب کے دعوت دی۔ پوسٹر میں مفتی صاحب قبلہ مدظلہ کا نام دیکھ کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آپ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش بھی ہوئی۔ مفتی صاحب کا نام بریلی شریف کے وفاداروں میں بہت نمایاں ہے۔ حضور تاج الشریعہ برسر اسٹیج ان کا نام لے کر دعائیں کرتے تھے۔ ان کا خطاب بغور سنتے تھے اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ جو لوگ مفتی شمشاد صاحب کی آمد پہ چراغ پا ہیں وہی لوگ مفتی مطیع الرحمن مضطر صاحب کو اپنے اکثر پروگرام میں میر مجلس و صدر نشین بناتے ہیں۔ یہ وہی مفتی مطیع الرحمن صاحب ہیں جو حضور تاج الشریعہ کو قائد اہل سنت

مکرو فریب، ظاہری باطنی ہر قسم کی سازشوں کو بے نقاب کر دینا اور ہر محاذ پر امام احمد رضا اور مسلک اعلیٰ حضرت کی حمایت میں سینہ سپر رہنا بلاشبہ علمائے بہار کی موروثی چیز ہے۔

اعلیٰ حضرت کے حیات ظاہری میں یا بعد وصال فتنہ چاہے جہاں سے اٹھا رام پور ہو، بدایوں ہو، الہ آباد ہو یا کہیں اور ہو قاضی عبدالوحید فردوسی سے لے کر آج تک یہ علمائے بہار ہی ہیں جو ہر اٹھنے والے فتنہ کا کھل کر جواب دیتے رہے ہیں کبھی کسی مصلحت کو قریب بھی آنے نہیں دیا۔ اس پر جس قدر علمائے بہار کو مبارک باد دی جائے کم ہے۔

اس سلسلہ کی ایک حسین کڑی ”ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ“ ہے یہ حمایت رضا کی واضح دلیل ہے کہ اس کی نشاۃ ثانیہ امام احمد رضا کے تذکرے سے ہو رہی ہے۔

سید صاحب مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر خوف نہیں کہ اس زمانے میں قاضی عبدالوحید کے نقش قدم پر کلک رضا علامہ رحمت اللہ صدیقی صاحب بھر پور چل رہے ہیں اگر میں تناخ کا قائل ہوتا تو یہ ضرور کہتا کہ قاضی صاحب کی روح رحمت اللہ صدیقی کے پیکر میں کام کر رہی ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے اس لئے میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ قاضی صاحب کی روحانیت اور روحانی تصرف کا دوسرا نام کلک رضا علامہ رحمت اللہ صدیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، رفقاء ادارہ کو اور بالخصوص علامہ ملک الظفر صاحب سہرامی اور فاضل بغداد علامہ انیس عالم صاحب سیوانی کو دارین کی سعادتوں سے شاد کام فرمائے اور اس خصوصی شمارہ کو مقبول انام بنائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقط گدائے کوچہ مفتی اعظم عبدالکلیم نوری

تسلیم نہیں کرتے، بریلی شریف کو مرکز اہل سنت نہیں مانتے، اس سلسلے میں ان کی تحریر موجود ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری جن کے کفر و ارتداد پہ پوری دنیا کے علما متفق ہیں مفتی صاحب انہیں مومن کامل مانتے ہیں، سید سراواں کے ڈھونگی ابومیاں جس کی گمراہی اور بد مذہبیت پہ پورا ملک متحد ہے مفتی صاحب کے نزدیک ان پہ توبہ بھی لازم نہیں ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں سید سراواں میں ہمیں اپنے پیر (حضور مفتی اعظم) کی گلیوں کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ مفتی مطیع الرحمن مضطر صاحب کے ذریعے وہ اہل بہار کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے اس طرح کی حرکتوں کو کون سا نام دیں۔ مسلک نوازی کا یا مسلک بیزاری۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپا کتنے طوفاں کو پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا شمس الحسن ویشالوی

۱۷ اکتوبر ۲۰۱۹ء

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی عبدالکلیم نوری

عالی جناب سید ولی الدین صاحب۔ سلام مسنون امید ہے کہ بخیر و عافیت ہوں گے۔ یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کا ”امام اہل سنت نمبر“ شائع کرنے والے ہیں یقیناً یہ آپ جیسے لوگوں کے دل گردے کی بات ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی ہر طرح سے حمایت کرنا، ان کے مخالفین کا کھل کر رد و ابطال کرنا، ان کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کی دجی اڑا دینا،

حضور محدث کبیر نے حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کے چھوٹے صاحبزادے

محمد مونس رضا صدیقی کو قرآن پاک شروع کرایا

۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ بعد نماز جمعہ کیلاش کمپاؤنڈ سنٹرل ممبئی محترم زبیر برکاتی کے دولت خانہ پر حضور محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ العالی نے مدیر پیغام رضا ممبئی مولانا رحمت اللہ صدیقی کے فرزند اصغر محمد مونس رضا کو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھا کر افتتاح تعلیم قرآن فرمایا اور اپنی پُر تاثیر دعاؤں سے نوازا، اس موقع پر محدث کبیر کے داماد مفتی شاہد رضا صاحب، مولانا انیس عالم سیوانی و دیگر صاحبان موجود تھے۔

نماز جمعہ کی امامت برکاتی مسجد میں حضور محدث کبیر نے فرمائی، نماز سے قبل مفتی شاہد رضا صاحب کی فرمائش پر صلح کلیت اور جماعت میں پھیلی آزاد خیالی کے خلاف مولانا انیس عالم سیوانی نے خطاب کیا، آپ نے کہا کہ افسوس ہے کہ آج بہت سے سنی رضوی، برکاتی، اشرفی کہے جانے والے حضرات صلح کل کی بات کر رہے ہیں، لوگ چاہتے ہیں کہ وہابیوں، دیوبندیوں کے ساتھ ملنا جلنا ہو جائے، کچھ لوگ مسلک کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں تو کچھ لوگ مسلوں میں اختلاف کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا حضور محدث کبیر اس زمانے میں اعلیٰ حضرت کے مسلک کے سچے پاسبان اور رضویت کے نگہبان ہیں، ان کے قول و فعل سے سنیت کو تقویت ملتی ہے، آپ نے کہا کہ جہاں آپ سے محبت کرنے والوں کی تعداد بہت ہے وہیں آپ کے مخالفین اور حاسدین بھی کافی ہیں لیکن آپ کی جتنی مخالفت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اتنی ہی آپ کی عزت و عظمت میں اضافہ مادیاتا ہے۔

آپ کے مخالفین آپ کی مقبولیت اور عزت کے سبب حسد کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے محدث کبیر کو جو رتبہ بخشا ہے وہ ان کی دینی خدمات کا نتیجہ ہے، آپ نے کہا کہ ہم جیسے ہزاروں طالبان علوم نبویہ اپنا پیشوا اور قائد حضور محدث کبیر کو مانتے ہیں اور ان کے مخالفین کو دندان شکن جواب دینے کی ہمت رکھتے ہیں۔

رسم افتتاح قرآن حکیم کے بعد حضور محدث کبیر نے حاضرین اور بچے کے حق میں پُر تاثیر دعائیں کیں بعدہ شیرینی وغیرہ سے حاضرین کی ضیافت ہوئی۔ حضور محدث کبیر نے اپنے ہاتھوں سے بچے کا منہ میٹھا فرمایا۔ رب کائنات سے دعا ہے کہ بچے کو دین و سنیت کے لیے مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین بجاہ سید مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

منجانب: ادارہ

باب سوم نبویات

آقائے کائنات کے مشاہیر اجدادِ کرام

ومغرب میں گشت کراؤ تا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے نام اور ان کی صفات سے واقف ہو جائے اور تمام انس و جن و ملائکہ اور پرند و چرند کے سامنے پیش کرو تا کہ سبھوں کو ان کی معرفت حاصل ہو جائے اور انہیں جملہ انبیاء کرام و رسولان عظام کے کمالات و اوصاف سے مزین کر دو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بدلی غائب ہو گئی اور میرا لختِ جگر میرے سامنے ریشم کے سبز کپڑے میں لپٹا ہوا اس حال میں موجود تھا کہ اس کے کپڑے سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ آپ فرماتی ہیں جوں ہی میری نظر ان پر پڑی تو میری آنکھیں یہ دیکھ کر خیرہ ہو گئیں کہ ان کا رخ زیا بد رنیر سے بھی زیادہ چمکتا نظر آ رہا تھا اور ان کے پاکیزہ بدن سے مٹک کی ایسی بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی کہ گرد و نواح کا ذرہ ذرہ مٹک بار محسوس ہونے لگا۔ پھر میں نے دیکھا کہ یکا یک تین اشخاص آئے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت اور تیسرے کے ہاتھ میں ایک چمکدار انگوٹھی تھی۔ تیسرے شخص نے انگوٹھی کو سات مرتبہ دھو کر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگا کر ریشم کے کپڑے پر لپیٹ کر میری آغوش میں ڈال دیا۔

ربّ کائنات نے رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام و رسولان عظام علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ اور جملہ خلایق سے برتر و بالا بنا کر اس خاکدانِ گیتی میں مبعوث فرمایا بلکہ آپ کو تمام دنیا پر قبضہ بھی عطا فرمایا یہاں تک کہ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے قبضہ اقتدار اور غلبہ اطاعت سے باہر ہو۔ اس سلسلے میں زرقانی علی الموہب کی وہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جسے خطیب بغدادی نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان تحریر فرمایا ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ میرے نورِ نظر، لختِ جگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جب ولادت ہو گئی تو ناگہاں میں نے کیا دیکھا کہ ایک ایسی بدلی نمودار ہوئی جس میں روشنی کے ساتھ گھوڑوں کی ہنہناہٹ، پرندوں کی پرواز کی آواز اور کچھ انسانوں کی بولیاں سنائی دینے لگیں پھر یک لخت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ تلاشِ بسیار کے بعد وہ مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ معاً میں نے سنا کہ کوئی بطور اعلان یہ کہہ رہا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرق

دربار میں آپ کے اعلیٰ نسب کا اعتراف کرتے ہوئے یہ برملا اظہار کرنا پڑا ”ہو فینا ذون نسب“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں عالی نسب ہیں۔ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسب و نسب سے متعلق ہر قل کے سوال پر ابوسفیان کچھ بھی کہہ سکتے تھے کیوں کہ ان کا مقصود اصلی شاہِ روم کی نظروں میں رسولِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقار کو مجروح کرنا تھا مگر چاہ کر بھی وہ ایسا نہ کر سکے برخلاف اس کے انہیں کہنا پڑا کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نسب و حسب کے اعتبار سے ہم سب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔ الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ یعنی فضیلت اسے کہتے ہیں کہ دشمن بھی سر تسلیم خم کر دیں۔

واضح رہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد مومن اور موحد گزرے ہیں جیسا کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں پاک اصلاب سے پاک ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی مایہ ناز کتاب ”شمول الاسلام لآباءہ الکرام“ میں دلائل باہرہ کے ساتھ تفصیلاً یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد موحد مومن تھے۔ ربِّ کائنات نے اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو ایسی انفرادیت بخشی کہ حضرت شیث علیہ السلام جو آپ کے جدِ امجد ہیں تنہا پیدا ہوئے تاکہ نورِ مصطفیٰ کا اور کسی دوسرے کے درمیان اشتراک نہ ہو۔ واضح رہے کہ حضرت شیث علیہ السلام کی

خداوندِ قدوس نے جہاں اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر اوصاف و کمالات میں ساری مخلوقات میں افضل و اعلیٰ بنایا وہیں حسب و نسب کے اعتبار سے بھی آپ کو ماہِ الامتیازِ فضیلت بخشی۔ میرے اس دعوے کے اشتہاد میں مشکوٰۃ شریف فضائل سید المرسلین کی مندرجہ ذیل حدیث کافی و وافی ہوگی۔ بعینہ ایسی ہی حدیث مسلم شریف کے اندر بھی موجود ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ”کنانہ“ کو برگزیدہ بنایا اور کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ ایک عربی شاعر نے بڑے واضح انداز سے اس حقیقت کی اس طرح عکاسی کی ہے۔

لہ النسب العالی فلیس کمثلہ

حسب نسب منعم متکرم

یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسب پاک اس قدر بلند و بالا ہے کہ کوئی بھی حسب و الا، نسب و الا، نعمت و الا اور بزرگی و الا آپ کے مثل نہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل و اعلیٰ خاندان کی شرافت و نجابت ایسی مسلم ہے کہ دوست تو دوست بدترین دشمن کفارِ مکہ کو بھی مجال انکار نہ رہی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی پہلی جلد کے اندر جناب ابوسفیان کا قول و اقرار آج بھی منقش ہے۔ ہر چند کہ ابوسفیان اس زمانے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے مگر پھر بھی الحق بعلو ولا یعلیٰ کے تحت ہر قل شاہِ روم کے سامنے بھرے

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل پایا اور نہ کسی کی اولاد کو بنی ہاشم سے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے مسلم شریف کی حدیث پیش کر چکے ہیں کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ربّ کائنات نے اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو چنا اور برگزیدہ بنایا۔ آئیے ہم قریش سے متعلق چند تحقیقی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ لفظ قریش حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دسویں پشت کے دادا حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے۔ اسی لقب کی مناسبت سے ان کی اولاد قریش یا قریشی سے متعارف ہونے لگی۔

جہاں تک لفظ قریش کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان اقوال مختلفہ میں مشہور قول وہی ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا کہ یہ حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آپ اس لفظ قریش سے کیوں ملقب ہوئے۔ یہ جاننے کے لئے ہمیں لفظ قریش کے معانی پر غور کرنا ہوگا۔ ان معانی میں سے ایک تو یہ ہے کہ قریش ایک ایسے سمندری جانور کا نام ہے جو اس قدر قوی ہوتا ہے کہ سمندر کا کوئی اور جانور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اور یہ ایسا غالب ہوتا ہے کہ دیگر آبی جانوروں کو بڑی آسانی کے ساتھ لقمہ بنا لیتا ہے۔ چونکہ ربّ کائنات نے حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر ایسی طاقت و شجاعت و دیعت فرمائی تھی کہ آپ عرب کے جملہ قبائل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے اس لئے آپ کو قریش کے لقب سے سارا عرب یاد کرتا تھا۔ میرے اس دعوے کا

ولادت سے قبل حضرت بی بی حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر حمل میں جڑواں بچے یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی معرکتہ الآرا کتاب ”مدارج النبوة“ کے جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا سے رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نورِ مصطفیٰ کو پاک بیویوں میں منتقل کرنا۔ اسی طرح خود شیث علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت انوش کو اور پھر حضرت انوش نے اپنے فرزند کو یونہی اس وصیت کا سلسلہ قرناً بعد قرن بدستور چلتا رہا یہاں تک کہ یہ نورِ مبارک حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتقل ہو کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ ”لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ“ کے فاکوز بر سے پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ میں نسب و صہر و حسب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس تر ہوں۔ یعنی اگر ”أَنْفُسِكُمْ“ کے فاکوز بجائے ضمّہ کے فتح سے پڑھا جائے تو لفظ ہوگا ”أَنْفُسِكُمْ“ جس کا معنی ہوگا نفیس ترین کیوں کہ ”أَنْفُسُ نَفِيسٌ“ کا اسم تفضیل بن جائے گا۔

جناب ابو نعیم نے ”دلائل“ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث یوں تحریر فرمائی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا ہے مگر میں نے کسی شخص کو حضرت محمد صلی

تھے اس لئے انہیں قریش سے یاد کیا جانے لگا۔ واضح رہے کہ ان تمام اقوال میں سے پہلا قول ارنج ہے یعنی قریش حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب تھا اور اس لقب کے تناظر میں آپ کی اولاد پر لفظ قریش یا قریشی کا اطلاق ہونے لگا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد کرام میں ایک بہت ہی اہم نام حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آتا ہے۔ یہ آپ کی چھٹی پشت کے جدِ مکرم ہیں۔ یوں تو آپ کے سارے اجداد کرام آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ روشن رہے مگر حضرت مرہ بن کعب کیسب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اپنے دور میں یومِ عروبہ یعنی یومِ جمعہ مقرر فرمایا۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے یومِ جمعہ مقرر فرمایا بلکہ اس دن آپ تمام قریش کو جمع فرمایا کرتے اور اس دن کے اہتمام و انصرام میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ جب لوگوں کو جوق در جوق مجتمع ہو جاتے تو حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بلند مقام پر قیام پذیر ہو کر انتہائی بلیغ خطبہ دیتے اور اپنے خطبہ میں خصوصی طور پر سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمدِ پاک کا مژدہ جانفزا سناتے اور بڑے ہی مفخرانہ انداز میں شکرِ الہی ادا کرتے ہوئے فرماتے کہ اے اہل قریش! یا درکھو نبیِ آخر الزماں جو ساری کائنات کے قیامت تک کے لئے رسول بن کر تشریف لائیں گے اور عرب سے شرک و کفر کا خاتمہ فرمائیں گے بحمدِ تعالیٰ وہ میری نسل سے ہوں گے اور عرش میں ان کا نام احمد اور فرش میں ان کا نام محمد ہوگا۔ یہ وہی نبیِ آخر الزماں ہوں گے جن کی آمد کی بشارت ہر نبی اپنے زمانے میں دیتے آئے اور اپنی امتوں سے ان پر ایمان

پشت پناہ شمرخ بن عمرو حمیری کا مشہور زمانہ مندرجہ ذیل شعر ہے۔ جو ”زرقانی علی المواہب“ کی جلد ثانی میں مرقوم ہے۔

وقریش ہی التی تسکن فی البحر

بہا سمیت قریش قریشا

یعنی قریش ایک ایسا جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اس کے نام کی مطابقت کرتے ہوئے قبیلہ قریش کو قریش کہا جانے لگا۔

اس سے پہلے کہ ہم قریش کی دیگر وجوہات بیان کریں ایک اہم بات ذہن نشین فرمائیں کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک ماہِ الامتیاز وصف ہے کہ آپ اپنے والد گرامی اور اپنی والدہ محترمہ دونوں کی جانب سے قریش ہیں کیوں کہ حضرت بی بی آمنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا سلسلہ نسب حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل ہو جاتا ہے۔

اب لفظ قریش کی وجہ تسمیہ سے متعلق دوسرا قول ملاحظہ کریں وہ یہ کہ لفظ ”قریش“ مشتق ہے تقرش سے جس کے معنی مجتمع اور یکجا ہونے کے ہیں چونکہ قریش دیرینہ باہمی اختلاف و افتراق و انتشار کے بعد حرمِ پاک میں دوبارہ یکجا ہو کر متحد ہو گئے تھے اس لئے انہیں قریش کہا جانے لگا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قرش کا معنی ہے کسب و ہنر۔ چونکہ قریش کا اہل ہنر ہونا اور کسب معاش کے سلسلے میں تجارت کرنا انتہائی مشہور و معروف تھا اس لئے انہیں قریش سے مخاطب کیا جانے لگا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ لفظ تقرش کا معنی ہے تفتیش اور چھان بین کرنا۔ چونکہ اہل قریش ایام حج میں بالخصوص فقراء کے حالات کی اچھی طرح تفتیش کرنے کے بعد ان کا تعاون کرتے

کے ساتھ یکجا کر کے مکہ المکرمہ میں آباد ہونے اور امن و امان سے زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا۔ اس سے پہلے کہ ہم حضور والا کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالیں آپ کے مقدس نام کی وجہ تسمیہ سماعت فرمائیں۔ لفظ ”قصی“ بروزن فعیل تصغیر کا صیغہ ہے قصی کا لغوی معنی ہے بعید۔ آپ کا نام قصی اس لئے رکھا گیا کہ آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایام حمل میں اپنے قبیلے سے دور بلاد قضاہ میں جا کر بود و باش اختیار کر لی تھی۔

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو کیا دیکھا کہ مکہ مکرمہ کے حالات انتہائی کشیدہ اور دگرگوں ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے قبائل خزاعہ نے مکہ شریف میں غلبہ حاصل کرنے کے بعد مکہ المکرمہ کے قبائل کو دیگر دور دراز علاقوں میں منتشر ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے بڑی کدو کاوش سے بکھرے ہوئے قبائل کو مجتمع کیا اور ان کے اندر ایسی ہمت و شجاعت کی روح پھونکی کہ سب نے متحد ہو کر بالآخر بنو قزاعہ سے مکہ المکرمہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ آپ کا یہ ایسا شاندار کارنامہ ہے جو بلاشبہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ لوگوں کی آسانی کے لئے آپ ہی نے دارالندوہ کا بھی قیام فرمایا۔ یہی وہ دارالندوہ تھا جہاں قریش جمع ہوتے اور باہمی مشوروں سے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

اب آئیے رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد گرامی کے دادا یعنی آپ کے پردادا حضرت ہاشم بن عبدمناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ کی خوشبوؤں سے مشام جاں معطر کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہاشم کا نام عمر وہ ہے اور ہاشم آپ کا لقب۔ روضۃ الاحبار کی روایت کے پیش نظر

لانے کا وعدہ لیتے رہے (بشرطیکہ وہ ان کا مبارک زمانہ پائیں) لہذا میں تم سب کو تلقین کرتا ہوں اگر تم میں سے کوئی بھی ان کا زمانہ پائے تو اپنی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے ان پر ضرور بالضرور ایمان لائے۔ جو ان کا زمانہ پانے کے بعد ان پر ایمان نہ لائے تو وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر رہے گا اور وہ اخروی نجات سے یکسر محروم رہے گا۔ علاوہ ازیں حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے انتہائی فصیح و بلیغ شخصیت کے مالک تھے اور شاعری میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت اور لوگوں کو آپ پر ایمان لانے کی تلقین سے متعلق انہوں نے بہت سارے ایسے اشعار کہے ہیں۔ جن کو پڑھنے کے بعد جہاں آپ کی شاعرانہ قدرت کا اعتراف ناگزیر ہو جاتا ہے وہیں آپ کی حق پسندی اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے لوث محبت و عقیدت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ان قابل صد ستائش اشعار میں سے ایک شعر نذر قارئین ہے۔

لیتینی شاهدةاً فحواء دعوتہ

اذا قریش تنفی الحق خد لانا

حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قصی بن کلاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چوتھے جد کریم ہیں۔ حضرت قصی بن کلاب کا نام نامی اسم گرامی تاریخ عرب میں اس قدر نمایاں ہے کہ اسے کبھی فراموش کیا نہیں جاسکتا۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ آپ نے مختلف منتشر قبائل کو بڑی جانفشانیوں

حضرت ہاشم اور ان کے بھائی عبدالشمس دونوں اس طرح جڑواں پیدا ہوئے تھے کہ دونوں کی پیشانیاں باہم متصل تھیں۔

بڑی کوششیں کی گئیں اور مختلف طریقے استعمال کئے گئے مگر جدانہ ہو سکیں۔ انجام کار تلوار سے الگ کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق پیشانیاں نہیں بلکہ دونوں کی کمر جڑی ہوئی تھی۔ بہر حال پیشانیاں ہوں یا کمر اتنا ضرور ہے کہ بذریعہ تلوار الگ کرنا پڑا۔ بعض مؤرخین نے اس واقعہ کو دونوں کی اولاد کے مابین دیرینہ جنگ و جدال کی علت قرار دیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ربّ قدیر نے آپ کو گونا گوں خصوصیات و صفات کا حامل بنایا تھا۔ آپ اس قدر وجیہ تھے کہ جو انہیں دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا۔ آپ کے چہرہ انور سے جہاں وجاہت کی شعاعیں پھوٹی تھیں وہیں جاہ و جلال اور شان و شوکت کی ایسی روشنیاں نکلتی تھیں کہ دیکھنے والا نہ چاہ کر بھی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ پورے عرب میں آپ کی شجاعت کا ایسا سکھ بیٹھا ہوا تھا کہ دشمن آپ کے نام سے کانپا کرتا تھا۔ بڑے سے بڑا بہادر آپ سے متصادم ہونے سے پہلے ہی ایسا مرعوب ہو جاتا کہ جیسے کانٹو تو خون نہ نکلے۔

آپ کی مذکورہ بالا صفات تو قابل قدر تھیں ہی اس پر مستزاد آپ کا جذبہ سخاوت لوگوں کو مسخر کئے ہوئے تھا۔ اسی جذبہ سخاوت کا بین اثر تھا کہ آپ پورے عرب میں اعلیٰ درجے کے مہمان نواز مانے جاتے تھے۔ آپ کا خود لقب ”ہاشم“ آپ کی مہمان نوازی کا آج بھی کلمہ پڑھ رہا ہے۔ ہوا یوں کہ آپ کے دور میں پورے عرب میں قحط سالی کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ چاروں

طرف بھوک مری کی مکدّ رخصا چھائی ہوئی تھی۔ مزید برآں حج کا زمانہ بھی آپہنچا۔ گویا حالات انتہائی پر آشوب اور ناقابل برداشت ہو گئے۔ سارا عرب ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی شدید قحط سالی اس سے پہلے کبھی عرب میں رونما نہیں ہوئی۔ بہر کیف ایسے نازک اور سنگین موقع پر بھلا حضرت ہاشم جیسا سخی اور مہمان نواز خاموش ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کیسے سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بلاتا خیر ملک شام کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں سے ڈھیر ساری خشک روٹیاں خرید کر مکہ المکرّمہ پہنچے اور اونٹ کے گوشت کے شوربہ میں روٹیوں کا چورہ کر کے ترید بنا کر تمام حاجیوں کو اتنا کھلایا کہ سب کے سب شکم سیر ہو گئے۔

چونکہ ”ہاشم“ کا لفظی معنی ہے روٹیوں کا چورہ کرنے والا اور اسی واقعے کے بعد ہی سے آپ کا لقب ہاشم پڑ گیا اور یہ لقب اس قدر مشہور اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ دنیا بجائے آپ کے نام عمر و کے ہاشم سے جاننے پہچاننے لگی۔ واضح رہے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ترید بے حد پسند تھی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ترید لذت آمیز ہونے کے باوصف کھانے والے کو جلد شکم سیر بھی کر دیتی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”دیگر کھانوں میں ترید کی فضیلت ایسی ہے جیسے عائشہ کی فضیلت عورتوں پر۔“

یوں تو حضرت عبدمناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار فرزند تھے لیکن حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں مختلف اعتبار سے بلاشبہ حد درجہ لائق و فائق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبدمناف کے وصال کے بعد بالاتفاق حضرت ہاشم

اور ان کی قبر کو کشادہ فرمادے اپنے نبی کے وسیلے سے اور ان نبیوں کے وسیلے سے جو مجھ سے پہلے دینائے فانی کو خیر باد کہہ چکے ہیں کیوں کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے فرزند کا نام نفیلہ، تیسرے فرزند کا نام صفیٰ اور چوتھے فرزند سرکار ابد قراری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت اور نشوونما مدینہ منورہ میں اپنے نانا کے گھر ہوئی۔ جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو مکہ المکرمہ آ کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور مقام غزہ میں جو ملک شام کے راستے میں واقع ہے مدفون ہوئے۔

واضح رہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اسم گرامی شیبہ ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے کہ چونکہ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کے سر میں سفید بال تھے اس مناسبت سے آپ کا نام شیبہ رکھ دیا گیا۔ آپ کے نام عبدالمطلب رکھے جانے کے سلسلے میں محدث علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد جب آپ کے چچا مطلب مدینہ منورہ آئے اور حسن و جمال کے پیکر بننے کو دیکھ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ حسین بچہ کس کا ہے یہ تو ہمارے خاندان کا ہی چشم و چراغ لگتا ہے اور اس کے نازک بدن کی ساخت اور اس کے اعضاء کے نقش و نگار بہت حد تک ہم سے مشابہ ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ آپ کا قیاس سو فیصد صحیح

کعبہ مقدسہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے مدینہ منورہ کے مشہور قبیلہ بنو خزرج کے ایک نامور سردار عمرو کی صاحبزادی حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ آپ کے والد گرامی کی طرح ربّ کائنات نے آپ کو بھی چار فرزند عطا فرمائے۔ ایک فرزند جس کا نام اسد تھا۔ یہی وہ اسد ہیں جن کی صاحبزادی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ ماجدہ، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی مشفقہ چچی اور آپ کے پیکرِ شفقت و محبت چچا ابوطالب کی زوجہ پاک ہیں اس پر متزاد یہ کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کو ربّ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحابیہ ہونے کا بھی اعزاز بخشا۔ وفاء الوفاء۔“ کی جلد ثانی کے اندر یہ مندرج ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر ملال کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں تھے آپ کا بے حد خیال رکھا اور ایک مشفقہ ماں سے بڑھ کر خدمتیں کیں۔ انہیں خدمات کا ربّ کائنات نے انہیں ایسا حسین ثمرہ عطا فرمایا کہ آپ کے انتقال کے بعد نہ صرف یہ کہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مشفقہ چچی کے لئے اپنے دستِ مقدس سے قبر کی لحد کھودی بلکہ انہیں اپنی متبرک چادر کا کفن پہنایا اور ان کی قبر میں کچھ دیر بہ نفسِ نفیس لیٹ کر خداوند قدوس کی بارگاہ بے نیاز میں یوں دعا فرمائی۔

”یا اللہ! میری ماں (چچی) فاطمہ بنت اسد کو بخش دے

دوبالانظر آ رہا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں ٹھہر نہیں پارہی تھیں۔ سارے کے سارے ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگے کہ اخیر اس جوان کے حسن و جمال اور مرتبہ کمال کا راز کیا ہے۔ جب یہ باتیں آپ کے والد حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوئیں تو آپ نے قریش کے مشہور کاہنوں سے رابطہ کیا اور جب سارا واقعہ بتایا تو کاہنوں نے کہا کہ اب بلاتا خیر اس نوجوان کا نکاح کر دیا جائے۔ گویا یہ من جانب اللہ اشارہ تھا کہ اب نور محمدی کے منتقل ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ماہہ الامتیاز وصف یہ بھی تھا کہ آپ کے جسم مقدس سے ہمیشہ مشک کی ایسی بھینی بھینی خوشبو اٹھا کرتی تھی کہ جس سے گرد و نواح معطر ہو جایا کرتے تھے۔ آپ بلاشبہ موجد تھے اور ان ایام جاہلیت کے شرمناک رسوم سے بے حد نفرت کیا کرتے تھے۔

شراب اور زنا کو سخت حرام جانتے تھے اور لڑکیوں کا زندہ درگور کیا جانا آپ کو اس قدر ناپسند تھا کہ آپ لوگوں کو اس ناپاک جرم کے ارتکاب سے بڑی سختی کے ساتھ روکا کرتے تھے اور اگر کسی شخص کی چوری حدِ ثبوت تک پہنچ جاتی تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ آپ بے حد پاک باز، نیک طینت اور عابد و زاہد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا مقدس سینہ خشیت الہی کا ایسا گنجینہ تھا کہ کئی کئی دنوں تک متواتر آپ غارِ حرا میں جا کر معتکف ہو جاتے اور رپّ کائنات کی عبادت میں منہمک و مستغرق رہتے۔ گوشہ نشینی اور خلوت گزینی سے آپ کو اس قدر لگاؤ تھا کہ بالخصوص ماہِ رمضان المبارک میں تقریباً پورے ماہ غارِ حرا میں خداوند قدوس کی یادوں میں محو رہا کرتے تھے۔

ہے کیوں کہ یہ بچہ کوئی اور نہیں بلکہ آپ کے برادرِ اکبر جناب ہاشم کا نورِ نظر اور لُحّتِ جگر ہے اور آپ کا بھتیجہ ہے۔ اتنا سنتے ہی مطلب کے چہرے پہ مسرت و شادمانی کی کلیاں مسکرانے لگیں اور انہوں نے فرطِ محبت میں اپنے حسین و جمیل بھتیجے کو گود میں اٹھالیا اور اپنے اونٹ میں بٹھا کر چلنے لگے تو اثنائے راہ لوگوں نے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ جسے آپ نے اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا رکھا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ یہ میرا عبد ہے۔ اس طرح آپ کا نام عبدالمطلب مشہور ہو گیا۔ حضرت محدث علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے روضۃ الاحبار کے حوالے سے دوسری وجہ یہ بتائی کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد گرامی کی دنیائے فانی سے رحلت کے بعد چونکہ جناب مطلب نے آپ کی پرورش کی اور عرب کے دستور کے مطابق جس کی پرورش کی جاتی تھی اسے عبد کہا جاتا تھا تو اس تناظر میں آپ کو عبدالمطلب نام سے پکارا جانے لگا۔

زرقانی علی المواہب کی جلد اول میں بڑی صراحت و استناد کے ساتھ درج ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس پیشانی میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نورِ نبوت اس قدر درخشاں و تاباں تھا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ کے کسی گوشے میں محوِ استراحت تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ کے جسم مقدس پر بے حد قیمتی زرق برق لباس تھا اور آپ کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور مزید برآں آپ کے سر کے بالوں سے تیل کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس وقت آپ کا حسن و جمال اس قدر

علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ٹھیک پچپن دن پہلے وقوع پذیر ہوا۔ قرآن مقدس میں ربّ کائنات نے سورہ فیل میں اس واقع کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

واقعہ اصحاب فیل کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ابرہہ نامی یمن کے بادشاہ کی آنکھوں میں خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت خاروں کی طرح کھلتی تھی۔ اس کے دل میں بغض و حسد کی آگ اس قدر تیز ہوئی کہ اس نے خانہ کعبہ کے مد مقابل یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک انتہائی پر شکوہ عمارت بنائی۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ بجائے خانہ کعبہ کے اس کی بنائی ہوئی عمارت میں جوق در جوق آئیں اور اس کا طواف کریں اور اس کا احترام بجالائیں تاکہ اس کی واہ واپی ہو اور لوگوں کے دلوں سے خانہ کعبہ کی عظمتیں کا لہدم ہو جائیں۔ زرقانی علی المواہب جلد اول کی روایت کے مطابق جب یہ بات مکہ المکرمہ میں مشتہر ہوئی تو قبیلہ کنانہ کے ایک شخص کے سینے میں غم و غصہ کی ایسی لہر دوڑی کہ وہ فرط غیض و غضب میں یمن جا کر ابرہہ کے بنائے ہوئے گرجا کو نجاست آلود کر دیا۔ جب یہ بات ابرہہ کو معلوم ہوئی تو وہ مارے غصے سے اس کی بھنویں تن گئیں اور اس کا جوش انتقام طشت از بام ہو گیا اور اس نے اپنی ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خانہ کعبہ کے انہدام کا برملا اعلان کر دیا اور ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ المکرمہ پر دھاوا بول دیا۔ اگر اس واقعہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ قبیلہ کنانہ کے شخص کا ابرہہ کے تعمیر کردہ گرجا گھر کو نجاست آلود کرنا محض ایک بہانہ تھا دراصل ابرہہ کو اس واقعہ سے پہلے یہ کھل رہا تھا کہ اس کے بے

مذکورہ اوصاف حمیدہ کے علاوہ ربّ کائنات نے آپ کے اندر سخاوت، خلق اللہ کی بے لوث خدمت، یتیموں اور غریبوں کی امداد کا ایسا وافر جذبہ عطا فرمایا تھا کہ انسان تو انسان اپنے دسترخوان سے پرندوں کیلئے بھی شکم سیری کا سامان فراہم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں سارا عرب ”مطعم الطیر“ (پرندوں کو کھانا کھلانے والا) کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

آپ کی انہیں قابل قدر خوبیوں کا بین اثر تھا کہ پورا عرب آپ کا بے حد احترام کرتا تھا اور دوست تو دوست دشمن بھی آپ کی عظمت شان کے سامنے سر بہ خم رہا کرتا تھا۔ آپ کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دل عزیز کا یہ عالم تھا کہ مکہ والوں پر جب بھی کوئی مصیبت ناگہانی آتی یا قحط سالی کا حملہ ہوتا تو مکہ والے آپ کو وسیلہ بنا کر خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعائیں کرتے تو فوراً مصیبت ٹل جاتی اور قحط سالی سے نجات مل جاتی۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ احسان تا قیامت فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ہی نے چاہ زم زم کی اس طرح نشاۃ ثانیہ فرمائی کہ اسے از سر نو کھدوا کر درست کیا اور قیامت تک کے لئے مقدس و شفا بخش آب زم زم سے سیرابی کی سبیلیں ہموار فرمائیں۔ واضح رہے کہ حضرت ہاشم اور جناب مطلب کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت و سجادگی آپ میں منتقل ہوئی اور ساتھ ساتھ آب زم زم کی سقایت کے عظیم منصب پر بھی آپ تادم حیات فائز رہے۔

انتہائی سبق آموز اور درس خیز واقعہ فیل بھی آپ ہی کے دور میں رونما ہوا۔ اصحاب سیر اور مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ فیل محسن انسانیت سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ

فوراً وہ ہاتھی آپ کے سامنے سر بہ سجدہ ہو گیا۔ حالانکہ یہ وہ ہاتھی تھا جو اس سے پہلے کسی اور کے سامنے کیا خود ابرہہ کے سامنے سر بہ سجدہ ہونا تو درکنار کبھی سر بہ خم بھی نہیں ہوا تھا۔ ہر چند کہ ابرہہ اس ہاتھی کا بے حد خیال رکھا کرتا تھا اور اس کی نگہداشت میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔ اگر اس روایت پر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ سفید ہاتھی کا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو سجدے میں گر جانا یقیناً من جانب اللہ تھا گویا وہ ہاتھی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں بلکہ آپ کی مقدس پیشانی میں چمکتے ہوئے نور محمدی کو اپنے سجدوں سے خراج عقیدت پیش کر رہا تھا۔ روایت میں یہاں تک ہے کہ ہر چند کہ لوگوں نے بڑی کوششیں کیں اور بار بار اس کو کوچیں ماریں لیکن وہ بدستور سجدے کی حالت میں پڑا رہا گویا وہ نور محمدی کا ایسا گرویدہ ہو گیا تھا کہ سر اٹھانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

جب لوگوں نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابرہہ کے ناگہانی حملے کی خبر جانکاہ بتائی تو آپ کی مقدس پیشانی پر ذرہ برابر بھی شکن نہیں آیا جب کہ اس کے برخلاف لوگوں کے اندر بے حد خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص اس حملہ کے بھیانک نتائج کو سوچ کر سراسیمہ نظر آ رہا تھا مگر آپ کے اندر نہ کوئی گھبراہٹ تھی اور نہ کسی قسم کی منفی فکر کا تسلط۔ لوگوں نے فرط حیرت سے پوچھ ہی لیا کہ حضور والا! پورا مکہ ابرہہ کے حملہ کو لے کر تھر تھر کانپ رہا ہے۔ لوگوں کی راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں مگر آپ بالکلیہ مطمئن نظر آ رہے ہیں۔ اخیر اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ایمان افروز جواب دیا کہ چشم زدن میں سارے مکہ والو کے دلوں میں

در بلیغ دولت خرچ کر کے خانہ کعبہ کے بالمقابل عالیشان عمارت بنوانے کے باوجود وہاں زائرین کا اثر دہام ہوتا اور نہ لوگ اس کا خاطر خواہ احترام بجالاتے اس کے برعکس خانہ کعبہ میں زائرین کی ریل پیل ہوا کرتی تھی۔

محمد علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تصنیف لطیف مدارج النبویہ کی جلد ثانی میں فرماتے ہیں کہ جو ہی ابرہہ مکہ المکرمہ کی حدود میں اپنا ناپاک قدم رکھا تو یک بیک اس کی نگاہیں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار ہو گئیں۔ نگاہوں کا چار ہونا تھا کہ اس کے اندر اس قدر ہیبت و وحشت طاری ہوئی کہ وہ چاہ کر بھی خود کو سنبھال نہ پایا اور اس پر بے ہوشی کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ دھڑام سے زمین پر بے سدھ گر پڑا۔ اس وقت اس کے منہ سے گائے کے ڈکارنے جیسی آواز بلند ہو رہی تھی۔ بڑی دیر تک وہ اسی کیفیت میں مبتلا رہا جب ہوش بحال ہوا تو وہ بے ساختہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر الفضل ما شہدت بہ الاعداء کے تحت بول پڑا کہ بلاشبہ میں آپ کی عظمت شان کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں اور اس بات کا برملا اعلان کرتا ہوں کہ آپ قریش کے سچے اور مہتمم بالشان سردار ہیں۔

اسی طرح محدث علی الاطلاق ایک اور روایت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ابرہہ ایک انتہائی مہیب و خوفناک سفید ہاتھی ساتھ لایا تھا جو خانہ کعبہ کے ڈھانے کے مہم کو سرانجام دے گا۔ جب اس سفید ہاتھی کی نظر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارعب چہرہ نور پر پڑی تو

کی بارگاہ میں تعظیماً و تکریماً باادب دست ستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر انتہائی ادب و احترام سے عرض گزار ہونا ہے کہ اے قریش کے عظیم المرتبت سردار تشریف آوری کا سبب بیان فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ آپ کی فوجیں ہمارے اونٹ، بکریوں اور دیگر مویشیوں کو ہانک لائے ہیں وہ سب ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔ ابرہہ کے کان کھڑے ہو گئے، اس کی حیرتوں کی انتہا نہ رہی، اس کے دل و ماخ پیچ و خم کھانے لگے، اس کے فکر و احساس کی زنجیریں ہلنے لگیں یہاں تک کہ اس کی شاہی سوچوں کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور پھر اس سے رہا نہ گیا وہ بول پڑا جناب والا! سچ تو یہ ہے کہ میری نظروں میں آپ کا بے حد وقار قائم تھا اور میں آپ کو انتہائی ہمت و راہ بہادر سمجھتا تھا لیکن آپ کے مطالبے نے آپ سے متعلق میرے بلند ترین خیالوں کے سارے شیرازے بکھیر کر رکھ دیئے۔ کیا آپ تک یہ اطلاع نہیں پہنچی ہے کہ میں خانہ کعبہ کو مسما کرنے کا عزم مصمم لے کر آیا ہوں۔ یقیناً آپ کو یہ ہوش رہا خبر مل گئی ہوگی لیکن تعجب بالائے تعجب بجائے خانہ کعبہ سے متعلق گفتگو کرنے کے آپ مویشیوں کے بارے میں مطالبہ کر رہے ہیں۔ حیرت ہے آپ کو خانہ کعبہ کے بچانے کی فکر نہیں اگر فکر ہے تو اپنے مویشیوں کی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آپ میرے قدموں پر سر رکھ کر منت و سماجت کریں گے کہ بادشاہ سلامت! ہم پر رحم کھائیے ہم آپ کو اپنے خدا کا واسطہ دے رہے ہیں خانہ کعبہ کو نہ ڈھائے مگر آپ ہیں کہ!!! اتنا سننا تھا کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی شائستگی سے فرمایا جناب ابرہہ! کان کے دروازے کھول کر سنئے!

ہیبت کی جلتی ہوئی آگ بجھ کر خاکستر ہو گئی۔ جواب کیا تھا اس کے ایک ایک حرف سے خدائے وحدہ لا شریک پر توکل و اعتماد کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ آپ نے برجستہ فرمایا کہ اے مکہ والو! قطعی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خانہ کعبہ ہمارا گھر تھوڑے ہے جو ہمیں متردد و فکر مند ہونا ہے۔ یہ گھر خلاق کائنات کا ہے وہی اس کا محافظ ہے۔ ایک ابرہہ کیا ہزاروں ابرہہ دنیا بھر کے پردہشت جانور اور جان لیوا ہتھیاروں سے لیس جانناز و دلیر افواج لے آئیں پھر بھی خانہ کعبہ کا کوئی ایک بال بھی بریکا نہیں کر سکتا کیوں کہ جس کی حفاظت خالق کرے مخلوق میں کہاں اتنی بساط کہ وہ اس کو ذرہ برابر بھی گزند پہنچا سکے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان موحدیت اور اندازِ توکل پہ قربان جائیے کہ جب خانہ کعبہ کے ڈھائے جانے کی بات آپ نے سنی تو چہرے پر اضطراب کا کچھ بھی اثر مرتب نہیں ہوا لیکن جب آپ کو یہ خبر ملی کہ ابرہہ کی فوجیں آپ کے چار سو اونٹ ہنکا کر لے گئی ہیں تو آپ بے قرار ہو گئے اور غیض و غضب سے آپ کی بھنویں تن گئیں۔ اور سخت و غم و غصہ کے عالم میں بلا خوف و خطر سیدھے ابرہہ کے پاس پہنچے۔ جو ہی ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلندی قامت، اندازِ رعہ و وفا اور بے مثل حسن و جمال کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو اس کے سارے کروفر کا دن دھاڑے جنازہ نکل گیا اس کی ساری سطوتیں دم توڑ گئیں، اس کی شہنشاہیت کی تمام تمکنتیں ہوش و حواس کھو بیٹھیں، اس کے کبر و غرور کی عمارت کی ایک ایک اینٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی تخت شاہی سے اترتا ہے اور آپ

یقین کامل ہے کہ ضرور بالضرور ربِّ قدیر اپنی قہاریت کا مظاہرہ فرمائے گا اور ابرہہ سمیت اس کی ساری فوجیں ہلاکت خیزیوں سے دوچار ہوں گی۔ خانہ کعبہ بدستور خداوند قدوس کی حفاظت کے نوری حصار میں یونہی جلوہ طراز رہے گا۔ ایسے سنگین موقع پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باب کعبہ کے حلقے کو تھام کر بطریق الحاح جو دعا فرمائی تھی اس کا ایک ایک حرف آج تک آپ کی شان توکل کا خطبہ پڑھ رہا ہے۔ آپ کی مقدس دعا شعری پیکر میں یوں ڈھلی ہوئی تھی۔

لاہم انّ المرء یمنع رحلہ فامنع رحالک

وانصر علی ال الصلیب و عابدیہ الیوم الک

ترجمہ :- یا اللہ! ہر شخص اپنی جائے سکونت اور مال و متاع کی حفاظت و صیانت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا ہے لہذا تو بھی اپنے تقدس مآب گھر کی حفاظت فرما اور آلِ صلیب یعنی عیسائیوں اور صلیب کے پرستاروں کے مد مقابل اپنے مومن اور اطاعت شعار بندوں کو اپنی نبی امداد سے شاد کام فرما۔

تاریخ و سیر کی کتابیں شہد ہیں کہ جب آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ منفرد دعائیہ کلمات نکل رہے تھے اس وقت خانہ کعبہ کے درودیوار سے اور آسمانی فرشتوں کی معصوم زبانوں سے آمین کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ادھر آپ ربّ کائنات کی بارگاہ میں بڑی بے قراری کے ساتھ خانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے دعائیں کر رہے تھے اور ادھر ابرہہ اپنی شقاوتِ قلبی کی بنیاد پر دنیاوی جاہ و حشمت اور مادی قوت و سطوت پر پر اعتماد ہو کر خانہ کعبہ پر حملہ آور ہونے کی تمام تر تیاریوں میں مصروف کار تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ

موبیشی میرے ہیں مجھے ان کی فکر دامن گیر ہے۔ رہی بات کعبہ مقدسہ کی۔ وہ میرا نہیں۔ جو اس کا مالک ہے۔ اور جس کا گھر ہے وہ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ جناب یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے کسی مائی کے لال میں ہمت نہیں اس کی کسی ایک اینٹ پر خراش تک لا سکے وہ قادر مطلق ہے اس کی طاقت کے سامنے ساری طاقتیں بے معنی و بیچ ہیں۔ آپ کا یہ دندان شکن جواب سن کر ابرہہ تلملاتے ہوئے کہنے لگا ٹھیک ہے تو آپ بھی سن لیجئے سردار قریش! مجھے اپنی مہم کو بہر صورت سر کرنا ہے اور میں خانہ کعبہ کو مسمار کر کے دنیا سے اس کے وجود کو کالعدم کر دوں گا۔ آپ یہ کہہ کر اپنے دولت کدے کی طرف روانہ ہو گئے ابرہہ! اب تو جانے اور خدا جانے۔

ابرہہ نے آپ کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ سردار قریش اور مکہ کے جن جن باشندوں کے جانور تم ہانک لائے ہو انہیں بلا چوں چرا واپس کر دو۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے موبیشیوں کی بازیابی پر خداوند قدوس کا شکر ادا کیا اور اپنے دولت کدے پر واپس ہونے کے بعد اپنے خاندان کے چند افراد کو لے کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور ساتھ ساتھ مکہ والوں کو جمع کر کے اعلان فرمایا کہ خداوند کونین پر مکمل طور پر توکل رکھتے ہوئے اپنے جانوروں اور ساز و سامان کو ساتھ لے کر مکہ شریف کے باہر نکل جاؤ۔ جسے جہاں موقع ملے وہ وہاں پناہ گزریں ہو جائے خواہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا دروں کے اندر۔ مترد و متفکر ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ یہ معاملہ ربّ کائنات کے مقدس گھر کی حفاظت کا ہے۔ مجھے

اپنی فوجوں اور ہاتھیوں کی قطاروں کے ساتھ جوں ہی خانہ کعبہ کو ڈھانے کے مذموم عزم کے ساتھ آگے بڑھا تو خدائے وحدہ لا شریک نے اباہیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ کو اپنے قہر و غضب کا نمونہ بنا کر بھیج دیا۔

محدث علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب مستطاب ”مدارج النبوة کی جلد ثانی میں رقم طراز ہیں کہ اباہیل کی فوجیں ناگہاں سمندر سے نکل کر حرم کعبہ کی جانب اس طرح آنے لگیں کہ ہر ایک اباہیل کے منہ میں ایک کنکری اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں تھیں اور کنکری مسور کے دانے سے بھی چھوٹی تھی مگر ان کنکریوں کا کمال یہ تھا کہ ابرہہ کے کسی بھی فیل سوار کے سر پر پڑتیں تو چشم زدن میں اس کے بدن کو چھید کرتی ہوئی ہاتھی کے بدن سے اس طرح آر پار ہو جاتیں کہ وہ فوجی اس آسمانی عذاب کی تاب نہ لا کر ہاتھی سمیت ڈھیر ہو کر موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ ابرہہ اور اس کی تمام فوجیں ہاتھیوں سمیت سب کے سب ختم ہو گئے۔ کوئی ایک بھی عذاب الہی کی زد سے بچ نہ سکا۔ تفسیر ابن کثیر میں مندرج ہے کہ ان کی ہلاکتوں کا یہ عالم تھا کہ زمین پر ان کے بدن کی بوٹی بوٹی ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو گئی۔

ظالموں کی ہلاکتوں کی اطلاع پاتے ہی حضرت عبدالمطلب مع اہل خانہ پہاڑ سے اترے اور ربّ قدیر کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا۔ اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد پورے عرب میں آپ کی اس عظیم الشان کرامت کا گھر گھر چرچا ہونے لگا اور پورے عرب میں آپ کی عزت و تکریم دوبالا ہو گئی۔



میرے پاس فوجیں ہیں، اسلحہ جات ہیں، مادی طاقتیں ہیں تو پھر مجھے ناپاک عزائم کی کامیابی کی راہوں میں کون سی طاقت مزاحم ہو سکتی ہے۔ وہ اس حقیقت سے مکمل طور پر نابلد تھا کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ یعنی بیشک تیرے رب کی پکڑ بے حد سخت ہے رب کائنات کبھی کبھی ظالموں کو ایک مدت کے لئے ڈھیل دے دیتا ہے۔ تو پھر ظالم اپنی ستم رانیوں کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا ہے۔ اور مظالم کی دنیا کا خود کو بے تاج بادشاہ تصور کر بیٹھتا ہے۔ نیتجاً عاقبت و انجام سے بے خبر جو روجھا کی شعلہ زنی کو اپنے لئے باعثِ صدا افتخار سمجھتا ہے۔ لیکن جب خدائے قہار کی پکڑ ہوتی ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ اسے دن میں تارے نظر آتے ہیں بلکہ اس کے سامنے تباہی و بربادی کی ایسی بھیانک گہری کھائی ہوتی ہے کہ اس میں اسے گرنے سے کوئی نہیں بچا پاتا۔ انجام کار آہوں پہ آہیں بھرتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب الہی کے شکنجے میں جکڑ جاتا ہے۔ بعینہ یہی حال اس ناعاقبت اندیش اور متکبر و ظالم ابرہہ کا ہوا۔ ہر چند کہ من جانب اللہ اسے اس جرم عظیم کے ارتکاب سے روکنے کے لئے ایک واضح اشارے دیئے گئے مگر جب بندہ ازلی طور پر شقاوت کا خوگر ہوتا ہے تو اس پر یہ ساری چیزوں کا کچھ بھی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اگر ابرہہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس کے سفید ہاتھی کا سجدے میں گر جانا اور سجدے سے سر نہ اٹھانے ہی سے عبرت حاصل کر لیتا تو پھر وہ دائمی طور پر خائب و خاسر نہ ہوتا۔ مگر کیا کہنے گا بقول شخصے جب خدادین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔

المختصر ابرہہ بڑے ہی کروفر کے ساتھ اسلحوں سے لیس

منقبت

اس لئے روشن ہے یوں شمعِ شبستانِ رضا
 ہے جہانِ سنیت پر اتنا احسانِ رضا
 ورنہ برسے گا کہاں سے ابرِ فیضانِ رضا
 تاجداروں سے نہیں ہیں کم غلامانِ رضا
 برسرِ پیکار رہتے ہیں فدایانِ رضا
 یا الہی ہاتھ سے چھوٹے نہ دامانِ رضا
 خلد میں جائیں گے جس دم ہم مہمانِ رضا
 عام انساں کیا سمجھ پائے گا پھر شانِ رضا
 کاش اتنا ہی سمجھ جاتے حریفانِ رضا
 خوش نصیب افراد ہی بنتے ہیں مہمانِ رضا
 ہیں شگفتہ پھر بھی گلہائے خیابانِ رضا
 پڑھ کے دیکھے تو کوئی اشعارِ دیوانِ رضا
 ہے حرا کے نور سے معمور ایوانِ رضا
 سارے سستی مل کے بھی بدلہ چکا سکتے نہیں
 خوش عقیدہ آدمی ہونا نہایت شرط ہے
 جاہ و حشمت چومتی ہے آ کے روزانہ قدم
 ہر گھڑی احقاقِ حق، ابطالِ باطل کے لئے
 اپنی نسلوں کے لئے بھی یہ دعا کرتے ہیں ہم
 باغیانِ اہل سنت دیکھتے رہ جائیں گے
 آج کاسائنس داں جب ورطہٴ حیرت میں ہے
 کیوں رضا پر ساری دنیا کر رہی ہے جاں نثار
 عرسِ رضوی ہو کہ عرسِ نوری یا پھر حامدی
 دیکھا کرتی ہے خزاں چشمِ حسد سے بار بار
 لذتِ عشقِ نبی سے آشنا ہو جائے گا

اشتہاروں میں اگر لکھئے کبھی گوہر کا نام

نام سے پہلے لگا دیجئے ثنا خوانِ رضا

رضویات

باب چہارم

مسک اعلیٰ حضرت ضرورت، اہمیت اور فادیت

علمی تحقیقات و تصانیف اور سرعت تحریر کو دیکھ کر عرب و عجم کے علماء و فضلا حیران و ششدر رہ گئے۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو لوگ انگریز کے کاسہ لیس و ریزہ خوار تھے وہ ان کا حق نمک ادا کرنے کے لیے ان کی بولی بولنے لگے اور استعماری قوتوں کو آقا یان نعمت مان کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، انگریز نے اسلام مخالف تحریک اور افتراق بین المسلمین کے لئے جن ایمان فروش ٹولیوں کو اپنا آلہ کار بنایا ان کے بد نصیب ہاتھوں سے شیرازہ ملت تارتار ہونے لگا۔ انگریز کے بوتے ہوتے زہر آلود بیج سے جو پودا نکلا ایمان فروش جماعت نے اسے پروان چڑھایا، اس کی نگہبانی کی پھر اس کے زیر سایہ رہ کر انہوں نے ایسی خفیہ سازش و تدبیر کی جس سے ملت کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی ممکن نہیں وہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ عظمت رسول پر بھی حملہ کرنے سے باز نہ رہے، راسخ العقیدہ مسلمانوں کے دلوں سے انہوں نے احترام و تکریم رسول کو نین ﷺ اور اسلاف و اکابر کا ادب نکال دینے کی بھرپور کوشش کی رسول کو نین ﷺ کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کہے، تو بین و تنقیص اور گستاخیوں سے بھری ہوئی کتابیں لکھیں بزرگوں کے تصرفات اور ان سے

برصغیر میں اعلیٰ حضرت اور مسک اعلیٰ حضرت پر بہت کچھ لکھا گیا، محققین و اصحاب قلم مسلسل لکھ رہے ہیں، علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ان کی طرف مائل و متوجہ ہے، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ علوم و فنون کے وہ بھیکراں ہیں جس کی گہرائی و گیرائی کا ابھی تک اندازہ نہ ہو سکا، وہ فضل و کمال کے ایسے کوہ گراں ہیں جس کی بلندی تک بڑے بڑے کوہ پیما کی بھی رسائی نہ ہو سکی، ان کی ہیبت و جلال سے کج کلاہان زمانہ حواس باختہ ہو گئے، ان کے برق رفتار و بے باک قلم کی طاقت و توانائی سے اہل حق اور فرقیہائے باطلہ کے درمیان تفریق و امتیاز پیدا ہو گیا، وہ مرد حق آگاہ تھے ان کے فکر و تدبیر سے بد عقیدگی و بد مذہبی کا وہ ناسور ختم ہو گیا جو مملکت کو اندر سے کھوکھلا کر ہاتھا۔

انہوں نے اسلامیان ہند کے عقیدہ و ایمان کی نازک وقت میں حفاظت فرمائی، انہیں غیروں کے ہاتھوں بکنے سے بچایا، وہ سچے عاشق رسول تھے انہوں نے خوش عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن و فروزاں کی، اپنے تجدیدی کارناموں، فکری بصیرت و دانائی اور دینی خدمات سے انہوں نے معاصرین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ان کی

امام احمد رضا ہی وہ باکمال شخصیت ہیں، جن کی مساعی جمیدہ سے چودھویں صدی ہجری میں گستاخان رسول کے بد نما چہرے بے نقاب ہوئے ان کی افترا پردازیوں اور عیاریوں کا پردہ فاش ہوا، اہل حق اور اہل بدعت کے درمیان خط امتیاز کھینچا گیا، صحیح العقیدہ اور بد عقیدہ مسلمانوں کی شناخت و پہچان ہوئی، شان مصطفیٰ ﷺ میں توہین و بے ادبی کرنے والوں کو حکم شرع کے مطابق کافر و مرتد کہا گیا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا یہی وہ کارنامہ ہے، جو ان کے دیگر کارناموں پر بھاری ہے گو کہ ان کا ہر ایک وصف ممتاز و نمایاں ہے مگر وہ اسی وصف سے زیادہ مشہور و متعارف ہوئے یہی ان کی تجدیدی خدمات و کارناموں کا اہم باب ہے۔

انگریز کی کوکھ سے جنم لینے والا ایمان فروش فرقہ یہ چاہتا تھا کہ ہم مسلمانوں میں گھل مل کر رہیں، ہم اپنا کام کرتے رہیں اور ہمیں کوئی پہچان نہ سکے اس لئے وہ حنفی بھی بنے رہے اور بظاہر سنی بھی، مگر امام احمد رضا بریلوی نے اپنے عشق و ایمان کے حوالے سے جو پیغام، ملت کے نام نشر کیا تھا اس کا داعیہ اور اثر یہی تھا کہ تمام فرقہ ہائے باطلہ اہل سنت و جماعت سے الگ ہو گئے، ان کے تعفن و تکدر سے ملت پاک ہو گئی۔ اس جرأت مندانہ اقدام کے صلے میں اہل حق نے متفقہ طور پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو ”مجدد“ اور اپنا امام و مقتدا مانا، ان کی مرکزیت علمی برتری بھی تسلیم کی گئی چونکہ ملت اس وقت لامرکزیت کی شکار تھی کوئی ایسا نہ تھا جس سے ذہنوں کے اضطراب کو سکون ملتا، کوئی چشمہ شیریں ایسا نہ تھا جس سے پیاسی دنیا کو تسکین و شادابی ملتی بچہ پیدا ہونے کے بعد

توسل و استمداد کا انکار کیا، انہوں نے مکرو دغا کا جو بال بچھا یا تھا اس سے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ مگر ملت کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو گیا، وحدت و سالمیت مجروح و متاثر ہو گئی مسلمان فرقوں میں بٹ گئے، ایک گھر دوسرے گھر سے جدا ہو گیا، ایسے نازک حالات اور خوفناک وقت میں جو مرد مجاہد سینہ سپر ہو کر سامنے آیا وہ بریلی کی مسند ارشاد و ہدایت پر بیٹھنے والے ”اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی“ تھے بلکہ قدرت نے انہیں باطل قوتوں، استعماری طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور ان کے ہفوات و خرافات کا جواب دینے کے لئے مجدد بنا کر بھیجا، انہوں نے خداداد صلاحیت و استعداد سے ایمان فروشوں کی تمام عیاریوں کو طشت از بام کر دیا، ان کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع میں ادنیٰ سی توہین و تنقیص کرے وہ ہمارا نہیں، وہ غیروں کا آگے کار تو ہو سکتا ہے مگر اسلام اور مسلمانوں کا وفادار نہیں ہو سکتا ہے۔ وفادار امتی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے نبی کے ایک بال پر جان دینے کو تیار ہو جائے بلکہ غدار اور وفادار کی یہ شناخت بتائی گئی ہے کہ جو اپنے نبی کی شان گھٹائے وہ غدار ہے اور جو نبی کی عروت و توقیر میں مرٹے وہ وفادار ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ وفادار کون ہے؟ اور غدار کون ہے؟ جو اپنے نبی کی حیات و پیغمبری میں توہین و تنقیص کے پہلو تلاش کرے وہ تاریخ کا سب سے بڑا غدار ہے اور جو عشاق نبی وہی اصحاب باوفا ہیں، امام احمد رضا بریلوی بھی ایک باوفا عاشق رسول تھے ان کا عشق و عقیدت مشہور زمانہ ہے۔

تاریخ کی شاہراہ پر یہ بات جلی حروف سے لکھی ہوئی ہے کہ

سے مکھی کی طرح پھینک دیا گیا پھر بھی وہ نام اور لیبیل کا غلط استعمال کر رہے ہیں، لہذا ضرورت اور تقاضائے وقت کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے معاصر علمائے حق اہل سنت و جماعت کے لئے لفظ ”مسلمک اعلیٰ حضرت“ ایجاد کیا تاکہ فرقیاتے باطلہ سنی مسلمانوں کو مزید دھوکا نہ دے سکیں پھر آہستہ آہستہ یہ لفظ اہلسنت و جماعت کے درمیان ایسا رائج ہو گیا کہ سنت کا دوسرا نام ہی ”مسلمک اعلیٰ حضرت“ پڑ گیا۔

جیسے عہد صحابہ و تابعین اور ان کے بعد اہل اسلام بنام مسلمان جانے جاتے تھے مگر جب قدر و جبر اور اعتزال وغیرہ کا فتنہ پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے کو مسلمان سمجھتے تھے تو اہل حق نے ان سے تفریق و امتیاز کے لئے ”اہل سنت و جماعت کا لفظ ایجاد کیا جس سے قدریہ و جبریہ معتزلہ وغیرہ چھٹ گئے۔ ٹھیک اسی طرح جب ہندوستان کے فرقیاتے باطلہ دعوائے حنفیت و سنیت میں اہل سنت و جماعت کے اندر گھل مل گئے تو سنیت کے تحفظ و تشخص کے لئے لفظ ”مسلمک اعلیٰ حضرت“ کو رواج دیا گیا، جس سے تمام فرقیاتے باطلہ، اہلسنت و جماعت سے الگ ہو گئے اس سے ان کے مکروہ عوائم کو پامال کر دیا گیا۔

ان کا سب سے بڑا دھوکا یہی تھا کہ وہ مذہب حنفی پر عمل اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرتے تھے، ان کے فکر و عمل کے اس تضاد و تخالف سے ملت کراہ اٹھی، مگر مسلمک اعلیٰ حضرت کی ایجاد وقت کی اہم ضرورت اور وقت کا عین تقاضا تھا اگر بروقت اس کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہوتی تو غیروں کے اختلاط اور بدعتیگی کے تعفن سے مسلمانوں کو بچانا مشکل ہو جاتا۔

اس موڑ پر ہم امام احمد رضا بریلوی کو تحسین و عقیدت کا

آغوش مادر میں راحت پاتا ہے دھوپ کی تمازت میں انسان سایہ دار درخت تلاش کرتا ہے ٹھیک اسی طرح ملت اسلامیہ کا شیرازہ جو مدتوں بکھرا ہوا ہے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جو اس کے درد و کرب کا علاج کرتا، جب امام احمد رضا بریلوی کی علمی گونج سنائی دی اور ان کے تجدیدی کارنامے سامنے آئے تو پورا برصغیر ان کے گرد جمع ہو گیا اور سب نے متفقہ طور پر ان کی مرکزیت اور علمی خدمات کو تسلیم کیا، ان کا فیضان علم و کرم ایسا برسا کہ زمانہ آج تک سیراب ہو رہا ہے، یہ قدرت کا عظیم انعام و احسان ہے کہ اس نے امام احمد رضا کے ذریعہ سے تمام کشمافقوں کو دور کر دیا جو ملت اسلامیہ کو برسوں سے کمزور کر رہی تھیں۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جن باطل فرقوں کا رد بلیغ فرمایا ان میں وہابی، دیوبندی، قادیانی، رافضی وغیرہ سرفہرست تھے، انہیں ان کے کیفر کردار تک پہنچانے اور ہر موڑ پر ان کی سرکوبی کے باوجود یہ نئے نام اور نئے روپ سے ابھرتے رہے جب کہ ان باطل فرقوں اور اہل سنت و جماعت کے درمیان واضح امتیاز ہو چکا تھا ان کے عقائد باطلہ طشت از بام ہو گئے تھے ان پر حکم کفر و ارتداد لگا یا جا چکا تھا، پھر بھی وہ خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کمال بے حیائی سے اپنے کو حنفی اور سنی کہلاتے رہے، جو لوگ ان کے ناپاک عوائم و دام تزویر سے واقف و آگاہ نہ تھے وہ ان کی عیاریوں کے شکار ہو گئے، مبتدعین کی اس روش سے ملت اسلامیہ کے مقتد علماء متفکر و رنجیدہ ہوئے کہ معرکہ حق و باطل سر ہونے کے باوجود وہ کامیابی نہیں مل رہی ہے جس کی توقع کی جا رہی تھی علمائے حق یہ سوچتے تھے کہ ایمان فروشوں کو دودھ

جس طرح کل تھی یونہی اسکی ضرورت آج بھی ہے، اس سے جس بات کا امتیاز پہلے مقصود تھا وہ اب بھی ہے، جب تک معاندین اور اہل باطل کی ریشہ و دانیائیں رہیں گی مسلک اعلیٰ حضرت سے اہل حق کو تقویت و روشنی ملتی رہے گی۔

جب کہ آج کا ماڈرن دور پہلے کے اعتبار سے عقیدہ و عمل میں زیادہ بگڑا ہوا ہے، مرکزیت فنا ہو رہی ہے، مغربیت کی اندھی تقلید سے ایمان و اسلام کے تعلق سے غفلت و بے توجہی نظر آرہی ہے، جرائم کی کثرت ہے، محیر العقول ایجادات نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو چھین لیا ہے، بد عملی کے راستے سے بد عقیدگی داغل ہو رہی ہے، بعض تعلیم گاہوں اور دانش گدوں میں بد عقیدگی کے اسباق داخل نصاب ہیں، قلوب و اذہان سے رسول اللہ ﷺ کے احترام و تکریم کا جذبہ نکالنے کے اسباب بنائے گئے ہیں، اسلاف اکابر کی روایت کو پارہینہ اور فرسودہ سمجھا جا رہا ہے۔ غرض صلح کلیت اور مذہب بیزاری کے اس پر فتن دور میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت و اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کے فروغ و استحکام کی صورتیں تلاش کی جاتیں مگر اس کی راہیں مسدود کی جا رہی ہیں، اس پر قدغن لگایا جاتا ہے، جس معنی اور جس ضرورت کی بناء پر مسلک اعلیٰ حضرت کا رواج ہو اس معنی کے لحاظ سے جب تک دنیا میں ایک شخص بھی اہل حق سے باقی رہے گا اس کی ضرورت و اہمیت باقی رہے گی، کیونکہ یہ کوئی نیا اور خود ساختہ مسلک و مشن نہیں بلکہ یہ اہل سنت و جماعت کی دوسری تعبیر ہے اہل سنت و جماعت کے جتنے مبادیات و مقتضیات اور معتقدات و مسائل ہیں وہی ”مسلک اعلیٰ حضرت“ ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت ان

ڈھیروں خراج پیش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی سعی پیہم سے آج دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گیا، اہل ایمان اب چہروں سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ وفادار رسول کا چہرہ ہے اور وہ غدار رسول کا، کیونکہ وفادار کے چہرے میں نورانیت و طمانیت ہوتی ہے اور غدار کے چہرے چمک و تپاش سے معری، بے رونق اور داغدار ہوتے ہیں، امام احمد رضا بریلوی کی یہ کاوش جہاں یاد رکھنے کے قابل ہے وہیں وقت کے وہ جلیل القدر علمائے دین بھی ہدیہ تبریک و تحمین کے مستحق ہیں، جنہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کو قدم قدم پر فروغ و استحکام بخشا اور اپنے کردار و عمل سے اس کی تائید و حمایت کی، اپنے متوسلین و معتقدین کو اس پر گامزن و ثابت قدم رہنے کی تاکید و تلقین فرمائی۔

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت جب تھی تب تھی اب اس کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہے کہ اب وقت، حالات، تقاضے، تمدن اور انسانی مزاج بدل گئے ہیں، سائنسی ایجادات کے عروج و ارتقاء کا دور آ گیا ہے، یا مسلک اعلیٰ حضرت پر غیروں کے بے جا اعتراضات اور غلط رنگ پاشی سے متاثر ہو کر کوئی اسے کہنا چھوڑ دے بلکہ کہنے والوں کو نشانہ ملامت اور ہدف تنقید بنائے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پاگل کتوں کے بھونکنے سے سورج کا کچھ نہیں ہوتا، یا جو سورج کی طرف تھوکتا ہے وہ خود اسی کے منہ پر پڑتا ہے مگر سورج کا کچھ نہیں بگوتا، اس سے بڑا فرومایہ کون جو سورج کو چراغ دکھائے، جس کے دل میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف فتور یا اکابر مخالف جذبہ پیدا ہوا ہے، ہم ایسے شخص کو یہ پیغام فکر و عمل دینا چاہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت

کہہ سکتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف یہ پروپیگنڈہ صرف مخالف عناصر کو ہوا دینے یا اپنی پھکی دکانیں نہیں چمکانے کے لئے کیا جا رہا ہے، کاش اس پر آشوب دور میں وہ اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے اور حقائق و شواہد کے اجالے میں ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے نہ اس کی مخالفت و مقابلے پر کمر بستہ رہتے، یاد رکھو کہ آج مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت یا اسے بے بنیاد و کمزور ثابت کرنا مذہب حق کی مخالفت اور مسلک حق سے بغاوت ہے جذبہ مخالفت کے مضمرات میں کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ”حدثاء الاسنان“ کا کوئی نیا فتنہ ہے؟۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد و استنباط سے علم فقہ کو مدوں کیا، قرآن و حدیث سے مسائل استخراج کئے، امت مسلمہ کے لئے عملی میدان میں آسانیاں فراہم کیں اور دین متین کی بے مثال اور باوقار خدمت انجام دی اس کے باوجود ”مسلک امام اعظم“ نہیں کہا جاتا، لوگ صدیوں سے ان کی تقلید و پیروی کرتے آئے ہیں مگر مسلک امام اعظم نہیں کہتے۔ پھر کیا سبب ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں ”مسلک اعلیٰ حضرت“ کہنے کا رواج ہوا کیا اعلیٰ حضرت نے امام اعظم ابوحنیفہ کے برابر دینی و علمی کارنامہ انجام دیا ہے؟ جب کہ اعلیٰ حضرت مجتہد نہیں مقلد ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے اعلیٰ حضرت کا رتبہ امام اعظم سے بڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔

ان باتوں کا جواب بھی وہی ہے کہ اگر اس دور میں ”مسلک امام اعظم“ کہا جاتا تو اہلسنت و جماعت اور دیوبندی

سب کا ناشر و حامی اور موید ہے ان سے کوئی سرمنہ منحرف نہیں ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کے کئی نام ہوں ہر نام سے وہی چیز مراد ہو۔ جیسے ہمارے ملک کو ہندوستان، بھارت، انڈیا سب کہا جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ انڈیا سے کوئی اور ملک مراد ہو اور بھارت سے کوئی اور یوں ہی مسلک اعلیٰ حضرت بولنے سے اہل سنت و جماعت ہی مراد ہوتے ہیں کوئی اور مسلک و مذہب مقصود نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے عرفی طور پر بھی اہل سنت و جماعت اور حنفی ہی مراد ہوتے ہیں، کوئی نیا فرقہ یا نئی تحریک مراد نہیں ہوتی۔

غرض مسلک اعلیٰ حضرت ”وما انا علیہ واصحابی“ کی سچی تعبیر و تفسیر ہے، کیا کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ یہ بات اعلیٰ حضرت کی ایجاد و اختراع یا خود ساختہ ہے سنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟ بلکہ امام احمد رضا بریلوی نے تو مراسم اسلامیہ کو قوت و استدلال کی زبان عطا فرمائی ہے، بعض نوپید مسائل کا شرعی حل پیش فرمایا ہے۔

جو لوگ کبر و نخوت کی بناء پر یا ”پدرم سلطان بود“ کے زعم میں یہ کہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کوئی چیز نہیں یا مسلک اعلیٰ حضرت کہنا بوالعجبی ہے، یا یہ پانچواں مسلک کہاں سے آگیا جب کہ مسالک صرف چار ہیں یہ آوازیں اگر صرف غیروں کی طرف سے اٹھتیں تو صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز نہ ہوتا مگر حیرت یہ ہے کہ یہی باتیں غیروں کے ساتھ وہ بھی کہتے ہیں جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں۔

غیروں کے لئے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری عداوت و دشمنی میں ایسا کہتے ہیں ارے جو رسول اللہ کا نہ ہو سکا وہ ہمارا ہمدرد وہی خواہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر اپنوں کیلئے اس کے سوا کیا

اضافہ ہو رہا ہے مگر مدت کے حساب سے جتنا کام ہونا چاہئے وہ ابھی تک کما حقہ نہیں ہوا، نہ جانے ان کے باقیات و نوادرات اور فکری زاویوں کو سمیٹنے میں محققین کو اور کتنا عرصہ لگے گا، انہوں نے مختصر سے عرصے میں جو علمی اور تجدیدی کارنامے انجام دیئے ہیں انہیں کوئی انجمن یا کوئی بڑا ادارہ برسوں میں انجام نہیں دے سکتا، ان حیرت انگیز چیزوں کو دیکھ کر واقعی یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ قدرت کے عظیم انعام اور معجزات رسول کو نین صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک معجزہ تھے۔

انہوں نے جو کام کیا وہ خلوص و للہیت کے ساتھ کیا انہوں نے بریلی کی مسند رشد و ہدایت سے جو آواز دی وہ نفس و آفاق میں سنائی دی، اس کے اثر و نفوذ سے معاندین و مبتدعین کا زہرہ پانی ہو گیا، اہل حق میں نیا ولولہ پیدا ہوا، کیونکہ اس آواز میں صدیق کا خلوص، عمر کا رعب، عثمان کا بدبہ اور علی کا جوش تھا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جو بھی کیا وہ اتباع رسول کے ساتھ صحابہ و تابعین اور اسلاف و ائمہ کی تقلید و پیروی میں کیا، ان کے اندر اگرچہ اجتہاد و استنباط کی بھرپور صلاحیت و استعداد موجود تھی مگر انہوں نے ہمیشہ اپنے امام کی تقلید کی اس سے سر مو انحراف نہ کیا نہ تقلید کے خلاف کبھی کوئی بات کی۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جنہوں نے اپنے امام کے خلاف زندگی بھر کوئی قدم نہیں اٹھایا وہ کوئی نیا مسلک و مشن کیونکر ایجاد و اختراع کرتے۔ ایسی صورت میں اگر غیروں سے امتیاز کے لئے ”مسلک اعلیٰ حضرت“ کہا جائے تو کون سا متم ہے؟۔

یہاں سے مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت اہمیت آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتی ہے یوں ہی حالات اور عہد حاضر

وغیرہ کے درمیان فرق و امتیاز نہ ہوتا، مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے جو تمیز و تفریق مقصود ہے وہ مسلک امام اعظم کہنے سے حاصل نہ ہوتی کیونکہ بعض فرقہ بانیوں نے اپنے آپ کو حنفی اور امام اعظم کے مقلد و پیرو کہلاتے ہیں، مسلک امام اعظم نہ کہنے سے اس کا انکار یا جذبہ مخالفت سمجھ میں نہیں آتا کسی چیز کا حق و درست ہونا اور بات ہے اور اسے رائج و استعمال نہ کرنا اور بات بلکہ جس طرح اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے، یوں ہی اگر یہ کہا جائے کہ مسلک امام اعظم کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

یہ حق ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ و عقائد کے اصول و کلیات اور مسائل شرعیہ کی توضیحات و تشریحات قرآن و حدیث اور شرعی دلائل سے پیش کی ہیں، امت پر امام اعظم کا عظیم احسان ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد و معتقد تھے انہوں نے پچاس سال سے زائد عرصے تک مذہب حنفی ہی کے مطابق لکھا اور ایسا لکھا کہ علم و تحقیق کے نایاب و نادر لعل و گہر لٹا دیئے جن کی چمک و تابش سے علمی دنیا آج تک استفادہ اور راہ عمل متعین کر رہی ہے، یہ سچ ہے کہ ان کی تحقیقات میں ایسی علمی گہرائی و گیرائی موجود ہے جسے صرف علما ہی سمجھ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کئی دہائیوں سے علماء و محققین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی تحقیقات و باقیات پر کام کر رہے ہیں اور ان نوادرات کے جدید تقاضوں کے مطابق عصری اسلوب میں پیش کر رہے ہیں تاکہ ان سے عوام و خواص سب استفادہ کر سکیں۔

اس نوعیت سے ان پر قابل ذکر کام ہوا اور روز بروز مزید

ص ۲۵۶ کتاب الجہاد باب المرتد) یعنی جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

کوئی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ چودھویں صدی ہجری میں مرتدین زمانہ کے ان عقائد باطلہ کو طشت از بام و آشکار کرنے والا سوائے امام احمد رضا کے کون ہے؟ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان مرتدین او خوش عقیدہ مسلمانوں کے درمیان فرق کرنے والے اور ملت کو اس کا شعور دینے والے امام احمد رضا بریلوی ہیں اور اب سنیوں کو اس پر گامزن رکھنے والی قوت کا نام ہے ”مسلمک اعلیٰ حضرت“ اس کی اس سے بڑی افادیت کیا ہو سکتی ہے کہ اس پر چلنے والوں کے قریب بد عقیدگی و بد مذہبی کبھی نہ آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان کی تائید و حمایت سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت ہوگی۔

ایمان و اسلام اور اہل سنت و جماعت کے جو معتقدات و مقتضیات ہیں وہی تو مسلمک اعلیٰ حضرت کے منشور ہیں، اس کی اشاعت و ترقی عین مذہب اسلام اور اہل سنت و جماعت کی اشاعت و ترقی ہے، چودھویں صدی ہجری میں اگر امام احمد رضا بریلوی کا وجود نہ ہوتا تو یہ دین کے ڈاکو، متاع ایمان کے رہزن اہل اسلام کا تشخص مجروح کر دیتے، انگریزی استعمار کے ہاتھ انہیں ارزاں قیمت پر فروخت کر دیتے، امام احمد رضا نے ان کے متاع دین و ایمان کا سودا ہونے نہ دیا، اپنا سب کچھ قربان کر کے ان کی حفاظت کا سامان کیا، اسی طرح ان کے وصال کے بعد اگر ”مسلمک اعلیٰ حضرت“ کی اصطلاح رواج نہ پاتی تو سنیت کی بقا خطرے میں پڑ جاتی، کام سے تو نام ہوتا ہی ہے مگر کبھی کبھی نام سے بھی بڑا کام ہو جاتا ہے، اس سے

کے تقاضوں کے پیش نظر اس کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اس کی اہم افادیت یہ ہے کہ اس نام کی برکت یا رعب سے دشمنان دین سنیوں کے قریب نہیں آتے، یہ لفظ ان کے لئے دھاردار ہتھیار سے زیادہ کارگر ہے، جیسے شیطان کو بھگانے کے لئے لاجول پڑھنا موثر ہے یوں ہی بد مذہبوں اور بد عقیدوں کو برطرف کرنے کے لئے مسلمک اعلیٰ حضرت کہنا اثر انگیز ہے۔

حالات گواہ ہیں کہ جن لوگوں نے اس کی افادیت و واقعیت پر حرف زنی کی وہ یا تو سنیت سے کٹ گئے یا صلح کل ہو گئے، اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت و صیانت کیلئے اسلاف و اکابر اور علمائے حق کی تائید و حمایت ضروری ہے ورنہ اگر انھیں کو نشانہ تنقید و ملامت بنایا جائے تو پھر سرمایہ ایمان و یقین ہاتھ سے جانے میں دیر نہیں لگے گی، علمائے حق پر طعن و تشنیع کے راستے سے ہی وہابیت و دیوبندیت آئی کیونکہ بارگاہ الوہیت، دربار رسالت اور اسلاف و اولیاء کی شانوں میں بے ادبی اور گستاخی کرنے والی جماعت کا نام ہی وہابی اور دیوبندی ہے۔ ان کی نشریات اٹھا کر دیکھئے تو اس سچائی کا آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ انہوں نے کیسی کیسی دلدوز توہین و گستاخیاں کی ہیں۔

وہ لوگ انبیاء و اولیاء سے استمداد و استعانت کے قائل نہیں، علم غیب مصطفیٰ ﷺ اور اختیارات مصطفیٰ ﷺ کے منکر ہیں، نبی کو اپنی طرح بشر یا بڑا بھائی کے مثل کہیں، نبی کو مردہ تصور کریں۔ (معاذ اللہ) ان کے عقائد باطلہ ہی کے سبب سے علمائے حریمین طہیین نے ان پر کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر فرمایا اور انہیں اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے یہ حکم سنایا ہے، کہ من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر۔ (در مختار اول،

سنیت کا کام ہوا سنیوں کا نام ہوا۔

دنیاے سنیت کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چودھویں صدی ہجری میں سنیت کی صحیح پہچان امام احمد رضا بریلوی نے بتائی، سنیوں کا تشخص و قار مٹنے سے بچایا، سرمایہ اسلاف اور خانقاہوں کی حفاظت کا سامان فراہم کیا، خانقاہوں میں جو مسند نشین تھے ان کے قرار واقعی مقام و مرتبے سے دنیا کو آگاہ کیا، خانقاہوں میں ریاضت و مجاہدہ کرنے والے صوفیہ کو دعوت فکر دی، معاصر علما کو اچھے اور مناسب آداب و القاب دیئے، عوام کو ان کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دی، سنیت کے نام سے جو لوگ متعارف تھے انہیں قریب کرنے کی کوشش فرمائی۔ یہ سب انہوں نے بے لوث اور خلوص و للہیت کے ساتھ کیا اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ انہوں نے حفاظت سنیت کے لئے تصانیف کی شکل میں جو علمی اثاثہ دیا وہ رہتی دنیا تک زندہ جاوید اور عظیم یادگار رہے گا، مگر یہ وقت کی عجب ستم ظریفی ہے کہ جو مسن و مقتدا تھے ان کے احسانات کو بھلا دیا گیا، انہوں نے نازک اور زبوں حالی کے وقت جن کی حفاظت کی تھی وہ آج ان کے خلاف آمادہ بغاوت ہو گئے، انہوں نے جنہیں اپنے ہاتھوں سے سہارے دے کر اٹھایا پھر چلنا سکھایا تھا جب وہ چلنے کے قابل ہوئے تو ان کے نقش قدم سے ہٹ گئے ان سے اختلاف کیا اور انہیں آنکھیں دکھانے لگے۔

ہم نے دی تھی زباں جن پتھروں کو
وہ بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے
اعلیٰ حضرت اور مسک اعلیٰ حضرت نے بنام سنیت تمام
خانقاہوں اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا، جب

تک اجتماعیت رہی دنیا نے ہماری شوکت و قوت کو تسلیم کیا، ہماری طرف کسی کو نگاہ غلط سے دیکھنے کی مجال نہ تھی مگر جب سے حاسدین کے ذہن و فکر میں یہ بات آئی کہ ”مسک اعلیٰ حضرت“ پانچواں مسک ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے“ تو ہمارا وقار مجروح و متاثر ہو گیا، ہمارا تشخص بگڑنے لگا، ملی وحدت میں خوفناک ناسور پیدا ہوا پھر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

مسک اعلیٰ حضرت سے دوری کا نقصان یہ ہوا کہ ملت کی شیرازہ بندی تو بکھر ہی گئی ہماری بعض خانقاہیں بھی غیروں کے دست تصرف میں چلی گئیں، جہاں پر تصوف و طریقت کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی وہاں اب شرک و بدعت کا سبق پڑھایا جاتا ہے، جہاں انبیاء و اولیاء اور ائمہ و مشائخ کے ادب داں پیدا ہوتے تھے وہاں سے اب اسلامی شخصیات کے گستاخوں کی جماعت نکلتی ہے، میں کہتا ہوں کہ آج بھی اگر سنیت کے نام پر مسک اعلیٰ حضرت کا پرچم لے کر اٹھیں تو خانقاہوں پر ہمارا تسلط و قبضہ ہو سکتا ہے، غیروں کے دلوں پر ہم اپنی عظمت و شوکت کا جھنڈا نصب کر سکتے ہیں، خانقاہوں کے پردے سے آج بھی جنید و بازید جیسے خداسیدہ افراد نکل سکتے ہیں، جو ہمارے پاس کھٹکتے ہوئے ریاں اور چمکتے ہوئے ڈالر کی دولت نہیں لیکن اگر دولت عشق و ایمان سلامت ہے تو ہمارا ماضی کا کھویا ہوا وقار بحال ہو سکتا ہے۔

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مسک اعلیٰ حضرت کی یہ افادیت کیا کچھ کم تھی؟ اہل حق کے نزدیک آج بھی اس کی افادیت مسلم ہے جذبہ بغاوت اگر نہیں ہے تو اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر علما و مشائخ نے مسک اعلیٰ حضرت کی رائج شدہ اصطلاح کو درست قرار دیا،

(ابوالبرکات مولانا مفتی سید احمد قادری)

اعلیٰ حضرت کے مسلک و تحقیقات میں کس کا زہرہ ہے جو جرأت لب کشائی کر سکے۔

(مولانا مفتی مظہر اللہ نقشبندی مفتی اعظم دہلی)

وہ میرا مرید نہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ہے۔

(مولانا مفتی احمد سعید کاظمی)

مذہب حق اہل سنت جس کا معیار اس زمانے

میں حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تصانیف ہیں۔

(مولانا سید شاہ مصباح الحسن چشتی)

میرا جو مرید مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا بھی ہٹ جائے تو میں اس کی بیعت سے بیزار ہوں۔

(احسن العلماء مولانا مفتی سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن)

مسلک اعلیٰ حضرت واقعہً مسلک اہل سنت و جماعت

کا دوسرا نام ہے۔

(تاج الشریعہ مولانا مفتی اختر رضا خان ازہری)

سارے فرقہائے باطلہ کے مقابلے میں اپنی دینی و جماعتی شناخت کے لئے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔

(رئیس القلم علامہ ارشد القادری)

یاد رکھو یہ وہی علماء ہیں جنہیں سواد اعظم اہل سنت کی طاقت و آبرو سمجھا جاتا ہے اگر ان کے کردار و عمل پر رائے زنی یا انگشت نمائی کی جائے گی تو سواد اعظم اہل سنت کے پاس مسلکی ایقان و اذعان کا کونسا سرمایہ رہ جائے گا گویا کہ انہیں بے وقعت و بے وزن ثابت کرنا اپنا ہی گھر کھودنے کے مترادف

اسے نجات و سلامتی کا راستہ سمجھا، اسے سنت کی علامت و پہچان بتایا، ایسا نہیں ہے کہ ان علمائے عقیدت میں ڈوب کر ایسا کہایا لکھا وہ اس کی اہمیت و افادیت کو بخوبی سمجھتے اور جانتے تھے، جن علماء کی نظروں میں مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت واضح و آشکار تھی ان میں سے اکثر علماء نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا وہ اعلیٰ حضرت کی مرکزیت کو بھی تسلیم کرتے تھے اور ان کی علمی عظمت و برتری کو بھی جس داعیہ کی بنا پر مسلک اعلیٰ حضرت کہا جانے لگا تھا وہ اس کی صداقت و حقانیت کو بھی جانتے تھے جن اکابر علماء و مشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی واقعیت و سچائی کو تسلیم کیا ہے ان کے بعض اقوال و اسماء یہ ہیں۔

میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے، جو اعلیٰ

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

(حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں)

دین اسلام و مذہب اسلام کا سچا خلاصہ مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

(شیر پیشہ اہل سنت مولانا مفتی حسرت علی خان صاحب)

میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی

ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

(مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میٹھی)

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا مسلک بالکل حق اور

جو ان کے طریقے پر ہے وہی ٹھیک ہے۔

(ملک العلماء مولانا مفتی ظفر الدین بہاری)

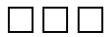
فقیر کا اور فقیر کے آباء و اجداد کا وہی مسلک ہے جو مسلک

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے۔

زمانہ کا نپتار اور ان کے دشمن لرزہ بر اندام رہے، مگر جب سے انہوں نے اسلامی لبادہ اتار کر غیروں کا طرز عمل اپنایا، اپنی مذہبی نشانیوں کو کھو دیا، شکل و صورت بدل دی تو دشمنوں کے دلوں سے ان کا رعب و جلال نکل گیا اور وہ مغلوب و مرعوب ہو گئے پھر جو ان کے دشمن بد خواہ تھے وہی ان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے لگے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے عہد میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا، خود کو مضبوط و خود کفیل کرنے کی تدابیر بتائیں، فروغ دین و مذہب کیلئے موثر و مفید تجاویز پیش کیں کمزوروں کو سہارا دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، انہوں نے سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اپنی بصیرت و دانائی سے مسلمان کے ہاتھ مضبوط و مستحکم کئے انہیں اسیر قسمت ہونے سے بچایا، یہی وجہ ہے کہ دلوں کے آفاق پر آج بھی ان کی حکمرانی ہے۔ علمی دنیا کے لئے ان کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہے، دنیا کو آج امام احمد رضا کی ضرورت ہے ان کا نام سنیت و حقانیت کی ضمانت ان کا پیغام وقت کی آواز ہے، ہمارے فکر و خیال میں وہ ہم سے تو قریب ہیں ہی ہمیں ان سے قریب ہونے کی ضرورت ہے، دین و ایمان کے رہزنوں، مبتدعین زمانہ اور گستاخان رسول کو اپنے سے دور رکھنے کے لئے امام احمد رضا کا نام مثل منتر ہے اور اچنوں کو متحرک و بیدار اور راہ حق پر گامزن و ثابت قدم رکھنے کے لئے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ ایک موثر تدبیر ہے۔

مذہب اہل سنت پابیندہ باد
مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد



ہے، وہ انسان بڑا نادان و متکبر سمجھا جاتا ہے جو اپنے اکابر کی ہڈیوں پر اپنی ہوس کا تاج محل تعمیر کرنا چاہتا ہو، تاریخ ایسے شیخ کو معاف نہیں کرے گی۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ حقائق و شواہد کے اجالوں کے باوجود اگر کوئی مسلک اعلیٰ حضرت کو چھوڑ کر ذہنی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو وہ ان اقوال علماء کو دیکھ کر شاہراہ عمل متعین کر سکتا ہے۔ یہ علما مذہب حق کے ترجمان یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے محافظ و پاسبان ہیں انہوں نے آخری دم تک مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ و ترقی میں سعی بلیغ فرمائی اس کی ترویج و اشاعت کو منشور حیات قرار دیا، مشربی تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ علما بھی علم و فضل کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ان کے اقوال و فرامین آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں آنے والی نسلیں کیلئے یہ ایک دستور حیات اور لائحہ عمل ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ نہ شرعی طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کہنے میں کوئی قباحت و ممانعت ہے، نہ عرفی طور پر کوئی خرابی، بلکہ یہ کہنا وقت کی اہم ضرورت اور وقت کا عین تقاضا ہے تاکہ اپنے کو سنی حنفی کہلانے والے مبتدعین و بد عقیدے، اہل سنت و جماعت سے علیحدہ رہیں اور سنیوں کا تشخص و امتیاز قائم و برقرار رہے۔

یاد رکھو جس قوم کا امتیازی نشان و شعار مٹ جاتا ہے تاریخ کے صفحات سے اس کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے اور وہ قوم دوسروں کی دست نگر و محتاج ہو جاتی ہے، مسلمانوں میں جب تک اسلامی رجحان و تشخص باقی رہا وہ دور سے پہچانے جاتے رہے ان کا وقار و وزن بحال رہا ان کی ہیبت و خوف سے

حضرت مولانا مفتی سید شاہد علی حسنی نوری

امام احمد رضا کی تدریسی خدمات

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجددین
ولمت مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی فاضل
بریلوی قدس سرہ نے درس و تدریس کا سلسلہ کسی مدرسہ میں
مدرس ہو کر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کر کے نہیں شروع کیا تھا۔ جبکہ
علماء کرام عموماً فراغت کے بعد تدریسی خدمات انجام دیتے
ہیں مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حصول علم کے زمانہ میں
ہی درس و تدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔ آپ اپنے زمانہ میں
مرجع علماء رہے دور دور سے طلبہ آکر مستفیض ہوتے رہے۔

تعالیٰ تیرہ (۱۳) برس، دس (۱۰) مہینے، چار (۴) دن کی عمر میں
ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔

(الکلمۃ المملہمہ، ص ۶)

چند سال سے کیا مراد ہے؟ کتنی مدت درس رضا کا سلسلہ
جاری رہا۔ اس کی وضاحت کسی قدر مندرجہ ذیل تصریحات
اور تحریرات سے ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد
فرماتے ہیں: اخیر محرم ۱۳۰۴ھ میں فقیر نے بدایوں مدرسہ
طیبہ قادریہ میں خواب دیکھا کہ صحیح بخاری شریف نہایت خوش
خط و محشی میرے سامنے ہے۔ اس کے حاشیہ پر غالباً بروایت
امام شافعی علیہ الرحمہ یہ حدیث لکھی ہے کہ ”الدعاء فی
الشمس مرة افضل من الدعاء فی الظن سبع عشرة
مرة“ (یعنی دھوپ میں ایک بار دعائے میں ستر بار کی دعا
سے بہتر ہے۔) اس مضمون کی حدیث فقیر کی نظر سے کہیں نہ
گزری، حضرت عظیم البرکت مولانا مولوی محمد عبد القادر
صاحب قادری دامت برکاتہم سے بھی اس کے متعلق استفسار
کیا۔ فرمایا: ”میرے خیال میں بھی نہیں۔“ واللہ تعالیٰ
اعلم۔ اسی طرح اب کوئی چند مہینے ہوئے اور سید شاہ فضل حسن
صاحب پنجابی فقیر سے صحیح بخاری شریف پڑھتے تھے۔ ایک

مرجع علماء رہے دور دور سے طلبہ آکر مستفیض ہوتے رہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا بریلوی قدس سرہ آپ
کے اس درس کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: اعلیٰ حضرت نے زمانہ
طالب علمی میں طلبہ کو پڑھایا۔

(مولانا، سلامت اللہ لاهل السنہ)

اس دور میں کن خوش نصیب حضرات نے فاضل بریلوی
سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے ذکر سے تاریخ و تذکرے بالکل
خاموش ہیں اور اب تک کی تحقیقات رضویہ بھی اس کی کوئی
نشان دہی کرتی نظر نہیں آتیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی
نے فراغت کے بعد بھی تدریس کے فرائض انجام
دینے۔ خود ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ: فقیر کا درس محمد

اس دور میں کن خوش نصیب حضرات نے فاضل بریلوی
سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے ذکر سے تاریخ و تذکرے بالکل
خاموش ہیں اور اب تک کی تحقیقات رضویہ بھی اس کی کوئی
نشان دہی کرتی نظر نہیں آتیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی
نے فراغت کے بعد بھی تدریس کے فرائض انجام
دینے۔ خود ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ: فقیر کا درس محمد

اس دور میں کن خوش نصیب حضرات نے فاضل بریلوی
سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے ذکر سے تاریخ و تذکرے بالکل
خاموش ہیں اور اب تک کی تحقیقات رضویہ بھی اس کی کوئی
نشان دہی کرتی نظر نہیں آتیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی
نے فراغت کے بعد بھی تدریس کے فرائض انجام
دینے۔ خود ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ: فقیر کا درس محمد

غیر مقلدین کے دعویٰ کے ابطال میں ایک مستقل رسالہ چالیس صفحوں کا مسمیٰ بنام ”الصفائح اللجین فی التصافح بکف الیدین“ تحریر فرمایا۔ اسی میں اپنی درسی مصروفیات اور قلت فرصت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر سے روز جمعہ ۱۹/ذی القعدہ ۱۳۰۶ھ کو بعد نماز جمعہ پوچھا گیا۔ جواب زبانی بیان میں آیا۔ اور ازاں جا کہ آج کل قدر علالت اور بوجہ مشاغل درس قلت مہلت تھی۔ خیال کیا کہ جمعہ آئندہ کی تعطیل انشاء اللہ تعالیٰ تحریر جواب کی کفیل ہوگی۔

(فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۲۲، ص ۲۷۰)

اس تحریر سے یہ بات خوب تر تو مزید واضح ہو گئی کہ ۱۳۰۶ھ تک ”درس رضا“ کا سلسلہ شباب پر تھا اور مشاغل درس کی کثرت کی وجہ سے قلت مہلت تھے جس کی وجہ سے فتاویٰ لکھنے کا کام صرف جمعہ کو کرتے تھے مگر یہ پھر بھی واضح نہیں ہوا کہ درس رضا کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہا۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حوالہ جات سے مزید ہوتی ہے۔

۱۳۱۱ھ تک حضرت حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی نے والد ماجد اعلیٰ حضرت سے کتب معقول و منقول پڑھ کر انیس (۱۹) سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل کی۔ حجۃ الاسلام کے ساتھ ان کے ہم عصر عید الاسلام مولانا عبدالسلام رضوی جبل پوری قدس سرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے درس میں حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ شریک اسباق تھے۔ حجۃ الاسلام کے معاصرین میں یہ شرف تھا حضرت عبد السلام کو ہی حاصل تھا۔

دن فقیر نے اپنے مکان میں خواب دیکھا: ”جامع صحیح مطبوع“ مطبع احمدی، پیش نظر ہے اور اس میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک عصر موقف میں کسی مؤذن کی اذان کا ذکر اور اس پر بحث ہے کہ اس کی اذان مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”قد سمعہ افقہ بلدنا واعظمہم علماء ابو حنیفہ“ (یعنی اس کی اذان کیوں کر صحیح نہ ہو حالانکہ اسے سنا ہے ہمارے شہر کے اکمل فقہاء واعظم علماء ابو حنیفہ نے۔) خواب کی باتیں اکثر تاویل طلب ہوتی ہیں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حضرت امام پر زماناً تقدم کچھ مضرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء مع شرح ذیل المدعا لاسن الوعاء، ص ۴۰) مذکورہ بالا حوالہ سے اتنا واضح ہو گیا کہ امام احمد رضا کا درس و تدریس ۱۳۰۶ھ میں بھی جاری تھا۔

درسی مشاغل کی کثرت:

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ ۱۳۰۶ھ تک درس و تدریس میں اس قدر مشغول و مصروف اور منہمک رہتے تھے کہ تصنیف و تالیف اور فتاویٰ کے لکھنے لکھانے کا وقت بھی بہت کم ملتا تھا۔ عموماً جمعہ کی تعطیل میں فتاویٰ کا کام کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے ۱۳۰۶ھ میں کسی نے مصافحہ کے بارے میں سوال کیا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ جائز ہے یا نہیں؟ اور غیر مقلد لوگ ایک ہی ہاتھ سے کرتے، اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز و خلاف احادیث جانتے ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟

اعلیٰ حضرت نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے جواز اور

(۱۲) سال تک اعلیٰ حضرت سے تحصیل علم کیا۔ سند فراغت کے بعد آپ رشد و ہدایت کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں۔ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۰۷ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ آپ کا مزار ہاتھ ضلع مظفر پور میں مرجع خلاق ہے۔ (فقیہ اسلام، ص ۲۵۴)

ڈاکٹر حسن رضا خان صوفی قلندر علی سہروردی قدس سرہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ابو الفیض قلندر علی سہروردی گیلانی کے چشم و چراغ ہیں۔ کوٹلی لوہار ان سیال کوٹ وطن ہے۔ ۸ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی شوق میں دیوبند پہنچے۔ ایک رات قیام کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تقریباً ڈھائی سال تک قیام کیا اور علوم دینیہ کا استفادہ امام اہل سنت سے کیا۔ (فقیہ اسلام، ص ۲۴۷- بحوالہ سہروردی اولیا، ص ۳۶۶)

شرف ملت علامہ عبدالکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں کہ: استاذ العلماء مرجع الفضلاء، سید السنہ سید ابوالبرکات صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور فرماتے ہیں: جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عمر شریف پچاس (۵۰) برس ہو گئی تو آپ نے تمام تر توجہ تصنیف و تالیف کی طرف پھیر دی اور فرمایا: ”ایک دور یعنی نصف صدی (درس و تدریس میں) گزر گئی۔ زمانے کے حالات بدل گئے۔ اب ہمیں بھی اپنی عادات میں تبدیلی کرنی چاہیے۔“ چونکہ لوگ تحریر سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں اس لیے اعلیٰ حضرت نے تقریر کی بہ نسبت تحریر کی طرف زیادہ

(حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جدید ایڈیشن، ص ۱۴۲) مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی صاحب ”تذکرہ جمیل“ میں لکھتے ہیں کہ: سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد کے تہا یکتا صاحبزادے تھے۔ ۱۲۹۸ھ - ۱۸۸۳ء میں پبلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ تیرہ (۱۳) سال کی عمر (۱۱۳۱ھ) میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی خدمت میں بریلی حاضر ہو گئے اور آپ ہی سے دورہ حدیث پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ امام احمد رضا نے خود اپنے دست مبارک سے دستار بندی کی۔ اپنے والد نامدار محدث سورتی سے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد تکمیل الطب کا لکھنؤ میں طب کی تکمیل کی۔ (تذکرہ جمیل، ص ۲۲۹)

یہ ۱۳۱۱ھ کی بات ہے۔ اب اعلیٰ حضرت ہی کے قلم سے ایک شہادت اور ملاحظہ فرمائیں جو کہ آپ نے رسالہ ”قوارع القہار عکی المجسمۃ الفجار“ ۱۳۱۸ھ میں مرتب کیا اس کے اختتامیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ: باوصف کثرت کا رواج اشغال تعلیم و تدریس و مجالس مبارکہ میلاد سراپا تقدیس وقت فرصت کے قلیل جلسوں میں تمام ہوا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱، ص ۲۶۳)

مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ رقمطراز ہیں: حضرت مولانا رحیم بخش صاحب اپنے وقت کی ایک بلند قامت شخصیت کے حامل تھے۔ ۱۳۱۲ھ کو مظفر پور ضلع کے ایک گاؤں ہاتھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مقامی علما سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ کے والد نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھیجا۔ آپ نے مسلسل بارہ

توجہ فرمایا کرتے تھے۔ (یاد، اعلیٰ حضرت، ص ۲۴)

استاذ العلماء علامہ سید ابوالبرکات کی اس روایت سے یہ بات صاف اور واضح ہوگئی کہ ۱۳۲۲ھ تک امام احمد رضا فاضل بریلوی کی زیادہ تر توجہ درس و تدریس پر رہی۔ عمر شریف پچاس سال ہونے کے بعد اپنی تمام تر توجہ تصنیف و تالیف افتاء اور ردّ و ہابیہ کی طرف پھیر دی۔ اس سلسلہ میں ایک مقام پر امام احمد رضا خود رقمطراز ہیں: افتاء اور ردّ و ہابیہ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑا دیا۔

(الکلمۃ المملحہ، ص ۶)

ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات کے سلسلہ میں ”درسِ رضا“ کی برکتوں اور وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اعلیٰ حضرت نے کتبِ درسیہ سے فراغت کے بعد تدریس و افتاء و تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتدا میں تدریس کی طرف توجہ بہت زائد تھی۔ بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ اس لیے فقط اعلیٰ حضرت کی ذات مرجع طلبہ و علماء تھی۔ جن کو علمی چشمہ سے فیضیاب ہونا ہوتا، وہ اعلیٰ حضرت کا قصد کرتے اور کامیابی حاصل کرتے۔

(حیات اعلیٰ حضرت (جدید) ج ۱، ص ۱۲۴)

الغرض اعلیٰ حضرت کا ایک زمانہ تدریس و تعلیم کا بڑے زور و شور سے گزرا ہے۔ جس میں دور دور سے طلبہ دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر یہاں حاضر ہوتے اور اس چشمہ علم و نظر سے فیضیاب ہوتے۔ چنانچہ اسی زمانہ کا ایک واقعہ جناب مولوی محمد شاہ خاں عرف نقھن خاں صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک

دن تین طالب علم نئے آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے دریافت کیا کہاں سے آپ لوگ آئے ہو، اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ وہ لوگ بولے دیوبند میں پڑھتے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں۔ میں نے کہا یوں تو طلبہ کو ثم خیر اکام مرض ہوتا ہے، یعنی وہاں بہتر پڑھائی ہے۔ اسی لیے ایک جگہ جم کر بہت کم لوگ پڑھتے ہیں، بلکہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کی تعریف انسان سنتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو اور اس وجہ سے یہاں کے مشتاق ہو کر تشریف لائے ہوں۔ بولے یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اختلاف مذہب و اختلاف خیال کی وجہ سے اکثر تو بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی۔ مگر ٹیپ کا بند یہ ضرور ہو تا کہ قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا، پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے۔ یہی دیوبند میں سنا اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کے دلوں میں شوق و ذوق ہوا کہ وہیں چل کر علم حاصل کرنا چاہیے جن کے مخالفین فضل و کمال کی گواہی دیتے ہیں۔ و الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۲۱۱-۲۱۲، قدیم)

ملک العلماء ایک دوسرے مقام پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مجدد ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: چودھویں صدی کے مجدد مآء حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت صاحب تصانیف کثیرہ تالیفات باہرہ جناب مستطاب معلیٰ الالقاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری

ذات مرجع العلماء تھی۔ دور دور سے طلبہ استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ سہارنپور اور دیوبند کے چند طلبہ بھی حدیث وفقہ کے درس کے لیے حاضر ہوئے۔

فاضل منظر اسلام مولانا محمد عیسیٰ رضوی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: منظر اسلام کا قیام عمارت و مکان کی شکل میں اگرچہ باضابطہ طور پر (یکم محرم الحرام ۱۲۲۲ھ) میں ہوا۔ مگر اس سے پہلے بھی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے دولت کدے میں درس و تدریس اور تعلیم کا باقاعدہ عمل جاری تھا۔ ملک اور بیرون ملک سے علماء و طلبہ ان کی بارگاہ علم و دانش میں فیض صحبت اور تحصیل علم و فنون کے لیے آتے اور ان سے شرف تلمیذ و شاگردی حاصل کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ اس طرح تدریس و تعلیم کا یہ سلسلہ قیام منظر اسلام سے پہلے ہی امام احمد رضا نے علوم نقلیہ و عقلیہ کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد قائم فرمایا۔ مدتوں اسی انداز میں ان کے کاشانہ علم و دانش میں یہ علمی سلسلہ رائج و قائم رہا۔ جب کہ منظر اسلام کا وجود و قیام ابھی خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات مرجع علماء تھی۔ ملک اور بیرون ملک سے علماء اور طلبہ فیض ”درسِ رضا“ سے فیضیاب ہونے اور اکتساب علم و معرفت کے لیے ”کاشانہ رضا“ پر حاضر ہوتے۔ وہ کاشانہ رضا جو فیوضات علمیہ و روحانیہ کا سرچشمہ تھا۔ جو علم و معرفت کا منبع و مخزن تھا۔ جو جبر الامہ اور راس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علوم قرآنی کا منظر، امام بخاری، امام مسلم اور

محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ وبرکاتہ قدس سرہ یوم القیامہ تحت ایامہ۔ اس لیے آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۰۲ھ اور انتقال پر ملال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ہے۔ تو تیرہویں صدی کے آپ نے ۲۸ رسال دو مہینے بیس دن پائے اور علوم و فنون، درس و تدریس، تالیف و تصنیف، وعظ و تقریر میں مشہور دیار و امصار اور انی اقصی ہوئے اور چودہویں صدی کے ۳۹ سال ایک مہینہ پچیس دن پائے جس میں حمایت دین و نکایت مفسدین اور احقاق حق و ازہاق باطل، اعانت سنت و امانت بدعت میں جان و مال علم و فضل صرف فرمایا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع و مذہب کی نصرت اور مخالفین، دین متین کا رد و طرد کیا اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پرواہ کی اور نہ کسی بڑے سے بڑی شخصیت کا خیال آڑے آیا۔ نہ کبھی شہرت و مدح کی پرواہ کی نہ کسی کی طعن و قدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔ (چودہویں صدی کے مجدد، ص ۸۵)

مذکورہ بالا عبارت سے جہاں چودہویں صدی کے مجدد امام احمد رضا کے اوصاف حمیدہ اور زریں کارنامے معلوم ہوئے۔ وہیں تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں ”درسِ رضا“ کی شہرت دیار و امصار میں آشکارا ہوگئی۔

محقق اہل سنت مولانا محمد جلال الدین قادری امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: تعلیم سے فارغ ہو کر امام احمد رضا قدس سرہ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے اکثر تلامذہ آسمان علم و فضل کے تیر درخشاں بن کر چمکے۔ امام احمد رضا کی

مناظرین، مصنفین، مؤلفین، محققین، مشائخ و صوفیائے عظام اور سادات کرام کی زبانوں پر، درسگاہوں، خانقاہوں اور مجالس و محافل میں جاری تھا۔ طالبان تحقیق کے لیے معاصرین کے تذکرے اور اس دور کے اخبارات و رسائل اس سے پر نظر آتے ہیں۔ اگر معاصرین کے تاثرات جمع کئے جائیں تو وہی ایک مبسوط مقالہ کی شکل اختیار کر جائیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہی وہ ذکر خیر اور چرچہ تھا کہ جب استاذ العلماء حضرت مولانا سید احمد عالم قادری رجہتی نے اپنے مشفق و مہربان استاذ امام الحکمت حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور سے مدرسہ حنفیہ جونپور میں سنا تو دیدار رضا اور تلمیذ رضا کے مشتاق ہو گئے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا سید احمد عالم قادری رجہتی جو نیورکی شہرہ آفاق درس گاہ مدرسہ حنفیہ میں اس وقت زیر تعلیم تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب امام الحکمت استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری (م ۱۳۲۶ھ - ۱۹۰۸ء) تلمیذ ارشد امام المعقولات مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (م ۱۳۷۸ھ) علیہا الرحمہ کی علمی جلالت کا ڈنکا پورے ملک میں بج رہا تھا۔ آپ نے مدرسہ عالیہ رامپور سے ۱۳۷۸ھ میں جونپور آ کر مسند تدریس سنبھالی تو جونپور کو شہرستانِ علم و فضل بنا دیا۔ پورے برصغیر سے تشنگان علم کشاں کشاں چلے آتے۔ علم کے گہر سے اپنے خالی دامنوں کو بھرتے۔ علم کے بحرِ ذخار سے اپنے ظرف کے مطابق اپنا حصہ لیتے اور خوشی خوشی رخصت ہوتے۔ استاذ العلماء مولانا سید احمد عالم قادری رجہتی امام الحکمت کی بارگاہ علم و درس میں کسب فیض اور حصول

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درس حدیث کا مظہر، امام رازی اور امام غزالی رضی اللہ عنہما کے درس علم و حکمت کا روشن چراغ تھا۔ یہی کاشانہ رضا تھا جہاں سے علم و معرفت کے دریا جاری تھے۔ ان ہی دریاؤں میں غوطہ زن ہو کر گوہر مراد پاتے تھے اور دولت علم و فضل لے کر اپنے وطنوں کو جاتے تھے۔

”درسِ رضا“ کا یہ سلسلہ فراغت کے بعد ۱۲۸۶ھ سے ۱۸۷۰ء سے ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء تک نہایت حسن و خوبی سے باضابطہ جاری رہا۔ تصنیفی مشاغل اور کارِ ارفاء بڑھ جانے سے یہ سلسلہ مدہم اور وقفہ وقفہ سے تو ہوا مگر بند نہ ہوا۔ آپ کے اس دور کے اکثر تلامذہ آسمان علم و فضل کے تیرے تاباں اور خورشید درخشاں بن کر چمکے۔ استاذِ زمن مولانا محمد حسن رضا خاں بریلوی، علم میراث کے ماہر فن استاذ مولانا مفتی محمد رضا خاں بریلوی، جتہ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی، عمید الاسلام مولانا عبد السلام جبل پوری، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا محمد عبدالاحد محدث پبلی بھیتی، مولانا سلطان احمد خاں بریلوی، مولانا سید امیر احمد بریلوی، مولانا حافظ یقین الدین بریلوی، مولانا حافظ عبد الکریم، مولانا سید نور احمد چائگامی، مولانا منور حسین بریلوی، مولانا واعظ الدین بریلوی، مولانا رحیم بخش ہاتھوی، مولانا صوفی قلندر علی سہروردی وغیرہم اسی دور کی یادگار ہیں جن کے علم و فضل کے ڈنکے دنیائے سنیت میں بج رہے ہیں اور بجتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہی وہ درسِ رضا، فکرِ رضا، عشقِ رضا، تقریراتِ رضا، تحقیقاتِ رضا، تصنیفاتِ رضا اور کارِ ارفاء کا فیضان تھا۔ جن کا ذکر آپ کے ہم عصر علما، فقہاء، ادباء، شعراء، خطباء، مدرسین،

۱۳۲۱ھ میں امام احمد رضا کی خدمت میں بریلی پہنچے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا کی تصنیفی مصروفیات اور کار افتاء کی زیادتی دیکھی تو کچھ دنوں کے لیے مدرسہ ”اشاعت العلوم“ بریلی میں زیر تعلیم رہے اور ”دارالافتاء اہل سنت و جماعت“ میں حاضر ہو کر مشفق افتاء کرتے رہے آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن حضرت مولانا عبدالرشید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرنے لگے۔ اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہا گایہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد مآة حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت و تلمیذ و ارشاد و خلافت کے شرف سے مشرف فرمایا جو شریعت مطہرہ اور طریقہ منورہ کی علمی تصویر تھے۔ جو شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الہی کی اتباع جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائل شرعیہ و مسائل فقہیہ کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف و تصنیفات و افتاء و تدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائی۔ مرکز علم و عرفان جامعہ رضویہ ”منظر اسلام“ کا قیام:

جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ قائم ہوا۔ تلمیذ و مرید خاص ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید عزیز حسین صاحب رضوی ظفری بھاگلپوری قدس سرہ قیام ”منظر اسلام

علم و فنون میں شب و روز ہمہ تن مشغول و مصروف تھے مگر جب امام الحکمت کی زبان، زبان حق ترجمان سے درس کے دوران بار بار جامع العلوم، مخزن فنون، امام احمد رضا کا ذکر خیر سنا تو زیارت رضا اور ملاقات رضا کے لیے مضطرب اور بے چین ہو گئے۔ پھر کیا ہوا موصوف کے فرزند ارجمند مولانا سید بدر عالم رضوی نوری رجہتی بکار و تھرل (جھارکھنڈ) کی زبانی سننے وہ کیا کہتے ہیں۔

موصوف اپنے والد ماجد مولانا سید احمد رجہتی کے جون پور سے بریلی شریف پہنچنے کا حال ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: جون پور میں کچھ دنوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا محدث جون پوری سے اپنے درس کے دوران بار بار ذکر سنا کرتے تھے۔ آپ کا اشتیاق بڑھا اور اپنے استاذ مکرم سے بریلی شریف جا کر امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت چاہی تو محدث جونپوری نے بخوشی اجازت دے دی اور اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں ۱۳۲۱ھ میں آپ کو سپرد کیا گیا۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے فرمایا: ”اپنی زندگی کا انمول ہیرا آپ کی نذر کر رہا ہوں۔“

امام احمد رضا کے علوم فنون فقہی، تحریر، درسی مہارت اور افتاء میں کمال عبور و ملکہ کا یہی ذکر جب ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری نے اپنے مشفق و مہربان استاذ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر و مکتسب و خلیفہ علامہ وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۲ھ-۱۹۱۶ء) سے درس کے درمیان بار بار سنا تو ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اور شوق دید بریلی کھینچ لایا۔

”سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ کو جناب تحصیلدار رحیم یار خاں صاحب رئیس اعظم بریلی کے عالی شان مکان پر واقع محلہ ”گلاب نگر“ میں ”مدرسہ اہل سنت والجماعت“ قائم ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا تاریخی نام ”منظر اسلام“ رکھا۔ مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی اس مدرسے کے منتظم قرار پائے اور جناب مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہ مہتمم جن کے اہتمام و نگرانی میں یہ مدرسہ کمال و ترقی کے مراتب طے کرتا ہوا اس وقت بہت اچھی حالت میں طلاب علم دین کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ یہ ”مدرسہ“ ایک زمانے تک تو ”گلاب نگر“ ہی میں رہا مگر چونکہ وہ محلہ شہر کے کنارے پر واقع تھا اور طلبا کو وہاں پہنچنے میں وقت ہوتی تھی اس لیے مدرسہ کچھ دنوں کے لیے محلہ ”بہاری پور مسجد نبی“ میں منتقل ہوا اس کے بعد ایک زمانہ تک جناب مولوی شاہد علی خاں صاحب ہمشیر زادہ اعلیٰ حضرت کے مکان واقع محلہ ”سوداگران“ میں رہا پھر مدرسے کے لیے مستقل مکان خرید لیا گیا اور اب مدرسہ اپنے ذاتی مکان میں ہے علاوہ اور عوامی چندہ کے ریاست حیدرآباد سے مبلغ دو ہزار چار سو سالانہ مقرر ہے۔

(جہان ملک العلماء، ص ۱۲۱)

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مصباحی رقمطراز ہیں کہ:

(ملک العلماء نے) ۱۳۲۲ھ میں قیام منظر اسلام کے لیے ذہن سازی کی، راہ ہموار کی، یہی ”منظر اسلام“ برصغیر کا ”بغداد العلم“ کہلایا، ایشیا کا ”ازہر“ ثابت ہوا۔ نابغہ روزگار درس گاہ کہلانی۔

(جہان ملک العلماء، ص ۲۵۶)

رشک، یونان و اصفہان بنا، غرناطہ سبساوار اور دہلی، لکھنؤ شرمسار ہوا، بڑے بڑے علمی مراکز سرنگوں ہوئے، اونچی درس گاہیں اور نامور تعلیم گاہیں لپچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو گئیں، رحمت رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسوں اور باب العلم کے محافظ و امین نے دڑوا کر دیا اور مدینۃ العلم رحمت بردوش معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش و کرم نے اعلیٰ حضرت کو حجازی حافظان حدیث اور فاضلان علوم اسلامیہ کا معلم بنا دیا۔

ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں کہ: زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرہ زمین پر قدیم و جدید تعلیمی مراکز میں جو چراغ علم فروزاں ہے اس کے روغن کا سررشتہ مجدد اسلام اور منظر اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے، ماتم یہ ہے کہ تاریخ مرتب نہیں، منظر اسلام کی خدمات (جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں) کا تاریخی تناظر میں جائز لیا جائے۔ تاریخ ہند میں خدمت علم اور اشاعت دین کا یہ سب سے روشن باب ہے مگر ہائے صد حیف! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے، خزانے کھنگالے جائیں، دھینے اُچھالے جائیں، جامعہ ”منظر اسلام“ کے موجودہ ارباب مجاز کو اس طرف توجہ دینے

کی ضرورت ہے۔ (جہان ملک العلماء، ص ۳۷۰)

منظر اسلام کے پہلے شیخ الحدیث اعلیٰ حضرت:

کیم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ - ۱۹ مارچ ۱۹۰۵ء کو بریلی میں منظر اسلام کے قیام کے بعد تلامذہ و خلفاء اور احباب کے بے حد اصرار پر مدرسہ اہل سنت منظر اسلام کی سرپرستی اور شیخ الحدیث کا منصب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قبول کیا۔ استاذ زمن مولانا محمد حسن رضا خاں قادری منتظم دفتر مدرسہ اہل سنت ”منظر اسلام“ بریلی، مدرسہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

سب میں بڑھ کر خوش نصیبی اس مدرسہ کی یہ ہے کہ مجدد مآۃ حاضرہ صاحب براہین قاہرہ، عالم اہل سنت حضرت مولانا مولوی حاجی محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی مدظلہم العالی نے باوجود قلت فرصت اس کی نگرانی کے ساتھ درس حدیث شریف بھی اپنے ذمہ لیا ہے۔

(روداد منظر اسلام ۱۳۲۲ھ (ص ۴-۵))

ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کو دیگر درسی کتابوں کے ساتھ بخاری شریف پڑھائی۔ علامہ ڈاکٹر محمد ارشاد احمد ساحل سہرامی علیگ لکھتے ہیں:

(حضرت ملک العلماء) ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوپ کر سرچشمہ علم و ادب اور مصدر عشق و محبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے

ہو کر رہ گئے۔ بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ - ۱۹۰۵ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا۔ جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا۔ (۱) ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ (۲) مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔

حضرت ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اُقلیدس کی چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم بہیت، توقیت، جفر، تفسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتاب ”رسالہ قشیریہ“ اور ”عوارف المعارف“ کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

(فتاویٰ ملک العلماء، ص ۱۱-۱۲)

اعلیٰ حضرت کا درس بخاری:

تلمیذ و مرید خاص ملک العلماء مفتی سید عزیز حسین رضوی ظفری بھاگلپوری حضرت ملک العلماء کا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بعد ظہر تقریباً ڈھائی سال تک برابر بخاری شریف کا درس لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

۔۔۔ اگرچہ اسباق میں اور لوگوں کی بھی شرکت تھی خصوصاً صحیح بخاری شریف کے درس میں تو شریک ہونے والوں کی تعداد انیس بیس تک پہنچ گئی تھی شارع وقاری (کتاب شروع کرنے والے اور پڑھنے والے) حضرت الاستاذ (ملک العلماء) ہی ہوتے اور لوگ محض سامع تھے۔

(جہان ملک العلماء، ص ۱۲۲)

درس حدیث کا یہ سلسلہ ۱۳۲ھ تک منظر اسلام میں باقاعدہ جاری رہا۔ شہزادہ اصغر مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری اور استاذ العلماء مولانا سید خلیل احمد کاظمی امر و ہویں کو باضابطہ بخاری شریف پڑھائی۔ معقولات و منقولات کی منتہی کتابوں کی تکمیل کرا کر زیور علم و عمل سے آراستہ فرما کر سند فراغ عطا فرمائی۔

اس کے بعد ”درس رضا“ کا یہ سلسلہ مخصوص طلبہ کے لیے اور مخصوص علم و فن کی تعلیم و تربیت کی حد تک وقفہ وقفہ سے ۱۳۴ھ تک جاری رہا۔ چنانچہ ۳۱-۳۰-۱۳۳ھ میں آخری درس حدیث صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی رضوی اعظمی اور ان کے ہم درس ساتھیوں کو امام احمد رضا قدس سرہ نے دیا۔ جیسا کہ مولوی ابوعلی محمد تقی احمد صاحب مالاباری قادری نقشبندی امام مسجد کلیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں دھوراجی عبد الغفور صاحب کے یہاں مقیم تھا کہ استاذی صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب وہاں تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کے حالات کے ضمن میں بیان فرمایا کہ:

ہم اعلیٰ حضرت سے درس حدیث لے رہے تھے کہ خلاف عادت حضرت وہاں سے اٹھے اور پندرہ منٹ

حضرت مولانا (ملک العلماء) فرمایا کرتے تھے کہ یوں تو میرے تمام اساتذہ میرے حد سے زیادہ مشفق اور مجھ پر مہربان تھے اور ہر ایک اپنے اپنے انداز تعلیم میں ایک سے ایک تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کے پڑھانے کا طریقہ ان سب سے جدا تھا۔ میں نے بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھی۔ پہلے آپ سند کے متعلق گفتگو فرماتے مگر، اس کے بعد ایک مسلسل تقریر شروع فرماتے، جس میں پہلے نفس حدیث کا مطلب بیان کرتے، اس کے بعد ارشاد ہوتا کہ اس حدیث سے یہ یہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور لفظ لفظ سے جو مسئلے نکلتے، ان کو بیان فرماتے، جو حدیثیں ایسی آتیں جن سے مخالفت اہل سنت حضرات اہل حدیث اپنے مذہب پر استدلال کرتے ان کی تقریر و طریقہ استدلال کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ غیر متعصبانہ طریقہ پر ظاہر فرماتے۔ جس سے سننے والا سمجھتا کہ ان کا استدلال بہت ہی ٹھیک اور واضح ہے۔ اس کے بعد اس کا رد نہایت ہی وضاحت کے ساتھ مفصل ارشاد فرماتے۔ اس وقت صاف معلوم ہو جاتا کہ اس حدیث سے مسئلہ پر استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی تقریر و درس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام صداقت التیام کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا جو انہوں نے امام اعظم قدس سرہ کے حق میں فرمایا تھا کہ: ”وہ اس پائے کے ہیں کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو دلیل سے ثابت کر دیں۔“

امام احمد رضا قدس سرہ عشق و محبت رسول ﷺ کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے درس حدیث کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے اور درس حدیث کے لیے کمال درجہ کا اہتمام فرماتے۔ (جاء الحق، ج ۱)

علم حدیث میں عشق و محبت نبوی ﷺ کے آداب کی رعایت کا جذبہ صادق جتنا ضروری ہے اس سے ہر صاحب ایمان بخوبی واقف ہے۔ بے عشق محمدی ﷺ جو درس بخاری دیتے ہیں برکت و سعادت اس کے قریب بھی نہیں آتی۔ حضرت فاضل بریلوی کا سینہ عشق رسالت ﷺ کی سرشاریوں سے لبریز تھا اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے نگاہیں شاد کام ہوتیں یا درس حدیث دیتے تو اس وقت اس کی وارفتگی کا عالم دیدنی ہوتا اور فیضان محمدی ﷺ کی موسلا دھار بارش میں ان کا سارا وجود بھیگ جاتا۔ دلوں کے اطمینان اور یقین و اذعان کی دولت سے سرفراز ہونے کے لیے میں آنے والے اس محسوس واقعہ کو سب سے بڑی شہادت قرار دیتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی درس حدیث کی کیا کیفیت تھی؟ زبدۃ السادات علامہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے حوالے سے مفتی محمد غلام سرور لاہوری رقمطراز ہیں: جامع مسجد ہارون آباد کے امام اور غلہ منڈی ہارون آباد کی مسجد کے خطیب مولانا مولوی احمد الدین صاحب فاضل مدرسہ انوار العلوم نے راقم الحروف کو بتایا کہ میں نے حضرت علامہ فہامہ محقق اہلسنت مولانا مولوی نور احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا یہ فرماتے سنا کہ:

بعد قدرے متفکر پریشان واپس لائے اور دونوں ہاتھ آپ کے مع آستین کے تر تھے تو مجھے (صدر الشریعہ) پکارا، ”میں“ مسجد کے باہر آیا تو حکم فرمایا کہ دوسرا خشک کرتا لے آئیے۔ میں نے حاضر کیا۔ حضور نے پہنا، اور ہم لوگوں کو درس حدیث دینے لگے لیکن میرے دل میں یہ عجیب بات کھٹکی تو میں نے وہ دن تاریخ وقت لکھ لیا چنانچہ گیارہ دن کے بعد ایک جماعت تحفہ تحائف لے کر حاضر ہوئی، جب وہ لوگ چند دن رہ کر واپس جانے لگے تو میں نے ان سے حال پوچھا کہ کہاں مکان ہے؟ اس وقت کہاں سے تشریف لائے اور کیسے آنا ہوا؟ تو ان لوگوں نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ہم فلاں تاریخ کشتی میں سوار ہوئے، ہوا تیز چلنے لگی، موجیں زیادہ ہونے لگیں، یہوں تک کہ کشتی کے الٹ جانے اور ہم لوگوں کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو ہم نے اعلیٰ حضرت سے توسل اور نذر مانی تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کشتی کے نزدیک آیا اور کنارہ اس کا پکڑ کر گھاٹ کے کنارے پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کے توسل کی برکت سے ہم لوگوں کو بچا لیا۔ تو وہی نذر پوری کرنے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کو آئے ہیں۔ حضرت استاذ نے اس جگہ کا نام فرمایا تھا لیکن ہم اس وقت بھول گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت جدید، ج ۳، ص ۲۵۴-۲۵۵، مطبوعہ بولٹن پو، کے۔ ترتیب جدید، مفتی مطیع الرحمن رضوی)

شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی) کے ایما پر وہ مولانا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پروفیسر موصوف، مولانا بریلوی کے خلیفہ تھے۔ جب مولانا بریلوی کو ڈاکٹر صاحب کی آمد کی خبر ملی تو فطری طور پر ان کو خیال ہوا کہ جس شخص نے ساری عمر ریاضی کی تحصیل میں گزاری، نہ معلوم وہ کیا کیا سوال کرے۔ مولانا بریلوی نے سید ایوب علی صاحب سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے ایک قسم کا خیال آتا تھا کہ انہوں نے اس علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کردی ہے نہ معلوم کیا کیا سوالات کریں گے۔ بخلاف اس کے یہاں تو صداہا مصر و فیتیں ہیں، خدا جانے میں جواب دے سکوں گا یا نہیں۔ مگر مجھ پر تعالیٰ پروردگار عالم نے ان کی پوری تشفی کرا دی۔ اور وہ بہت مسرور ہو گئے۔

جس دن ڈاکٹر ضیاء الدین حاضر ہوئے سید ایوب علی صاحب ان کے بھائی سید قناعت علی صاحب موجود تھے، ان دونوں نے اپنے چشم دیدہ واقعات قلمبند کرائے ہیں۔ سید ایوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جب مسئلہ کے بارے میں مولانا بریلوی سے پوچھا، تو فوراً حل فرما دیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے علم ریاضی پر ایک عربی کتاب کا ذکر کیا جو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی لائبریری میں موجود تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایک عالم کے ساتھ یہ کتاب بھیجیں گے، مولانا بریلوی ان عالم کو پڑھا دیں پھر ان سے وہ خود پڑھ کر انگریزی میں ترجمہ کر لیں گے۔ چنانچہ وہ

عارف باللہ امام اہلسنت حضرت مولانا مولوی سید پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ گولڑوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت حدیث پڑھا رہے تھے۔ فرماتے تھے مجھے یوں محسوس ہوتا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کی زیارت شریفہ کے انوار کی روشنی میں حدیث پڑھا رہے ہیں۔ (الشاہ احمد رضا، ص ۱۰۳)

امام احمد رضا قدس سرہ کو علوم منقولہ کے علاوہ علوم معقولہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے کہ: ۱۳۲۹ھ، ۱۹۱۱ء سے قبل ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دہ دبہ سکندری (راپور) میں شائع کرایا کہ کوئی ریاضی داں اس کا جواب دے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اس کا جواب اور اپنی طرف سے ایک سوال شائع کرایا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی نظر سے جب یہ جواب و سوال گزرا تو ان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ایک مولوی نے نہ صرف ان کے سوال کا جواب دے دیا بلکہ اپنی طرف سے ایک سوال بھی پیش کر دیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے مولانا بریلوی کے سوال کا جواب شائع کرایا، لیکن مولانا بریلوی نے اس کی تغلیط کر کے ڈاکٹر صاحب کو اور حیرت میں ڈال دیا۔

یہ ابتدائی غائبانہ تعارف تھا اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے ایک مسئلہ میں مشکل پیش آئی جس کے لیے وہ جرمنی جانا چاہتے تھے مگر پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر

ہیں۔ نام سن کر اس لیے خوش ہوا کہ یہ اور ان کے بڑے بھائی صاحب مولانا اسد دہان کہ اب قاضی مکہ ہیں، مجھ سے سند حدیث لے چکے تھے۔ میں نے مولانا عبد الرحمن کو بلایا، وہ تشریف لائے۔ کئی گھنٹے خلوت رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ جوان کے پاس ناقص تھا، اس کی تکمیل ہوگئی۔

اسی کے مثل سرکار مدینہ میں واقع ہوا، وہاں بھی ایک صاحب عبد الرحمن نام ہی کے ملے، یہ عبد الرحمن عربی مکی ہیں اور وہ عبد الرحمن آفندی ترکی شامی۔ کئی روز متصل تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھ کر جاتے۔ ہجوم حضرات اہل علم و معززین کے سبب انہیں بات کا موقع نہ ملتا۔ ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی، کہا: تنہائی میں کہوں گا۔ دوسرے دن ان کے لیے وقت نکالا۔ کہا: میں جعفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرمایا: یہاں نہ اب میرا زیادہ قیام ہے، نہ تیرا۔ میں خاص اس کی تحصیل کے لیے تیرے پاس ہندوستان آؤں گا۔

وہ تو نہ آئے، مگر مولانا سید حسین صاحب مدنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبد القادر شامی مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا اور علم اوفاق و تفسیر سیکھے۔ انہیں کے لیے میں نے اپنا رسالہ ”اطائب الاکسیر فی علم التکسیر“ زبان عربی میں املا کیا۔ یعنی میں عبارت زبانی بولتا جاتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔ علم جعفر میں اتنی دست گاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے کہ ان کے لیے میں نے اس علم سے

عالم کتاب لے کر آئے اور مولانا بریلوی نے ان کو پڑھایا۔ مولوی محمد حسین میرٹھی (موجد طلسمی پریس) نے ۱۹۲۹ء میں شمال میں قیام کے دوران ڈاکٹر ضیاء الدین سے مولانا بریلوی اور ان کی ملاقات کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاجل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گیا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ۳، ص ۲۵۴-۲۵۵، جدید) امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پاس حجاز و روس تک سے علوم جدیدہ کی تحصیل کے لیے تشنگانِ علوم و فنون آتے اور اس تاجدار علم و فن سے علمی پیاس بجھا کر واپس جاتے تھے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے مولانا سید حسین مدنی (ابن سید عبد القادر شامی) علم تکسیر کی تحصیل کے لیے آئے اور چودہ (۱۴) مہینے دولت خانہ پر قیام کیا۔ موصوف ہی کے لیے علم تکسیر میں یہ رسالہ تصنیف کیا۔ ”اطائب الاکسیر فی علم التکسیر“ مولانا سید حسین مدنی کی بریلی آمد کے سلسلہ میں خود امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنے سفر حج کے احوال میں ارشاد فرمایا:

میں نے یہ خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع و بلحا ہے۔ اہل مغرب بھی یہاں آتے ہیں، ممکن کہ کوئی صاحب جعفر داں مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے۔ ایک صاحب معلوم ہوئے جعفر میں مشہور ہیں۔ نام پوچھا، معلوم ہو مولانا عبد الرحمن دہان، حضرت مولانا احمد دہان مکی کے چھوٹے صاحبزادے

اصلی تھا حتیٰ کہ حجاز و عرب سے بھی مجبان علم و عرفان کشاں کشاں چلے آئے، جیسا کہ درج فہرست طلباء کی سکونت و ولدیت سے پتہ چلتا ہے، صاحب سیرت کے ایک سیرت نگار نے لکھا ہے کہ بعض طلباء دیوبند و گنگوہ کے مدارس چھوڑ کر درس گاہ بریلی آئے۔ کیونکہ اختلاف مسلک و عقیدہ کے باوجود ان مدارس میں، ان کے اساتذہ و علما کی نجی محفلوں اور خلوتوں میں امام احمد رضا کی علمیت و عمقیریت اور نقاہت و بصیرت کے چرچے ہوتے رہتے تھے، سیرت نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سے ۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ پورے چون (۵۴) برس کے عرصہ میں سیکڑوں نہیں ہزاروں طلباء مستفید و فیض یاب ہوئے۔ (الف) حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۲-۱۳ (ب) ماہنامہ ”معارف رضا“ کراچی شمارہ ۱۹۸۹ء مضمون ملک العلماء)

۲۵ صرف المظفر ۱۳۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت قدس سرہ کا وصال ہوا، اسی سال ۲۳ تا ۲۴ شعبان ۱۳۴۰ھ / ۲۱ تا ۲۳ اپریل ۱۹۲۱ء کو مدرسہ اہل سنت ”منظر اسلام“ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جلسہ کے انعقاد سے پہلے ایک دعوتی اطلاعی رپورٹ ہفت روزہ اخبار ”دبدبہ سکندری“ راپور میں چھاپی گئی، اس میں لکھا گیا ہے کہ اس وقت تک دو کم تین سو طلباء دستار و سند فضیلت لے کر فارغ التحصیل علماء میں شامل و شمار ہو چکے ہیں۔

(ہفت روزہ اخبار ”دبدبہ سکندری“ راپور، ص ۶، مجریہ ۱۷ اپریل ۱۹۲۲ء)

○○○○

اجازت تعلیم کا سوال پہلے کر لیا تھا اور جواب ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ اسی کے لیے اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں۔ اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالتے۔ میں نے جو داول کثیرہ اس فن کی تسہیل جلیل کے لیے اپنی طبع زاد ایجاد کی تھیں، رخصت کے وقت انہیں نذر کر دیں کہ خود اس فن کے ترک کا قصد کر لیا تھا، جس کی وجہ سوالوں کی کثرت سے لوگوں کو پریشان کرنا تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کو علم جفر میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ چنانچہ بخارا (روس) سے مولوی عبدالغفار بخاری علم جفر سیکھنے کے لیے امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آٹھ (۸) مہینے تک اس علم کو حاصل کیا۔ امام احمد رضا کا مندرجہ ذیل رسالہ اس موضوع پر موجود ہے ”سفر المسافر عن الجفر بالجفر“

مولانا محمود احمد رفاقتی مصنف تذکرہ علماء اہلسنت، قیام منظر اسلام کے بعد اعلیٰ حضرت کے زیر درس کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: قیام منظر اسلام کے بعد آپ کے زیر درس جو کتابیں رہیں وہ یہ تھیں۔ حدیث میں بخاری شریف، تصوف میں عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ، علوم عقلی میں اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک اور شرح چغینینی، تصوف و سلوک کی دونوں معرکہ الآرا کتابوں کے درس کے وقت طلبا تو ہوتے ہی تھے، علماء کی جماعت بھی شریک درس ہوا کرتی تھی۔

ان کے طریقہ تدریس اور طرز تعلیم کا شہرہ اتنا ہوا کہ اقطار ہند و سندھ، کابل و قندھار، جوان کے مورث اعلیٰ کا وطن

بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟

درختاں کر دینے کی مومنانہ بصیرت، انسان کو خدا کا مطلوب انسان بنانے کی تڑپ، استقامت علی الشریعہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اوصاف سے مزین جلووں کی جہاں بہتات ہوگی وہی مرکز ہوگا اور اسی کو مرکز کہنے یا کہلانے کا حق حاصل ہوگا۔ الحمد للہ آج کے پرخطر اور پرقتن ماحول میں یہ تمام خوبی بکمال جاہ و جلال جس جگہ نظر آتی ہے وہ صرف بریلی شریف ہے۔ اور تقریباً دو سو برس سے بریلی شریف نے مرکز کی آبرو سنبھال رکھا ہے۔ آج بھی حضرت تاج الشریعہ، جانشین حضور مفتی اعظم حضرت علامہ الشاہ اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری افکار و آثار اکابر و اساطین کو سینے سے لگا کر جس طرح حفاظت فرما رہے ہیں یہ انہی کا حق اور بریلی شریف کا حصہ ہے۔ ورنہ دار الافتاؤں نے اباحت کا جو صدر دروازہ کھول رکھا ہے اسے دیکھ کر زبان سے بس یہی نکلتا ہے۔ الامان والحفیظ۔

آئیے اس تناظر میں مرکز اور مرکزیت پر ذرا غائرانہ نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ”مرکز اہل سنت بریلی شریف ہی کیوں ہے؟“۔۔۔۔۔ ہمارے ملک میں ایک سے بڑھ کر ایک شہر موجود ہیں جو گونا گوں اوصاف کی وجہ سے دوسرے شہروں پر فائق اور ممتاز ہیں۔ کوئی معاشیات و اقتصادیات میں

اپنے مرکز سے جدائی سے تباہی اجمل

بوتے گل گل سے جدا ہو کے ٹھٹکتی ہی رہی

کوئی کوئی لفظ کسی کسی کے لیے ایسا مختص ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کے بولتے ہی معہود ذہنی ادارہ یا شخص فوراً ذہن کے پردے پر نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً اعلیٰ حضرت بولتے ہی فوراً ذہن امام احمد رضا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور مرکز بولتے ہی فوراً بریلی شریف کی یاد آ جاتی ہے۔ یقین نہ ہو تو ذرا دس بیس آدمی کے جھرمٹ میں ”ہمارا مرکز“ بول کر دیکھئے، فوراً مشترکہ جواب آئے گا بریلی شریف۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بریلی شریف کی مرکزیت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ عالم آشکار ہے، زبان زد خاص و عام ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرکز کون ہوتا ہے؟ مرکز کے لیے کتنے جوہر ذاتی اور حسن صفاتی کی ضرورت ہے؟ کتنے اوصاف و محاسن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو مرکز مرکز بنتا ہے؟

مرکز کا دعویٰ تو کوئی بھی کر سکتا ہے مگر جہاں علوم فراواں کی دولت، لائیکل مسائل کو حل کرنے کی قوت، باطل کے یلغار میں سینہ سپر رہنے کی صلاحیت، زمانہ کچھ کہے صحیح اسلامی تعبیر پیش کرنے کی سکت، مسائل دینیہ کی ضرورت ملتیہ کے سانچے میں نہیں بلکہ ضرورت ملتیہ کو مسائل دینیہ کے نور سے

فقیر کے یہاں علاوہ دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے، شہر و دیگر بلاد و امصار، جملہ اقطار ہندوستان، بنگال و پنجاب، ملیبار، برما، ارکان، چین، غزنی، امریکہ و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، چہارم، ص: ۱۴۹)

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عالم اسلام کا یہ واحد دارالافتا تھا جہاں دنیا کے کونے کونے سے اور اس کثرت سے فتوے آتے تھے۔ بیک وقت چار چار، پانچ پانچ سو فتووں کا جمع ہو جانا، دس آدمیوں کے کام سے زائد کام کا انبار لگ جانا، امصار ہند و اقطار عالم کا فاضل بریلوی سے رجوع کرنا کئی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ مثلاً

(۱) ان کی علمی شہرت اور دینی بصیرت کا غلغلہ اطراف عالم میں تھا۔
(۲) علمی تحقیقی فضا میں ان کی عبقریت مسلم تھی اور وہ عالم اسلام ہی کے نہیں، عالم دین و دانش کی رہنمائی و نمائندگی کر رہے تھے۔

(۳) دس آدمیوں سے زائد کام وہ تنہا انجام دیتے تھے۔
(۴) چوں کہ ان کے یہاں اس وسیع خدمت پر کوئی فیس نہیں تھی اس لیے وہ دین کے سچے خادم اور دانش کے بے لاگ محسن تھے۔

(۵) دنیائے فکر و نظر کو آپ کے فتووں اور فیصلوں پر اعتماد تھا جبھی تو سبھی ادھر ہی کارخ کرتے تھے۔

چودہ سال کا ایک نوجوان دین و دانش کے ہتھیار سے لیس ہو کر ہاتھ میں شریعت کا اصول لے کر گلے میں طریقت کا پٹہ دال کر سر پر عشق رسالت کا تاج سجا کر آگے بڑھتا ہے اور اپنے علم و فن، اخلاص و ایثار کا وہ جوہر دکھاتا ہے کہ صاحبان کج کلاہ کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ کیا اپنا اور کیا بیگانہ سب پکاراٹھتے ہیں وہ علم کا تاجدار ہے، عمل کا شہسوار ہے اور عشق کا شاہکار ہے۔ امام احمد رضا کی نظر دین و دانش کی ہر بہت پر بیک وقت تھی، اس لیے انہوں نے نہ صرف دین کی زلف پریشان ہی کی زبانی کی بلکہ دانش کے بلکچے چہرے کو بھی رعنائی بخشی۔ بقول ماہر رضویات ”فیض رب قدیر سے کارگہ فکر میں انجم ڈھلتے تھے اور کمال یہ کہ صبح و مساکین یہ مساعی جمیدہ محض خلوص و للہیت کی بنیاد پر تھی کبھی مستفتی نے فتویٰ نویسی کی فیس کے بارے میں دریافت کیا تھا، امام احمد رضا جواب میں لکھتے ہیں:

”یہاں بحمد اللہ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، بفضلہ تعالیٰ ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو جمع ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا۔۔۔۔۔ بھائیو! ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ رب العالمین، میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، سوم، ص: ۲۳۰)

فتاویٰ کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

ہے وہ صرف امام احمد رضا کی ذات ہے، اس شخصیت کی انفرادیت کا کیا کہنا۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قادر الکلام شخص نے جس کے الفاظ اپنے تقابلی مطالعے کے ایک مضمون کی تمہید میں بطور مستعار لیے ہوں۔

(پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر، ۲۴۳)
اس شخصیت کی مرکزیت کا کیا پوچھنا مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے اپنے مکتبہ فکر کے فقیہ النفس شخص نے جس کے فتاویٰ سے کئی مسئلوں کو اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہو۔

(معارف رضا کراچی، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۶۱)
پتہ چلا امام احمد رضا مرکز دائرہ علوم و معارف ہیں اچھے اچھے ان کے دسترخوان علم کے ریزہ چین نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا کی حیثیت صرف بریلوی یا ہندوستانی نہیں ہے جہاں لیکر قیادت کی بنیاد پر امام احمد رضا آفاقی حیثیت کے حامل ہیں، مشہور نو مسلم محقق ڈاکٹر محمد ہارون گہر ریز ہیں:

”عالمی حیثیت کی حامل وہی شخصیت ہو سکتی ہے جو دور جدید کی خوفناکیوں اور ناکامیوں میں انسانیت کی رہنمائی کی اہلیت رکھتی ہو، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ایسی ہی شخصیت تھے اور اس وجہ سے ان کی عالمی اہمیت ہے۔“
(پیغام رضا مسلک اعلیٰ حضرت نمبر، ص: ۵۱)

امام احمد رضا کے زمانے میں ملک و بیرون ملک فتنوں اور سازشوں کا جال بچھا ہوا تھا اور اسلام کے خلاف سازشی تحریکیں پورا زور صرف کر رہی تھیں ذرا ذیل کے فتنوں پر نظر ڈالیے ان میں سے کوئی فتنہ فتنہ قیامت سے کم نہیں ہے۔ مہدویت و نبوت کا فتنہ، وہابیت کا فتنہ، قربانی گاؤں کی ممانعت کا

(۶) دارالافتاء میں بیک وقت چار چار پانچ پانچ سو فتاویٰ کا جمع ہونا یہ شان صرف مرکزی بین الاقوامی دارالافتاء کی ہو سکتی ہے۔

(۷) جہاں تمام دارالافتاء کسی سوال کے جواب میں عاجز و ساکت ہو جاتے اور کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تو لوگ اخیر میں بریلی کا رخ کرتے، یہاں چشم زدن میں نقشہ سوال کو جواب باصواب سے مرصع کر دیا جاتا۔ یہی تو مرکزی شان ہے۔

اگر علوم سائنس ٹیکنالوجی میں مہارت اور شناخت کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو اس شعبہ جدیدہ میں بھی وہ اپنی مثال آپ ہی نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام علوم جدیدہ سے صرف دین کی خدمت کی ہے، اسلام کا نام فروزاں کیا ہے۔ مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں بتائیے جب حرکت زمین کا نظریہ پیش کر کے قرآنی ارشادات کی تفصیل پر گولے داغے جا رہے تھے تو وہ کون تھا جو ”فوزمین“ لکھ کر سینہ سپر ہو گیا تھا اور قرآن متضاد م نظر نے کی بخیہ دردی کر دی تھی، جب جدید آلات و اسباب کا سہارا لے کر علوم خمسہ میں علم مافی الارحام کو چیلنج کیا جا رہا تھا تو وہ کون تھا جس نے ”الصمصام“ لکھ کر انگریزی نظریات کے قلعے کو چھلنی کر دیا تھا اور جب پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے اپنے زعم علم میں چور ہو کر ۷ اگست ۱۹۱۹ء کی آنے والی تباہی اخبارات میں چھپووا کے پورے ملک میں بے چینی پیدا کر دی تھی تو ایسے مضطرب ماحول میں وہ کون تھا جو سکون دل کا مرہم بانٹ رہا تھا اور البرٹ ایف پورٹا کو اسی کی دلیل سے ذلیل کر رہا تھا، اس طرح کے تمام علمی دفاعی مورچہ پر جو ذات علم بردوش نظر آتی

تھی، تو دوسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو کے طوفان اور گاندھی کی آندھی میں قوم و ملت اڑی چلی جا رہی تھی اور یہی وہ دور ہے جس میں مولانا اشرف علی تھانوی ”حفظ الایمان“ اور قاسم نانوتوی ”تخذیر الناس“ اور مولانا غلیل احمد انبیلھوی ”براہین قاطعہ“ لکھ کر ایک بالکل نئے مکنتیہ فکر کی بنیاد ڈال رہے تھے، غرض کہ دین و دانش کے ہر افاق پر مختلف شخصیتیں اپنی اپنی شخصی سحر کاریوں میں مصروف تھیں۔ تاہم امام احمد رضا اپنے مضبوط علم و فکر، محفوظ شعور و عمل اور بسیط فہم و ادراک کی بنیاد پر اپنے پورے عہد پر چھائے رہے۔ یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کے بل بوتے تمام معاصر شخصیتوں کو متحیر و مسحور کرتے رہے، اپنی شبانہ یومیہ کی کاوش سے بجز زمین میں خوشہ گلاب اگاتے رہے، صحرا میں پھول کھلاتے اور پتھر سے عقیدت و عرفان کے چشمے جاری کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ردائے لالہ و گل سے پردہ ماہ و انجم تک یکساں تعظیم و تکریم کی نظر سے دیکھے جاتے رہے اور دیکھے جا رہے ہیں۔ کام تو سب کرتے ہیں مگر جس کا کام کارنامہ بن کر قبولیت و دوام کے شیریں جام سے شاد کام ہو جائے تو سمجھ جائیے اخلاص فکر و عمل کے جلووں کی برسات میں سارا کام ہوا ہے، امام احمد رضا اس خوش نصیب مرد مومن کا نام ہے آج جس کے نام اور کام کی بزم انسانیت میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہر چہاں طرف جس کے فکر عالی کے شہرے اور ہمت بلند کے تذکرے ہیں۔ امام احمد رضا یوں ہی دل اور روح کی آواز نہیں بنے ہوئے ہیں انہوں نے وہ ولولہ مردانہ، جذبہ قلندرانہ اور جرأت مومنانہ کا مظاہرہ کیا ہے کہ زمانے کی نظریں آج بھی ان کے کارناموں کی چاندنی سے

فتنہ، تحریک خلافت کا فتنہ، تحریک ترک موالات کا فتنہ، ہندو مسلم اتحاد کا فتنہ، شذھی تحریک کا فتنہ، ان میں کچھ فتنے وہ تھے جو آفاق پر اسلام کے خلاف سیاسی جال پھیلا رہے تھے اور کچھ وہ تھے جن کا مطمح نظر یہ تھا کہ اہل سنت و جماعت کو گمراہ کر کے ان کے متاع ایمان کو ضائع کر دو۔ یعنی

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

آپ غور کریں یہ فتنے کوئی معمولی فتنے نہ تھے، ان میں کا ہر فتنہ اپنی جگہ پر سراپا آتش فشاں تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی پشت پناہی بڑے بڑے ادارے، بڑی بڑی تنظیمیں اور بڑی بڑی شخصیتیں کر رہی تھیں، ظاہر ہے اتنے بڑے بڑے فتنوں سے نبرد آزما ہونا ان کے سامنے سینہ سپر رہنا، انہیں ترکی بہ ترکی جواب دینا، ان کے اٹھائے ہوئے طوفان ابرو باد سے پوری قوم و ملت کو بچانا اور ساحل نجات سے ہمکنار کرنا وہی کر سکتا تھا جو آہنی عزم، فولادی ارادہ کے ساتھ شاہین کا دماغ، شیر کی ہمت، چیتے کا جگر اور سب پر مستزاد پیکہ مومن کا دل رکھتا ہو گیا کہ:

تنگی کج نفس رنج اسیری داغ گل

اتنے سامانِ ستم اور ایک جانِ عندلیب جس دور میں آپ نے اپنے فکر و فن کا پرچم لہرایا تھا وہ دور وہ تھا جس میں بڑی بڑی عہد آفریں اور تاریخ ساز شخصیتیں اپنے اپنے دائرہ اثر اور حلقہ نفوذ میں اپنے علمی، فکری معیار و اقدار کی دھاک بیٹھائے ہوئے تھیں، ایک طرف سرسید احمد خان کا طوطی بول رہا تھا، تو دوسری طرف شبلی وحالی کا سکہ چل رہا تھا، ایک طرف مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی لہر چلی ہوئی

بہاری، حضرت مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کو بخاری شریف پڑھا کر اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام کی تعلیمی ابتدا فرمائی اور مدرسے کھلتے ہیں تو بنتے بنتے مرکز بنتے ہیں ”دارالعلوم منظر اسلام“ کھلا، مرکز بن کے کھلا اور مدرسوں میں ہوتے ہوتے بخاری شریف کا درس ہوتا ہے، منظر اسلام کی ابتدا ہی بخاری شریف سے ہوئی۔ اس پس منظر میں منظر اسلام کو کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ حضرات کوئی ہوتے ہیں جو اپنے مدارس سے علم تیار کرتے ہیں اور وہ اعلیٰ حضرت ہوتے ہیں جو اپنے مدرسے سے وقت کے ملک العلماء تیار کرتے ہیں۔ مولانا قمر الحسن قادری منظر اسلام کی عظمتوں کے یوں گن گاتے ہیں۔ اس کی رفعتوں کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

”دارالعلوم منظر اسلام میں جس میسما کا درد دل جذب تھا اس کا اثر خوب ظاہر ہوا، اس کے فاضل اسلامیان ہند کی عظمتوں کے مینار ٹھہرے، اس دانشگاہ نے علم و فضل، زہد و تقویٰ، فکر و نظر، سیادت و قیادت، علم و دانش، تسخیر اقوام، سیاست و ثقافت، اخلاق و مروت کے ایسے خوش نمائیکر ڈھالے جن سے ارض ہند جنت نشان بن گیا اور فلک کے ماہ و نجوم ان پر رشک کرنے لگے۔ شعبہ ہائے حیات کی ہر روش پر جس سے اسلام کی بقا اور اس کی ارتقا وابستہ تھی، ان جیالوں نے جاہد پیمائی کی اور ملک کو مرکز نگاہ بنا دیا۔ اسلام کے خلاف جب جب کوئی سازش کی گئی تو اس دانشگاہ کے نونہالوں نے اس کا مقابلہ کیا، جماعت رضائے مصطفیٰ (۱۹۱۷ء) کے غیور دیانتداروں نے جو اس امام کے خوشہ چیلے

چکا چونہ ہے۔ اسے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ یہ سب کرم پروردگار، نوازش رسول مختار اور عنایت غوث نامدار ہے، رب کریم کی نظر کرم کا متوجہ ہونا تھا کہ محبوبان رب قدیر نے بھی امام احمد رضا کو اپنی کرمپاشیوں کا مرکز بنا لیا۔ اولیائے کرام نے ان کے نام اور کام کو وہ محبوبیت کا شرف بخشا کہ دیکھتے دیکھتے پورا دینی سرمایہ آپ سے منسوب ہو گیا۔ آپ کا نام عشق رسالت کی علامت بن گیا اور آپ کا شہر مرکز اہل سنت بن کر دلوں کی دھڑکن بن گیا اور بیک زبان اکابر و اصاغر نے مذہب اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت کا نام دے کر اس زور کا نعرہ مستانہ لگایا کہ دشت و جبل گونج گونج اٹھے۔

اعلیٰ حضرت کے عظیم کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ دارالعلوم منظر اسلام کا قیام بھی ہے۔ گرچہ آپ کے والد ماجد نے ۱۳۸۶ھ/۱۸۷۲ء میں ”مصباح التہذیب“ نام کا ایک ادارہ قائم کیا تھا مگر وہ زمانے کی دست برد کا شکار ہو کر رہ گیا۔ دارالعلوم منظر اسلام کی شان نزول یہ ہوئی کہ ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری جب اعلیٰ حضرت کا شہرہ سن کر حافظ بخاری حضرت سید محدث سورتی کی درسگاہ سے وارد بریلی ہوئے تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی یہاں سب کچھ تھا مگر تشنگان علم کی سیرابی کے لیے آب حیات کا کوئی چشمہ نہ تھا، ملک العلماء کی مخلصانہ تڑپ، شبانہ یومیہ اضطراب اور تمنائے پیہم کے نتیجے میں اعلیٰ حضرت مدرسہ کے قیام کے لیے تیار ہو گئے اور اس طرح ملک العلماء کی حسرت، بے قراری کو راحت اور نہ ختم ہونے والا آبشار میسر آیا۔ اعلیٰ حضرت نے دارالعلوم منظر اسلام کا اعلان فرمادیا اور ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین

پیداکنار، سفر ہو یا حضر، فرصت ہو یا مصر و فیت کیا مجال کہ ان کے معمولات میں کوئی فرق، کوئی لچک یا کوئی نزاکت آجائے۔ وہ جیسے گھر میں تھے ویسے ہی باہر، ان کی جلوت خلوت کی آئینہ دار تھی تو خلوت جلوت کی راز دار، ان کی صبح و شام کے جلو سے جلوہ دکھانے والے ہر کام پر احتیاط کی دبیز چادر تھی۔ یوں تو ان کی طویل زندگی عجائبات و معارف کا نگارخانہ ہے مگر دو کارنامہ انہوں نے ایسا انجام دیا ہے جس کی مقناطیسیت دنیا کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرتی رہے گی اور جس سے مرکز اہل سنت کی اہمیت عیاں اور نمایاں ہوتی رہے گی۔

(۱) تقسیم ہند سے قبل شذھی تحریک نے جس طرح شر و فساد پھیلائے اور مسلمانوں پر جس جس انداز میں مظالم ڈھائے وہ کسی سے مخفی نہیں، زبردستی مسلمانوں کو شذھی کیا جاتا اور روپیوں کا لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی۔ طمع پرست انسان ان کے دام فریب میں آکر اپنے مذہب کا سودا کرتے، نوبت یہ آئی کہ ہندو ببا ننگ دہلی یہ اعلان کرنے لگے کہ چار کروڑ مسلمانوں کو شاستر اور شستر کے ذریعہ شذھ کیا جائے گا۔ (روزنامہ الجمعیت، ۲۱ مئی، ۱۵۴) ساتھ میں وہ ایسے نعرے بھی لگاتے جس سے مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔ الغرض ایک منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو ہندو بنایا جا رہا تھا، ایسے میں وہ ذات با برکات حضور مفتی اعظم کی تھی کہ بلند عرائم و حوصلے کے ساتھ جان کی بازی لگا کر میدان میں نکل پڑے، میلوں بھوکے پیاسے چل کر دین حق کی تبلیغ کی، مشرکین

تھے ارض ہند پر اسلامی قدروں کے آئینے کو جلا بخشی اور جتنی بھی تحریکیں بگولوں کی طرح اٹھیں ان کا سد سکندری بن کر مقابلہ کیا، چاہے وہ کسی مہدی، یا متبنی وقت کا فتنہ ہو، یا اشتراکیت و سوشلزم کا وہابیت و دیوبندیت کی شر انگیزی ہو یا خار جیت و ناصیبت کی، سرمایہ داری کا شر و فساد ہو یا سیاست کا۔ اسلام کی عظمتوں کے خلاف ان جیالوں نے کبھی بھی سمجھوتہ نہیں کیا۔

(منظر اسلام کا صد سالہ نمبر ص: ۱۹۵)

یہ عہد رضا کی شان ہے جس نے ایک چھوٹے سے شہر کو عالمی سنی مرکز بنا دیا اور جس کے نام کو رہتی دنیا تک کے لیے زندہ جاوید کر دیا۔ یہی وہ دور ہے

جس میں عالم اسلام کے خوش عقیدہ مسلمان فکر رضا کو نقطہ اتحاد و اتفاق مان کر اس کے گرد اگر دصف بہ صفت کھڑے ہی نہیں ہوئے بلکہ اپنی دفاعی دیوار بن گئے۔ پوری دنیا کے پیاسے اس چشمہ صافی سے اپنی ایمانی روحانی پیاس بجھانے لگے۔ فیضان اعلیٰ حضرت کا چشمہ کل کی طرح آج بھی اپنی روایتی شان کے ساتھ اہل رہا ہے گویا کہ مقرر رضا سے آواز آرہی ہے عہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے

اعلیٰ حضرت کے بعد حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفسر اعظم سے ہوتے ہوئے جب سرکار مفتی اعظم کا دور شروع ہوا ہے اس وقت بریلی شریف کی مرکزیت واضح ہو چکی تھی اور اس اعتبار سے اس کی داخلی اور خارجی ذمہ داریاں بہت بڑھ چکی تھیں۔ حضور مفتی اعظم علم میں جتنے بلند تھے عمل و تقویٰ میں اس سے کہیں بڑھ کر تھے۔ اگر وہ علم میں دریائے ذخائر تھے تو عمل میں بحرنا

ہمت دیکھئے کہ فتویٰ مرتب کر کے قانون کی تیز و سرخ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، انسائیکلو پیڈیا کروا کر پورے ملک میں اس کی تشہیر کروادی، حکومتی اہل کار حرکت میں آئے، مفتی اعظم کو گرفتار کرنا چاہا مگر مفتی اعظم کی آسمان چھوتی مقبولیت دیکھ کر بادل ناخواستہ قانونی چارہ جوئی سے باز رہے۔ یا یہ کہ مفتی اعظم نے قانون خداوندی کی صیانت فرمائی اور خدائے قدیر نے مفتی اعظم کی حفاظت فرمائی۔ مفتی اعظم کے فتویٰ کی دھمک ایسی تھی کہ حکومت کو اپنا قانون واپس لینا پڑا۔ ان حالات و تجربات کی روشنی میں یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج جو مسلم نسل کی فصل لہلہا رہی ہے یہ مفتی اعظم کے اس تاریخی فتویٰ کی کرامت ہے۔

۱۹۷۷ء کے بعد پیدا ہونے والے تمام افراد و اشخاص کو حضور مفتی اعظم کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان کی حیات مفتی اعظم کا بیش بہا عطیہ ہے اور تمام ماؤں کو بھی حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنا چاہیے کہ ان کی گود جو ہری بھری ہے اور آگن میں جو کسی نو خیر شگوفے کی چہل پہل ہے تحفہ خلوص ہے حضور مفتی اعظم کا۔

حضور مفتی اعظم کے بعد حضرت ریحان ملت نے جب مرکز کی باگ ڈور سنبھالی تو اپنی بھرپور قائدانہ صلاحیت، سیاسی اثر و رسوخ، ذاتی نفوذ و کشش سے حکومتی سطح پر مرکز کی پہچان کروائی اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کی انفرادیت کا قرار واقعی اعتراف کروایا۔ تب سے ایوان حکومت میں بھی مرکز کی آواز کا اپنا ایک نمایاں مقام و اعتبار ہے۔ حضور مفتی اعظم کے

کے دام تڑویر سے مسلمانوں کو بچایا اور جو مسلمان دھوکے میں آکر مرتد ہو گئے تھے انھیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دامن اسلام سے دوبارہ وابستہ کیا۔ اس طرح ۹ لاکھ مسلمانوں کو آخرت کی تباہی سے بچایا۔

(امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، ص: ۴۰۶ بحوالہ استقامت، مفتی اعظم نمبر، ص: ۱۹۴)

(۲) ۱۹۷۶ء-۱۹۷۷ء کا وہ دور جسے ایمر جنسی کا دور کہا جاتا

ہے، جب نس بندی کی وبا پھیلی تو گھر کا گھر، خاندان کا خاندان اس کی لپیٹ میں آگیا، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لیے اولاد کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے، شیخ جی کی شخصیت اور حضرت جی کے تقویٰ کو لقوی ما رنگیا حکومت کے ڈر سے سب حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے لگے، پورے ملک میں صرف حضور مفتی اعظم کی ذات تھی جو اپنی آبائی وراثت، شریعت پر استقامت اور مرکز اہل سنت کی عرت کو اپنے سر کا تاج بنائے اپنی جگہ پر مستقیم اور اٹل تھی، حضور مفتی اعظم پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ آپ نس بندی کی حمایت میں ایک بیان جاری فرما دیں تا کہ مسلمانوں کے لیے راستہ ہموار ہو جائے۔

ہندوستان کے تمام مسلمان صرف اور صرف آپ کے بیان والا شان کے منتظر ہیں، مگر ایسے نازک حالات اور اتنے حکومتی دباؤ کے باوجود بھی مفتی اعظم نے وہی جواب دیا جس کی اس ذات سے امید تھی۔ آپ نے فرمایا ”جس چیز کو میرے مصطفیٰ کی شریعت نے حرام قرار دے دیا، مصطفیٰ رضا سے کسی قیمت پر حلال نہیں کہہ سکتا۔“ اور پھر

عنوان اور فقہ کا وہ کون سا باب ہے جو ہر وقت پیش نظر نہیں ہے۔ خدائے علیم وغیر نے علم حضوری کی دولت سے ایسا مالا مال کر دیا ہے کہ سوال کیجیے اور جواب حاضر۔ وقت کے بحر العلوم، دور کے فقیہ النفس، زمانے کے محقق عصر بھی ان کی بارگاہ میں تشنہ کام حاضر ہوتے اور فائز المرام واپس لوٹتے ہیں۔ اس وقت خدانے ان کی ذات کو اسلام و سنیت کی ڈھال بنا دیا ہے۔ اس تناظر میں اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ مجدد اعظم کے علم، مفسر اعظم کے علم اور مفتی اعظم کی فکر کے حسین مجموعہ کا نام ہے از ہری میاں۔ مجدد اعظم کی تحریر، مفسر اعظم کی تقریر اور مفتی اعظم کی تصویر کا نام ہے از ہری میاں۔ مجدد اعظم کی بے باکی، مفسر اعظم کی گویائی اور مفتی اعظم کی خاموشی کا نام ہے از ہری میاں۔ ان فیوضات و نوازشات نے وہ کرم فرمائی کی کہ جس بزم میں جاتے ہیں چھا جاتے ہیں، جس محفل میں ہوتے ہیں جان محفل اور میر مجلس ہوتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کل ذی نعمة محسود، ہر صاحب نعمت محمود ہے۔ اس حدیث کی چلتی پھرتی تفسیر دیکھنی ہو تو حضور از ہری میاں کو دیکھ لیجیے۔ مخالفت کی باد صرصر چلتی ہے مگر اللہ اور اس کے رسول پر توکل ایسا کہ طوفان آتا ہے، گزر جاتا ہے، آندھی آتی ہے چلی جاتی ہے، استقامت علی الشریعت کی کرامت ایسی کہ نہ مادح کی مدح سن کر اترتے ہیں اور نہ قادح کی قدح سے گھبراتے ہیں۔ یہ وہ چراغ رضا ہے جو ماحول کے تقاضے سے بے پرواہ جل رہا ہے، پوری دنیا ان کی جولان گاہ ہے جہاں جاتے ہیں اختر رضا بن کر جاتے ہیں، گوہر رضا لٹاتے ہیں اور صفدر رضا بن کر واپس آتے ہیں۔ غرض وہ اپنانے کی چیز ہیں انہیں اپنایا جائے، وہ

وصال با کمال کے بعد عرس چہلم شریف میں جانشین مفتی اعظم کے لیے جب حضرت علامہ الشاہ اختر رضا خان صاحب از ہری کے نام کا اعلان ہوا، اسلامیہ انٹر کالج کا پورا میدان نعرہ تکبیر و رسالت کی جھنکار سے گونج اٹھا، یہ عوامی مقبولیت کا پہلا اشارہ تھا جو نعروں کی زبان میں لوگ دے رہے تھے اور علما و مشائخ حیرت سے سن اور دیکھ رہے تھے۔ حضور مفتی اعظم کے بعد جب کہ قیادت کی بساط سمٹ چکی ہے، آزاد خیالی اور کس مہر سی کا دور دورہ ہے، اکثر لوگوں پر اپنا قبضہ الگ بنانے کا بھوت سوار ہے، مسائل میں اباحت پسندی آرہی ہے، نظریات میں جدت طرازی کا رنگ نمایاں ہو رہا ہے، کون کب اپنے افکار کہنہ سے رجوع کر لے کہنا مشکل ہے، ایسے زہر گداز ماحول میں صراط مستقیم پر مستقیم رہنا طوفان بلاخیز میں بھی پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش کا نہ آنا، افکار سنت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا، مخالف فضا میں بھی حالات سے سمجھوتہ نہ کرنا سب و شتم سننا، سہنا اور اپنے استحکام پر مسکرائنا، بعض رفقاءے مجلس کا بھی ساتھ چھوڑ دینا مگر بے نیاز رہنا یہ وہ اوصاف کمالات ہیں جس نے گل کے مولانا اختر رضا کو آج کا حضرت تاج الشریعہ بنا دیا ہے۔ زمانے کے سرد و گرم تجربات نے، عالم اسلام کے سب سے بڑے مفتی حضور مفتی اعظم عالم کی جانشینی کی نازک و ہمہ گیر ذمہ داریوں نے، جدید حالات کے بطن سے جنم لینے والے نئے مسائل کی تحقیق و تنقید نے، عالمی سطح پر منعقد ہونے والے فقہی سمیناروں کی مجلسوں نے، انہیں علمی اعتبار سے کتنا پختہ، فقہی اعتبار سے کتنا گہرا اور فکری اعتبار سے کتنا وسیع النظر بنا دیا ہے۔ حقائق زمانہ کی نظروں کے سامنے ہیں، اسلام کا وہ کون سا

نا قابل فراموش حقائق ہم نے پیش کئے ہیں وہ مرکز کے تاج کے جگمگاتے ہیرے ہیں۔ وہی ہیرے جگمگائیں گے تو کاخ مرکز میں اجالا ہوگا۔

آج جب کہ مسائل دینیہ شرعیہ میں من مانی موشگافی ہونے لگی ہے، بلا تکلف حرام کو حلال کے لباس زیبائیں پیش کرنے کی تگ و دو جاری ہے، لگتا ہے کہ ملت سے امان اٹھ رہا ہے۔ ایسے ماحول میں خدا سلامت رکھے حضرت تاج الشریعہ کو کہ بلا خوف و لومہ لائتم کل جو تحفظ شریعت کا بینر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم نے اٹھایا تھا آج ناغذائی کا وہی فریضہ حضرت تاج الشریعہ انجام دے رہے ہیں۔ شریعت غزا کے مبارک چہرے سے پوری یکسوئی اور بے نیازی کے ساتھ گرد و غبار صاف کرنے اور شریعت مطہرہ کا اصل چہرہ اجالنے میں لگے ہیں۔ بے ریا خدمت دینیہ کی برکت ہے کہ مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے، محبوبیت چھاتی جا رہی ہے، مرکز میں عیب جوئی سے پہلے آدمی کو سوچنا چاہئے کہ ہمارا بھی شجرہ علمی اس مرکز سے وابستہ ہے۔ یہ تو شاخ پر بیٹھ کر جڑ کاٹنے والی بات ہوگئی۔ سوچئے کیا یہ آل جناب کے لیے عاقبت نااندیشانہ عمل نہیں تھے۔ مرکز اپنے کار متعلقہ میں انہماک کے ساتھ جٹا ہوا ہے، اس رسہ کشی اور کس پرسی کے عالم میں بھی وہ پوری دنیائے سنیت کے لیے فکر مند ہے، وہ قوم و ملت کو کیا نہیں دے رہا ہے اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اتنا تو سب کو ماننا ہی پڑے گا کہ ناموافق حالات میں بھی صالح قیادت برپا ہے۔ بکھرے ہوئے لوگوں کو سمیٹ کر امامت کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور جہاں تک دینے کی بات ہے نکتہ رس محدث، بالغ نظر مدرس، دیدہ و مفلک، ساحر البیان خطیب،

حق و صداقت کی آواز ہیں ان کا ساتھ دیا جائے، وہ مسلک حق کے علم بردار ہیں ان کی صف میں جگہ بنائی جائے، وہ اس وقت مرکز اہل سنت بریلی شریف کی آبرو و سرمایہ ہیں ان کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی آخرت کو سنوارا جائے۔ میری اس گفتگو کا مقصد حضرت تاج الشریعہ کی قصیدہ خوانی نہیں اور نہ وہ کسی قصیدہ خوانی کے محتاج ہیں بلکہ یہ دیکھنا اور دکھانا مقصود ہے کہ آج کچھ لوگ جو مرکز کو آنکھیں دکھا رہے ہیں اور مرکز میں بزع خود نقص نکال کر کسی اور مرکز کا خواب دیکھنے لگے ہیں صرف انہیں آئینہ دکھادیا جائے۔ واضح رہے کہ بریلی شریف کی مرکزیت کسی اور کی مرہون منت نہیں یہ غوث و خواجہ کی عنایت اور رسول پاک کا کرم ہے۔ مفتی رضا علی خان سے لے کر امام احمد رضا تک اور امام احمد رضا سے سرکار مفتی اعظم تک، پچھلے اوراق میں ہم نے ان محسن ملت کی جو قربانیاں، فکر انگیزیوں، بے لوث محنت اور خدمات جلیلہ کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں ہے کوئی خانقاہ ہے کوئی درسگاہ اور ہے کوئی کج کلاہ جو ان کا جواب لا سکے، مرکز محض کھوکھلے دعوے سے نہیں بنتے، مرکز علمی دلائل سے تابناک ہوتے ہیں۔ مرکز اغلاص و ایثار پر مبنی جفا کشی کے خمیر سے وجود و آباد ہوتے ہیں۔ مرکز محض علم و فکر کے ذخیرے سے نہیں بنتے مرکز جو ہر ذاتی اور لولوے صفاتی سے نسیم ریز ہوتے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ مرکز فضل پروردگار سے مرکز بنتے ہیں۔

ماضی میں جس طرح بریلی شریف نے مرکز اہل سنت کی حیثیت سے قوم و ملت کی کشتی کو بد عقیدگی و کج فکری کے بھنور سے نکال کر ساحل نجات سے ہمکنار کیا ہے اور اس حوالے سے سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم کی حیات مبارکہ سے جو

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۹۳۸ء) ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری (م ۱۹۶۲ء) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۹۳۸ء) محدث اعظم سید محمد میاں کچھو چھوی اشرفی (م ۱۹۲۵ء) شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی الوری (م ۱۹۳۳ء) مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (م ۱۹۵۲ء) قطب مدینہ مولانا شاہ محمد ضیاء الدین مدنی (م ۱۹۸۱ء) حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (م ۱۹۵۹ء) حضرت مولانا محمد برہان الحق جبل پوری (م ۱۹۸۵ء) حضرت مولانا تقدس علی خان (م ۱۹۸۸ء) یہ سب نگارخانہ فکر و ادراک کے تابندہ نقوش ہیں، یہ سب مرکز اہل سنت بریلی شریف کے کوہ نور میرے ہیں، ان میں کاہر فرد اپنی جگہ پر سپہ سالار ہے جن کے ماتحت نہ معلوم کتنے ٹالین ہیں۔

ع پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

اور اب بزرگوں کے روحانی نورانی سائے میں حضور تاج الشریعہ کے ذریعے اسلام و سنت کی جو نکھری نکھری اعلیٰ اعلیٰ خدمت ہو رہی ہے اور پورا عالم مستفیض ہو رہا ہے یہ میکدہ بریلی ہی کا نوری فیضان ہے اور رائل اسلامک اسٹڈی سبجک عمان کی تیار کردہ دنیا کی ۵۰۰ مؤثر ترین شخصیات کی تازہ لسٹ آگئی ہے جس کے مطابق تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری بریلوی دنیا کی ۲۷ ویں اور ہندوستان کی پہلی مؤثر ترین مسلم شخصیت ہیں۔“

(جام نور، اکتوبر ۲۰۱۰ء)

یہ اظہار یہ اس بات کا اعلامیہ ہے کہ بریلی کی برکزیت ابھی سد بہار ہے اور ان شاء اللہ وہ سد بہار ہی رہے گی۔

○○○○

دلوں کو موہ لینے والا واعظ، لوح ذہن پر نقوش عمل مرتسم کر دینے والا مبلغ، نازش ادب ادیب، آبروئے نقد نقاد، جان تصنیف مصنف، جبین تحقیق کو نور تحقیق سے منور کر دینے والا محقق، ادارہ ساز شخصیت اور انقلاب آفریں افراد سے ملی خزانوں کو جس نے سب سے زیادہ لعل و گہر دیے ہیں وہ ہے مرکز اہل سنت بریلی شریف اور وہ ہے دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف۔ آج بنام سنت جہاں کہیں بھی دینی ادارے کا چراغ روشن ہے اس میں روغن منظر اسلام کا ہے۔ سو برس پہلے امام احمد رضا نے جو شجر کاری کی تھی اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں اور شاخیں اتنی پھیل چکی ہیں کہ دنیا کا ہر خطہ اس سے فیضیاب ہو رہا ہے اور دیدہ زیب عمارت، قابل رشک بلڈنگ، آسانٹوں سے بھر پور ہاسٹل، نتیجہ خیز نظام درس و تدریس، فیض بخش نصاب فکر و نظر زمانے کے جدید تقاضوں کا آمینہ دار طلبا کو مطمئن کر دینے والا اسلوب تعلیم و تعلم، خالص دینی رنگ و آہنگ سے ملی ہوئی فضا، مدنی فیض اور رضا کے فیضان کا کھلکھلاتا گلستان۔ یہ سب چیزیں اگر ایک جگہ کسی ایک ادارے کے دامن میں آپ ملاحظہ کرنا چاہیں تو مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا کا معائنہ کر لیں، آپ کی روح پکاراٹھے گی کہ

ایسا جہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

اس ڈیڑھ پونے دو سو سال کے طویل دورانے میں جتنا علمی، فکری، روحانی، عرفانی، سیاسی، معاشرتی، سماجی فیض دینا کو بریلی سے ملا ہے سچ یہ ہے کہ کہیں سے نہیں ملا۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان قادری (م ۱۹۳۳ء) مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان قادری (م ۱۹۸۱ء) صدر الافاضل

محدث اعظم ہند امام احمد رضا کی خدمت میں

حضرت سیدی امام احمد رضا کا تذکرہ محویت کے ساتھ ہونے لگا اور ایسا بارہا ہوا کہ درمیانِ درس کسی زاویے سے محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی زبان پر اعلیٰ حضرت کا تذکرہ جمیل آجاتا۔ آج بھی اس امام عشق و محبت کے تذکرے میں محدث سورتی رطب اللسان ہو گئے۔ لیکن آج طلبہ کے درمیان درس حدیث لینے والے یہ کم عمر طالب علم اپنے تجسس کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ ادب کے سارے تقاضوں کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی شفیق استاذ نے خاموش لہجے میں اجازت مرحمت فرمائی تو شاگرد رشید عرض گزار ہوتے ہیں حضور گستاخی معاف! مجھے ایک بات آج سمجھ میں نہ آسکی میں نے سنا تھا کہ ”جو جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا ہے“ آپ کے تعلق سے مجھے علم ہے کہ آپ کو شرف بیعت حاصل ہے حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے لیکن آج تک آپ کی زبان سے ان کا تذکرہ جمیل میرے ان کانوں نے نہیں سنا۔ البتہ امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت کا خطبہ آپ خوب والہانہ انداز میں پڑھتے ہیں۔ شاگرد کے اس سوال پر محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمہ نے جو جواب مرحمت فرمایا ہے وہ اگر اعلیٰ حضرت کے مقام علمی و فکری کے تعین میں سنگ میل

یہ اس دور کی بات ہے جب روحانیت پر مادیت غلبہ نہ ہوا تھا۔ جب دلوں میں عشقِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کی حرارت تیز تھی۔ جب بے عمل زندگی کا آغاز علی الاعلان نہ ہوا تھا۔ اس زمانے میں مادی ترقیات کا ایسا برق رفتار سلسلہ بھی نہ تھا گلوبلائزیشن کا یہ ترقی یافتہ دور نہ تھا کہ پوری دنیا ایک مٹھی میں سمٹی ہوئی محسوس ہو۔ لوگ دور دراز کا سفر بھی بڑی مشقتوں کے ساتھ کرتے۔ سفر کی جدید سہولتوں سے محروم اس دور میں بھی علم دین کا سودا مسلمانوں کے سر میں سمایا ہوا تھا۔ وہ اس سلسلے میں لمبے لمبے سفر کی ناقابل برداشت صعوبتوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کرتے تھے۔

دہلی، لکھنؤ، کانپور، بدایوں، اجمیر اور بریلی میں مقتدر علمائے کرام کی مسند تدریس بچھی ہوئی تھی۔ ایک دن خاتم المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بزم تدریس سچی ہوئی ہے تلامذہ زانوئے ادب تہہ کئے ہوئے ہیں۔ محترم استاذ کی زبان فیض ترجمان سے احادیث نبویہ کا درس جاری ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ترو تازہ زبان معارف و معانی کے لعل و گہر لٹا رہی ہے۔ اثنائے گفتگو محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی زبان پر اعلیٰ

ترجمان سے لٹائے جا رہے ہیں، وہاں ان سیدزادے کی تعلیم و تربیت کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیسا اہتمام فرمایا دیکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں آٹھ سال قیام کے سبب وہاں کی خوب حضرت محدث اعظم ہند میں اچھی خاصی تھی۔ عمر بھی بہت زیادہ نہ تھی۔ جمعہ اسلامی درسگاہ کے معمول میں فرصت کا دن ہوتا ہے۔ اس دن کے لیے پہلے سے ہی ذہنی طور پر منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔ بریلی کا جغرافیہ بھی لوگوں سے معلوم کر رکھا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے پچھلی صف کا انتخاب کیا۔ نماز و دعا مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حضرت محدث اعظم ہند کا نام لے کر لوگوں سے دریافت فرمایا۔ چونکہ بریلی میں حضرت محدث اعظم ہند نووارد تھے۔ اس لیے لوگ آپ سے ناواقف تھے۔ لاعلمی کی بنا پر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ آخرش اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود کھڑے ہو گئے اور مسجد کے دروازے پر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صرف آخر میں آکر ان سے مصافحہ کیا اور اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت محدث اعظم ہند فرماتے ہیں کہ ”میں تھرا کر گر پڑا۔“ اعلیٰ حضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔ مسجد کے ایک ایک شخص نے اسے دیکھا اور بہت حیرت سے دیکھا۔

تربیت کا یہ انوکھا اور نرالا طریقہ کیا رنگ لاتا ہے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے بازار اور کتب خانے کی سیر کو طے کر رکھا تھا۔ شام کو جب چلا تو شہادت گنج کے موڑ پر پہلے پان

کی حیثیت رکھتا ہے تو وہیں اس جواب نے شاگرد کے دل میں لگی ہوئی تجسس کی آگ کو سرد کرنے کی بجائے مزید بھڑکا دیا۔ محدث سورتی نے فرمایا۔ ”جب میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو ایمان کی حلاوت مل گئی۔ اب میرا ایمان وہی نہیں بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔ جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔“ محدث سورتی کے اس بیان پر شاگرد اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت کا انداز بیان اور چشم پر نم۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ واقعی ”ولی راوی می شناسد اور عالم را عالم می داند۔“ شاگرد پھر عرض گزار ہوتے ہیں کہ حضور علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا ”شہزادے صاحب! آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیے کہ اعلیٰ حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ میں ساہا سال صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاستنگ نہ ٹھہروں گا۔“

اعلیٰ حضرت کے علمی مقام و مرتبہ کا خطبہ آپ نے اپنے استاذ محترم اور وقت کے عظیم محدث کی زبان سے بایں انداز سنا تو پھر دل بریلی کی طرف کھینچنے لگا۔ محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں اپنے تجسس کا اظہار فرمانے والے یہ طالب علم تھے حضرت علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان۔

آئیے اب بریلی شریف کی اس معروف درسگاہ میں جہاں علوم و معارف کے لولو و مرجان اعلیٰ حضرت کی زبان فیض

سوال کرنے والوں کے سوالات سماعت فرماتے اور یہ سب کچھ بیک وقت ہوتا جو کسی بھی طرح کرامت سے کم نہیں۔ اس پر حضرت محدث اعظم ہند کا تاثر ملاحظہ فرمائیے: ”عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرماتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے پھر عصر و مغرب کی درمیانی مختصر ساعت میں ہر ایک سے استفتاء پھر فتوے سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے۔ اسی وقت مصنفین اپنی تصانیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں، جو سنانا ہو سنائیں، اتنی آوازیں اور اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا جوابات کی تصحیح و تصدیق مصنفین کی تائید و تصحیح و اغلاط، زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔“

فقہی جزئیات کا استحضار کار افتاء میں کس قدر اہم و ضروری ہے وہ اہل فن پر پوشیدہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت کو فقہی جزئیات پر کس قدر عبور تھا اس کا ایک نظارہ کرنے کے لیے محدث اعظم ہند کی مشاہداتی آنکھوں نے جو دیکھا ہے اس کی ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لیے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے۔ اسی وقت فرمادیتے ”ردالمحتار کی جلد فلاں کے صفحہ فلاں کی سطر فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ درمختار کے فلاں صفحہ کی فلاں سطر میں یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد و صفحہ و سطر یہ الفاظ موجود ہیں۔ ہندیہ میں، خیر یہ میں ایک ایک کتاب فقہ کی اصلی عبارت بقید صفحہ و سطر ارشاد فرمادیتے۔ اب جو کتابوں میں

کھانے کی خواہش ہوئی ابھی پان والے سے کہا بھی نہ تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آئیے اور مجھ کو جواب دینا پڑا اب پان والے کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا بھی میرا دشوار ہو گیا سلام و مصافحہ کی برکت نے میرا سارا پروگرام ختم کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں کلکتہ، بمبئی، مدراس میں بھی پایادہ نہیں بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی سیدھے بازار کی طرف نہیں نکلا تربیت کا کیسا انوکھا اور پیارا انداز تھا کہ ایک سلام و مصافحہ سے لکھنؤ کی ساری خوبو ہوا ہو گئی۔

محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ تربیت افتاء کے لیے اس فقیہ اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے لیکن اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تربیت نے ایک ایسا رنگ جمایا کہ پھر سارے رنگ پھیکے پڑتے نظر آئے اور کہنے والے کہنے پر مجبور ہو گئے ”زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایہ حیات ہو گئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پایا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرمادینا کرامت تھی جو ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔“

کار افتاء کی تربیت حاصل کرنے کے دوران حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بحر علمی، وسعت فکری اور خداداد صلاحیتوں کا جو کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اس نے حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت کا گرویدہ بنا دیا۔ اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ عصر و مغرب کے درمیانی وقفے میں زیر تربیت مفتیان کرام سے فتوے سماعت فرماتے مصنفین کی تصانیف دیکھتے، زبانی

لہذا فرانس سے متعلق جو سوالات ہوتے وہ انہیں سپرد کر دیے جاتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پندرہ بطون پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت نے حضور محدث اعظم کے سپرد کر دیا۔ دو رات ایک دن کی مسلسل محنت کے بعد اس کا جواب تحریر فرما کر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں جواب کے لیے پیش کیا۔ اب اس سلسلے کی مزید تفصیل محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ ”

نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا اور فلاں فلاں کو وارث چھوڑا پھر فلاں مرا اور اس نے اتنے وارث چھوڑے۔ اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ فل اسکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ جب یہ استفتاء میں پڑھ رہا تھا تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت کی انگلیاں حرکت میں ہیں۔ ادھر استفتاء ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا درجنوں لوگوں کا نام بنام حصہ بتا دیا۔ اب میں حیران و ششدر کہ استفتا کو پہلی مرتبہ تو میں نے پڑھا ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلم بند کیا۔ لیکن مجھ سے جب سب الاحیا کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتا اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا۔“

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم و فکر کی برکھا برسات میں فیضیاب ہونے والوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے فیض بخشیدوں کے اس نورانی سلسلے کا مشاہدہ بہت قریب سے فرمایا۔ اس لیے ان کے بیان کا مقام ایک مشاہد کی حیثیت سے بہت اہم ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”روز کا معمول تھا کہ فلکیات و ارضیات کے

جا کر دیکھتے تو صفحہ وسط و عبارت وہی پاتے جو اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا۔“ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے اس استحضار علمی پر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ سیدی اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا شاندار خطبہ ہے وہ فرماتے ہیں: ”اس کو آپ سے زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو چودہ سو برس کی ساری کتابیں حفظ تھیں یہ چیز بھی اپنی جگہ حیرت انگیز ہے مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے ساہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا روزانہ دہرایا ایک ایک دن میں بار بار دیکھا حافظ ہوا محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا حفظ کے بعد ساہا سال مشغلہ رہا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو مگر ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت قرآنیہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں یہ آیت کریمہ داہنی جانب ہے یا بائیں جانب ہے۔ گو یہ بھی بہت نادر چیز ہے مگر یہ تو عادتاً محال اور بالکل محال ہے کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ وسط کو بتایا جاسکے۔ تو کوئی بتائے کہ تمام کتب متداولہ وغیر متداولہ کے ہر جملے کو بقید صفحہ وسط بتانے کے لیے پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اصلی کرامت کا نمونہ ربانیہ ہے جس کے بلند مقام بیان کرنے کے لیے اب تک

ارباب لغت و اصطلاح لفظ بنانے سے عاجز رہے ہیں۔“

علم القرآن میں مناسخہ جب زیادہ بطون پر مشتمل ہوتو مفتی کے لیے ایک بڑا درد سر ہوتا ہے۔ محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے علم الحساب کی تعلیم چونکہ اسکول میں حاصل کی تھی

کو جاننا چاہتے ہوں اور زمین و آسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہوں اور سیاروں کے بارے میں کل فی فلک یسجون کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر کھلتا جائے گا کہ منطق و فلسفہ و ریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پہ کج رفتار ہو جاتے ہیں۔“

اعلیٰ حضرت کے ہمہ جہت علوم پر محدث اعظم ہند نے جو شاندار تبصرہ فرمایا ہے وہ اعلیٰ حضرت کے فضل علم و فکر کا روشن اشاریہ ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے کنز الایمان کے نام سے اردو زبان میں جو شاہکار ترجمہ قرآن فرمایا ہے، اس سے اعلیٰ حضرت کے علم القرآن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ امر بھی اتنا آسان نہیں کہ ہر کہہ و مہمہ اس پر اپنا تبصرہ تحریر کر سکے۔ اس کے لیے بھی گہرا علم و مطالعہ درکار ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علم القرآن کے حوالے سے مختصر الفاظ میں جو تبصرہ بیان فرمایا ہے، اپنے آپ میں وہ اتنا لا جواب ہے کہ بڑے سے بڑا تبصرہ اس مختصر سے تبصرے کے سامنے پھیکا اور بے رنگ نظر آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”علم القرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس ترجمہ قرآن سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں اور نہ اردو میں۔ اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے۔“

ماہرین اپنی علمی مشکلات کو لے کر آتے اور دم بھر میں حل فرما کر ان کو شاد و شاد رخصت فرمادیتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین فن آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا یہ اس کا حل پہلے سے فرمائے ہوئے تھے۔“

اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی پہ ریسرچ و تحقیق کے لیے آج عالمی جامعات کے دروازے کھل چکے ہیں۔ آپ کی بارگاہ علم و فضل میں بڑے بڑے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو اپنے علم و فکر کی انفرادیت کی بنیاد پر ہندوستان کے چھوٹے سے شہر سے اٹھی اور پھر دیکھتے دیکھتے دنیا کے علمی آفاق پر کچھ اس طرح چھائی کہ آج وہ علم و فکر کا ایک روشن اشاریہ سمجھی جانے لگی۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اس آفاقی شخصیت کے علم و فکر کی جولان گاہ میں بیٹھ کر جو تاثرات اخذ فرمائے، اسے زبان و بیان کی یوں قوت عطا فرمائی۔ ”ایک بار صدر اکے مایہ ناز ہماری و شکل عروسی کے بارے میں مجھ سے سوال فرما کر جب کتابی جواب کی صحت دیکھی تو اپنی تحقیق بیان فرمائی، تو میں نے محسوس کیا کہ ہماری کی حماریت بے پردہ ہو گئی اور عروسی کا عروس ختم ہو گیا۔ مسئلہ بخت و اتفاق شمس بازغہ کا سر مایہ تفلسف ہے مگر اس بارے میں اعلیٰ حضرت کے ارشادات جب مجھے ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے۔ اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح سلامت رہنے نہیں دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجود فلک

اس میں ایک شاگرد رشید کی سعادت مند یوں کی جھلک تو ہے ہی، لیکن اسی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے مقام علم و فکر کی وسعتوں، گہرائیوں اور خداداد صلاحیتوں کا بھی مکمل عمل دخل رہا ہے۔ چنانچہ شوال ۱۳۷۹ھ میں ناگپور کے اس عظیم الشان اجلاس میں جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جشن یوم ولادت کے موقع پر منعقد ہوا، اس میں منصب صدارت سے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علم و فکر پر جو علمی و فکری خطبہ پیش فرمایا ہے وہ یقیناً اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اعلیٰ حضرت کے تعارف میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں: ”ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینے کی یادگار منانے کے لیے یک جا ہوئے ہیں، جس مہینے میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جبل شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریائے ناپید کناراہل سنت کا امام، واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم مجدد، تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدر کی شمشیر، دولت فقہ و درایت میں امیر المؤمنین اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجدد مآۃ حاضرۃ، موند ملت طاہرہ، علم العلماء عند العلماء قطب الارشاد علی لسان الاولیاء مولانا و فی جمیع الکمالات اولانا فانی فی اللہ والباقی باللہ عاشق کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه کے قدم اول اول اس خاکدان

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے علم حدیث کے حوالے سے جو اپنے ذاتی تاثرات بیان فرمائے ہیں، وہ جہاں اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کے گواہ ہیں، وہیں صاحب بیان کی وسعت علمی کی دلیل بھی، وہ فرماتے ہیں: ”علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں بروقت پیش نظر۔ اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر۔ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ بیجی نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس بیجی کے طبقہ اور اسناد اور شاگرد کا نام بتا دیا جاتا تو اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجود تھے کہ طبقہ و اسماء سے بتا دیتے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔“

درج بالا تبصرے کی ایک ایک سطر زبان حال سے شہادت پیش کر رہی ہے کہ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اس ذات و شخصیت کی وسعت علمی کا قریب رہ کر گہرا مطالعہ کیا۔ اس بیان کی گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی وسعت علمی کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو جس قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے،

دنیا میں جلوہ فرما ہوئے۔“

کا حل بھی قلم بند کر دیا اور فلسفہ کشش کی کھینچ تان کو بھی ختم فرما دیا۔ جو رسالے کی شکل میں چھپ بھی چکا ہے اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو یورپ کا تھیوریوں والا درس دے رہا ہے یا اسی ملک کا کوئی حقیقت شناس سبق پڑھا رہا ہے۔ انہوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یوں کہا تھا کہ ”اپنے ملک میں جب معقولات کا ایسا اسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا اپنا وقت ضائع کیا۔“

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اس ضمن میں اپنا ایک مشاہدہ بھی پیش فرمایا۔ وہ بیان فرماتے ہیں ”اعلیٰ حضرت نے نماز عصر کے لیے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس و تد سے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یونان بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالہ کی ایوریسٹ چوٹی ہے، کیا اس سے حساب لگا دو گے۔ میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات و دن صفحات کو سیاہ کرتا رہا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے ہاں تو عرض کر دیا مگر حیران تھا کہ جس حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ ارشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اس کے اظہار کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہی میرے لیے سب کچھ ہیں۔“

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں جہاں دوسروں کو لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔ جہاں بڑے بڑے ناطقوں کی زبانیں گنگ ہو جایا کرتی تھیں وہیں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو ایک مقام امتیاز حاصل تھا جس کی بنا پر کبھی کچھ

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے اوصاف کے بیان میں ایک ایک لفظ نکینے کی طرح جڑ دیا ہے۔ مختصر الفاظ میں حضرت کی جو تصویر کشی کی ہے، مکمل طور پر وہ آپ کا عکس و آئینہ محسوس ہوتا ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو ہمہ جہت علوم کے ماہر اور آفاقی شخصیت کی حیثیت سے سمجھا اور کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں: ”تیرہویں صدی کی یہ وہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتاب فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پہ چھا گئی اور چودہویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اس کو حق و صداقت کا منارہ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سے سارے حل و حرم کا اعتراف ہے کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا۔“

اپنے اس بیان پر بطور استنبہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف کی معیت میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین کی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری کا واقعہ نقل فرمایا۔ ”مولانا سلیمان اشرف بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لیے حاضر خدمت ہوئے کہ ایشیا میں ڈاکٹر صاحب ریاضی و فلسفے میں فرسٹ کلاس کی ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کر پائے تھے اور فیثا غوثی فلسفہ کشش ان پر چھایا ہوا تھا تو اعلیٰ حضرت نے عصر و مغرب کی مختصر درمیانی ساعت میں مسئلہ

کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ و نطقے کی بھول ہو جائے۔ مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں کہ میری شیرازہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی۔“

اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تربیت کے فیضان نے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو جس انداز میں سجایا سنوارا، وہ افادے و استفادے کی ایک شاندار اولاً جواب مثال ہے، اب درسگاہوں کی وہ رونقیں کہاں باقی رہیں؟ نہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جیسے مربی استاذ مسند تدریس کی زینت ہیں، نہ ہی شاگرد میں حضرت محدث اعظم ہند جیسی شخصیات۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

○○○○

سوالات کر گزرتے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے جواب میں جو نیاز مندی، عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا وہ خود اپنے آپ میں ایک مستقل باب کا دلچسپ عنوان ہے۔ اس سلسلے میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ایک دو واقعات بیان فرمائے ہیں۔

”میں اس سرکار میں کس قدر شوخ بنا دیا گیا تھا۔ اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی چار پائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا حضور! کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا، جس کا علمائے کرام میں نشان بھی نہیں ملتا۔ مسکرا کر فرمایا کہ میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جدا مجد سرکار غوثیت کا فیض کرم ہے اور کچھ نہیں۔“ مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتا دیتے اور مزید حوالے عطا فرماتے مع صفحہ و سطر و عبارت نوٹ

امام احمد رضا کی مقبولیت اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں

تناسب سے آپ کے حاسدین کا بھی وسیع دائرہ ابتدا سے رہا۔ آپ ایک جگہ خود اعداء و حاسدین کی ریشہ دوانیوں کے ذیل میں اس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میری اتنی عمر گزری، لوگ میری مخالفت ہی کرتے رہے۔ ایک طرف کفار کا نرغہ، دوسری طرف حاسدین کا مجمع۔ مجھ سے بعض لوگوں نے کہا کہ مجموعہ اعمال بھرا ہوا ہے، سپیایاں بھری پڑی ہیں، کوئی عمل کر لیجئے۔ میں نے کہا: جنہوں نے یہ تلواریں مجھے دی ہیں، انہیں کا یہ حکم ہے کہ تلوار ہاتھ میں کبھی نہ لینا، ہمیشہ ڈھال ہی سے کام لینا۔ چنانچہ کبھی کسی پر حملہ نہ کیا، سوائے ایک دفعہ کے کہ میں نے کرنا چاہا اور نہ ہوا، جس سے ثابت کر دیا گیا کہ تیرے کئے کچھ نہیں ہو سکتا، ہم کرتے ہیں۔“

[الملفوظ، حصہ چہارم، ص ۴۸۹، مکتبۃ المدینہ، دہلی] سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طریقے سے مقبول عالم ہیں، اسی طور سے محسود عالم بھی ہیں۔ میری تحریر کا موضوع اس قدر بسیط ہے کہ اس پر خاصی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، کیونکہ اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی

امام اہل سنت مجددین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم اسلام کی عبقری ترین شخصیت تھے اور آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا ایک زندہ معجزہ تھے۔ اس کا اعتراف ایک جہان فکر و دانش کرتا ہے۔ آپ کے پاکیزہ ترین اوراق حیات، آپ کی ہزار پہلو دینی و علمی خدمات اور آپ کے عشق رسول کا جذب دروں اس کی بہترین شہادت ہے۔ آپ کی واضح کرامت علمی یہ ہے کہ آپ کو جو جس قدر پڑھتا ہے، وہ خود کو آپ سے اتنا ہی زیادہ قریب محسوس کرتا ہے۔ یہ بے پناہ مقبولیت، محبوبیت اور مرجعیت آپ کو بارگاہ خدا اور رسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اور دربار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عطا ہوئی بلکہ ساری ظاہری و باطنی خوبیاں، علوم کا وسیع جہان اور فنون کی نوع بہ نوع شاخوں پر دسترس سب اسی دربار کرم کے عطیات ہیں جہاں سے سارے جہان کو نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں۔ اس کا نیاز مندانہ اعتراف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحریروں میں جا بجا ملتا ہے۔ نعمتیں ہمیشہ سے وجہ حسد رہی ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری تو مہبط انعامات الہیہ تھے۔ اس لئے اسی

جمعین خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی، ارشاد فرمایا: ”تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حل کر لو گے۔“

اللہ عز وجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ حسب ارشاد بے چونہ تعالیٰ فقیر نے حساب و جبر و مقابلہ و لوگائرم و علم مربعات و علم مثلث کروی و علم ہیئت قدیمہ و ہیئات جدیدہ و زیجات و ارثماطقی و غیرہا میں تصنیفات فائقہ لکھیں اور صدہا قواعد و ضوابط خود ایجاد کئے، تخریثاً بعمتہ اللہ تعالیٰ۔ یہ بجز اللہ تعالیٰ اس ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ”ان کو خود حل کر لو گے۔“ فلسفہ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اعلیٰ حضرت قدس سرہ الشریف [والد ماجد] سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں، مگر بجز اللہ تعالیٰ روز اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔ سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والرحمۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچ کارہ کے سپرد ہوئیں: افتا اور رد و ہابیہ۔ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بجز اللہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا۔“ [فتاویٰ رضویہ، ۲۷/۳۸۴-۳۸۵]

مسند درس و افتا کی شہ نشینی کے بعد آپ پر علم لدنی کے دروازے کھل گئے اور بارگاہ رسالت اور دربار غوثیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و ابنہ الکریم و بارک و سلم سے ایسی ایسی بیش بہا نعمت ہائے الہیہ آپ کو حاصل ہوئیں کہ زمانہ آج بھی موجود ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ

حاسدین اور مخالفین سے رزم آرائیوں میں گذری ہے۔ اس مختصر مقالے میں اشارہ جاتی انداز میں صرف اپنے امام کی مقبولیت کے بنیادی خاکے اور آپ کے موجودہ حاسدین کی بل کھاتی پیشانیوں کے چند خطوط کی وضاحت پر اکتفا کروں گا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ [۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء---۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء] تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہو کر مسند درس و افتا کو زینت بخش چکے تھے۔ مختصر سی عمر میں آپ نے زیادہ سے زیادہ فنون و آداب کی شاخوں پر دسترس حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ سارے مروجہ درسیاتی علوم والد ماجد امام المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خان قادری قدس سرہ سے حاصل کئے۔ مرزا عبد القادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ ابتدائی درجات کے استاذ تھے۔ ان مراحل درس کا تذکرہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی تصنیف ”الکلمۃ الملمیۃ“ میں فرمایا ہے۔ رقمطراز ہیں:

”فقیر کا درس بجز اللہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔ فلسفہ جدیدہ میں کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ علوم ریاضیہ و ہندسیہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکل اول تحریر اقلیدس کی اور بس۔ جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم

”میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں، یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں“ [المیزان، امام احمد رضا نمبر، ص ۲۶۱، مطبوعہ ۲۰۱۸ء، جماعت رضائے مصطفیٰ، اورنگ آباد، مہاراشٹر]

ان عالی بارگاہوں کے فیضان نے اور آپ کے عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کہ تمہہ دارِ ذمّتیٰ کروں نے آپ کی ذات اقدس کو بقعہ نور بنا دیا تھا جس کی جگہ گاہٹ سے زمانے کی نگاہیں خیرہ ہوئی جاتیں۔ آپ کی شہرت کا آفتاب وسط عمر میں ہی نصف النہار کو پہنچ چکا تھا۔ آپ کی عبقریت کی گونج بہت جلد بحر و بر کی وسعتوں میں پھیل گئی۔ شہرت وجہ حسد ہوتی ہی ہے جس کی وجہ سے آپ کے حاسدین اور معاندین کا ایک طبقہ ہر دور میں رہا۔ آئیے پہلے امام اہل سنت مجددین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمہ گیر آفاقی شہرت اور مقبولیت کے اسباب کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں، پھر معاندین و حاسدین کی معاندانہ اور حاسدانہ ریشہ دوانیوں کے وجوہ بھی تلاش کریں گے۔

اس فقیر قادری رضوی کی فہم نارسا کے مطابق سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لافانی شہرت اور بڑھتی پھلتی مقبولیت کے اسباب کو ان نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

بارگاہ خدا و رسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم میں شرف قبول پا جانا۔ دراصل آپ بچپن سے ہی قدرت کا انتخاب اور کرامت آثار تھے۔ اس کے کثیر شواہد آپ کے اوراق حیات اور سوانحی خاکوں میں ملاحظہ کئے

تعالیٰ عنہ نے جب سر ضیاء الدین وائس چانسلی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ ریاضی کا حل پیش فرمایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر استفسار کیا کہ آپ نے یہ علوم کہاں سے حاصل کئے؟ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

”میں نے اپنے والد صاحب سے [محض] تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چنیمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں، اسی بارگاہ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔“ [المیزان کا امام احمد رضا نمبر، ص ۹۹]

دوسری جگہ فیضان غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے، بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: ”گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا، آگے اللہ [عزوجل] مالک ہے۔“ میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔“ [المملفوظ، ۳/۴۱۴، مکتبۃ المدینہ، دہلی]

حضرت محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے

فرمایا:

حضرت جد امجد [قطب عصر حضرت شاہ رضا علی خان قدس سرہ] کی - قرآن عظیم میں خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم بچے ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ کو فرمایا جاتا ہے: ”وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا“ [کہف: ۸۲] ان کا باپ صالح تھا۔ اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ علما فرماتے ہیں: وہ باپ ان کی ساتویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں۔ یہاں تو ابھی تیسری پشت ہے۔ دیکھئے کب تک برکات کے سلسلے اس میں رہیں۔“ [المملفوظ، ۳/ ۴۱۲]

در بار رسالت میں کیسی مقبولیت نصیب ہے اس کا اندازہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال اقدس کے وقت شامی بزرگ کے خواب سے ہوتی ہے کہ انہوں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کو خواب میں ملاحظہ کیا جیسے آپ کسی کے منتظر ہوں۔ عرض کی: یا رسول اللہ! کس کا انتظار ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: احمد رضا ہندی کا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مشہور زمانہ نعت۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کی مواجہہ اقدس میں پیش کش کے بعد چشم سر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہونا آپ کے مقرب بارگاہ رسالت

جاسکتے ہیں۔ بے پناہ قوت حافظہ، بزرگوں کی فیض بخشی اور آمد آمد، رجال غیب سے ملاقات، مجاذیب کرام کی خصوصی توجہ، جد امجد کی بشارت شواہد قرب الہی کے واضح خطوط ہیں۔ کئی پشتوں سے آپ کی نسل پاک میں ولایت محمدی کے سلسلے دراز رہے ہیں۔ آپ کے اجداد کرام میں حضرت شاہ محمد اعظم خان، حضرت شاہ حافظ محمد کاظم علی خان، قطب وقت علامہ رضا علی خان، امام المتکلمین علامہ نقی علی خان قدس سرہ، اسرارہم ولایت محمدی کے شاہکار اور اولیائے اسلام کی زریں کڑیاں تھے۔ ان پاکیزہ نسبتوں کے قدسی اثرات نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو تقدس ولایت کا جگمگا تا آئینہ بنا دیا تھا جسے دیکھنے والا ہر صاحب باطن سر بہ خم ہو کر تسلیم پیش کرتا۔ تحدیث نعمت کے طور سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ خود فرماتے ہیں:

[سورہ مجادلہ کی آیت پیش کرنے کے بعد فرمایا] ”بجہد

اللہ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوت اعداء اللہ، گھٹی میں پلا دی گئی ہے اور بفضلہ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوگا: أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ [المجادلہ: ۲۲] یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا [بجہد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور بجہد اللہ تعالیٰ ہر بد مذہب پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوئی۔ رب العزت جل جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی..... یہ سب برکات ہیں

اعلیٰ حضرت کی شہرت و مقبولیت کی دوسری وجہ آپ کی بے مثل علمی عبقریت ہے۔ اہل نظر کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے چھ سو سال تک پوری دنیائے اسلام میں آپ جیسا کوئی عبقری فاضل نظر نہیں آتا جس کے یہاں علم و فن کی ایسی وسعت ہو، فکر و ادب کا ایسا تنوع ہو، تصنیف و تالیف کی ایسی ہمہ گیری ہو، محاسن و کمالات کی ایسی جامعیت ہو، زبان و قلم کا ایسا تحفظ ہو، قول و عمل کی ایسی یکسانیت ہو، سادگی و پرکاری، پرہیزگاری کا ایسا امتزاج ہو۔ ۵۵/۱ سے زائد علوم و فنون اور اس ترقی یافتہ دور میں علم کی ضرب دیتی شاخوں کے تناظر میں دو سو سے زائد علوم و فنون پر امام اہل سنت مجددین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت ہی نہیں مہارت کی حد تک دسترس حاصل تھی۔ قریب قریب ہر فن میں آپ نے اپنی علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ سارے آثار علمیہ محفوظ نہ رہ سکے، ورنہ دنیا دیکھتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کو کیسا اور کس قدر نوازا تھا اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبه وبارک وسلم کی اپنے اس چہیتے غلام پر کس قدر نوازشات تھیں۔ اس علم راسخ اور خداداد فنی قدرت و مہارت کی وجہ سے آپ کی علمی شہرت کا آوازہ بہت جلد چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، جو چاہے تصانیف رضا کا مطالعہ کر کے رضوی فنون کی جلوہ آرائیاں چشم سر سے ملاحظہ کر سکتا ہے۔

عشق رسول کے سوز نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمائے اسلام کا ایسا بدر کمال بنا دیا ہے جس کی چاندنی اور تب و تاب دن دوئی رات چوگنی اپنی

ہونے کی واضح نشانیاں ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد متعدد سعید حضرات نے آپ کو دربار رسالت میں خدمت گاری مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثنا میں مصروف دیکھا ہے۔ اس طور سے آپ کو حاضر بارگاہ لولاک ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جب حضور کا قرب حاصل ہو گیا تو اللہ کی محبوبیت حاصل ہو گئی۔ ”اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ“ میں یہی رمز پوشیدہ ہے۔ ع وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی۔

حدیث پاک میں ہے: ”ان الله اذا احب عبدا دعا جبرئيل عليه السلام فقال انى احب فلانا فاحبه قال فيحبه جبرئيل ثم ينادى فى السماء فيقول ان الله يحب فلانا فاحبه فيحبه اهل السماء قال ثم يوضع له القبول فى الارض الخ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر ارشاد فرماتا ہے کہ بے شک میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو اپنا محبوب رکھتا ہے، اے اہل آسمان! تم بھی اس سے محبت کرو تو سارے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں: پھر اس بندے کی شہرت و مقبولیت روئے زمین میں عام کر دی جاتی ہے۔ [مسلم شریف، ۲/۳۳۱]

دربار رسالت اور بارگاہ غوثیت سے اعلیٰ حضرت کے عشق کی دستاویز آپ کا شعری دیوان حدائق بخشش ہے جس کی سطر سطر سے عشق خدا و رسول اور محبت غوثیت مآب کی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے۔

روز افزوں ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعتوں کی بارگاہ رسالت میں مقبولیت ایسی ہے کہ یہ اشعار وہاں بھی پڑھے اور سنے جاتے ہیں جہاں اردو سمجھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ سچ کہا کوثر نیازی صاحب نے:

”اذان کے بعد فضاؤں میں سب سے زیادہ بلند

ہونے والا نغمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا قصیدہ سلامیہ

”مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام“ ہے۔“

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا فیضان اس طور سے ہے کہ آپ ہر اسلامی ماحول اور محفل کی ضرورت بن چکے ہیں۔ اس کا سراغ دیتے ہوئے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

گو نج گونج اٹھے ہیں نعمات رضا سے بوستاں

کیون نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقارے

فقہ حنفی کی لازوال خدمت بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبولیت اور شہرت کا بنیادی سبب ہے۔ امام الائمہ سراج الاممہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور الہی سے سرفراز مقبول بارگاہ الہی تھے۔ آپ کی اجتہادی فقہ کو خاص تائید الہی حاصل ہے، بقول حضرت امام ابن قدامہ حنبلی: ”اگر امام اعظم کی فقہ میں کوئی راز الہی مضمحل نہیں ہوتا تو دنیائے اسلام کی دو تہائی اکثریت فقہ حنفی کے مطابق اپنے رب کی عبادت میں مصروف نہ ہوتی۔“

ضیائیں بکھیر رہی ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ قادیانیت اور وہابیت کی ہلاکت خیز آندھیوں میں اسلامیان ہند کے دلوں میں روشن شمع عشق رسول کی لوکھی مدھم نہیں ہونے دی۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ

سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

آپ کی تحریروں کی سطر سطر سے عشق رسول پھوٹا پڑتا

ہے اور ہر باغی آداب مصطفیٰ کے خلاف ملک رضا کی جھنکار

سنائی دیتی ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ فقہ حنفی اور دوہابیہ یعنی

تحفظ ناموس رسالت کی خدمت بارگاہ خدا ورسول سے مجھے

سپرد ہوئی ہے۔

”سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ

والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیج کارہ کے سپرد ہوئیں: افتا

اور دوہابیہ۔“ [فتاویٰ رضویہ، ۲/ ۳۸۵]

مسلمانوں کو اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وصحبہ وبارک وسلم سے عشق کی حد تک لگاؤ ہوتا ہے اور جو فرد ان

کے محبوب رسول سے شیفتگی کی حد تک لگاؤ رکھتا ہے، وہ

مسلمانوں کو بہت عزیز ہوتا ہے۔ اس لئے ماہ رسالت کے

عاشق جانناز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ

عنہ بھی اپنے جذبہ عشق رسول کی بدولت مسلمانوں کے دلوں

میں گھر کرتے گئے۔ اس ذیل میں ان کی پرسوز والہانہ نعتوں

نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ حدائق بخشش کے اشعار فضاؤں

میں کیا بلند ہوئے کہ ہر عاشق رسول کے دل میں اتر گئے

، ہر محفل میلاد نبوی میں پڑھے اور سنے جانے لگے اور یہ سلسلہ

[المغنی لابن قدامہ حنبلی]

تائید ملتی ہے، وہ بے مثل ہے۔ مشائخ تصوف پر اگر کسی نے حرف گیری کی تو آپ نے اپنے آقاؤں اور اکابر کی نمک خواری کا پورا حق ادا کر دیا ہے اور بے راہ رو معاند کو مسکت اور دنداں شکن جواب دیا ہے۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تو آپ بندہ بے دام ٹھہرے۔ پوری زندگی سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دم بھرتے رہے، گن گاتے رہے۔ حدائق بخشش کے صفحات مدائح غوثیہ سے لبریز ہیں۔ سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے اس وفادار نیازمند کو خوب نوازا۔ آج دنیا دونوں ہاتھوں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ کریمہ سے خزانہ غوثیہ لوٹ رہی ہے۔ سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ لامیہ معروف بہ قصیدہ غوثیہ کی عربیت پر کسی نے سوال اٹھایا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ”الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ“ میں اس منکر معاند کے ہوش و حواس درست کر دیئے ہیں۔ اس رسالہ مبارکہ میں آپ کی غیرت قادریت دیکھنے کے قابل ہے۔ رسالہ مبارکہ کے اخیر میں فرماتے ہیں:

”الحمد للہ! کلام اپنے منتہی کو پہنچا اور ارتیاب مرتاب

اپنی سزا کو۔ اب مجھے اتنا ظاہر کرنا پڑ رہا ہے کہ اول تا آخر یہ سارا کلام میں نے اس تسلیم پر منتہی کیا ہے کہ قصیدہ مبارکہ میں تو انین عربیات سے مخالفت ہیں۔ معترض دیکھے کہ اس تسلیم پر بھی بجمہ اللہ سرکار قادریت نے ہم پر کیا کچھ لطف فرمایا اور کن کن وجوہ قاہرہ سے انکار منکر کو ہباء منشور کر دکھایا۔ مگر ابھی تو ہمیں حضرت معترض کی مزاج پر سی کرنی ہے۔ ذرا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ حنفی کے ممتاز اور جانباز نمائندہ ہیں۔ فقہ حنفی کی تائید، تفہیم اور ترسیل کا جیسا فریضہ آپ نے انجام دیا ہے، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے صفحات اس کے بہترین شاہد ہیں۔ فقہ حنفی کی نمائندگی اور فقہ حنفی کے مخالفین کی دہن دوزی آپ کا مجددانہ کارنامہ ہے۔ دنیائے اسلام کے حنفیوں نے اپنے امام اعظم کے اس ممتاز اور اعلیٰ نمائندے کو گلے سے لگایا اور خوب پذیرائی کی۔ علما نے آپ کے حنفی فقہی افادات سے خوب فائدہ اٹھایا اور آج تک مستفید ہو رہے ہیں اور قیامت تک فیض اٹھاتے رہیں گے۔ فتاویٰ رضویہ، فقہ وافتا کے مراکز کی بنیادی ضرورت بن چکی ہے۔ اپنے تو اپنے ٹھہرے، غیر بھی اپنے آپ کو اس سے بے نیاز نہیں سمجھتے۔ جب علما اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرویدہ ہیں تو عوام تو علما کے تابع ہوتے ہیں۔ اس طور سے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ علما اور عوام سب کے دلوں میں اس طور سے گھر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کا اسم مبارک سنتے ہی ان کے دکتے چہروں پر ایمانی مسرتوں کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکاتب تصوف کی بھی لازوال خدمت کی ہے اور عملی سطح پر اسے فروغ بخشا ہے۔ تصوف کے روشن چہرے کو معاندین تصوف کے اوجھے حملوں اور اڑاتے ہوئے غباروں سے صاف کیا ہے۔ آپ کی تحریروں میں اسلامی تصوف اور مشائخ اہل سنت کے سترے خانقاہی نظام کی جیسی بھرپور اور مدلل

الہدین اولیا قدس سرہ کے فواد الفواد کی ایک عبارت پر کسی نے زبان طعن دراز کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی تشفی بخش وضاحت فرمائی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ فتاویٰ میں کثیر استفتا، خانقاہی معمولات و مراسم سے متعلق ہیں۔ آپ نے اپنے جوابات میں مشائخ کے معمولات خانقاہی کو دلائل سے مزین کر کے پیش فرمایا ہے، چاہے وہ کسی سلسلہ تصوف سے متعلق ہوں۔ البتہ ان میں در آنے والے عجمی غیر اسلامی اضافوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

حضرات صوفیا اور اصحاب خانقاہ و تصوف کی مدلل نمائندگی کا نتیجہ تھا کہ ہر مشرب کی خانقاہیں اور ان سے وابستہ افراد آپ کے گرد سمٹ آئے اور آپ کو سر آنکھوں پہ رکھا، اپنے ماننے والوں اور منتسبین کے دلوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت پیدا فرمائی، انہیں معیار سنیت قرار دیا، ان سے فکری ہم آہنگی اور قلبی وابستگی کو لازم ٹھہرایا اور اسے حقانیت کی شناخت قرار دیا۔ یوں آپ کا چرچا شرق و غرب، شمال و جنوب ہر سمت پھیل گیا اور آپ خوشبو کی مانند اہالیان عالم اسلام کے دلوں میں جا بسے۔

اعلیٰ حضرت کے ایک معاصر عظیم المرتبت عالم دین طوطی ہند، حافظ الحدیث حضرت علامہ قادر بخش نقشبندی شہسرامی [م ۱۳۳۷ھ] کی ایک روایت اعلیٰ حضرت کے ممتاز شاگرد ملک العلماء شاہ ظفر الدین قادری رضوی [م ۱۳۸۲ھ] حیات اعلیٰ حضرت میں بیان کرتے ہیں:

”مولانا مولوی قادر بخش صاحب شہسرامی جو ایک بہت بڑے مشہور عالم اور زبردست واعظ تھے، ایک مرتبہ بسلسلہ

مہربانی فرما کر اپنے اعتراضات تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جواب تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں ہاں! اصلانہ شرمائیں، جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں، سب ایک ایک کر کے بیان فرمائیں۔ کچھ اٹھا رکھنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ ہم بھی تو جانیں کہ قصیدہ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں، جن کی بنا پر یہ شور اٹھائے ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ القادر بیان کرتے وقت کھل جائے گا کہ ع

باکہ باخیتہ عشق در شب دیبجور

[الزمزمۃ القمریۃ، ص ۳۸]

صلوٰۃ غوثیہ کے استناد پر کسی نے سوال اٹھایا تو آپ نے دو مبسوط رسالے تحریر فرمائے: ”ازہار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار“ اور ”انہار الازہار من یم صلوٰۃ الاسرار“۔ سلسلہ عالیہ فردوسیہ کے ممتاز بزرگ مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد بیگی منیری قدس سرہ کی بعض عبارات مکتوبات پر کسی نے طعنہ زنی کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حمایت مخدوم جہاں میں پورا رسالہ تحریر فرمایا: ”حجب العوار عن مخدوم بہار“۔ سلسلہ رفاعیہ کے بانی قطب الاقطاب حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے بعض حضرات نے نازیبا غلو کیا جو خود حضرت رفاعی کے ارشادات عالیہ کے خلاف تھا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ”طر دالافاعی عن حمی ہاد الرفاعی“ نامی رسالہ میں حضرت رفاعی کی قرار واقعی عظمتیں بیان فرمائیں۔ یونہی حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی سیدنا سید محمد نظام

لکھیں جو سالہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں، جن کے جوابات گروہ صوفیاء کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تالیفات و تصنیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں دیکھ کر مصنف کے تجربہ علمی کا شدید سے شدید مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شایدان لوگوں نے مولانا اسلمیل اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھی ہیں، جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیاء علمی حیثیت سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔ میرے نزدیک مولانا موصوف کی جرأت و دلیری علمائے دیوبند و فرنگی محل اور تمام لیڈران گرم و سرد سے بڑھ کر ہے، انھوں نے جو کام کیا وہ کسی ایک سے بھی نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہو سکے گا۔“

[المیزان امام احمد رضا نمبر ۶۷ ص ۲۱ / دبستان رضاص ۱۱۴]
ان تمام اسباب و وجوہ کو ایک جملے میں سمیٹا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے: ”ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“، فضل الہی

وعظ موضع رجعت ضلع گیا تشریف لے گئے۔ یہ بستی سادات کرام کی ہے اور اس بستی کے لوگ سجادہ نشینان شہسرام کے رشتہ دار ہیں۔ وعظ کے بعد کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ مولانا سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کو ہم لوگ کر سکیں اور اس کے ذریعہ سنی وہابی کو پہچان سکیں۔ کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا: ایسا آسان اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بد مذہب تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھئے۔ اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دیکھئے تو یقین جائیے کہ سنی ہے اور اگر چہرے پر پز مردگی اور کدورت دیکھئے تو سمجھئے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔ اس زمانے میں: ”لَا يُحِبُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ“ [ان سے محبت وہی رکھے گا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا] میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔“

[حیات اعلیٰ حضرت، قدیم ایڈیشن ۱/۶۲ - ۶۳]

حضرت محبوب الہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسند نشین خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

”بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقدین، مجدد ماہ تہ حاضرہ کہتے ہیں، درحقیقت طبقہ صوفیائے کرام میں یہ منصب مجدد کے مستحق ہیں، انھوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں

کی طعن و تشنیع سے کوئی الجھن ہوتی ہے۔ نہ کسی کی مدح و ثنا کی جانب ہمارے کان لگے رہتے ہیں اور نہ کسی کے برا کہنے کی فکر ہوتی ہے۔ بس میں ہوں اور ایک گوشہ تنہائی جس میں صرف میں رہتا ہوں، چند کتابیں ہوتی ہیں اور دوات و قلم، کسی اور چیز کی یہاں گنجائش نہیں۔

امام اہل سنت، مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کنز الکرامت جبل استقامت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے: اپنے اور بیگانے۔ اپنوں میں وہ جملہ صحیح العقیدہ اہل سنت ہیں جو آپ کی مقبولیت اور مرجعیت سے دلوں میں خلش محسوس کرتے ہیں اور حسد جلن میں اعلیٰ حضرت پر زبان طعن دراز کر کے لوگوں کی توجہ آپ سے پھیرنا چاہتے ہیں اور یوں اپنے دل کا غبار نکالتے ہیں۔ اور بیگانوں میں جملہ بد مذہبوں کا شمار ہوتا ہے جن کی فکری بے راہ روی اور گمراہ گردی کا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعاقب کیا ہے اور ان کی بد مذہبی اور عیاری طشت از بام کی ہے۔

غیروں میں اس دور کے جملہ بد مذہب فرقے شامل ہیں خاص طور سے قادیانی، وہابی، غیر مقلد، دیوبندی، نیچری، ندوی زیادہ درپے ہوئے۔ سب و شتم، کردار کشی، دروغ گوئی، بہتان طرازی، حیلہ جوئی، عیاری و مکاری غرض دشمنی کے سارے تقاضے پورے کئے لیکن مدینہ طیبہ کے قلندر ہمارے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نور ایمان سے دکتی پیشانی پر ذرا بھی شکن نہ پیدا ہوئی۔ اہل ایمان کی یہی شان قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے:

نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار دانگ عالم میں ہویدا کر دیا ہے۔ دلوں کو ان سے مانوس، زبان و قلم کو ان کی مدح و ثنا میں رواں کر دیا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امام اہل سنت مجدد دین و ملت کنز کرامت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خداداد مقبولیت اور شہرت کے اسباب کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اب ان سے بغض و حسد رکھنے والے معاندین و مخالفین کے اسباب مخالفت و حسد کا بھی ایک سرسری جائزہ لیتے چلتے ہیں۔ ع
حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کہیے

جہاں پھل ہیں، وہاں پتھر آتے ہی ہیں، اس لئے اس کم عمری اور قلیل مدت میں اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل ہو جانے سے آپ سے حسد رکھنے والوں کا ایک طبقہ ہمیشہ سرگرم رہا لیکن آپ ان سب سے بے نیاز ہو کر اپنے رب اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی یاد میں قلندرانہ مست و سرشار رہے اور ان کے بتائے ہوئے دین متین کی خدمت میں مصروف رہے اور کبھی مخالفین کے سب و شتم کی جانب توجہ نہ فرمائی۔ خود فرماتے ہیں۔
نہ مرا نوش ز تحسین، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بدحے، نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے
نہ مجھے کسی کی تعریف و تحسین سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ کسی

ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ [حجرات: ۶] پر عمل نہ کرنے والے ان کے داؤ میں آگئے۔ [الملفوظ، ۲/ ۲۲۴]

”عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے، وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل الرحمن کو کہہ دیا، یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے اوپر گذر گئے، وہ یہاں تک بڑھتے ہیں، عیاذ باللہ عیاذ باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ: اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا“ پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا جس سے یہاں سے رسالہ ”انجاس البری عن وسواس المفتري“ لکھا، ارسال ہو اور مولانا نے مفتري کذاب پر لاجول شریف کا تازیانہ بھیجا۔ غرض ہم پر ایسے ہی افتراء و بہتان کرتے ہیں۔“ [حسام الحرمین، ص ۴۲/ المیزان کا امام احمد رضا نمبر، ص ۴۰۷]

”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“ [المائدة: ۵۴]

وہ اللہ کے پیارے اللہ ان کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے متعدد جگہ برسبیل تذکرہ بد مذہبوں کی ایذا رسانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور اس پر کبیدہ خاطر ہونے کے بجائے شکر الہی ادا کیا ہے جو خاصان خدا کی شان ہے۔ فرماتے ہیں:

”وہابیہ کی تو کیا شکایت کہ وہ پورے اعداء ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ ان کے افتراءوں نے بعض جاہل کپے سنیوں کو بھی میرا مخالف کر دیا تھا یہ بہتان لگا کر کہ یہ معاذ اللہ حضرت شیخ مجدد [الف ثانی] کو کافر کہتا ہے اور جب مکہ معظمہ میں علم غیب کا مسئلہ بفضلہ تعالیٰ باحسن وجہ روشن ہو گیا، علم الہی اور علم نبوی کا غیر متناہی فرق میں نے ظاہر کر دیا تو اب یہ جوڑی کہ عیاذ باللہ یہ قدرت نبوی کو قدرت الہی کے برابر کہتا ہے۔ کچے نا سمجھ لوگ آئیے کریمہ ”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے

صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کو تیرہ سو برس سے زائد ہوئے، اس وقت تک تبرّے سے انہیں نجات نہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ غاشیہ حق اٹھایا اپنے کا ندھوں پر اور دور مٹایا اہل باطل کا۔ ”رَحِمَ اللّٰهُ عَمْرَ تَرَ كَهَ الْحَقِّ لَيْسَ لَهُ مِنْ صَدِيقٍ“۔ اللہ رحمت کرے عمر پر کہ حق گوئی نے اسے ایسا کر دیا کہ اس کا کوئی دوست نہ رہا۔

[المحدیث] [المملفوظ، ۳ / ۳۷۳-۳۷۴]

اس کا کیا خوف! دل میں کیا، برملائش گالیاں دیتے ہیں، بعض خبیثا تو مغالطات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اللہ علم کتنے آتے ہیں، مجھے اس کی پرواہ نہیں اس سے زیادہ میری ذات پر حملہ کریں۔ میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیروہ مجھ کو کوستے، گالیاں دیتے، برا بھلا کہتے ہیں، اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اُس کے جواب میں وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت اُن کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے، بلکہ اُن پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

”وَلْتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا“

[آل عمران: ۱۸۶]

البتہ تم مشرکوں اور اگلے کتابوں سے بہت کچھ برا سنو گے

بڑے بڑے ائمہ و مجتہدین و صحابہ و تابعین تو مخالفین کے

”امام ابن حجر کی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔

ماین یا نہ ماین، یہ ان کا کام، سرکار نے فرمایا کہ بھونکے جاؤ، بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان۔ جس کو یہ نسبت حاصل ہے، اس کو کسی مجاہدے، کسی ریاضت کی ضرورت نہیں

[پھر فرمایا] اور اسی میں ریاضت کیا تھوڑی ہے۔ جو شخص عزلت نشین ہو گیا۔ نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اس سے کہئے جس نے اوکھلی میں سردیا ہے اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑ رہی ہے۔ کئی ہزار کی تعداد میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا، نہ میں نے کبھی ان کو دیکھا اور روزانہ صبح کو اٹھ کر پہلے مجھے کوستے ہوں گے اور پھر اور کوئی کام کرتے ہوں گے اور بجز اللہ تعالیٰ لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ بھی نکلیں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا اور نہ میں نے ان کو دیکھا اور روزانہ صبح اٹھ کر نماز کے بعد میرے لئے دعا کرتے ہوں گے۔

[پھر فرمایا:] گالیاں جو چھاپتے ہیں اخباروں میں اور اشتہاروں میں، وہ اخبار و اشتہار تو رڈی میں جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں لیکن وہ چٹکیاں جو اُن کے دلوں میں لی گئی ہیں، وہ قبروں میں ساتھ جائیں گی اور ان شاء اللہ تعالیٰ حشر میں رسوا کریں گی۔

لکھیں۔ صرف ”الشہاب الثاقب“ میں چھ سو سے زیادہ گالیاں اعلیٰ حضرت کو دی گئی ہیں۔ ہر جگہ مستقل محاذ قائم کیا۔ تکفیر پسندی، شدت مزاج، غرور علمی کے بہتان تراشے گئے اور منظم انداز میں تحریری اور تقریری طور سے کھلے بندوں اور نجی محفلوں میں پھیلائے گئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں کو اہل علم کے درمیان اور لائبریریوں میں پہنچنے سے روکا گیا۔ اعلیٰ حضرت کے ہم خیال اصحاب علم و دانش کو دانش کدوں میں اور مختلف مناصب پر پہنچنے سے باز رکھا گیا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام فتنوں اور بد مذہبوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود حق کی حمایت اور حفاظت کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت حکمت عملی سے بد مذہبوں کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور بد مذہبی کے سیلاب بلا پر بند باندھنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔

اب حاسدین رضا کی کرم فرمائیوں کا بھی ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا کہ ابتدائے عمر سے ہی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حاسدین کا ایک طبقہ اپنی ریشہ دوانیوں میں سرگرم رہا۔ خود فرمایا:

”میری اتنی عمر گزری، لوگ میری مخالفت ہی کرتے رہے۔ ایک طرف کفار کا نرغہ، دوسری طرف حاسدین کا مجمع۔“ [الملفوظ، حصہ چہارم، ص ۴۸۹، مکتبۃ المدینہ، دہلی]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم شہرت، مقبولیت اور مرجعیت سے نہ جانے کتنے سینے داغ

سب و شتم سے بچنے نہیں، یہ درکنار جب اللہ واحد قہار اور اس کے پیارے حبیب و محبوب احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانا چاہی، انہیں عیب لگائے تو اور کوئی کس گنتی میں؟ ایک صاحب ولایت نے حضرت محبوب الہی قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں حاضری کا منزل دور دراز سے قصد فرمایا۔ راہ میں جس سے حضرت محبوب الہی کا حال دریافت فرماتے۔ لوگ تعریف ہی کرتے۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا: میری محنت ضائع ہوئی کہ یہ اگر حق گو ہوتے تو لوگ ضرور ان کے بدگو ہوتے۔ جب دہلی قریب رہی، انہوں نے لوگوں سے پوچھا، اب مذمتیں سنیں۔ کوئی کہتا: وہ دہلی کا مکار ہے، کوئی کچھ کہتا، کوئی کچھ کہتا۔ انہوں نے کہا: الحمد للہ! میری محنت وصول ہوئی۔

اس پر بھی بعض احمق سختی کا الزام دیتے ہیں۔ اللہ ورسول کو گالیاں دینا تو کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ وہ سختی، نہ بے تہذیبی، نہ کوئی بری بات۔ ادھر سے اُن کی اس ناپاک حرکت پر کافر کہا اور بس! سختی و بے تہذیبی سب کچھ ہو گئی۔ ہاں ہاں! اللہ ورسول کی شان میں جو گستاخی کرے گا، اُسے ضرور کافر کہا جائے گا، کسے باشد اور اللہ کہ میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اللہ ورسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام بیان کرتا ہوں۔ میں تو اُن کا چہرہ اسی ہوں۔ چہرہ اسی کا کام ہی سرکاری حکم نامہ پہنچانا ہے، نہ کہ اپنی طرف سے کوئی حکم لگانا۔ اللہ عزوجل کے کرم سے امید کہ وہ قبول فرمائے، آمین!“

[الملفوظ، ۲/۴۱۱]

بد مذہبوں نے افترا اور سب و شتم پر مشتمل مستقل کتابیں

قدیم خانقاہوں اور افراد کو الجھن رہی اور ہے۔ انہیں اعلیٰ حضرت کی اس شہرت، مقبولیت اور مرجعیت سے اپنی کوردستی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ لوگوں کی اس خلش کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بھی شروع سے احساس اور اس کے حاسدانہ اثرات کا سامنا رہا۔ جیسی آپ نے کہیں صراحتاً اور کہیں اشارتاً بادل ناخواستہ تذکرہ کر دیا ہے۔ آپ کے مجموعہ کلام کے یہ اشعار اس کا واضح اشارہ ہیں۔

اک طرف اعدائے دیں، ایک طرف حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروروں درود
عطائیں مقتدر غفار کی ہیں
عجب بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث
دیا مجھ کو ، انہیں محروم چھوڑا
مرا کیا جرم ، حق فاصل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے
کہ بدتر دق سے بھی یہ سل یا غوث
حاسد اور بدخواہ فتنہ پروری اور دشمنی نکالنے کے لئے
ہمیشہ نقائص کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ ان کی اشاعت کر کے
لوگوں کو محسوس سے بدظن اور دور کیا جاسکے، اس کے خلاف نفرت
اور وحشت کا بیج بویا جاسکے، اور اگر نقائص نہیں ملتے تو بہتان
طرازی اور اتہام پر اتر آتا ہے۔ بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے
کہ دشمن تین باتیں چاہتا ہے:

- ۱- جس سے دشمنی رکھتا ہے، اس کا خاتمہ تاکہ قصہ ہی ختم ہو۔
- ۲- اگر اس پر قدرت نہیں پاتا تو جس سے دشمنی رکھتا ہے، اس کی مکمل تباہی و بربادی اور مغلوبی کا خواستگار ہوتا ہے۔

داغ تھے۔ دوسروں کی شہرت کا چاند گہنہ لگا، اوروں کی مقبولیت ماند پڑنے لگی، رجوع خلق کم ہونے لگا تو وہ افراد اور طبقے، عالم اسلام کے اس ماہ کامل کے درپے ہونے لگے اور آج بھی حاسدین کے مختلف طبقات اسی قلبی آزار میں گرفتار ہیں۔ شہرت طلبی وجہ حسد ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”فقیر میں لاکھوں عیوب ہیں مگر بجز اللہ تعالیٰ میرے رب نے مجھے حسد سے بالکل پاک رکھا ہے۔ اپنے سے جسے زیادہ پایا۔ اگر دنیا کے مال و منال میں زیادہ ہے، قلب نے اسے اندر سے حقیر جانا، پھر حسد کیا حقارت پر؟ اور اگر دینی شرف و انضال میں زیادہ ہے، اس کی دست بوسی و قدمبوسی کو اپنا فخر جانا، پھر حسد کیا اپنے معظم بابرکت پر؟ اپنے میں جسے حمایت دین میں دیکھا، اس کے نشرفضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریر و تقریر سے کوشاں رہا، اس کے لئے عمدہ القاب وضع کر کے شائع کئے، جس پر میری کتاب ”المستند المعتمد“ وغیرہ شاہد ہیں۔ حسد شہرت طلبی سے پیدا ہوتا ہے اور میرے رب کریم کے وجہ کریم کے لئے حمد ہے کہ میں نے کبھی اس کے لئے خواہش نہ کی بلکہ ہمیشہ اس سے نفور و گوشہ نشینی کا دلدادہ رہا۔“

[فتاویٰ رضویہ، ۱۲ / ۱۳۳، قدیم ایڈیشن]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑھتی مقبولیت، پھیلتی شہرت اور لازوال مرجعیت سے بہت سی

حضرت“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مانا میاں صاحب سجادہ نشین حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مخالفین کی جانب سے اعلیٰ حضرت کے قتل کی منظم سازش کی گئی اور دو آدمیوں کو مقرر کیا گیا کہ وہ عشا کے بعد مسجد سے آتے ہوئے راستے میں آپ کو شہید کر دیں۔ یہ دونوں آدمی ایک دن مسجد سے آپ کے پیچھے ہو لئے اور راستہ میں اپنے ناپاک خیال سے حملہ کرنا چاہا تو ایک خوفناک چیخ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ چیخ کی آواز سن کر ادھر ادھر سے آگئے اور ان کو بے ہوش دیکھ کر ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ جب ہوش و حواس ٹھیک ہوئے تو ان کے حالات دریافت کئے گئے تو ان دونوں آدمیوں نے قتل کی سازش بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم نے حملہ کرنا چاہا تو اعلیٰ حضرت کے دائیں بائیں دو شیر نمودار ہوئے اور ہماری طرف نہایت غضب ناک طریقہ سے بڑھے۔ پھر ہم کو نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بظاہر شیر تھے لیکن حقیقت میں اللہ کے پیارے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے عاشق و شیدا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد تھی / ان کا دست حمایت تھا جو شیر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ دونوں شخص اسی وقت اعلیٰ حضرت کے سامنے تائب ہو کر بیعت ہو گئے۔“ [حیات اعلیٰ حضرت، ۲/ ۵۳۱-۵۳۲، مرتبہ مفتی مطیع الرحمن

۳- اور اگر اس پر بھی قدرت نہیں پاتا تو کم از کم پریشان کرنے، ذلیل کرنے اور اذیت پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ ہمارے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تینوں مراحل کا سامنا رہا بلکہ ان کا خانوادہ بھی دشمنوں کی ان تمام قسم کی شرارتوں کا شکار رہا کرتا ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو قدرت کا انتخاب تھے۔ نبی گرامی وقاصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ اور سرکار غوث اعظم کی زندہ کرامت تھے، اس لئے نقائص سے تو آپ کے اوراق حیات بالکل پاک تھے۔ اب دشمن اور حاسد و بدخواہ کے لئے تہمت اور بہتان طرازی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ اس لئے اس نے یہی حربے اپنائے۔ وہابیہ، دیابنہ اور قادیانیوں نے آپ کو تکفیر باز، گرم مزاج، مغرور و خود سر، ہر اصلاحی تحریک کا مخالف، بے بضاعت، علم حدیث میں معمولی شد بدرکھنے والا اور انگریزوں کا وظیفہ خوار مشہور کیا تو سنی حاسدوں نے آپ کو فتویٰ باز، حب جاہ رکھنے والا مولوی ٹھہرایا۔ سادات و شیوخ میں جو تعصب کے مریض اور حسد گزیدہ تھے، انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عجمی النسل اور خان زادہ ہونے کا طعنہ دیا، آپ کے اعلیٰ حضرت کہلانے پر چسبے بہ جبین ہوئے اور آج بھی یہ سلسلے کم و بیش جاری ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وہابیوں نے قاتلانہ حملہ کر لیا لیکن اللہ کا فضل و کرم دستگیر رہا، دربار رسالت و غوثیت سے آپ کی پشت پناہی کی گئی۔ ملک العلما مولانا سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ ”حیات اعلیٰ

پیش کیا جانے والا تحفہ ہے۔ پھر تو اعلیٰ حضرت مارہرہ میں بھی چھا گئے۔ سرکار نور سے ”چشم و چراغ خاندان برکات“ کا لقب، ہر دینی اور شرعی معاملے میں اعلیٰ حضرت کی جانب رجوع کی تلقین، ہر فرد اعلیٰ حضرت کا مداح و شفیقہ، حتیٰ کہ شجرہ بھی اعلیٰ حضرت کا نظم کیا ہوا دیا جانے لگا تو بدایونی صاحبان کو بہت کوفت ہوئی اور ان کے فطری حسد کا جذبہ پوری قوت سے بیدار ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عبقریت اور مقبولیت اور مارہرہ بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے مرجعیت تو ان کے لئے وجہ حسد تھی ہی، ساتھ ہی نسلی تعصب کا عفریت بھی انہیں مارے ڈال رہا تھا کہ ہم عربی النسل عثمانی شیوخ ہو کر بھی حاشیے پر جا پڑے اور ایک خان زادہ، مارہری سیدوں پر حاوی ہو گیا۔ زمانہ جاہلیت کا متعصبانہ مزاج ان کے اندر پھر سے پوری طرح بیدار ہو گیا۔ پھر ان کے حسد و تعصب نسلی نے جو قیامت صغریٰ برپا کی ہے، اسے ہر واقف کار جانتا ہے۔ دلائل و براہین میں تو اعلیٰ حضرت کو نیچا دکھانے سے رہے، اب آگئے اپنی شیخانہ فطرت پر۔ اچھی حرکتیں، گندی سازشیں، سب و شتم، کردار کشی، طعن و تشنیع حتیٰ کہ انگریزوں کے کورٹ میں مقدمہ بازیاں اور اعلیٰ حضرت کے خلاف سمن اور وارنٹ نکلوانا، یہ سب کچھ کیا لیکن ہر محاذ پر منہ کی کھائی اور آج تک غیظ و حسد کے لہو پی رہے ہیں۔ میں حضرت سید ابوالقاسم اسمعیل حسن قادری برکاتی قدس سرہ کے ایک طویل مکتوب کا اقتباس پیش کر رہا ہوں جس سے بدایونی فطرت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ حضرت تاج العلماء مرتب مکاتیب رقم طراز ہیں:

حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس

رضوی، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات] حضرت مفتی اعظم قطب عالم شاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہ کی بے پناہ مقبولیت پر جب حاسدین بندہ باندھ سکے تو کوٹہ را جستھان کے ایک دعوتی سفر میں آپ کو زہر قاتل دلویا جس سے آپ جانبر تو ہو گئے لیکن مکمل طور سے صاحب فراش ہو گئے اور تبلیغی و دعوتی سفر بالکل موقوف ہو گیا۔ حضرت تاج الشریعہ مفتی شاہ اختر رضا قادری ازہری قدس سرہ پر ظالموں نے متعدد بار مہلک سحر کرایا۔ بالآخر آپ اسی کے زیر اثر ایک سال سے زیادہ صاحب فراش ہو کر واصل بحق ہوئے۔ تباہی و بربادی اور مغلوبی کی کوششیں تو شروع سے جاری ہیں۔ رامپور کے ابتدائی سفر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند ایسے افراد بیعت ہوئے جن کے خانوادے میں مجددی سلسلہ رائج تھا۔ اس سے وہاں کے مجددی صاحبان چڑ گئے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے درپے آزار ہوئے۔ مارہرہ میں پہلے بدایونی افراد حاوی تھے، مارہروی سادات کے بچے بدایوں کے مدرسے میں تعلیم پاتے، علمی اور دینی معاملات میں خانوادہ مجیدی سے رجوع ہوتا، یہاں تک مارہرہ میں مریدین کو جو شجرہ دیا جاتا، وہ بھی بدایونی صاحبان کا نظم کیا ہوا تھا۔ لیکن جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارہرہ جا کر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے تو مرید مراد بن کر لوٹے۔ سارے سلاسل کی خلافتیں، اوراد کی اجازتیں فوراً عطا ہوئیں اور یہ تمغہ امتیاز بھی کہ احمد رضا ہمارے لئے سرمایہ روز قیامت اور بارگاہ الہی میں

ترقیات اقبال و عمر و دولت مشخون واضح رائے گرامی ہو، بفضلہ تعالیٰ فقیر بخیر ہے اور خیر و عافیت آپ کی مع متعلقین مطلوب۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مندرجہ سے مطلع ہوا۔ جس مشرب کے ہم نقال ہیں، اس میں کسی سے رنج رکھنا کب جائز ہے؟ اگر کسی نے کچھ خلاف بھی کیا تو اگر ہم اس کے مستحق تھے تو اس کی کیا بے جا نیت ہے اور اگر ہم مستحق نہ تھے تو اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اس کا بدلہ کرے گا۔ بہر حال میں ناخوش نہ تھا۔

اب تھوڑا سا حال محمد میاں سلمہ کے رسالہ شائع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔ دبدبہ سکندری رامپور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہنچا، مہدی حسن نے اول دیکھا نماز جمعہ کے وقت دکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے، ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے بھی دیکھا واقعی استناد کے ساتھ تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب کتابیں دیکھ لوں گا کہوں گا، مگر میں بادی [آغاز کرنے والا] اس وقت نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں تو میں مانع بھی نہیں ہوں۔ بہر حال اس جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اور محمد میاں سلمہ نے گھر پر آ کر جہاں تک اپنا علم اور فہم تھا، اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی۔ بالکل صحیح معلوم ہوا۔ اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہ برکاتیہ میں سرکار کلاں و خور د میں اذان جمعہ بیرون مسجد ہونے لگی۔ اس کے بعد وہاں بیان بریلی اور کانپور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے

سرہ کے نام ایام مقدمہ بدایوں متعلقہ مسئلہ اذان جمعہ میں بریلی ارسال فرمایا:

مکتوب ۱۸: فخر الافاضل صدر الاماثل افضل العلما اجل الفضلا دامت برکات افاد اہم علینا۔ پس از تسلیم مالوف بالوف تعظیم ملتس ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ فقیر بخیر ہے اور خیر عافیت مزاج مبارک کا مستدعی۔ فقیر کو اس حملہ نامرضیہ کا جو بظاہر آپ پر اور اصل میں دین اسلام پر ہے، نہایت رنج ہے۔ افسوس صد افسوس! ابھی کچھ عرصہ نہیں گذرا ہے اور تقریباً ہزاروں آدمی اس وقت موجود ہیں جنہوں نے حضرت استاذی مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قدس سرہ اور آپ کے مراسم اور محبت کے برتاؤ دیکھے ہیں۔ یا اب یہ حال ہوا ہے کہ جس سے مسلمان دین داروں کو روجی صدمہ اور بد مذہبوں کو موقع شہادت اور خوشی کا موقع مل گیا ہے۔ اگرچہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا کچھ نہیں، مگر معاندین اور مخالفین مذہب حق کو چند دنوں یہ خوشی کا موقع مل گیا۔ فقیر اگرچہ آپ کی کسی ظاہری اعانت کے لائق نہیں مگر ہر وقت دل سے دعا کر رہا ہے کہ اس منحصر سے باحسن وجوہ آپ کو طمانیت حاصل ہو اور آپ کے دست و قلم سے دین حق کی ہر طرح سے اعانت ہوتی رہے اور مخالفین دین کو ذلت پہنچتی رہے۔

مکتوب ۱۹: نواب سید سردار علی خاں صاحب سردار نواز جنگ بہادر کے نام ۲۴ رزی الحجہ ۱۳۳۴ھ کو لنگور ریاست حیدرآباد ارسال فرمایا:

سید صاحب جمیل المناقب رفیع المناصب او صلہ اللہ تعالیٰ الی مایتمناہ۔ پس از سلام مسنون و دعا ہائے

مخالفین کے ساتھ ہیں۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں حق پر ہوگا تو ہم کیا بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں اس وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے۔ ہمیں اقوال مفسرین و محدثین و فقہاء سے اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے، ہم پھر مسجد کے اندر اذان دلوانے لگیں گے اور بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرما ہیں اور اپنے آپ کو اس آستانہ کا خادم و متوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رکن رکین سمجھتے ہیں۔ دونوں طرف والے بالموافق بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کر لیں مگر صاحب احمد صاحب اور ان کے صاحبزادہ وغیرہ ہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کر کے مولانا صاحب کو اس پر نہ آنے دیا۔ میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالموافقہ کلام فرمانا نہیں چاہتے تو اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو سمجھا دیں، اس کے مستند دلائل بتادیں تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کہیں کہ اس کا کیا جواب ہے؟ اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو ان سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے اور اگر وہ جواب مدلل دیں تو آپ سے عرض کریں، آپ مان لیں۔ اس پر بھی لوگوں سے مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، تکدر بڑھے گا۔ میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برخلاف انصاف ہیں اور کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے مگر مولانا صاحب نے کچھ توجہ نہ

رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے اصلاً کوئی مضبوط استناد ان میں نہ تھا۔ ان کے دیکھنے سے زیادہ تو وثوق فتوئے اذان بیرون مسجد پر ہوا۔ بہر حال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی، یہاں تک کہ عرس شریف انھی الا عظم حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کا وقت آیا اور اس میں بغرض شرکت مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے اعزہ مولوی عبدالقدیر صاحب و مولوی عبدالماجد اور محب احمد صاحب اور ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی آئے۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے۔ ایام قیام میں ایک روز مولوی محب احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا۔ جناب مولانا صاحب بھی تشریف فرما ہیں، میں نے فہم ناقص کے موافق جواب دئے، برخوردار محمد میاں سلمہ بھی آگیا، اس نے بھی جواب دئے۔ ہمارے جواب لا جواب دیکھ کر مولوی محب احمد نے اپنی تقریر کا رخ بدل کر ایسے کلام کئے جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیں کچھ بیجا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خاں صاحب کا جانتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسم محبت و مروت اور تعلیم اور تعلم و قدامت رشتہ تو سل جو فقیر کو حضرات اکابر مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے اس کا عشر عشیر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے نہیں اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ معاملات دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہمارے اعزہ

کا ہے نہیں، صرف مولوی احمد رضا خاں صاحب کو سبب و شتم ہے۔ میری رائے میں اس کو اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہئے بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہئے کہ آپس میں جو ذاتی کوئی رنج ہو، وہ صاف کر لیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت کے بعد دیگرے صاف کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا ابھی شائع نہ ہوگا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں کہ اذان مسجد سے باہر ہو، وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیونکہ جب یہ ہوگا تو ہمیں بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں بلکہ تحقیقات علمائے سلف اور محققین مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح سے حق معلوم ہوتا ہے۔ غلام شبر صاحب وعدہ عدم اشاعت کر کے چلے گئے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہ معلیٰ کے بڑے دروازہ خانقاہ پر لگوا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی، وہ بدستور ہے۔ عبدالماجد صاحب تو ملے نہیں، کیونکہ وہ بخلاف اپنے بزرگوں کے طریقے کے صاحبان سرکار خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انہیں سے ان کو دلچسپی ہے مگر جو صاحب ملے ان سے کہا گیا کہ عبدالماجد صاحب نے بیکار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظر میں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسنا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس مسئلہ کو حق

کی۔ اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہونے لگیں۔ اس کے بعد مولانا صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہاں سے تشریف لے جانے پر چند روز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا، جس کے مصدقین میں مولانا صاحب بھی تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگان مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا۔ اس فتوے میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے۔ وہی تھے جو وہابیان بریلی وغیرہ یا مخالفان رامپور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کا رد اہل تحقیق نے بہت واضح اور لائح کر دیا تھا مگر اس فتویٰ کا جواب نہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا، کہ ہم نے جو عرض کیا تھا وہ کب مانا گیا، ہم نے فتویٰ تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتویٰ بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شان علمی کے بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کر کے پھر دوسرا اشتہار صاحبان مدرسہ نے لکھا، تیسرا رد لکھوا یا مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی۔ احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد رد و جواب ہوا جو مارہرہ میں حضرت بھائی صاحب قدس سرہ کے عرس ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوا۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے۔ ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبدالماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبد واحد کے نام سے لکھا، جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے۔ میں نے اسے دیکھا اور غلام شبر سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ

کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا جو ایک ابھی کے طالب علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلاف تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کو تحریر فرمائے، ہمیں اس کا گلہ نہیں۔ ہاں ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والد ماجد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر ان کے جد الاجداد حضرت مولانا مولوی عبدالحمید صاحب قدس سرہم دیکھتے اور حیات ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے تو عبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے پیرزادوں کے ایسا سب و شتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض اور اب بھی جس کی چشم پینا ہے، وہ رضامندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کر سکتا ہے۔ آپ بحث الاذان اور اس کا یہ جواب مباحث الاذان دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہوں تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد میاں سلمہ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اور اسے فریب و چکر میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے۔ الخ.....

فقیر اسمعیل حسن عفی عنہ قادری برکاتی آل احمدی
[۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ از خانقاہ برکاتیہ مارہرہ] مفاوضات طیبہ
۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا۔ حضرت حجۃ الاسلام
شاہ محمد حامد رضا قادری نوری قدس سرہ آستانہ عالیہ قدسیہ
رضویہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے دور سجادگی میں ملک کے
اندر سیاسی اتھل پتھل رہی۔ انگریزوں نے ہندوستان چھوڑا
، ملک عزیز آزاد اور تقسیم ہوا پھر حضرت حجۃ الاسلام کا ۱۳۶۲ھ

جانتے ہیں، لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے۔ یہ سب محمد میاں کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سلمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ مکمل نہیں لکھ لیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبیدہ گئے۔ مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بھی اس کا ذکر آیا۔ محمد میاں سلمہ نے بمواجہہ مولانا صاحب و مولوی عبدالقدیر صاحب و دیگر صاحبان مدرسہ سے کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھادیں، جو حق ہو گا وہ بلا نفسانیت مان لوں گا مگر کسی صاحب نے کچھ مسکت جواب نہ دیا اور واقع یہ ہے کہ یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارج مسجد ہو۔ اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرمادیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی ہونی چاہئے۔ محمد میاں سلمہ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کرا کر مولانا صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی بھیج دی۔ اس رسالہ کا نام بحث الاذان ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا صاحب کی کہیں خدا نخواستہ توہین یا اہانت ہے؟ بلکہ مولانا صاحب سے تو رد میں خطاب بھی نہیں، عبدالواحد وغیرہ سے بکمال تہذیب ان کے استدلال کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے۔ یہ رسالہ مولانا صاحب کی خدمت میں تین چار ماہ قبل از وصال پہنچایا گیا تھا۔ مولانا صاحب نے اس کو دیکھا مگر کسی طرح کا اپنا تذکرہ و ملال ہم پر ظاہر نہیں کیا، یہاں تک کہ مولانا صاحب کا انتقال ہوا، جس کے بعد مولوی عبدالماجد صاحب نے چند اور صاحبوں کی کوشش مجموعی

کا تمغہ امتیاز اپنے سر سجا لیا جائے یا کم از کم بریلی کے سر نہ رہنے دیا جائے، لیکن یہاں بھی من جانب اللہ چال الٹی پڑ گئی اور بے چاروں کو لینے کے دینے پڑ گئے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

رہ گیا دشمنی کا تیسرا مرحلہ کہ دشمن جب کسی طرح قابو نہیں پاتا تو ذلیل و خوار کرنے اور اڑچنیں پیدا کرنے پر اتر آتا ہے تو سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے خاندانہ کریمہ کو ہمہ دم اس کا سامنا رہتا ہے اور یہ مظلوم و محسود گھرانہ ہر گھڑی حاسدین اور مخالفین کی سازشوں کے زرخیز میں رہتا ہے۔ لیکن یہاں کا معاملہ تو یہ ہے کہ ع

یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا بد مذہب تو خیر غیر ٹھہرے، ان کی ستم رانیوں کا کیا شکوہ؟ جب وہ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحبہ و بارک و سلم کی بارگاہ کے گستاخ اور دشمن ہیں تو پھر خاصان خدا تو بندے اور امتی ہی ٹھہرے، لیکن اہل سنت میں حاسدین و معاندین رضا کا جو طبقہ ہے، ان کے اسباب حسد و عناد پر غور کرنے کے بعد یہ گوشے سامنے آتے ہیں:

نسلی اور مشربی تعصب: سادات اور شیوخ کی بعض خانقاہیں اس لئے بھی حسد رکھتی ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید یا شیخ نہیں۔ اعلیٰ حضرت اگر سادات یا شیوخ سے ہوتے تو یہ لوگ اعلیٰ حضرت کی علمی عبقریت، شخصی وجاہت اور بے پناہ مقبولیت کے سبب اعلیٰ حضرت کا اسم گرامی بھی با وضو لیتے اور بڑے فخر سے اپنے سر کا تاج بنائے

میں وصال ہو اور مرجعیت سرکار مفتی اعظم قطب عالم شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہ کے حصہ میں آئی۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت کا غلغلہ بلند ہوا اور خلق خدا کا ہجوم بڑھنے لگا تو حاسدین کی بھی کثرت ہوئی۔ آپ کو ایسی خداداد شوکت نصیب تھی کہ بڑے بڑوں کا زہرہ آب تھا۔ اس لئے کھل کر مخالفت یا محاذ آرائی کی جرات تو نہ ہوئی لیکن درون خانہ حاسدانہ جذبے پنپ رہے تھے۔ بدایوں، مارہرہ، کچھو چھو اور بھی دیگر خانقاہیں حسد کے زیر اثر کسمسا رہی تھیں۔ ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء کو حضرت مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہ کا وصال ہوتا ہے اور نہ جانے کتنے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں کہ بریلی کی خانقاہ رضویہ میں اب کوئی قد آور شخصیت نہ رہی۔ چلو اب ہماری دینی کورا بھر جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت نے مرشد گرامی حضرت تاج الشریعہ قدس سرہ کو ایسا نمایاں کر دیا کہ ان کے جلوؤں سے نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ یاروں نے تو سوچا تھا کہ اب بازی مار لی جائے گی اور بریلی کی مرجعیت کی بساط سمیٹ دی جائے گی لیکن فضل الہی نے بریلی کو پھر ایسا نوازا کہ ان بد نیتوں کے مذموم منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے، اس لئے حاسدین کی تمللاہٹ خاصی تھی۔ پہلے کچھو چھو کے پیرزادے در پے ہوئے اور حاسدانہ کاروائیوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور برسوں اپنی ژولیدہ فطرت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ حضرت احسن العلما کے وصال، جدید منصب داریوں اور وسائل کی فراوانی نے مارہروی پیرزادوں کو حوصلہ دیا کہ اب یہی وقت ہے کہ بریلی کی بساط سمیٹ دی جائے اور مرکزیت و مرجعیت

یہ منصب عالی عطا فرمایا ہے، ان کی روحانی توجہات قدسیہ ہی نے تو اعلیٰ حضرت کو مرکز توجہ اور قبلہ مقصود بنایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس ایسا عطر مجموعہ ہے جس میں ہر گل کی خوشبو اور ہر گلشن کی بہار موجود ہے۔ ان حسد کے ماروں کو دہائی دینی ہے تو اپنے اکابر کے پاس دُہائی دیں کہ ہم آپ کی اولاد ہیں، اور آپ نے ہمیں نہ نواز کر ایک غیر سید کو نواز دیا، انہیں مرکز توجہ بنا دیا، بھلا ہمارا کیا قصور تھا؟ تو ان اکابر مشائخ اور محبوبین بارگاہ الہی کی نورانی مرقدوں سے یہی آواز آئے گی کہ تم میری اولاد سہی لیکن تمہارے پاس احمد رضا کی طرح دل کہاں ہے؟ تم احمد رضا جیسی جامعیت کہاں سے لاؤ گے؟ اللہ ورسول کی بارگاہ کا ویسا قرب کہاں سے پیش کرو گے؟ ہم نے جو احمد رضا کو نواز ا ہے، وہ اللہ ورسول کی مرضی بلکہ حکم کے مطابق نواز ا ہے۔ بیٹا! اللہ ورسول کی مرضی میں کسے دخل؟ وہ جسے چاہیں، جب چاہیں، جتنا چاہیں نوازیں، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

رہ گیا نائبِ غوثِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے قادریت کا بے مثل فروغ کہ آج اعلیٰ حضرت کے وسیلے سے پندرہ سولہ کروڑ افراد سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی کا قلابہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں تو یہ بھی فضل الہی، عطائے مصطفوی اور عنایتِ غوثی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سلسلہ عالیہ قدسیہ قادر یہ کی بے مثل خدمت کا ایسا شرف بھی عطا کیا گیا، ورنہ اعلیٰ حضرت نے ابتداءً بیعت لینے کا سلسلہ شروع نہیں فرمایا تھا، جو طالب آتا، اسے سرکارِ نور یا تاج الفحول کی خدمت میں بھیج

پھرتے۔ انہیں یہ خلش رہتی ہے کہ ہم سید اور شیخ ہو کر اور قدیم ترین خانقاہی پس منظر رکھتے ہوئے بھی مقبولیت اور ہمہ گیری میں امام احمد رضا کی گرد راہ کو نہیں پہنچتے۔ یہ خان صاحب تو پھلتے چلے جا رہے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ خان صاحب کو پھیلانے والے سید العالمین ہیں اور ان کی پشت پناہی دربارِ غوثِ الکوئین سے ہوتی ہے۔

ایسوں سے اعلیٰ حضرت نے خود عالم جلال میں فرمایا ہے:

”مگر یہ نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک دامنوں سے وابستہ ہے الخ“

[فتاویٰ رضویہ، ۲۹/۸۴]

نسلی وجاہت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن دل کی پاکیزگی اور قرب الہی کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لئے علامہ جامی نے فرمایا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اگر دل طہارت سے ورا ہے اور انسان صرف نسلی وجاہت اور پدرم سلطان بود پر پھولتا رہتا ہے تو اسے نہ دربارِ خدا ورسول سے کچھ عطا ہوتا ہے اور نہ دنیا اسے کچھ تسلیم کرتی ہے اور وہ صرف بے جا مفاخرت، حسد و بغض اور فتنہ پروری سے اپنا نامہ اعمال سیاہ اور اپنی عاقبت برباد کرتا رہتا ہے۔

ان بے چارے حسد کے ماروں کو نہیں معلوم کہ اکابرین اسلام اور کبار مشائخ کی توجہات عالیہ ہی نے تو اعلیٰ حضرت کو

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن
آج کل کے پیرزادوں کے یہاں صرف دنیا طلبی
، عیش کوشی اور مریدین سے استفادہ مالی مقصود بن کر رہ
گیا ہے۔ بقول شخصے جو خود بھی سید پیر زادے
ہیں: ”پیری مریدی کا آج کل پورے طور سے
کمرشیلائزیشن ہو گیا ہے۔“ مرید بنانے، لوگوں کو اپنی
سمت مائل کرنے اور خود کو منوانے کے لئے سارے
ہتھکنڈے اپنائے جاتے ہیں۔ ایجنٹ چھوڑے جاتے
ہیں، تجوریوں کے دہانے کھولے جاتے ہیں۔ مولویوں
کی خرید و فروخت ہوتی ہے، طرح طرح کے
پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں، من گھڑت روایات و
کرامات پھیلائی جاتی ہیں۔ لیکن خانقاہ عالیہ رضویہ
، بریلی شریف ایسی خانقاہ ہے جہاں مرید بنانے کے
لئے ایجنٹ نہیں چھوڑے جاتے بلکہ لوگ خود آ کر جو
در جو حلقہ ارادت میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں
کرامت سے زیادہ دینی استقامت پر زور دیا جاتا ہے۔

لگے ہاتھ یہ بھی عرض کر دوں کہ قدیم خانقاہوں کے ذمہ
داران، بریلی شریف سے لوگوں کی توجہ پھیرنے کے لئے یہ
ہتھکنڈے بھی اپناتے ہیں کہ فتویٰ پوچھنا ہو تو بریلی جاؤ، وہاں
مولوی مفتی رہتے ہیں۔ مرید ہونے کے لئے کسی خانقاہی شیخ
کے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے جہاں خانقاہی نظام ہو، ذکر و فکر کا
دستور ہو۔ بریلی میں درسگاہ ہے، خانقاہ نہیں۔

ان بے چارے خانقاہیوں کو ہمارے مشائخ بریلی
شریف کی شریعت و طریقت میں جامعیت کا اندازہ ہی نہیں۔

دیتے۔ جب پیر و مرشد حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ نے
خواب میں تشریف لا کر بیعت لینے کا حکم فرمایا تو آپ نے
بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا اور پھر مشائخ سلسلہ کا ایسا فیضان ہوا
کہ ساری دنیا اس کا اثر چشم سر سے ملاحظہ کر رہی ہے۔

بہت سے خانقاہی افراد کے دلوں میں خلش یہ ہے کہ
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے
عالم، مفتی، محقق، محدث، مفسر، نعت گو شاعر، فلسفی، اسکالر تھے،
رہتے۔ وہ کتابیں لکھتے، فتاویٰ تحریر فرماتے، نعتیں کہتے، ان کا
بہت بڑا ادارہ ہوتا، ہزاروں شاگرد ہوتے، ان پر کتابیں لکھی
جاتیں، سیمینار ہوتے، مقالات قلم بند ہوتے، یہ سب ٹھیک
تھا۔ لیکن مولانا احمد رضا صاحب پیر کیوں ہو گئے اور وہ بھی
ایسے پیر کہ ان کے سامنے ہماری پیری مریدی کے لالے پڑ
گئے۔ ایک مولوی پیر کے عرس میں بیس بچیس لاکھ کا مجمع اکٹھا
ہو جاتا ہے، ہم تو چند ہزار بھی جمع نہیں کر پاتے۔ بھائی! یہ
بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ انہیں صرف عالم اور مولوی رہنا
چاہئے تھا، پیری مریدی وہ ہمارے لئے چھوڑ دیتے۔

اب ایسے کور باطنوں، دل کے مریضوں، حسد کے
ماروں اور تعصب گزیدہ افراد کا کیا علاج؟ ان کے بارے میں
صرف دعائے ہدایت کی جاسکتی ہے۔ کیا پیری مریدی پر ان
کی موروثی اجارہ داری ہے جو دوسروں کے پاس جانے سے
انہیں ہوک اٹھتی ہے؟

آجکل کی اکثر خانقاہیں باپ دادا کی وراثت ہیں الا

ماشاء اللہ۔ بقول ڈاکٹر اقبال۔

قم باذن اللہ جو کہتے تھے وہ رخصت ہوئے

عبادت ہے۔ [چند آیات اور حدیث پاک ذکر کر کے فرماتے ہیں:]
ذکر کے لیے کثیر طریقے ہیں: قلبی و لسانی، خفی و جلی، تلاوت و ثنا، درود و دعا، عبادات و طاعات۔

اطلاق کے باوجود بعض مقامات کو بعض طریقے سے خصوصیت ہوتی ہے جیسے محل جنازہ مقام تفکر ہے کہ ذکر قلبی ہے۔ ”تَفَكُّرٌ سَاعَةٌ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ“ [گھڑی بھر کا تفکر انسانوں اور جنوں کی عبادت سے بہتر ہے] جہاں مقام تفکر ہے، وہاں ذکر قلبی کو ذکر لسانی پر ترجیح ہوگی ورنہ ذکر پر تفضیل محال ہوتی ”وَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ“ [اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑھا ہوا ہے] اس قسم کے ذکر کے لیے صمت یعنی خاموشی بہتر ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے فرمایا: ”يَنْبَغِي أَنْ يَطِيلَ الصَّمْتُ“ [طویل سکوت کرنا چاہیے]

صدر اول میں غالباً یہی معمول تھا، یہاں تک کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہمارے داہنے ہاتھ پر کون اور بائیں ہاتھ پر کون ہے، ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوتا اور اپنے لئے یہ وقت آنا، اور پھر اس وقت کیا ہوگا، کیسے گزرے گی، اپنے اعمال کی حالت کیا ہے؟ اس دُھن میں مستغرق ہوتا، گویا ہر شخص اس جنازہ کو اپنا ہی جنازہ جانتا۔ بلاشبہ اس وقت کے مناسب یہی حالت ہے اور اس حال کے مناسب وہی خاموشی کہ سانس کے سوا بالکل آواز نہ ہو۔ جب زمانہ بدلا اور صدر اول کی طرح خوف مسلمانوں میں نہ رہا، محض خاموش رہنا بہت لوگوں کو باعث پریشان خیال ہوا۔ اطباءِ قلوب نے ذکر لسانی خفی کا اضافہ فرمایا:

ان کے نزدیک صرف چار پانچ تسبیح گلے میں ڈال لینا، انگلیوں میں پانچ دس انگوٹھیاں پہن لینا، ملاگیری رنگ کا لباس پہن کر دھونی رمالینا اور قوالی کی دُھن پر رقص بسمل کر لینا ہی مشیخت ہے چاہے وہ جنتی اور جہیمی بھی نا کردنی کرتے رہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ انہیں مشیخت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ہمارے مشائخ کے یہاں اخفائے احوال باطنی ہوتا ہے۔ سیدنا علیؑ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف عقبری فقیہ اور بے مثل محدث ہی نہ تھے بلکہ وقت کے قطب الارشاد، قطب المدار اور نائبِ غوثِ اعظم تھے۔ آپ کے یہاں تصوف علمی اور تصوف عملی دونوں اعلیٰ سطح پر پایا جاتا ہے۔ آپ کے تصوف علمی کی معلومات کے لئے آپ کی تصانیف عالیہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور آپ کے تصوف عملی کے بارے میں جاننے کے لئے آپ کے اوراق حیات اور آپ پر لکھی جانے والی سوانحی کتابیں ملاحظہ کی جائیں۔ اس جلوہٴ صدر ہزار کی صوفیانہ جھلک دیکھنے کے لئے استاذ محترم علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی تصنیف ”امام احمد رضا اور تصوف“ کا مطالعہ کریں۔ میں اعلیٰ حضرت کے تصوف علمی کی ایک جھلک کے لئے دربارہٴ ذکر الہی بعض اقتباسات رضویہ پیش کرتا ہوں۔

قطب الارشاد، عارف باللہ، نائبِ غوثِ اعظم، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے ذکر کی مشہور اقسام، اس تقسیم کا پس منظر اور پھر ذکر کے پانچ طریقے بہت حکیمانہ انداز میں پیش فرمائے ہیں۔ اس کی تلخیص یہاں پیش کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ رقم طراز ہیں:

”اللہ عزوجل کا ذکر اصل مقصود و اجل مقاصد و مغز

رکھ کر ذکر و سماع کی طرف لاتا ہے تو اب ذکر جہر امر بالمعروف
ونہی عن المنکر کے افراد سے ہے۔“

[فتاویٰ رضویہ جدید مترجم جلد ۹، ص ۱۵۱-۱۵۲]

اعلیٰ حضرت اس کے بعد ذکر کی اقسام اور لوازمات بیان
فرماتے ہیں:

”ذکر جہر چہار ضربی: چار زانو بیٹھے، بائیں

زانو کی رگ کے پاس داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور

اس کے برابر کی انگلی میں دبالے، پھر سر جھکا کر بائیں

گھٹنے کے محاذی لاکر لاکلام یہاں سے شروع کر کے

داہنے گھٹنے کے محاذات تک کھینچتا ہوا لے جائے، اب

یہاں سے الہ کا ہمزہ شروع کر کے لام کے بعد کالفا

داہنے شانے تک کھینچتا لے جائے اور داہنی طرف

خوب منہ پھیر کر کہے، پھر وہاں سے الا اللہ بقوت دل

پر ضرب کرے۔ سو بار یا مناسب قوت کم سے شروع

کرے، پھر حسب طاقت و فرصت بڑھاتا جائے۔

بہتر یہ ہے کہ پانچ ہزار ضرب روزانہ تک پہنچائے۔ جب

حرارت بڑھنے لگے ہر سو بار کے بعد ایک یا تین بار محمد

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ لے، تسکین پائے گا۔

مگر مبتدی جب تک زنگ دور نہ ہو، خالص حرارت

کا محتاج ہے۔ یہ ذکر ایسے وقت اور ایسی جگہ ہو کہ ریانا آئے،

کسی نمازی یا ذکر یا مریض یا سوتے کو تشویش نہ ہو، اگر دیکھے

کہ ریا آتی ہے تو نہ چھوڑے اور خیال ریا کو دفع کرے اور اللہ

عزوجل کی طرف اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل

سے رجوع لائے، تاہم ہوا انشاء اللہ تعالیٰ ریا دفع ہوگی۔“

”ان اراد ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ“

[اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے] اس

میں حکمت یہ تھی کہ خود خاموشی کوئی شیء مطلوب نہیں،

کہ اچھی بات کہنا، کچھ نہ کہنے سے بہر حال افضل

ہے۔

اسی لئے ارشاد ہوا:

”ان لایزال لسانک رطبا من ذکر اللہ“

[ترمذی، ۲/۱۷۳، کتاب الدعوات] ہمیشہ تمہاری

زبان ذکر الہی سے تر رہنی چاہئے۔ اگر چہ اگلی

شریعتوں نے خاموش رہنے کا حکم روزے میں رکھا تھا

مگر ہماری شریعت نے اسے منسوخ فرمادیا۔ مجوس

کے یہاں کھانے کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے،

ہماری شریعت میں وہ مکروہ و لازم الاحتراز ہے۔

یہاں ایک ذریعہ بعد معین مقصود ہو کر مطلوب ہوا تھا

کہ زبان کا عمل توجہ پٹنے کی وجہ نہ ہو۔ اب دیکھا کہ

زمانہ بدلا، اب وہ معین ہونے کے عوض بہت لوگوں

کے لئے مقصود میں خلل ہونے لگا، اصل مقصود حاصل

ہونے کے لئے ذکر لسانی بتایا اور خفی رکھا کہ سب تو ایسے

پریشان خیال نہیں، جہر سے اہل تفکر کا ذہن نہ بٹے۔

جب زمانہ اور بدلا اور اکثر عامہ ناس اسی قسم کے رہ گئے

تو اطباء روحانی نے جہر بالذکر کی اجازت دی کہ وہ نفوس

میں زیادہ کارگر، وسوسوں کو زیادہ دور کرنے والا اور لوگوں کے

لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ وہ ذاکرین کی زبانوں اور سامعین

کے کانوں کو مشغول کرتا اور غافلین کو جگا کر لغویات سے باز

کی عادت پڑ جائے اور تکلف کی حاجت نہ رہے۔ اب سوتے میں بھی سانس کے ساتھ ذکر جاری رہے گا۔

اذکار و اشغال میں مشغولی سے پہلے اگر قضا نمازیں یاروزے ہوں ان کا کر لینا جس قدر جلد ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔ جس پر فرض باقی ہے، اس کے نفل اعمال مستحبہ کام نہیں دیتے بلکہ قبول نہیں ہوتے جب تک فرائض نہ ادا کر لے۔

اذکار و اشغال کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے: ۱- کم کھانا، ۲- کم بولنا، ۳- کم سونا

[حیات اعلیٰ حضرت ۳ / ۱۴۶، ادارہ اشاعت مسجد نور الاسلام بولٹن]

اب تصور شیخ اور آداب شیخ سے متعلق قطب الارشاد نائب غوث اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نادر علمی افادات ملاحظہ کیجئے۔ آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اعلیٰ حضرت ہر سطح پر اعلیٰ ہیں۔ یہ بات تصوف کی معمولی شد بدرکھنے والا بھی جانتا ہے کہ جب تک شیخ سے تعلق مضبوط نہیں ہوگا، اس وقت کچھ ہاتھ آنے کا نہیں۔ اسی لئے مشائخ سب سے پہلے برزخ شیخ کا حکم دیتے ہیں۔ اس کا طریقہ بیان کرتے ہوئے عارف باللہ قطب الارشاد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

”برزخ شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصور کر کے اس طرح سمجھے کہ سرکار رسالت سے فیوض و انوار قلب شیخ پر فائض ہوتے اور

ذکر خفی: دو زانو آنکھیں بند کئے زبان تالو سے جمائے کہ متحرک نہ ہو، محض تصور سے کہ سانس کی آواز بھی نہ سنائی دے۔ ان پانچ طریقوں سے جو طریقہ چاہے اختیار کرے خواہ وقتاً فوقتاً پانچوں برتے۔

۱- سر جھکا کر ناف سے لاکالام نکال کر سر بتدریج اوپر اٹھاتا ہوا اللہ کی ہدایت تک لے جائے اور معاً اللہ کا پہلا ہمزہ وہاں شروع کر کے اس کی ضرب ناف خواہ دل پر کرے۔

۲- اسی طور پر لا الہ الاہو اس میں دوسرا جز الاہو ہوگا۔

۳- صرف اللہ کا پہلا ہمزہ ناف سے اٹھا کر اللہ تک لے جائے اور پھر لہ کو وہاں سے اتار کر ناف یاد ل پر ضرب کرے۔

۴- فقط اللہ کا پہلا ہمزہ ناف سے شروع کرے، لا کو دماغ تک پہنچائے اور ہ کی ضرب ناف یاد ل پر لگائے۔

۵- محض اللہ بسکون ہا، پہلا ہمزہ ناف سے اٹھا کر لام دماغ تک اور لہ کی ضرب ناف یاد ل پر لگائے۔ اسے سوبار سے شروع کرے، حسب وسعت ہزاروں تک پہنچائے۔ ان پانچوں میں افضل پہلا طریقہ ہے۔ یہ طریقے اس درجہ مفید ہیں کہ انہیں اخفا کرتے ہیں، رمز میں لکھتے ہیں۔ فقیر [اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری]

نے خاص اپنے برادران طریقت کے لئے اسے عام کیا۔ انہیں پانچوں طریقوں میں سے جسے چاہے ہر سانس کی آمد و رفت میں کھڑے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے وضو بے وضو بلکہ قضاے حاجت کے وقت بھی ملحوظ رکھے یہاں تک کہ اس

جو بات بری دیکھے اس سے منع کرے، روکے۔
 نیکیوں کی ترغیب دے۔
 حاضر و غائب اس کی خیر خواہی کرے۔
 اپنی دعا میں اسے شریک کرے۔
 اس کے مال سے کچھ طلب نہ کرے۔
 اس کی طرف سے براہ نادانی جو گستاخی بے ادبی واقع ہو اس سے درگزر کرے۔
 اس پر اپنے نفس کے لئے ناراض نہ ہو۔
 تا بمقدور اس کی ہر مشکل میں مددگار رہے۔
 اس کی ہدایت کے لئے غصہ ظاہر کرے اور دل میں اس کی بھلائی کا خواستگار رہے۔ وغیرہ وغیرہ
 پیر کے حقوق مرید پر شمار سے افزوں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ:
 اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔
 اس کی رضا کو اللہ کی رضا اس کی ناخوشی کو اللہ کی ناخوشی جانے۔
 اسے اپنے حق میں تمام اولیائے زمانہ سے بہتر سمجھے۔
 اگر کوئی نعمت بظاہر دوسرے سے ملے تو اسے بھی پیر ہی کی عطا اور اسی کی نظر تو جہاں صدقہ جانے۔
 مال اولاد جان سب اس پر تصدق کرنے کو تیار رہے۔
 ایک باپ سے دوسرا باپ نہ بنائے۔
 اس کی جو بات اپنی نظر میں خلاف شرع بلکہ معاذ اللہ کبیرہ معلوم ہو اس پر بھی نہ اعتراض کرے،

- اس سے چھلک کر میرے دل میں آرہے ہیں۔ پھر
- کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت ہو جائے گی کہ شجر و حجر
- و درود یوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی، یہاں
- تک کہ نماز میں بھی جدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال میں
- اپنے ساتھ پاؤ گے۔“ [المملفوظ، ص ۳۳۰]
- یہ تعلق شیخ اسی وقت مضبوط اور کارآمد ہوگا جب آداب شیخ
- کا لحاظ رکھے گا۔ آداب شیخ کا بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت
- قدس سرہ فرماتے ہیں:
- ”بیکار باتوں سے تو ہر وقت پرہیز کرنا چاہیے، اور شیخ
- کے حضور خاموش رہنا افضل ہے، ضروری مسائل پوچھنے میں
- حرج نہیں۔
- اولیائے کرام فرماتے ہیں شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ
- کرے کہ ذکر میں دوسری طرف مشغول ہوگا۔ یہ حقیقتاً ممانعت
- ذکر نہیں بلکہ تکمیل ذکر ہے کہ وہ جو کرے گا بلا تامل ہوگا اور شیخ
- کی توجہ سے جو ذکر ہوگا، یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔
- پھر فرمایا، اصل کار حسن عقیدت ہے۔ یہ نہیں تو کچھ نفع
- نہیں اور صرف حسن عقیدت ہے تو خیر اتصال تو ہے۔ پر نالہ کی
- مثل تم کو فیض پہنچے گا، حسن عقیدت ہونا چاہیے۔“ [المملفوظ سوم،
- ص ۵۳۱، تخریج شدہ، ایڈوانس پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ، دہلی]
- شیخ سے مکمل فیض اٹھانے کے لئے ان کے حقوق کی
- رعایت کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ پیر
- اور مرید کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے
- ہیں: ”مرید کا پیر پر حق یہ ہے کہ:
- اسے مثل اپنی اولاد کے جانے۔

تعالیٰ عنہم کی مدد زندگی میں، نزع میں، قبر میں، حشر میں، میزان پر، پل صراط پر، حوض پر ہر جگہ اس کے ساتھ رہے گی۔ اس کا پیرا اگر خود کچھ نہیں تو اس کا پیر تو کچھ ہے، یا پیر کا پیر یہاں تک کہ صاحب سلسلہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر یہ سلسلہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان سے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان سے اللہ رب العالمین تک مسلسل چلا گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ پیر چاروں شرائط بیعت کا جامع ہو، پھر اس کا حسن اعتقاد سب کچھ پھل لاسکتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ [فتاویٰ رضویہ جدید ۲۴/۳۶۸، پور بندر]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تصوف عملی کے لئے صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو صدر الافاضل کے حوالے سے حضرت علامہ سید شاہد علی رضوی نوری مدظلہ نے مجھ سے بیان فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت صدر الافاضل، حضرت مفتی اعظم اور ملک العلماء رضوی دارالافتا کے سامنے سیڑھی کے پاس تبادلہ خیال فرما رہے تھے کہ سلطان الاذکار [جس میں ذاکر کے اعضاء جسمانی بکھر کر ذکر الہی کرتے ہیں] کے لئے قلب جاری نہیں ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت سے عرض کیا جائے۔ اسی وقت اعلیٰ حضرت سیڑھیوں پر نمودار ہوئے اور حضرت مفتی اعظم سے فرمایا: میرے بستر پر جا کر لیٹ جاؤ۔ جیسے ہی حضرت مفتی اعظم، اعلیٰ حضرت کے بستر پر جا کر آرام فرما ہوئے، فوراً قلب جاری ہو گیا۔ یہ حضرات محو حیرت ہو گئے، فرمایا: جس کے بستر کی تاثیر کا یہ عالم ہو، خود اس کی تاثیر کا عالم کیا ہوگا۔

رہ گئے اعمال و اشغال اور دیگر عملیات تو اس کے لئے

نہ دل میں بدگمانی کو جگہ دے بلکہ یقین جانے کہ میری سمجھ کی غلطی ہے۔

● دوسرے کو اگر آسمان پر اڑتا دیکھے جب بھی پیر کے سوا دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو سخت آگ جانے۔

● اس کے حضور بات نہ کرے، ہنسنا تو بڑی چیز ہے۔

● اس کی غیبت میں بھی اس کے بیٹھنے کی جگہ نہ بیٹھے۔

● اس کے سامنے آنکھ، کان، دل ہمہ تن اسی کی طرف مصروف رکھے۔

● جو وہ پوچھے نہایت نرم آواز سے بکمال ادب بتا کر جلد خاموش ہو جائے۔

● اس کے کپڑوں، اس کے بیٹھنے کی جگہ، اس کی اولاد، اس کے مکان، اس کے محلہ، اس کے شہر کی تعظیم کرے۔

● جو وہ حکم دے کیوں نہ کہے، دیر نہ کرے۔ سب کاموں پر اسے تقدیم دے۔

● اس کی موت کے بعد بھی اس کی زوجہ سے نکاح نہ کرے۔

● اس کے دوست کا دوست، اس کے دشمن کا دشمن رہے۔

● روزانہ اگر وہ زندہ ہے، اس کی سلامت و عافیت کی دعا بکثرت کرتا رہے، اور اگر انتقال ہو گیا تو روزانہ اس کے نام پر فاتحہ و درود کا ثواب پہنچائے۔

● غرض اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس کے علاقہ کو تمام جہان کے علاقہ پر دل سے ترجیح دے اور اسی پر کار بند رہے۔ جب یہ ایسا ہوگا تو ہر وقت اللہ عزوجل

وسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و حضرات مشائخ کرام رضی اللہ

اور اسی پر کار بند رہے۔ جب یہ ایسا ہوگا تو ہر وقت اللہ عزوجل

ہوتے ہوتے انگارے کی صورت میں ہو گئے پھر بجھ گئے، تب آپ وہاں سے واپس ہوئے۔

حضرت تاج الشریعہ قدس سرہ کے پاس ایک صاحب نے ایک موکل بھیجا کہ جاؤ ذرا دیکھ آؤ کہ ان کے پاس قوت باطنی بھی ہے یا یونہی بھیڑ لگی ہوئی ہے؟ موکل حضرت کی بارگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ یہاں جناتوں کا زبردست پہرہ ہے۔ ہانپتا کانپتا اٹے قدم واپس آیا۔ شیخ نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ موکل نے بتایا کہ میں تو حضرت تک پہنچ بھی نہ سکا۔ وہاں جناتوں کا زبردست پہرہ ہے۔ شیخ نیک دل تھے، نادم ہوئے پھر حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حضرت تاج الشریعہ نے انہیں دیکھ کر متبسم لہجے میں فرمایا: خود تشریف لاتے، کسی کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ مولانا عاشق حسین کشمیری کے یہاں جب حضرت تاج الشریعہ تشریف لے گئے تو کثیر اجنہ حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ [دیکھئے نقوش تاج الشریعہ، ص ۱۰۶۰]

حضرت محمد عسجد رضا قادری جانشین تاج الشریعہ مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

”متعدد اصحاب عرفان و حال نے ابا کو صاحب عرفان و حقیقت سمجھا اور فرمایا۔ قطب مدینہ حضرت علامہ شاہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کی نماز جنازہ جنہوں نے پڑھائی، ان کے برادر محترم جو خود صاحب عرفان کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں یعنی حضرت شیخ انس مراد دامت برکاتہم نے فرمایا: ”حضرت شیخ اختر رضا قادری ازہری اصحاب حقیقت میں سے

اعلیٰ حضرت کا تحریر فرمودہ ”الوظیفۃ الکریمۃ“ اور آپ کے اعمال کا مجموعہ ”شمع شبستان رضا“ ملاحظہ کرنا چاہئے۔ عملیات کی ساری کتابیں ایک طرف اور ”شمع شبستان رضا“ کی مقبولیت ایک طرف۔ جیسی مقبولیت اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو عطا فرمائی، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ اس میں درج عملیات کی برکت ہے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں یہ کتاب چھپ کر شائقین اور اصحاب ذوق کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ حضرت مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہ اپنے دور کے رجال غیب اور ابدال کے شیخ تھے۔ یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ حضرت مفتی اعظم قطب عالم کی حیات مبارکہ اور شب و روز جس نے دیکھے ہیں، ان میں کے خواص اس کی گواہی دیتے ہیں۔ مجھ سے مولانا جمیل احمد نوری مدظلہ نے علی گڑھ میں بیان فرمایا کہ ہمارے یہاں ضلع بستی میں ایک ماسٹر صاحب تھے جنہیں ذکر و فکر کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ہمارے علاقہ میں تشریف لائے تو ماسٹر صاحب نے حضرت سے ذکر بالجہر کا طریقہ دریافت کیا۔ حضرت نے عملی طور سے کر کے انہیں بتایا۔ ایک ولی کامل کی تلقین کا فیض تھا کہ اب جب ماسٹر صاحب ذکر کرتے تو درود یوار سے بھی ”اللہ“ کی آواز آتی۔

بریلی شریف میں ایک مسلمان دفن کیا گیا۔ رات میں اس کی قبر سے آگ کے شعلے اٹھتے دیکھے گئے جو قد آدم تک بلند ہو رہے تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ مسلمانوں کے ایک مجمع کے ساتھ قبر کے پاس تشریف لے گئے اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ وہ شعلے کم

ہیں۔ سرکار نور حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہ ”سراج العوارف“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”رب عزوجل تک رسائی نہ خاص ذکر و شغل سے ہے، نہ اس کا راستہ ذکر و شغل پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی کی بہت سی راہیں ہیں۔ تو جس راہ سے خدا تک رسائی ہو جائے اور اس سے اطمینان ہو جائے، وہی تیرے لئے ذکر اور شغل ہے۔ اسی کو اللہ تک رسائی کا راستہ سمجھو اور اسی پر عمل کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ خدا تک رسائی کے راستے مخلوق کی سانسوں کے برابر ہیں [یعنی بے شمار ہیں] اگر کسی شخص کو یہ راستہ دینی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوا اور اسے اطمینان نصیب تو ہو اس شخص کے لئے یہی راستہ ذکر و شغل ہے اور اگر کسی کو نیک بندوں کی صحبت سے نصیب ہو جائے تو یہی صحبت اس کے لئے ذکر و شغل ہے۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ذکر کی فضیلت صرف تسبیح و تہلیل میں منحصر نہیں، بلکہ کسی بھی کام میں رب عزوجل کی اطاعت کرنے والا ذکر

ہے۔“ [سراج العوارف اردو، ص ۱۲۷]

مشائخ رضویہ نے تربیت باطنی اور اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا آسان اور بے خطر طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ طالبین کو ہدایت دیتے ہیں کہ اپنے دلوں کو عشق مصطفیٰ علیہ الخیۃ والثناء اور عشق غوثیت مآب سے آراستہ کریں اور شریعت مصطفوی پر بہت مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جائیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: ”ذکر

ہیں۔“ صاحب ابریز سیدی شیخ عبد العزیز دباغ قدس سرہ کے فرد خاندان صاحب ذوق و حال حضرت شیخ عازم دباغ دامت برکاتہم نے شیخ ابوزرین کے بارے میں فرمایا جو قطب وقت کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، مدینہ طیبہ کی حاضری کے دوران ابا حضور باب السلام سے حاضری بارگاہ عرش جاہ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت شیخ ابوزرین کی نظر ابا حضور پر پڑی۔ وہ لپک کر آئے اور بغیر کسی پیشگی شناسائی کے حضرت سے مصافحہ و معانقہ فرمایا اور اجازت کے طالب ہوئے۔ ابا حضرت نے انہیں اجازت عطا فرمائی اور ان سے دعا کے طالب ہوئے۔“

[نقوش تاج الشریعہ، ص ۵۴]

مزید تفصیل کے لئے ہمارے مشائخ رضویہ کی سوانحی کتب دیکھی جائیں۔

رہ گیا دیگر خانقاہوں کی طرح مراسم خانقاہی اور تربیت باطن کا عمومی اور ظاہری رواج خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ میں دکھائی نہیں دیتا کہ شیخ مسند نشین ہو۔ مریدین اور حلقہ بگوشوں کو تصوف اور طریقت کی باتیں بتا رہا ہو، چلے کر رہا ہو، حلقہ ذکر کی محفل جمی ہو، دعا تعویذ کرانے والوں کی بھیڑ لگی ہو وغیرہ وغیرہ، تو اس سلسلے میں عرض یہ کرنا ہے کہ ہر سلسلے کا اپنا اپنا انداز تربیت ہوتا ہے جس سے وہ طالب کو اللہ جل جلالہ کے دربار تک پہنچاتا ہے اور اصل مقصود یہی ہے، باقی تو سب وسائط و ذرائع ہیں۔ بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تک رسائی کے طریقے مخلوق خدا کی سانسوں کی تعداد سے بھی زیادہ

کے طریقے کثیر ہیں۔ تلاوت قرآن عظیم و کلمہ طیبہ اور درود شریف کی کثرت رکھئے۔ اور جواز کار بطریقہ اشغال ہیں، وہ بالمشافہہ سیکھنے سے خوب آتے ہیں۔“ [فتاویٰ رضویہ قدیم، ۱۲/۱۵۸]

جب بارگاہ رسالت اور دربارِ نبوت کا فیضان حاصل ہو گیا تو آگے کی راہیں آسان ہیں۔ ع

وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی اور اس راہ میں خطرات بھی نہیں ہیں۔ اسی لئے آپ ہر رضوی کو عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے سرشار اور سرکارِ نبوت کا مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا متوالا پائیں گے۔ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ میں ہر پیر اور جمعرات کو میلاد شریف کی محفل منعقد ہوتی ہے، توشنہ غوثیہ اور ختمِ قادریہ کا عمومی رواج ہے۔ کثیر افراد ”الوظیفۃ الکریمۃ“ کے عامل ہیں اور خواص کی خاص باطنی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ میں نے متعدد مشائخِ رضویہ کے بارے میں پڑھا ہے کہ وہ سلطان الاذکار کے عامل تھے۔ ان میں حضرت مفتی اعظم قطب عالم، حضرت ملک العلماء اور حضرت سید غیاث الدین حسن علیہم الرحمہ کے واقعات کا تذکرہ میری نگاہ سے گزر چکا ہے۔ خود شجرہ رضویہ میں جن اعمال و اذکار کی تلقین کی گئی ہے، اگر تمام لوازمات کے ساتھ کوئی پابندی سے ان کا ورد رکھے تو قرب الہی کی نعمت سے سرفراز ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مشائخِ رضویہ طالب کے راہ سلوک کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، اس لئے طالب آسانی کے ساتھ بے خطر دربارِ خدا و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ میں شریعت کو ہر چیز پر غالب رکھا جاتا ہے اور کرامت سے زیادہ استقامت کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی لئے کوتاہ بینیوں کو یہاں صرف مولویت نظر آتی ہے۔

آنکھ والا ترے جو بن کا تماشا دیکھے
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اخیر میں آجکل کے حاسدین کی یہ خلش دور کرتا چلوں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ صرف اعلیٰ حضرت کا چرچا کرتے ہیں جس سے دوسرے قدیم بزرگوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے چاہنے والوں کو صرف اعلیٰ حضرت نظر آتے ہیں، انہیں کا چرچا کرتے ہیں، دوسرے بزرگوں کے ذکر سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اخیر والی بات تو سراسر ہم پر اتہام ہے۔ رضویوں ہی کا ایسا طبقہ ہے جو ہر بزرگ کے عرس پاک میں بے تکلف شریک ہوتا ہے اور ہر خانقاہ کے بزرگوں پر علمی اور تحقیقی کام کرنے کو اپنی سعادت تصور کرتا ہے۔ جو صاحب اس قسم کا نظریہ سوشل میڈیا پر پوسٹ کرتے ہیں، ان سے سوشل میڈیا کے توسط سے تحریری گفتگو ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ آپ رضوی صاحبان علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے چرچے سے چڑتے کیوں ہیں۔ میں نے کہا: معاذ اللہ! ہم حضرت کے ذکر سے کیوں چڑنے لگے، میں نے تو حضرت پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ حضرت کی کتاب الثورۃ الہندیۃ/باغی ہندوستان، التحقیق الفتویٰ، اور امتناع النظیر ایڈٹ کرنے والے، ترجمہ کرنے والے، اور شائع کرنے والے سب کے سب اعلیٰ حضرت کے معتقدین اور مستسبین ہیں۔ علامہ سید سلیمان اشرف ہوں یا علامہ عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ

رہ گئی یہ بات کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہؒ کے تذکرے سے ہر دینی محفل کیوں آباد رہتی ہے؟ تو اس کے کچھ اسباب بھی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہی کہ ”سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا“ [مریم: ۹۶] کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کی محبت لوگوں کے دلوں میں عام کر دی ہے، اس لئے لوگ ان کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند اسباب کی جانب اسباب مقبولیت کے بیان میں اشارے گزر چکے۔ ذیل کے اسباب بھی ان میں شمار کئے جاسکتے ہیں:

اعلیٰ حضرت کا عموماً موازنہ حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرحمہ سے ہوتا ہے کہ مجدد صاحب کا اتنا چرچا نہیں ہوتا جتنا مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت کا ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہؒ کی بیشتر کتابیں اردو زبان میں ہیں اور دور حاضر کی علمی و دینی ضرورت پوری کرتی ہیں، کیونکہ وہ زیادہ تر فقہی موضوعات پر ہیں۔ وہ دارالافتا اور دار القضا کی ضرورت ہیں، علماء و فقہاء کی ضرورت ہیں، عوام و خواص کی ضرورت ہیں۔ اس لئے ان سے رابطہ، ان سے اخذ و استفادہ، ان کا حوالہ بار بار زبانی اور قلمی طور پر دیا جاتا ہے، جب کہ مجدد صاحب کے یہاں ایسی بات نہیں۔ حضرت کی ساری کتابیں، مکاتیب کریمہ فارسی زبان میں ہیں، گو کہ ان میں بیشتر کے اردو تراجم ہو چکے ہیں، لیکن ان کے موضوعات فقہی یا عوامی نہیں ہیں، بلکہ رموز تصوف پر مشتمل ہیں جو خواص کی چیز ہے۔ عقائد کے باب میں بھی جو کتابیں ہیں، وہ بھی عوام کے مطلب کی نہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کا تذکرہ جس قدر ہوتا ہے، مجدد صاحب کا نہیں۔

لاہور ہو یا مجمع الاسلامی مبارک پور، سب اعلیٰ حضرت کے ماننے والے یا ماننے والوں کے ادارے ہیں۔ رضوی اہل زبان و قلم کی ایک بہت بڑی ٹیم ہے جو اسلاف نوازی میں ہمہ تن مصروف ہے اگر رضویاقتی فکر و خیال سے مزین ٹیم نہ ہوتی تو برصغیر ہندو پاک سے اسلاف شناسی کی تحریک کا چراغ کب کا گل ہو چکا ہوتا۔ رضویوں نے تو نہ جانے کتنے گوشہ گمنامی میں گم بزرگوں کی یادوں سے اپنی تحریروں کو حیات تازہ بخشی ہے۔ ناچیز کے بیشتر تحقیقی کام غیر رضوی بزرگوں سے متعلق ہیں۔ جدید لکھنے والوں میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، مولانا رحمت اللہ صدیقی، مولانا انیس عالم سیوانی اور مفتی شمشاد حسین رضوی نے کثیر بزرگوں پر علمی اور تحقیقی کام کئے ہیں جو سلسلہ عالیہ رضویہ سے منسلک نہیں ہیں۔ رہ گیا اعلیٰ حضرت کا دم بھرنا، ان کی یاد سے سکون پانا، ان کا چرچا کرتے رہنا تو ہم ان کے پیروکار ہیں، ان سے عقیدت و ارادت کا رشتہ رکھتے ہیں تو ہم ان کا ذکر نہ کریں تو کون کرے۔ ہم جن کا کھاتے ہیں، ان کا گاتے ہیں۔ اور دیگر سلسلے کے مشائخ اور بزرگوں کے چرچے ان کے منتسبین اور متوسلین کریں۔ ہم بھی حسب توفیق دوسرے بزرگوں کی علمی خدمت کرنے، ان کی یا دمنانے کی سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ کیا رضویوں نے سارے جہان کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اگر کسی بزرگ کے ذکر سے دوسرے سلسلے والے اپنی کوردہتی محسوس کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کی حق تلفی ہوئی تو انہیں اپنی سمجھ کی اصلاح کرنی چاہئے۔ یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے کوئی کسی کی تعظیم کو اپنی توہین سمجھ لے۔ اس عقلی دیوالیہ پن کا کیا علاج؟

سوز دروں اور بے مثل ادبیت کی بدولت حدائق بخشش کے اشعار اہل سنت کی دینی محفلوں، جلسوں، کانفرنسوں کی ضرورت بن چکے ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تذکرہ سے ہر دینی محفل آباد رہتی ہے، جبکہ حضرت مجدد صاحب کے یہاں یہ بات نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مقبولیت ہے تو اس کے قرار واقعی اسباب بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی مشیت کو ان کا چرچا عام کرنا منظور ہے اور یہ بات ظاہری ہے کہ کسی کے چلین بہ جبین ہونے سے اللہ کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے۔ اخیر میں مرزا نقشبندی حیدر آبادی کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ

احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

اسیر رضا ساعل

۹ ربیع النور ۱۴۴۰ھ

/ ۱۸ نومبر ۲۰۱۸ء یکشنبہ ۲ بجے دن

○○○○

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جن باطل فرقوں کا رد بلیغ فرمایا، وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔ وہابیت، قادیانیت، دیوبندیت سبھی باقی ہیں۔ اس لئے ان کے ردو ابطال کے لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کتابوں، تحریروں، اور پیش کردہ دلائل کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور یوں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا تذکرہ بار بار آتا رہتا ہے، جس طرح سے لو رکوٹ کے وکلا پر کوٹ کے ججوں کے فیصلے کو بار بار اپنی دلیلوں میں پیش کرتے رہتے ہیں، اسی طریقے سے علماء، قضاة اور مفتیان عظام اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی پیش کردہ دلیلوں کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں دہراتے رہتے ہیں۔ جب کہ حضرت مجدد صاحب نے جس باطل فرقہ ”دین الہی“ کا تعاقب فرما کر اسے کفر کردار تک پہنچایا ہے، وہ کب کا دفن ہو چکا۔ اس لئے نہ اب اس کے ردو ابطال کی ضرورت باقی رہی اور نہ اس ذیل میں پیش کردہ دلائل کو دہرانے کی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نعتیہ و منقبتی شاعری بیشتر اردو میں ہے اور مقبول بارگاہ خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اور پسندیدہ عامہ اہل سنت ہے۔ اپنے

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

مینارہ عشق و عرفان امام احمد رضا

نظر کے شہنشاہ تھے، آپ کا قلم جس موضوع پر بھی اٹھتا، رشد و ہدایت کا ایک دفتر وجود میں آتا تھا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

لیکن آپ کی تحریر و تجدید اور اصلاح و عمل کا مرکزی نقطہ نظر اور بنیادی نصب العین عظمت ”وحدۃ الوجود“ اور تحفظ ناموس رسالت، تھا بلاشبہ آپ ایک جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر، بلند پایہ مترجم، عظیم الشان محدث، سحر البیان خطیب، ماہر فن ادیب اور روشن ضمیر طبیب تو تھے ہی لیکن ان تمام تر درجات رفیعہ سے بالاتر ایک اور آپ کی حیثیت تھی اور آپ ایک اور منصب عظیمہ پر فائز تھے اور وہ منصب تھا ”عاشق صادق“ رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا! قسام ازل نے آپ کو سرچشمہ فیوض و برکات اور عشق رسول سے اس قدر سرشار فرمادیا تھا کہ آپ کی رگ و پے سے بھی عشق رسول کی بھینی بھینی خوشبو آتی تھی، عشق رسول کی سرمست مئے السمت کا شمار آپ کی نعتوں کے ہر شعر میں جلوہ گرا اور موجزن ہے۔

آپ کی ذات والا صفات میں نغمہ عشق رسول کی جذب و کشش اور اس کی قوت تاثیر کا کیا پوچھنا کہ اہل دل عشق کر

سیدنا اعلیٰ حضرت، رفیع الدرجت، عظیم المرتبت، غریق رحمت، مجدد دین و ملت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ علی الارضین، امام المفسرین، سید المحققین، علامہ ابن علامہ ابن علامہ، محقق ابن محقق ابن محقق، عارف ابن عارف ابن عارف، مولانا الحاج الشاہ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ امام احمد رضا خان قادری برکاتی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہمہ آیات اور نابغہ روزگار ہستی عالم اسلام میں لاریب محتاج تعارف نہیں۔

آپ چودھویں صدی ہجری کے یگانہ روزگار اور بلند پایہ علم و فضل کے وہ پیکر ہیں جس نے ملت اسلامیہ کے دور انحطاط و انتشار میں تقریباً ۵۵ علوم و فنون پر محیط ہزار سے زائد رشد و ہدایت کے لعل و گوہر، سیف و سنان کے ساتھ رزم گاہ حق و باطل میں مشرکین و کفار، مرتدین و اشراک، گمراہان و فجار سے تاحیات بر سر پیکار رہے اور جہاد بالقلم کے ذریعہ باطل قوتوں کی دھجیاں بکھیر کر ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی فرمائی۔

آپ کے قرطاس و قلم اور عشق پرور لطف انگیز تحقیقات و تصنیفات کی مقناطیسی فصاحت و بلاغت میں ارباب فکر و نظر کا ایک عالم گم و صم نظر آتا ہے، یوں تو آپ علم و قلم کے دھنی اور فکر و

ارباب فکر، اصحاب نظر اور صاحبان اہل دل کی سونی بستیاں آپ کے عشق کے چرچوں سے گونج رہی ہیں۔

چونکہ ہر سچے مومن کو بزرگان دین اور اولیائے کاملین سے عقیدت و محبت ہے، ان کے عشق حقیقی کی داستان سن کر قلب و جگر کو تازگی اور روح کو بالیدگی میسر ہوتی ہے، اس لئے میں نے ”عشق رسول“ کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے، ہر چند کہ عشق جیسے بحر بیکراں کی غواصی مجھ جیسے ہیچ مداں کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن پھر بھی میں نے سعی لا حاصل کی ہے، سب سے پہلے ہم عشق کے متعلق چند دانشوروں کے افکار و نظریات پیش کرتے ہیں تاکہ آنے والی گفتگو میں آسانی پیدا ہو سکے۔

عشق: عشق کا مفہوم بے خودی اور دیوانگی ہے اور یہ عشق اس اعلیٰ و ارفع منزل تک رسائی کا وہ حسین ذریعہ اور زینہ ہے جس کو طے کر لینے کے بعد انسانی عروج و ارتقاء کے تمام تر مراحل ختم ہو جاتے ہیں، جدائی کے تمام فاصلے مٹ جاتے ہیں، لاعلمی اور لاشعوری کے سارے جبابات اٹھ جاتے ہیں، معرفت الہی کے تمام تر دروازے اور شعور و ادراک کے تمام تر باب وا ہو جاتے ہیں، پھر ”عبد“ عالم شہادت و عالم اسفل میں رہ کر بھی ہر گھڑی اپنے معبود حقیقی کے جلوؤں میں گم ہو کر تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ فرش زمین پر رہ کر عرش بریں اور لامکاں کی سرحدوں سے گزرتا ہوا طبقات زمین کے تمام عجائبات اور ساتوں آسمانوں کے تمام تر غرائبات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

کسی نے کہا ”عشق دل کی بے چینوں، قلب کی بے

اٹھتے ہیں اور اس نوائے لاہوتی سے مرد مومن کی روح جھوم جھوم اٹھتی ہے، آپ کی طبیعت میں جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ عشق و محبت رچی بسی تھی اور ربط مدینہ کی جو مستی دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی اسی کا اثر تھا کہ اگر چہ آپ کا جسم ہندوستان میں دیکھا جاتا تھا مگر روح لاکھوں میل دور مدینہ منورہ میں روضہ انور پر جا رہا تھا کبھی کیا کرتی تھی، آپ نے بریلی میں عشق رسول کی شمع روشن کی، محبت رسول کے مہکتے ہوئے پھول کھلائے، حدیث رسول کے گلستے سجائے، فضاؤں میں نعت نبی رحمت کے نغمے بکھیرے، ناموس رسالت پہ مر مٹنے کا درس دیا، نگاہوں سے دلوں میں عشق رسول کی بجلیاں بھر دیں۔

آپ کا سینہ سوز و گداز اویس قرنی کا پرتو تھا، آنکھوں میں جامی کی التجاؤں کا اندازہ تھا، دل میں تڑپ صدیق کی جھلک تھی، عرصہ پیشانی پر رازی کا گمان نمایاں تھا، چہرہ کی سادگی سے روہمی کا جلال ٹپکتا تھا اور آج بھی آپ کے مزار پر انوار سے دار فنگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو پھوٹی ہے، آپ کان عشق الفت کے وہ درمکین ہیں جس کی ضیا پاشیوں نے دنیا کے بیشتر قلب و جگر کو وجود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شیفنگی کے درد سے آشنا کر دیا، آپ نے اہل حقیقت و محبت کے لئے یقین آفرینی کے نئے دروازے وا کر دیئے اور یہ سبق عاشق مصطفیٰ و محبان مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصاب محبت میں ہمیشہ کے لئے رقم کر دیا کہ ایمان کی جان محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و آداب کا دوسرا نام ہے اور آپ نے عملی طور پر اپنی متاع زیست کو سرکار مدینہ کی چوکھٹ پر نثار کر کے دکھایا بھی، یہی وجہ ہے کہ

ہوئے سمندر کی طرح پرسکون وجود کے لئے طوفان بھی ہے، جو وجود کو چھنجوڑ کر سراپا اضطراب انتشار بنا دیتا ہے لیکن اس انتشار و اضطراب میں بھی ایک قدرتی لطف ہوتا ہے جو عاشق کو گردش لیل و نہار سے بے خبر رکھتا ہے اور وہ تصور جاناں میں وصال معشوق کی لذتیں محسوس کرتا ہے۔“

حقیقت تو یہ ہے کہ ایک عاشق صادق کو اپنے معشوق کے عشق میں فنا ہو جانے کے بعد ہی بقا نصیب ہوتی ہے، اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے پھر اس کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے اور اب اس کی حیات اس حد تک روشن و منور، درخشندہ و تابندہ ہو جاتی ہے اور زیور ثبات و استقلال سے اس طرح آراستہ و پیراستہ ہو جاتی ہے کہ شمس و قمر کی روشنیاں اس کے سامنے مدہم ہو جاتی ہیں، انجم و کہکشاں شرم و حیا سے سر جھکا لیتے ہیں اور وہ بقائے دائمی اور حیات جاودانی سے اس طرح نوازا دیا جاتا ہے کہ ساری دنیا اس کے در سے حیات کی بھیک مانگتی ہوئی نظر آتی ہے، بڑے بڑے شاہان زمانہ اور سلاطین وقت کی گردنیں اس کی چوکھٹ پہ خم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور اگر اس عشق کو اس ذات ہمہ آیات سے نسبت ہو جو خود وجہ وجود کائنات ہو تو پھر اس آتش سوزاں اور قوت بیکراں کی شدت کا عالم کیا ہوگا جیسی تو عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا اس درد لطیف سے لطف اندوز ہوتے

ہوئے یوں نغمہ کناں ہیں۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اب عشق کے مختصر تعارف کے بعد ہم اپنے اصل موضوع

قرار یوں اور جگر کے کرب و اضطراب کا نام ہے۔ ایک عاشق کے قلب ناز پر اپنے معشوق کے عشق میں سوزش و جلن کی جو چنگاریاں انگڑائیاں لیتی ہیں دل کی انہیں مضطرب کیفیات کا نام عشق ہے“

کسی نے کہا ”عشق نام ہے درد دل کی دوا کا۔ جو شئے دل میں پیدا ہونے والے درد کو ختم کر دے۔ جس سے قلب کی بے چینیاں جاتی رہیں۔ جس سے جگر کا کرب و اضطراب زائل ہو جائے دل کی اسی مرض کا نام عشق ہے“

کسی نے کہا ”عشق ایک شعلہ ہے، عشق ایک آگ ہے، عشق ایک ایسی چنگاری ہے جو از خود بھڑکتی ہے، یہ وہ قدرتی عطیہ اور فیض ربانی ہے جو اچانک مل جاتی ہے، یہ وہ روشن آگ ہے اور درخشاں شعلہ ہے جو نہ کسی کے جلانے جلتا ہے نہ بجھائے بجھتا ہے“

کسی نے کہا ”عشق وہ سیل رواں ہے جس کے سامنے بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ اس کی شدت تپش سے وہ کارنامے انجام پزیر ہوتے ہیں کہ عقل انسانی حیران و دنگ رہ جاتی ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے جو عطیہ الہی ہے اور ہمیشہ بلندی کی راہ دکھاتی ہے۔ اسی کے دم سے باغ عالم میں بہار، دنیائے ثبات میں رنگینی اور جسمانی حیات میں حرارت و سرگرمی ہے“

کسی نے کہا ”عشق نام ہے ایک تلخ حقیقت کا، عشق نام ہے ایک لطیف درد کا، عشق نام ہے ایک شیریں زہر کا! جسے ہر کس و ناکس نوش نہیں کر سکتا۔ یہ دشوار گزار حالات اور نامساعد وقت میں دل مضطر کا قرار و سکون بھی ہے اور ایک ٹھہرے

سے سرشار ہوں جو خود خدا کا معشوق ٹھہرا۔

عشق رسول قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں عشق رسول مقبول ﷺ پر زور دیا اور حضور کی محبت کو زیادہ اہمیت دی ہے کہ وہ شخص خدائے لم یزل سے محبت کے دعویٰ میں قطعی سچا نہیں، اگر وہ حضور کی اتباع نہیں کرتا اور جو حضور کی پیروی میں پختہ کار ہے وہ خدا کا محبوب ہے: قل ان کتم تحبون اللہ فاتبعونی بحسبکم اللہ۔ اے میرے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو پھر اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ [سورہ آل عمران، پارہ ۳ آیت ۳۱]

خداوند قدوس نے اسلام کے پیروکاروں کو احترام رسول پاک کی بھی تلقین فرمائی ہے: یا ایہذا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق النبی ولا تحجروا والہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبوا اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ اے ایمان والوں! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں چلاتے ہو کہ کہیں عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ [پارہ ۲۶ آیت ۱-۲ سورہ حجرات]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے محبوب کا فیصلہ صدق دل سے ماننے والے ہی مسلمان ہیں اور جو میرے پیارے محبوب ﷺ کا فیصلہ نہ مانیں وہ مسلمان کہلانے کے حقدار نہیں: فلا وربکا لایؤمنون حتیٰ یتحکمواک فیما شجر یتحکم ثم لا یوجدوا فی السھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ ”تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے

کی طرف لوٹتے ہیں، ہمیں اس مضمون میں ”عشق مجسم“ یعنی ایک عاشق رسول کے عشق کا چرچہ کرنا مقصود ہے، وہ عاشق رسول جس نے عشق رسول کے انمول ہیرے کو حرز جاں بنا رکھا ہے، جس نے اپنے وجود کو عشق رسالت کا سراپا معجزہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کی ہر ادا ادائے مصطفیٰ کی مظہر ہے، جس کا ہر فعل رنگ مصطفیٰ سے آہنگ ہے، جس کا ہر قول فصاحت مصطفیٰ سے معمور ہے، جس کی ہر تحریر عشق مصطفیٰ سے لبریز ہے، جس کی ہر تقریر تاثیر مصطفیٰ سے سرشار ہے، جس کی تدبیر مصطفیٰ کا عرفان ہے، جس کی تفسیر (ترجمہ) کنز الایمان ہے، جو امام عشق والفت ہے، جو مجددین و ملت ہے، جو عشق نبوی کا درمکنون ہے، جو اہل دل اہل نظر کا سکون ہے، جو قاسم عشق رسول مقبول ہے، جو مقبول بارگاہ رسول ہے، جو الفت مصطفیٰ کا منیرہ نور ہے اور جوان کا باغی ہے وہ جنت سے دور ہے، کیوں کہ یہ بارگاہ رسول کا مزدور ہے، اس کے عشق کا چیچہ دور دور ہے، اس میں جذبہ حب رسول بھر پور ہے، اس کا دل مصطفیٰ کا طور ہے، اس کا سینہ رسول کا مدینہ ہے، عشق رسول جس کا خزینہ ہے، توکل علی اللہ جس کا سفینہ ہے، منزل جس کی مدینہ ہے، یہ اسی کی داستان عشق ہے جو اہل سنت کا حسن عظیم ہے۔

اس مقام پر اگر عشق رسول کی اہمیت و حیثیت کی توضیح قرآن وحدیث سے ہو جائے تو یقیناً موضوع کو تقویت حاصل ہوگی اور عشق رسالت کی شرعی حیثیت کا تعین بھی کیا جاسکے گا پھر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عشق رسول ”خدا کی سنت ہے پھر کیوں نہ ہمارے قلب و جگر ان کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہوں اور کیوں نہ ہماری رو میں اس کی محبت

جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فرما دو اپنے دلوں میں اسے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔“

[پارہ ۵ آیت ۶۵ سورہ نساء]
اور جو مومن ہیں وہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی تقلید میں اور خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے آقا و مولیٰ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام کے گہائے عقیدت اور عشق و محبت کے ہار و پھول نچھاور کریں: ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلمو تسلیما۔ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوں ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔“

[پارہ ۲۲ آیت ۵۶ سورہ احزاب]
خداوند قدوس کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت ہے کہ محبوب کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا: و ما ریت اذ ریت ولكن اللہ رمی۔ اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔“ [پارہ ۹ آیت ۱۲ سورہ انفال]
پھر ارشاد فرمایا کہ اے محبوب جو لوگ تمہارے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں: ان الذین یبايعونک انما یبايعون اللہ، ید اللہ فوق یدہم۔ وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“ [پارہ آیت]

خداوند کریم نے فرمایا کہ جو بندے حضور کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں وہ اپنے دعویٰ اسلام میں قطعی سچے ہیں: النبی اولیٰ بالمؤمنین ان انفسہم۔ نبی کریم مسلمانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔“

[پارہ ۲۱ آیت ۶ سورہ احزاب]
مزید آیات قرآنیہ ہیں جن سے وند کریم کی مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ الفت و محبت کا پتہ چلتا ہے نیز ”عشق رسول“ جو جزء ایمان ہے اس عقیدہ پر بھی مدلل و مفصل روشنی پڑتی ہے، یہ بھی خداوند قدوس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی نشانی اور بین ثبوت ہے کہ دیگر تمام انبیائے کرام اپنے اپنے ناموں سے قرآن مقدس میں یاد کئے گئے، مگر آقائے دو جہاں رشک قدسیاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے کسی بھی مقام پر آپ کے نام سے نہیں یاد فرمایا بلکہ کہیں ”رسول“ کہیں ”نبی“ کہ کر یاد فرمایا تو کہیں ”مزل“ کہیں ”مذثر“ فرمایا اور کہیں آپ کے جمال جہاں آرا اور آپ کی عمر عزیز کی قسمیں یاد فرمائی ہے۔

عشق رسول احادیث کی روشنی میں

عشق رسول ہی وہ جوہر قابل ہے جو مومن کے سینے کو عرش الہی اور فرش مدینہ بناتا ہے، عشق رسالت وہ ناقبل تسخیر قوت ہے جو قرن اولیٰ کے مسلمانوں کو پتھر پلی چٹان بنا کر طوفان باطل کے روبرو کھڑا کر دیا، عشق رسالت ہی وہ حسین ذریعہ ہے جو انسانیت کو معراج و عرفان کی سروری تافخر عطا کرتا ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت کا فرمان ہے:

”لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور اس کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ [بخاری شریف، جلد اول، ص ۷]

بیکرہ ان یقذف فی النار۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص میں تین خصالتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پائے گا، اللہ اور اس کے رسول تمام ماسوا سے زیادہ پیارے ہوں، جو بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے، جو کفر میں لوٹ جانا (جب کہ رب نے اسے بچا لیا) ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔“

[بخاری شریف، جلد اول]

یہاں پیار سے مراد طبعی محبت ہے نہ کہ صرف عقلی کیوں کہ ماں باپ کو اولاد سے طبعی محبت ہوتی ہے یہی الفت و محبت حضور کے لئے زیادہ ہونی چاہئے اور جو مومن ہوگا اس کو حضور جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہوں گے، قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنے مرتد ماں باپ کو حضور کی محبت پر قربان کر دیا کہ ”مسلم ایمان“ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں سب کچھ قربان کر دینے کا نام ہے۔

معلوم ہوا عشق رسالت کے بغیر مسلمان نہ مسلمان ہے اور نہ ہی انسان کو اس کے بغیر ایمان و عرفان کی لازوال دولت نصیب ہو سکتی ہے جس کے دل میں عشق رسول کا فقدان ہو، مغلوبیت و شرمساری، ذلت و خواری اس کا مقدر بن جاتی ہے اور گردل میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہو جگر کے نہاں خانے میں شمع الفت کی برق بارقندیلیں ضیاء ہوں تو ایک بندہ حقیر بھی وہ کارنامہ انجام دے دیتا ہے جسے دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ ع

عقل تھی محو تماشا لے لب بام ابھی

وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر وصال خدا کا کوئی دوسرا ذریعہ ہی نہیں، حضور کی رسالت و خاتمیت کو تسلیم کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا کی وحدانیت و خالقیت و مالکیت پر ایمان لازمی ہے، صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے سے تکمیل ایمان ممکن نہیں کیوں کہ محمد رسول اللہ کلمہ توحید کا جزء لازم ہے۔ بارگاہ ایزدی میں رسائی کا تصور مشعل عشق مصطفیٰ کے بغیر ایک موہوم تصور ہے۔

عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

”قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من شہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ حرم اللہ النار رواہ مسلم۔ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کر دے گا۔“

[مشکوٰۃ شریف جلد اول]

اور ایمان کی نکبت و برکت سے وہی لطف اندوز ہوتا ہے جس کے قلب و جگر میں اللہ اور اس کے رسول کے عشق و الفت کی حرارت ہو اور ایمان کی لذت و حلاوت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کا سینہ محبت رسول کا گنجینہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

”عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ وان یکفرہ ان یرکب اللہ فی الکفر کما

گر نہ ثابت ہوئی، لاکھوں لاکھوں اور بے شمار آلات حرب و ضرب کے باوجود دشمنوں کی دنیا سمٹی چلی گئی اور ان مٹھی بھر مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو پل بھر میں تاراج کر کے اپنے قدموں تلے روند ڈالا اور یہ ثابت کر دیا کہ فتح و ظفر کی ضامن ماڈی قوتیں نہیں بلکہ عشق و ایمان کی دولت ہے۔

ایک مرتبہ کسریٰ کا ایک سفیر مدینہ منورہ آیا کہ پتہ لگایا جائے کہ مسلمان کے اندر کون سا ایسا جوہر ہے جو انہیں ذلت و شکست سے دوچار نہیں ہونے دیتا، سفیر جب مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم وضو فرما رہے ہیں اور صحابہ اکرام نے آپ کے گرد وارفتگی و دیوانگی کا ایک حسین حصار بنا رکھا ہے اور جب اس کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پلک جھپکنے تک بھول گئی تھیں کہ سرکار کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی دیوانے زمین پر گرنے نہیں دیتے، حتیٰ کے ایک دوسرے پر حصول تبرک کے خاطر سبقت کر رہے ہیں، پھر وہ حیرت کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو گیا جب مزید یہ دیکھا کہ صحابہ کرام سرکار کے وضو کے پانی کو کبھی آنکھوں سے لگا رہے ہیں تو کبھی سر پر تو کبھی چہرے پر مل رہے ہیں، سفیر نے وہیں سے کسریٰ واپس لوٹ کر یہ بیان دیا کہ جس شخص کے تابعین کے اندر اس کے عشق کا اس قدر غلبہ ہو کہ وہ اپنے آقا کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے دینا گوارا نہیں کرتے تو پھر ان کے جسم انور کے خون کے قطرات کو گرنے دینا کیسے گوارا کر سکتے ہیں، ایسی قوم پر نہ غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ انہیں تباہ و برباد کیا جاسکتا ہے۔

یہی عشق کی انتہا ہے جو مسلمانوں کے اندر میدان جنگ

اب ان شواہدات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں کرشمہ عشق رسالت کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

عشق رسول ہی فتح و ظفر کا ضامن

تاریخ شاہد ہے کہ ملک عرب کے ایک چھوٹے سے خطے کے مٹھی بھر فاقہ کش مسلمان مئے عشق رسول سے سرشار ہو کر دیکھتے ہی دیکھتے افق عالم پر چھاتے چلے گئے اور دنیا حیرت و استعجاب کی تصویر بنی دیکھتی رہ گئی، پرچم اسلام افلاک کی بلندیوں پر اپنی ملکوتی شان سے لہرانے لگا، زمین کی وسعتیں اس کے دامن کرم میں خوشگوار و شب و روز گزارنے لگیں، فضاؤں میں عشق و ایمان کی عطر بیز خوشبو پھیل گئی، خلاؤں میں توحید و رسالت کے نغموں کی بازگشت سنائی دینے لگی، ہر سینے میں عشق رسول کا دریا، ہر دل میں عشق مصطفیٰ کا سمندر موجزن تھا، جوان کی فتح و ظفر کا ضامن تھا، لیکن دنیا والے ان کے حیر العقول اور حیرت انگیز کارنامے دیکھ کر انہیں کسی دوسری مخلوق سے تعبیر کرنے لگے تھے اور ان کا یہ تخیر و بجا بھی تھا کیوں کہ عشق رسالت نے ایسے ایسے فولادی کارنامے ان فاقہ کش مسلمانوں سے انجام دلوائے جو یقیناً عقل انسانی کے تصورات سے بالاتر تھے، اب اسلام کی روشنی فرش کی وسعتوں سے لے کر عرش کی بلندیوں کو چھو رہی تھی، مگر اسلام کا یہ عالم گیر اور عظیم الشان انقلاب دشمنان اسلام کی آنکھوں میں مثل خار چبھنے لگا، ان دریدہ ذہنوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ اسلام صفحہ ہستی ہی سے مٹا دیا جائے، دشمنوں نے سارا زور لگا دیا، بڑی جدوجہد کی اور نئی ترکیب نکالیں مگر دشمنان اسلام کی ایک بھی مفسدانہ ترکیب اور کوئی بھی ملحدانہ تحریک کار

یہاں تک کہ عیسائیوں کا ایک مشہور بادشاہ جارج فرڈینڈ کا گزر غرناطہ کے ایک چوراہے سے ہوا جہاں کھڑا ایک شخص حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گالیاں بک رہا تھا اور مسلمان اسی راستہ سے گزر رہے تھے مگر کسی کے کانوں کے پر جوں تک نہیں رہتگی، جب جارج نے یہ تیر انگیز منظر دیکھا تو فوراً دوڑتا ہوا پادریوں کے سامنے آیا، جہاں دیگر عیسائی بادشاہ بھی موجود تھے، جارج نے کہنا شروع کیا: اب ہم اسپین سے مسلمانوں کا خاتمہ بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں، عیسائیوں نے کہا تم یہ کیا انہونی اور لایعنی باتیں کر لگے، مسلمانوں کا خاتمہ کرنا کوئی اتنا آسان کام نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یہ مٹھی بھر نبتے مسلمان قیصر و کسریٰ کے بھی چھکے چھڑا چکے ہیں پھر ماوشا کس گنتی میں ہیں؟ مگر جارج نے بڑے وثوق اور یقین کے ساتھ جواب دیا کہ اب یہ کوئی مشکل مرحلہ نہیں رہا بلکہ اب آسان سے آسان تر ہو گیا ہے کیوں کہ مسلمان اب اپنے رسول کی شان میں گالیاں سن کر خاموش رہنے کا عادی بن چکا ہے اور اب اس کے اندر عشق رسول کی ذرہ برابر بھی رقی باقی نہیں رہی، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو سب کچھ گوارہ تھا لیکن بانی اسلام کی توہین اس کے لئے با قابل برداشت تھی اور وہ کسی کی زبان سے اپنے رسول کے سلسلہ میں توہین آمیز جملے سن کر آپ سے باہر ہو جاتا تھا مگر اب وہ بات مسلمانوں کے اندر نہیں رہی جیسا کہ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے غرناطہ کے چوراہے پر دیکھا اور سنا ہے۔

لہذا اب ہم بڑی آسانی سے مسلمانوں کو نیست و نابود کر سکتے ہیں اور صلیب کا بول بالا کر سکتے ہیں، جب مسلمان

میں نیا جوش اور نئی امنگ پیدا کرتی ہے تبھی تو مسلمان اپنے رسول کی محبت میں اپنا سر کٹانے اور مر مٹنے کو بازیچہ اطفال تصور کرتا ہے اور جس کی رہنمائی کے سہارے دشمنوں کی تلواروں کی چمک میں اسے جنت کی مہک محسوس ہوتی ہے اور وہ مسکراتا ہوا راہ تسلیم و رضا میں خون جگر سے وضو کر کے سجدہ محبت ادا کیا کرتا ہے۔

کفار و مشرکین اور عیسائیوں نے بارہا اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ”عشق رسول“ ہی مسلمانوں کے جوش و خروش اور فولادی قوت کا اہم محرک ہے، یورپ کی ایک میٹنگ میں مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور جوش ایمانی کے متعلق کسی نے کہا ”یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک بادشاہ مرجاتا ہے تو لوگ اسے چند دنوں میں فراموش کر دیتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اس ملک کی تہذیب بھی دم توڑ دیتی ہے اور تجربات شاہد ہیں کہ پھر وہ مردہ تہذیب دوبارہ زندہ نہیں ہو پاتی، مثلاً روم کی روم تہذیب اور ایران کی وسطی تہذیب ختم ہوئی پھر دوبارہ سر نہ اٹھا سکی، مگر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب اور ان کا جوش و جذبہ کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا تو سارے عیسائی بادشاہوں نے اس بات سے اتفاق رائے کیا کہ اس کا واحد سبب مسلمانوں کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔“

یہی عشق رسول ہے جو مسلمانوں کی خداداد صلاحیتوں کو مزید نکھارتا ہوا مائل بہ پرواز رکھتا ہے، مسلمان اسپین کے گوشے گوشے میں چھا چکے تھے اور اپنی عبقریت و صداقت کا لوہا منوار ہے تھے، مسلمان اسپین کے چھوٹے بڑے شہروں کے حاکم بنے نہایت عیش و عشرت سے حکومت کرتے رہے،

خطبے پڑھنا تو آسان ہے مگر عاشق کو اپنے معشوق کی تمام تر ناز برداریوں کے ساتھ راہ الفت کی پر خار وادیوں کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے محبوب کی دلہیز پر جبین ناز کو خم کر دینا دشوار گزار اور ایک نازک موڑ ہے، غم فرقت اور لذت آشنائی میں کروٹیں بدلنا، عشق کے سوز و گداز میں مثل موم پگھلنا، درد الفت میں اٹھنے والی ٹیس اور فرقت و جدائی کی بے قراری و اضطرابی میں تڑپنا، یا رسول اللہ اور مصطفیٰ جان رحمت کی صدائیں بلند کرنا اگرچہ آسان و سہل ہے مگر لقائے رسول اعظم اور وصال نضر آدم و بنی آدم ﷺ ایک نہایت ہی مشکل امر ہے اور یہی عاشق صادق کی معراج ہوتی ہے جو بڑے ناز کے پالوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

ملاحظہ فرمائے اعلیٰ حضرت اپنے معشوق ﷺ کی رضا و خوشنودی کے لئے شمع عشق رسالت بن کر کیسے جل رہے ہیں، فراق یار میں مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر آرزوئے دید میں کیسے مچل رہے ہیں، یاد محبوب میں آنسوؤں کے موتی صفحہ قرطاس پر کیسے بکھیر رہے ہیں، یوں تو شفیق امم، صاحب وجود و کرم ﷺ سے عشق و الفت کا جذبہ ہر مومن کے لئے سرمایہ افتخار اور اثاثہ زیست ہے کیونکہ نبی ناز رحمت سے عشق و محبت اور ان کے آداب و احترام خود قرآن سکھاتا ہے، ان آداب کو اصول زندگی قرار دینے کے بعد قلب پر یہ مفہوم واضح ہو جاتا کہ ”الدین کلہ ادب“ اور انہیں اصول حیات سے عشق رسول مقبول کا لطیف درد نصیب ہوتا ہے، المختصر عشق فلسفہ حیات کی اساس ہے، لیکن شاید قدرت نے اس عاشق صادق یعنی اعلیٰ حضرت کی خمیر ہی میں عشق رسالت کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھر

ناموس رسول کی حفاظت نہیں کر سکتا تو پھر وہ قوم و ملت کے تحفظ کا بیڑا کیسے اٹھا سکتا ہے اور ہوا بھی یہی کہ عیسائیوں نے اسپین پر دھاوا بول دیا اور مسلمانوں کو گونا گوں ظلم و استبداد کا شکار ہو کر پسپا ہونا پڑا پھر جہاں اسلام کا ہرا بھرا چمن آباد تھا، وہاں عیسائیوں اور صلیبیوں کی ناپاک حکومت آباد ہو گئی۔ مخالفین اسلام کا یہ جان لینا کہ مسلمانوں کے اندر عشق رسول کی ذرہ برابر بھی رتق باقی نہیں پھر ان پر دھاوا بول کر غالب و کامیاب ہو جانا اس بات پر دال ہے کہ جب تک مسلمانوں کی رگوں میں عشق رسول کا فرماہوگا دنیا کی کوئی بھی قوت اسے زیر نہیں کر سکتی۔

ہماری رگوں میں عشق رسول کی کارفرمائی ہی فتح و ظفر مندی ہے جیسا کہ درج ذیل بالا واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کے سینے میں عشق رسول کا سمندر موجزن رہا اس وقت تک وہ باطل قوتوں کے لئے مثل چٹان بنے رہے اور ان سے ٹکرانے والی ہر طاقت چور چور ہو کر بکھر گئی لیکن جب ان چٹانوں سے ٹکرا جانے والوں کا سینہ عشق رسول ﷺ سے خالی ہونے لگا تو چیونٹیوں کی طرح کچلے جانے لگے۔

محبوب کی مدح سرائی

عاشق کو اپنے معشوق کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین جادے اختیار کرنا پڑتے ہیں، اول براہ راست محبوب کی مدح سرائی، دوم محبوب کے محبوبوں کی تعظیم و توقیر، سوم محبوب کے دشمنوں سے نفرت و عداوت! جب تک عاشق ان تینوں شرائط کا سختی سے پابند و کار بند نہیں ہو جاتا قرب معشوق اور لقائے محبوب ایک موہوم تصور ہے، عشق و محبت کے

ہوتے ہیں جیسے پل صراط سے گزرتے وقت دشواریوں اور مشکلوں کا سامنا ہوگا، جس طرح پل صراط سے گزرنے والے کی ایک ہلکی سی لغزش بھی اسے نذر نار کر سکتی ہے، اسی طرح نعت گوئی میں حد سے بال برابر بھی تجاوز و تقاصر اور ادنیٰ سی لغزش بھی کفر کے غار عمیق میں ڈھکیل سکتی ہے۔

شاعری ایک ایسا میدان ہے جہاں بے اختیار ادب و احتیاط کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے اور شاعری میں بھی نعت گوئی کی صنف تو ایک ایسی مشکل صنف سخن ہے جس میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے یہاں ایک طرف محبت ہوتی ہے تو دوسری طرف شریعت! قول شاعر۔

کس بیم ورجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
ایک طرف محبت ہوتی ہے ایک طرف شریعت ہوتی ہے

لیکن یہ کیفیت حقیقت میں صرف روضہ رسول پر
حاضری کے وقت ہی طاری نہیں بلکہ نعت کہتے وقت بھی شاعر
کو اس امتحان و آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یہاں بھی
ایک جانب محبت ہوتی ہے تو دوسری جانب شریعت! اگر صرف
شریعت ہی کو ملحوظ رکھا جائے تو شعر شعر نہ رہے بلکہ وعظ و تقریر
بن جائے اور اگر صرف محبت ہی کے تقاضے پورے کئے
جائیں تو ایک ایک حرف شریعت کی جراحت کا مجرم قرار
پائے۔ عرفی شیرازی اس نازک موڑ پر یوں بیان کرتے
ہیں۔

عرفی مشتاب ایں رہ نیست است نہ صحرا
آہستہ کہ راہ ہر دم تیغ است قدم را
عرفی تیز تیز قدم نہ اٹھا، یہ نعت کا میدان ہے صحرا نہیں،

دیا تھا اور آپ کا یہ عشق بھی جمال محمدی کا مرہون منت ہے،
آپ خود فرماتے ہیں: **الآلا ایمان لمن لاجبہ لہ**، اور آپ کے
اس دعوے کی تصدیق وجہ وجود کائنات فخر موجودات **صلی اللہ علیہ وسلم**
خود بنفس نفیس فرما رہے ہیں: **لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ**
من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے اس وقت تک
کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس
کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ
ہو جاؤں۔

اب اس حدیث پاک کے تناظر میں ملاحظہ فرمائیے اعلیٰ
حضرت کا عشق رسالت کے سوز و گداز میں دو باہوا، عطر الفت
سے مہکتا ہوا، دل نشین کلام جسے اس عاشق رسول، اس عشق
مجسم نے یاد محبوب میں آنسوؤں کی لڑی اور خون جگر کے گلاب
سے پیرویا ہے، یہ اشعار نہیں بلکہ ایک عاشق صادق کے فرقت
معتشوق میں لاحق ہونے والے کرب و اضطراب کی تصویر ہے
جس کے لطیف درد کو اگر درد مند دل ہو تو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

کلام الامام اور عشق خیر الانام

اس سے پہلے کہ آپ کلام الامام کی خمار آگیں کیف
و مستی میں وجد کریں، نعتیہ شاعری کے متعلق چند باتیں ذہن
نشیں کر لیں تاکہ نعتیہ شاعری کے نوک و پلک اور اس کے بیچ و
خم سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

اردو نعت گوئی کا فن اتنا ہی پرانہ ہے جتنا کہ خود اردو
شاعری، شاعری اگرچہ آسان ہے مگر نعت گوئی قطعی آسان
نہیں، دراصل نعتیہ اشعار کہنا پل صراط سے گزرنا ہے، نعت
گوئی کے وقت شاعر کو ایسے ہی دشوار گزار مراحل درپیش

صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر دینے سے ان کی ذات فنا ہو سکتی ہے، کیوں کہ انسانی جسم سے گوشت کے دو چار ٹکڑے نکل جانے سے حیات متاثر نہیں ہوتی، مگر کسی انسان کے جسم سے اگر جگر ہی نکل جائے یا اس کے ٹکڑے ہو جائیں تو حیات صرف متاثر ہی نہیں بلکہ حیات ممت میں بدل جاتی ہے اور یہی فنا ہے جس کے بعد بقائے دائمی نصیب ہوتی ہے، امام عشق و الفت نے اپنے معشوق صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر کے عاشقی کے باب میں ایک نئے اور مثالی عشق کا اضافہ کیا ہے، اب عشق صادق کی انتہا کی مثال یہ نہیں دی جائے گی کہ عاشق اپنے معشوق کے عشق میں اپنے جسم کا گوشت پیش کر دے بلکہ اب مثال یہ دی جائے گی کہ عاشق اپنے معشوق کے عشق میں اپنا جگر پیش کر دے کہ اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کر دو تو ایک ٹکڑے پر اگر اللہ کا نام لکھا ہوگا تو دوسرے ٹکڑے پر میرے محبوب کا۔

عشق رسول ایمان کا لازمی جز ہے اور یہی نعت گوئی کی اصل بنیاد ہے، عشق رسول نہ ہو تو انسان راکھ کا ڈھیر اور بے حس و حرکت لاش ہے، اگر عشق رسول صادق ہو تو نعتیہ شاعری معیار آدمیت کو فلک افلاک تک پہنچا دیتی ہے ”حدائق بخشش“ میں اعلیٰ حضرت نے مختلف رنگ و ڈھنگ سے اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کیا ہے اور اس طو پر کیا ہے کہ بہت کم شعرا نے کیا ہوگا، قدم قدم پر محسوس یہ ہوتا ہے کہ شاعری کی پیاس اظہار تشنگی میں اسی طرح منہ کھولے العطش العطش پکار رہی ہے یہی عشق رسول ہاشمی کی کرشمہ سازی ہے۔

امام اہل سنت اپنے درد کو عشق رسول کی دیوار پر تجدد

آہستہ آہستہ قدم اٹھا کہ تو ہر قدم تلوار کی دھار پہ رکھ رہا ہے۔ جہاں تک کلام میں سوز و گداز، وجد آفرینی اور تاثیر کشش کا تعلق ہے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شاعر اور محور شاعری کے ربط و ضبط میں جس قدر صداقت ہوگی یا یوں کہوں کہ عاشق کو اپنے معشوق سے عشق میں جس قدر شدت و صداقت ہوگی، اظہار عشق اور بیان عقیدت کے طور پر اس کے احساس و جذبات میں اسی کارنگ و بو اور اسی کا عکس ہوگا اور یہی امام عشق و محبت کا اپنا امتیازی تیور ہے، چنانچہ آپ کے عشق کی گہرائیوں کا اندازہ اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے ”اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوگا۔“ [الملفوظ، حصہ سوم، ص ۶۷]

اب تک عاشقی کے باب میں لیلیٰ مجنوں کے ہی عشق کو سچے عاشق اور مثالی عشق کے طور پر پیش کیا جاتا رہا اور عشق کے انتہائی درجہ میں اسی کی مثال دی جاتی رہی کہ مجنوں نے لیلیٰ سے اپنے عشق کی صداقت میں اپنے جسم کا گوش پیش کر دیا تھا مگر اب عشق صادق کی انتہا وہ نہیں بلکہ اب عشق صادق کی انتہا یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق سے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر کے کہے کہ اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کر کے دیکھو تو اس کے اندر بھی میرے معشوق کا نام لکھا ہوگا۔ کیوں کہ عشق کی انتہا معشوق کے عشق میں عاشق کا فنا ہو جانا ہے اور یہ اسی وقت ثابت ہوگا جب عاشق کے قول و عمل سے اس کی ذات کی نفی ہوتی ہو، لیلیٰ سے عشق کی صداقت میں مجنوں کے اپنے جسم کے دو چار ٹکڑے پیش کر دینے سے اس کی ذات فنا نہیں ہو سکتی مگر عشق مجسم اعلیٰ حضرت کے اپنے معشوق

کے دربار میں طمع آلود ہوا ہے اور شاہی درباروں میں قصیدہ خوانوں کا ایک ہجوم دوام رہا ہے لیکن ایسے افراد بہت کم نظر آتے ہیں جنہوں نے دانش نورانی سے پندار جہانبانی توڑا ہے۔ ہندوستان میں نان پارہ کے تاجدار کی تاجپوشی کی ساگرہ تھی، اس موقع پر شعرائے ہند کو بمعہ قصائد شریک تقریب ہونے کی دعوت دی گئی تھی، ایک نامہ اعلیٰ حضرت کو بھی ملا لیکن اعلیٰ حضرت کی غیرت عشق نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک عاشق کا قلم اپنے معشوق کے علاوہ کسی اور کی شان میں قصیدہ خواں اور نغمہ سرا ہو، یہ غیرت عشق کے خلاف بلکہ توہین عشق ہے، چنانچہ والئی نان پارہ کی شان میں قصیدہ خوانی کے بجائے والئی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں مچلتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہوئے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں
مقطع میں وہ سخن گسترانہ بات کہی کہ والئی نان پارہ
سر تھام کر رہ گیا، ”پارہ ناں“ سے نان پارہ کی ترکیب
ایسا شریں جام ہوگئی کہ اہل ذوق و شوق چاہے جتنا سنیں تشنگی
شوق بدستور برقرار رہتی ہے۔

کیسی کشش ہے یاروں کلام الامام میں
محبوب کے قدموں پر احساس و جذبات اور عشق و
عقیدت کے پھول نچھاور کرنا چاہا تو اعلیٰ حضرت نے دل کو
یوں آواز دی۔

کے نفیس پیرائے میں مرتسم کرتے ہیں، آپ کا فکری شعور
جذب کی بے ساختگی کو الفاظ کے پیکر دینے میں تتبع سے دوچار
نہیں بلکہ الفاظ خود ہی آپ کی فکر کو اپنی آغوش میں لے کر اسے
آفاقیت سے ہمکنار کر دیتے ہیں، فکر کی رعنائی، تخیل کی
پروازی اور لفظ و معنی کی ہم آہنگی آپ کا خاص طرہ امتیاز ہے جو
آپ کے پورے دیوان میں جلوہ گر ہے، نعت گوئی میں آپ کا
علمی کز و فر، فقہی بصیرت، اجتہادی صلاحیت، ذہنی فکر و ظرف
اور زبان و بیان قدرت کا ملہ کا حامل ہے اور عشق رسول تو
دھڑکن بن کر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا۔

یوں تو شاعری کے دو نچ ہمارے سامنے ہیں، ایک
روایتی شاعری جو روایت اور عقیدت کے محور پر گردش کرتی
ہے، دوسری حقیقی شاعری جو عشق و ایمان کے حرم کا طواف کرتی
ہے، امام کی شاعری دراصل اسی عشق و ایمان کا ترجمہ
ہے، آپ کی اس تاثیر شاعری کا احساس اردو ادب کے
شعر اور نقاد کو بھی ہے کہ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں
یاد یہ کہ

مجت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا
بادشاہوں کے کان قصیدوں اور عہداروں کے کان
استقبالیہ خطبوں کے ہمیشہ سے مشتاق رہے ہیں، الفاظ و
احراف کئی بار عہدوں، تمغموں اور اشرافیوں کے میزان میں
تولے جا چکے ہیں، ارباب علم و دانش کا دامن کئی بار تاجداروں

آکچھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذت سوز جگر کی ہے
عشق رسول ہاشمی میں جب آپ کی وارفتگی شوق بڑھی تو
کچھ نام نہاد مولویوں نے یہ الزام تراشی شروع کر دی کہ رسول
کو خدا سے بڑھا دیا تو حریم عشق میں ایک مثالی عاشق یوں
تڑپ اٹھا۔

پت اپنی بیت میں کاسے کہوں
میرا کون ہے تیرے سوا جاناں
مخدہار میں ہوں بگڑی ہے ہوا
موری نیا پار لگا جانا
اور جب جمال جہاں آرا کی رعنائیاں نگاہوں میں
آئیں تو یوں اترتے ہوئے بول پڑے۔

تو ہے خورشید رسالت پیارے، چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں
اور جب اس پر بھی تشنگی شوق اضطراب میں اعطش
اعطش پکارتی رہی تو یوں کہنے لگے۔

جس کے تلووں کا دھوون ہے آب حیات
ہے وہ جان مسیحا ہمارا نبی
در جاناں پر جب سانلوں کی بھیڑ دیکھی اور دیکھا کہ سب
کی جھولیا گوہر مراد سے لبریز ہیں تو آپ بھی کسکول تمنائے
کھڑے ہو گئے۔

واہ کیا جود کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
جب دل بیقرار پائے ناز پر سجدہ نیا زاد ادا کرنے کے لئے

مچنے لگا تو یوں عرض کی۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھو کریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائیں کیوں
سنگ در حضور ہے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جاچکے دل کو قرار آئے کیوں
اور جب آپ مسکون قلب و جگر روضہ معشوق کی زیارت
سے لطف اندوز ہونے چلے تو تنہا ساری کائنات کو شریک سفر
بنایا اس وقت جذبہ دل چشمہ سیال کی طرح امنڈنے لگا۔
حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
پھر بھی جب اس عاشق صادق کے دل میں کوچہ جاناں
کی جلوہ سامانیوں کا شور نہ تھا تو اپنے اشتیاق اور قلبی واردات کو
یوں معکوس کیا۔

آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جود شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
اور جب اس وفا شعار عاشق صادق کے معشوق صادق
سے وارفتگی شوق کا اضطراب بڑھا تو فرقت معشوق کے سوز
گداز سے خرمن ہستی میں آتس عشق کا شعلہ بھڑک اٹھا۔
تو نے تو کر دیا طیب آتش سینہ کا علاج
آج کے درد آہ میں بوئے کباب آئی کیوں
جب داغ دل مہر نیم روز کی طرح چمک اٹھا تو اس کی
شعاعوں کو یا قوت و مرجان سے بھی زیادہ قیمتی سمجھنے لگے اور

لوٹ جاؤں پا کے وہ دامن عالی ہاتھ میں
بارگاہ رسالت مآب میں آپ کا ہر زخم جگر نمک دان
ہونے کی فریاد کرتا ہے اور آپ نالہ و شیون کے بجائے صبر
و شکیب کا دامن تھامے یوں اس دولت عشق پر ناز فرماتے
رہے۔ ے

دل بستہ بیقرار، جگر چاک، اشک بار
غچہ ہوں گل ہوں، برق تپاں ہو سحاب ہوں
اور نبض حیات دو بنے کے بعد بھی آپ نے اپنے نگار
خانہ دل میں ایسی درخشندہ و تابندہ شمع فروزاں کر رکھی ہے کہ
اس معراج عشق پر کونین کی ساری عظمتیں قربان۔ ے
لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
اور آپ کے دیوانگی دل کی آخری تمنا بھی تو دیکھئے کتنی
حسین اور قابل صدر شکر ہے۔ ے

یا الہی جب رضا خواب گراں سے سراٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو
شوق و شعور سخن کی دلنوازی اور حدت و ندرت ہی میں گم
تھا، روحانی سرخوشی کی ایک جوئے حیات افزا تھی جو بہہ رہی
تھی، عشق و عرفان کا ایک جلوہ تھا جو نقش تابندہ بن کر پردہ ذہن
پر مرتسم ہو رہا تھا، کیف و مستی میں عرض و نیاز، سرشاری و
سپردگی، الفت و عقیدت کا ایک نغمہ تھا کہ بلند ہوا۔ ے
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
ڈاکٹر نسیم قریشی لاکھوں سلام کا یہ ترانہ محبت سن کر وجد میں

درد الفت پہ اتراتے ہوئے یوں پکاراٹھے
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فروع کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
اور جب ذکر معشوق کی تڑپ میں آنسوؤں کی بارش ہوئی
تو خون جگر بھی موج سیال میں شامل ہو گیا۔ ے
دل کھول کے خوں رولے غم عارض شہ میں
نکلے تو کہیں حسرت خوں نا بہ شدن پھول
اس عاشق مصطفیٰ کے وجد و شوق اور ذوق فدائیت کا یہ
عالم ہے کہ جس دل میں رسول ہاشمی کا سودا نہ سما یا ہو اور جو دل
ان کی یادوں کی دھڑکن سے خالی ہو آپ کی نظر میں اس کی کوئی
قدر و قیمت نہیں۔ ے

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا
اور جب دیار معشوق کی بھینی بھینی خوشبو آپ کے مسام
جاں کو معطر کر دیتی ہے پھر تصور میں دل و جاں کو بھی کوئے
محبوب کی طرف کشاں کشاں مائل پرواز دیکھتے ہیں تو اپنے
آپ کو یوں جھنجھوڑتے ہیں۔ ے
جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا
واللہ اس جذب و مستی، سرشاری و ورتگی پر تو سارا عالم
ہی نہیں کروڑوں جہاں قربان ہو جائیں، کتنا والہانہ انداز،
ایمان افروز دیوانگی، یہ شیفنگی، نیاز کشی اور ذوق فدائیت واللہ
کیا کہنا۔ ے

حشر میں کیا کیا مزے وارتگی کے لوں رضا

لکھتے ہیں:

”طبیعت بے اختیار وجد کراٹھی، ذہن کے پردے بہار ابد کی جانفزا ہواؤں کے لئے کھل گئے، وجود کا ذرہ ذرہ سحابِ سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا، کیا نغمہ، کیا نظم، کیا والہانہ سلام، لفظ و بیانی کے تیج و خم ہیں یا نیاز مندی کی تہ در تہ کیفیبتوں کے حجابات، حسن معنی ہے کہ حسن عقیدت، عشق و عرفان، عجز و انکساری میں سمو کر زمزمہ داؤدی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے، سرور کائنات کے حضور شرفِ باریابی حاصل ہے، نوائے عشقِ نغمہ والہانہ بن گئی ہے، ذوقِ فدائیتِ شباب پر ہے، شیفٹنگی و نیاز کشی، ہم آواز، ہم سرورِ مستانہ، ہم ارتعاشِ قلبِ مضطر ہو گئی ہیں۔ روحانی سرمستی کے عالم میں حضرت رضا خلد آشیانی کی زبان حقیقت ترجمان سے جو حرف نکلا ہے باغِ کامرانی کا سدا بہار پھول بن گیا ہے۔“ (ماہنامہ قادری دہلی، امام احمد رضا نمبر شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۷۱-۷۲)

کنز الایمان اور عشق و عرفان

جس طرح امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظم عشقِ رسول مقبول کی سوز و گداز سے لبریز ہے، نثر میں بھی گونا گوں عشقِ رسالت کی قدیلیں روشن ہیں، جس کی ضیا بار کرونوں سے آپ کی جملہ تصانیف روشن و منور ہیں، ہر جگہ، ہر حال میں اور ہر موڑ پر عشقِ مصطفیٰ کی شمع آپ کے ہاتھوں میں رہی، چاہے وہ حدائقِ بخشش ہو، فتاویٰ رضویہ ہو، کنز الایمان یا الدولۃ المکیہ! الغرض عشقِ رسول مقبول کے رنگ و بو

سے نظم و نثر دونوں ہی معطر ہیں، آپ کا یہ اصرار تھا ع

ذکر ان کا چھیڑے ہر بات میں

اب تصور میں سرکارِ دو جہاں، نبی آخر الزماں، سیاح لا مکاں، ریشک قدسیاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی ملاحت کو بسائیے، اور اراقِ لٹنے اور عشقِ صادق کے جلوؤں سے اپنے قلب و جگر کو جگمگائیے۔

۱ ووجدك ضالاً فهدى۔ [پارہ ۳۰، آیت ۷، سورۃ الضحیٰ]

ترجمہ: اور پایا تجھ کو بھٹکا پھر راہ دی

..... عبدالقادر شاہ

اور پایا تجھ کو بھولا ہوا پس راہ دکھائی

..... شاہ رفیع الدین

اور آپ کو بے خبر پایا سورتہ بنایا

..... عبدالماجد دریابادی

اور تجھ کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے

تو تم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھادیا

..... مقبول شیعہ

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو

آپ کو (شریعت کا) راستہ بتلایا

..... اشرف علی تھانوی

[قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۰-۹]

اب ایک عاشقِ مصطفیٰ کا بھی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، جس

کے ہاتھوں میں عشقِ مصطفیٰ کی شمع ہے وہ بولتا ہے تو عشقِ رسول

کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر بولتا ہے، قلم اٹھاتا ہے تو عشق

ڈپٹی نظیر احمد دیوبندی

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے

اشرف علی تھانوی

اے محمد ہم نے تم کو فتح دی فتح بھی صریح و صاف تاکہ خدا

تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دے

فتح محمد جالندھری

اے محمد ہم نے تم کو فتح دی فتح بھی صریح و صاف تاکہ خدا

تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دے

محمود الحسن دیوبندی

[قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۱-۱۵]

دیکھا آپ نے شاہ عبدالقادر نے نبی کو گناہ گار لکھا، عبد الماجد دریابادی نے مصطفیٰ کو خطا کار لکھا، محمود الحسن دیوبندی نے رسول کو گناہ گار لکھا اور اشرف علی تھانوی نے پیغمبر کو خطا کار

لکھا، جب ہر جانب سے گناہوں اور خطاؤں کے تیر ناموس رسالت کو تارتا کرنے لگے تو امام عشق و محبت کے صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز ہو گیا، امام اہل سنت بریلی کی سرزمین سے عشق و

محبت میں انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ مسلمانوں تم ان گستاخوں کے بہکاوے میں نہ آ جانا، ارے ذرا سوچو تو سہی جو رحمت و محبت کا دریاتھا، وہ گناہوں کا مجسمہ

کیسے ہو گیا؟ جو وفاؤں کا سمندر تھا وہ خطاؤں کا ہیولہ کیسے بن گیا، جس کے سر سے کبھی گناہ کا شائبہ تک نہ گزرا، اس کا دامن گناہوں اور خطاؤں کے دھبے سے کیسے داغدار ہو گیا؟ نہیں

نہیں، ہرگز نہیں، ہاں ان خطا کاروں نے ضرور خطا کی ہے

مصطفیٰ کی روشنی میں لکھتا ہے، جیسی تو اس کے حرف حرف، لفظ لفظ، سطر سطر سے عشق و وفا کی خوشبو پھوٹی ہے، امام عشق و الفت فرماتے ہیں:

”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی“

اعلیٰ حضرت

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے ایک عاشق کا عاشقانہ ترجمہ،

جسے پڑھ کر یقیناً ایمان کو تازگی اور روح کو بالیدگی حاصل ہوگی۔

۲ انا فتحنا لك فتح مبينا ليغفر الله لك

ما تقدم من ذنبك وما تأخر -

[پارہ ۲۶، آیت ۱، سورۃ الفتح]

ترجمہ: ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے اللہ تجھ کو جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔ شاہ عبدالقادر

تحقیق کہ فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تو کہ بخشے واسطے تیرے جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں سے تیرے اور جو کچھ پیچھے ہوا۔ رفیع الدین شاہ

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے

عبد الماجد دریابادی

اے پیغمبر یہ ہدییہ کی صلح کیا ہوئی درحقیقت ہم نے تمہاری کھلم کھلا فتح کر دی تاکہ اس فتح کے شکر یہ کے لئے دن کی ترقی کے لئے زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلے میں

تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے

شاہ رفیع الدین

خدائے رحمن ہی نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان

کو پیدا کیا، اس کو گویائی سکھائی

عبدالماجد دریابادی

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا،

پھر اس کو گویائی سکھائی

اشرف علی تھانوی

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا،

پھر اس کو گویائی سکھائی

فتح محمد جالندھری

جنوں اور آدمیوں پر جہاں خدائے رحمن کے بے شمار

احسانات ہیں ازاں جملہ یہ کہ اسی نے قرآن پڑھایا، اسی نے

انسان پیدا کیا، پھر اس کو بولنا سکھایا

... ڈپٹی نظیر احمد دیوبندی۔

(قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۶)

اب آپ مندرجہ ذیل بالاتراجم کا بار بار مطالعہ فرمائیں

پھر ذیل میں ایک عاشق صادق کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے سامنے ایک طرف غدار مصطفیٰ کا ترجمہ ہے تو دوسری

طرف جانثار مصطفیٰ کا ترجمہ ہے جی ہاں پڑھیے بار بار پڑھیے

اور دیکھئے کہ عشق و الفت کا چشمہ سیال کس کے ترجمہ سے رواں

ہے فرماتے ہیں امام اہل عشق و الفت

رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان

محمد کو پیدا کیا، ماکان وما یكون کا انہیں بیان سکھایا

علیٰ حضرت

ترجمہ قرآن میں۔ امام احمد رضا یوں عشق افروز ترجمہ فرماتے

ہیں:

”بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح دی تاکہ اللہ تمہارے

سبب سے گناہ بخستہ تمہارے انگوٹوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

..... اعلیٰ حضرت

امام عشق و الفت نے ایمان کا خزانہ عطا فرمایا کہ ایمان

افروز ترجمہ کنز الایمان ہے، خبردار اس جادہ الفت سے کبھی

بھٹکنا نہیں ورنہ تمہارا ایمان خطاؤں کی دلدل میں پھنس کر دم

توڑ دے گا۔

وہ عشق مجسم، عشق رسول جس کی ذات میں اس قدر

سرایت کر چکا تھا کہ اگر آپ جسم تھے تو عشق رسول روح کی

حیثیت رکھتا تھا، آپ کی غیرت عشق نے یہ گوارہ نہ کیا کہ کوئی بد

بخت شان محبوب میں گناہ گار و خطا کار جیسے مکروہ الفاظ کی

نسبت بھی کرے، امام احمد رضا نے جہاں جہاں بھی ناموس

رسالت کو مجروح ہوتے دیکھا فوراً آپ کا قلم فرقہ باطلہ کی

گردن پر ڈال دیا اور حیدر کرار بن کر برسوں انگلیوں کی جنبش پر

گستاخوں کی لاشیں تھرتھرتی ہوئی سرد پڑنے لگیں۔

کلك رضا ہے خنجر خون خوار برق بار

اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

۳ الرحمن علم القرآن خلق الانسان

علمہ البیان۔ [پارہ ۲۷/آیت ۴۔ تا۔ سورۃ الرحمن]

ترجمہ: رحمن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی پھر سکھائی اس کو بات

..... شاہ عبدالقادر

رحمن نے سکھایا قرآن، پیدا کیا آدمی کو، سکھایا اس کو بولنا

ابوالاعلیٰ مودودی.....

[قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۸-۱۷]
اتنے ترجموں کو پڑھ لینے کے بعد اب ایک عاشق صادق کا عالمانہ عاشقانہ اور مجددانہ ترجمہ پڑھنے کے لئے یقیناً آپ کی آنکھیں بے تاب اور دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہو گئی ہوں گی تو لیجئے دلوں کو تھامئے اور امام عشق و محبت کا سوز و گداز سے لبریز ترجمہ پڑھئے اور بار بار پڑھئے:

”مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو“..... اعلیٰ حضرت

سبحان اللہ دیکھا آپ نے! کتنا حسین کتنا پیارا اور کیا ہی عاشقانہ ترجمہ ہے اور کیا ہی انوکھا، نرالہ اور اچھوتا انداز ہے۔

۵ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان
[پارہ ۲۵، آیت ۵۲، سورۃ الشوریٰ]

ترجمہ: تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان
..... شاہ عبدالقادر

تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان
..... فتح محمد جالندھری

نہ جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور نہ ایمان
..... شاہ رفیع الدین

تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا ہوتی ہے کتاب اور کیا ہوتا ہے
ایمان محمود الحسن دیوبندی

ابوالاعلیٰ مودودی.....

آپ کو نہ یہ خبر تھی کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے

سبحان اللہ! اب دلوں کو گنبدِ خضرا کی طرف موڑیئے اور مذکورہ ترجمے کو بار بار چشمہ الفت سے پڑھیئے تو میں دعوہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یقیناً آپ کا ایمان نکھر جائے گا اور عشقِ مصطفیٰ میں وارفتگی و شیفگی کی ایک لطیف کیفیت طاری ہو جائے گی پھر آپ بھی پکاراٹھیں گے کہ ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے چونکہ ہمارا مرکزی مقصد عشق کو اجاگر کرنا ہے اس لئے ہم تراجم قرآن کے اس تقابلی جائزے میں صرفی، نحوی اور فقہی تشریح و تحقیق سے قطع نظر صرف عشقیہ تشریح و تحقیق کر رہے ہیں۔

۴ لا اقسام بھذا البلد [پارہ (۳۰) آیت (۱) سورہ بلد]
ترجمہ: قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور تجھ کو قید نہ رہے گی
اس شہر میں..... شاہ عبدالقادر
قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور تو داخل ہونے والا ہے
بچ اس شہر کی

..... شاہ رفیع الدین
میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی

..... اشرف علی تھانوی
میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی

..... عبدالماجد دریا بادی
قسم کھاتا ہوں اس شہر کی

..... محمود الحسن دیوبندی
ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں

..... ڈپٹی نذیر احمد دیوبندی
نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی

..... عبدالماجد ریابادی سے عشق و محبت کی خیرات لیتی رہیں گیں۔

اب ہم اپنی اس تقابلی جائزے کی صحت پر صداقت کی مہر ثبت کرنے کے لئے کسی اپنے کو نہیں بلکہ غیروں میں سے کسی کو آواز دینا چاہتے ہیں کیوں کہ اپنوں پر تو اپنوں کی طرفداری کا الزام آسکتا ہے، لیکن کمال تو جب ہے کہ کوئی غیر ہو کر بھی اعتراف حقیقت کرے، ہم نے اس کام کے لئے جناب کوثر نیازی صاحب (سابق وزیر اطاعات و نشریات حکومت پاکستان) کا انتخاب کیا ہے، ہم مولانا کوثر نیازی صاحب کے متعلق اتنا تو کہیں گے ہی کہ موصوف ایک حقیقت پسند شخصیت کے حامل ضرور ہیں۔ آگے جناب کوثر نیازی کی زبانی:

”ادب و احتیاط کی روشنی امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے، ان کا طغرائے ایمان ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہے، حاصل کون و مکاں ہے، برتر از این و آں ہے، باعث رشک قدسیاں ہے، راحت قلب عاشقاں ہے، سرمہ چشم ساکاں ہے، ترجمہ کنز الایمان ہے۔“

”ووجدک ضالاً فہدی“ کے ترجمہ کو دیکھ لو، قرآن پاک شہادت دیتا ہے ”ماضی صاحبکم و مانعوی“ رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔ ”ضل“ ماضی کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں آپ کبھی گم گشتہ راہ نہیں ہوئے۔ عربی زبان ایک سمندر ہے اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے، ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد و افکار کے رنگ میں ان کا کوئی سا مطلب اخذ کر لیتے ہیں ”ووجدک ضالاً“ کا ترجمہ ماضی کی شہادت قرآن کو سامنے رکھ کر عظمت کے عین مطابق کرنے کی

تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں

..... ڈپٹی نذیر احمد دیوبندی

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے

..... اشرف علی تھانوی

دیکھا آپ نے کھلم کھلا ناموس رسالت پر کیسے کیسے حملے ہو رہے ہیں اور ایمان کا گلا کیسے گونٹا جا رہا ہے، ذرا سوچئے جو عالم ماکان و مایکون ہیں، معاذ اللہ انہیں کتاب اور ایمان کے بارے میں کچھ خبر نہیں؟ گویا نبی آیت مذکورہ کے نزول سے قبل ایمان سے نا بلند تھے؟ معاذ اللہ! دیکھئے یہ لوگ بھی ترجمے کر رہے ہیں بلکہ اپنی نا علمی، نا اہلی اور بے ایمانی کا ڈھنڈھورا پیٹ رہے ہیں لیکن جب امام احمد رضا ترجمہ کرتے ہیں تو ناموس رسالت کا تحفظ اور مسلمانوں کے قلب و جگر میں عشق و ایمان کا پرچم لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں، امام عشق و الفت میں ڈوب کر ناموس رسالت کی حفاظت یوں فرما رہے ہیں:

”اس سے پہلے تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل

..... اعلیٰ حضرت

دیکھا آپ نے کتنا حسین اور عشق افزوں اور ایمان افروز ترجمہ ہے! سبحان اللہ یہ ہے وہ سنیت کا علمبردار اور عشق و عرفان کا عظیم پیکر جسے دنیا صبح قیامت تک اعلیٰ حضرت مجدد دین ملت اور امام و عشق الفت کے مبارک و مسعود لقب سے یاد کرتی رہے گی اور آنے والی نسلیں اس مجسمہ عشق رسالت

ضرورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیت قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ترجمہ کرتے ہیں ”اور پایا تجھ کو بھٹکا پھر راہ بھائی“ کہا جاتا ہے، مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے، ان سے چوک ہوگئی آئیے، ادیب شاعر مصنف اور صحافی مولانا عبدالماجد دریابادی کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کا ترجمہ ہے ”اور آپ کو بے خبر پایا سورتہ بتایا“ مولانا دریابادی پرانی وضع کے اہل قلم تھے، ان کے قلم سے صرف نظر کر لیجئے، اس دور میں اردو معالیٰ میں لکھنے والے اہل قلم حضرت مولانا سید ابوالعلیٰ مودودی کے دروازے پر دستک دیتے ہیں، ان کا ترجمہ یوں ہے ”اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی“ پیغمبر کی گمراہی پھر ہدایت یابی میں جو وسوسے اور خدشے چھپے ہوئے ہیں انہیں نظر میں رکھئے اور پھر ”کنز الایمان“ میں امام احمد رضا کے ترجمے کو دیکھئے۔

بیا ورید گر ایں جاں بود سخن دانی
غریب شہر سخن ہائے گفتی وارد

امام اہل سنت نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے، فرماتے ہیں ”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔“

کیا ستم ہے کہ فرقہ پرست لوگ ”رشدی“ کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کاروائی کرنے سے اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقا یان نعمت ناراض نہ ہو جائیں، مگر امام احمد رضا کے اس ایمان افروز ترجمہ پر پابندی لگا دیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلام کا گنجینہ ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ شاز کرے

دیکھا آپ نے یہ اعلیٰ حضرت ہی کی ذات والاصفات ہے جو عشق رسول میں غایت درجہ مستغرق ہے جیسی تو آپ کے عشق کا چرچہ اپنے اپنے تو اپنے غیروں کی بھی محفل میں ہوتا ہے اور اس قدر ہوتا ہے کہ بعض جلنے والے حضرات کو اس عاشقانہ جذبے سے متعلق شکوک و شبہات کا لقا مار گیا، امام احمد رضا کے جذبہ عشق رسالت کو کما حقہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے، ویسے بھی عشق اپنے اندر بے پناہ گہرائیاں سمیٹے ہوئے ہے، چہ جائیکہ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی گہرائی کی پیمائش کی جاسکے، ہاں امام اہل سنت کی طرح اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

فتاویٰ رضویہ اور عشق نبویہ

یوں تو فتاویٰ رضویہ یہ خالص فقہی شاہکار ہے، اس کی مکمل بارہ جلدیں صرف علمی اور فقہی مذاق پر مشتمل ہیں، لیکن اس میں بھی عشق رسالت کی عطر بیزی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور اس کا ہر مسئلہ عشق رسالت کا آئینہ دار ہے، جسے قاری کا دل و دماغ اس کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر ہو اٹھتا ہے، امام اہل سنت کا یہ عظیم الشان شاہکار بھی ان کے نزدیک نبی ناز رحمت کا فیضان و عطیہ ہے، اسی لئے آپ نے اپنے فتاویٰ کا نام بھی ایسا ہی رکھا جس کے الفاظ آپ کی اس عقیدت و محبت کا برملا اظہار کر رہے ہیں ”العیاض النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ“ آپ کا قلم جس موضوع پر بھی اٹھا ہے، اس

دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کی ذات محسن کائنات سے آپ کی بے پناہ عشق و الفت کا عرفان بھی ہوتا ہے، ذیل میں مسئلہ کی قدر تفصیل ملاحظہ فرمائیے اور اس کے حرف حرف سے نکلنے والی عشق و محبت کی کرنوں سے دلوں کو روشن و منور کیجئے:

”حضور پر نور، شفیع یوم النشور، صاحب لولاک ﷺ

کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے یا انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز ہے۔“

[فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص ۵۱۷]

○ ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

○○○○

کی سرخیوں میں عشق و محبت کے شرارے ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی عظمت و تقدس کا خیال لمحہ بھر کو آپ کی ذات سے جدا نہ ہوا، ملاحظہ فرمائیے کہ فتویٰ نویسی کے وقت مختلف فقہی مسائل کے ہجوم میں بھی عشق رسول اور عظمت رسالت کی پاس داری کا رنگ کتنا گہرا ہے۔

تقبیل الایہامین یعنی ”اشہد ان محمد رسول اللہ“ یا اسم رسالت سن کر انگوٹھے چومنے کے جواز پر نہایت ہی مفصل و مدلل و تحقیقی جواب تحریر فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ نام اقدس ﷺ کو سن کر انگوٹھوں کو چومنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ باعث حفظ صحت و بصر اور کارِ ثواب و اجر ہے، اس مسئلہ کو پڑھنے کے بعد ایک طرف آپ کی فقہی بصیرت و بصارت میں بے مثل و جداگانہ کروفر کی تخصیص ہوتی ہے تو

کاروان عشق عرفان اور امام احمد رضا

مٹا دیے، جو آنکھیں اشک ریز تھیں انہیں مسکرانے کا حوصلہ فراہم کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کو ہر اعتبار سے پابند اصول کرنے کی تاحیات جدوجہد کی۔ انہوں نے ستائش سے بالا تر ہو کر اسلامی اصول کے نفاذ کو پیش نگاہ رکھا۔ ان کی کتب و رسائل میں اس کے شواہد تاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری کتاب زندگی کا حاصل کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے۔

نہ مرا نوش ز حسیں نہ مرا نیش ز طعن

نہ مرا گوش بدمحے نہ مرا ہوش ذمے

منم و کج خمولی کہ نہ گنج دروے

جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اپنے عہد میں صداقت کا ایک معطر پیر بن گئے۔ ان کی روایت پسندی، صداقت نوازی اور علم پروری کے بے غبار جذبے سے دلوں کے آفاق روشن و منور ہو رہے تھے۔ ان کی نگاہ مسلمانوں کے صرف ظاہری غدوخال پہ نہ تھی بلکہ باطن کی کش مکش پہ بھی تھی۔ وہ انسانی زندگی کے دونوں شعبوں کو شرعی حدود میں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے تمام تر فضائل و کمالات کے باوصف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا عالم اسلام کی انتہائی قابل احترام شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی دینی، ملی، علمی اور سیاسی خدمات سے پورے عالم اسلام کو متاثر کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افکار کی روشنی سے دلوں کو خوب اجالا ہے۔ انہوں نے حقائق کی تشہیر میں خوف کو کبھی اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی جب کہ ان کا عہد خوف و ہراس کا عہد تھا۔ مسلم قیادت و سیادت پہ حکومت وقت کی گہری نظر تھی۔ بڑے بڑے نامی گرامی زبان و قلم کے استعمال اور اپنے افکار کی تشہیر میں انتہائی محتاط تھے۔ ضمیروں کی خرید و فروخت کا کاروبار شباب پر تھا۔ دنیا داروں کے ساتھ ہر طرح کی رعایتیں تھیں۔ اور دین داروں کے ساتھ ہر طرح کی شدتیں اور قدم قدم پہ الجھنوں کا سامنا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ باطل اپنی افرادی قوت اور مالی برتری کے باوجود خوف کا شکار ہوتا ہے۔ مگر اہل حق اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی حسینی عزم سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ سر جھکانے پہ سر کٹانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اپنے عہد میں پورے عالم اسلام کے میر کارواں تھے۔ آپ نے مسلم امت کی پیشانی سے کرب و اضطراب کے سارے داغ دھبے

بن عبدالعزیز کے بعد یہ امتیاز شاید کسی مجدد کو حاصل نہ تھا۔ قریب قریب پچاس سالوں تک غیر منقسم ہندوستان کی مذہبی مسلکی اور سیاسی قیادت فرمائی انہوں نے مذہبی اصولوں کے نفاذ میں کبھی کسی کی رعایت نہیں کی۔ انہوں نے کسی کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا کبھی پسند نہیں کیا، ان کی خدا پرستی کا یہ عالم تھا کہ عین حالت جنگ میں جب نماز کا وقت آجاتا تو میدان جنگ میں مصلیٰ بچھا کر باجماعت نماز ادا کرتے۔ مورخین ان کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہر وقت با وضو رہتے، پابندی کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت ان کی ترجیحات میں شامل تھی۔ وہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور دو ایک کو چھوڑ کر ان کے تمام بچے اور بچیاں حافظ قرآن تھیں۔ غوثیت مآب کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی شیناً اللہ المدد اپنی تلوار پہ کندہ کر رکھا تھا، آگرہ کے میوزیم میں آج بھی یہ تلوار موجود ہے۔ ان کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں پر اب تک عملی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔ اسلاف نوازی کے باب میں ہماری رفتار ہمیشہ دھیمی رہی ہے۔ اسلاف و اکابر کے باقیات کی ناقدری کا داغ ہمارے دامن سے اب تک مٹا نہیں ہے۔ جو قوم اسلاف نوازی کے جذبے سے سرشار ہوتی ہے سرخ روئی اس کے قدموں سے پلٹی ہوئی ہوتی ہے۔

مجددین کی فہرست میں اولین نام حضرت عمر بن عبدالعزیز کا آتا ہے۔ کوئی صدی مجدد سے خالی نہ ہوگی حدیث مصطفیٰ ﷺ سے اس کی تائید ہوتی ہے، ایک صدی میں کبھی مجدد ہو سکتے ہیں۔ مجدد قدرت کا انتخاب ہوتا ہے، حدیث مصطفیٰ ﷺ میں مجدد کے لیے بعثت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مجدد اپنے عہد کا سب سے غالب اور حاوی کردار ہوتا ہے۔ مجدد فرعون وقت

قطب الارشاد کے منصب پر بھی فائز تھے۔ آپ مجدد تھے۔ بلکہ اہل علم و عرفان کی دنیا آپ کو مجدد اعظم کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ مجدد اعظم بھی ایک توجہ طلب اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ ایک وقت میں دنیا میں کبھی مجدد ہو سکتے ہیں مجدد اپنے وقت کی ہر طاقت سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ اور وقت کی ہر چھوٹی بڑی طاقتیں مجدد سے رجوع ہوتی ہیں، کوئی شخص کوشش، عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کی بنیاد پر مجدد نہیں ہو سکتا۔ مجدد مبعوث ہوتا ہے، حدیث مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ سے اس کی تائید ہوتی ہے، وقت کی کوئی طاقت مجدد کو مرعوب اور خوف زدہ نہیں کر سکتی، تاریخ کے زریں صفحات پر اس کے شواہد موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں، ماضی قریب کی تاریخ ہے اکبر ملک ہند کا سب سے طاقت ور حکمران تھا۔ اس سے بڑی بڑی ریاستیں خوف زدہ رہا کرتی تھیں۔ جب اس نے اپنے دین الہی کی بنیاد رکھی تو حضرت مجدد الف ثانی تنہا اس سے محاذ آرا ہو گئے اور اس وقت تک محاذ آرا رہے جب تک اس کا غرور حکمرانی خاک میں نہیں مل گیا۔ اور اس کے خود ساختہ دین الہی کی کمر نہ ٹوٹ گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی کے بعد حضرت اورنگ زیب عالمگیر منصب مجددیت پر فائز ہوئے جنگ وہی تھی محاذ جنگ بدل گیا تھا، پوری مذہبی دنیا حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ تھی، حضرت اورنگ زیب نے تاحیات دینی قدروں کے چہرے کو گرد آلود ہونے نہیں دیا، حضرت اورنگ زیب کی خصوصیت یہ تھی کہ حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی، لشکر و سپاہ ان کے پاس تھی۔ مجددین کی تاریخ میں حضرت عمر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی شخصیت میں ظاہراً جو خصوصیات نظر آتی ہیں ان خصوصیات کی حامل شخصیات سے صدیاں خالی نظر آتی ہیں، یہ عقیدت نہیں حقیقت ہے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ہم جو بھی کہتے ہیں اہل زبان و قلم کا ایک طبقہ عقیدت کے خانے میں ڈال کر اس کی اہمیت پر شہادت کی چادر ڈال دیتا ہے۔ سچائی کا پہاڑ ان کو نظر نہیں آتا، ظلم کی انتہا دیکھنے کے اس دور کے ایک سند یافتہ اندھے نے تو اعلیٰ حضرت کو مصنف ماننے ہی سے انکار کر دیا، اس نے کہا کہ وہ مصنف تو تھے نہیں ایک مفتی تھے، فتویٰ دیا کرتے تھے جبکہ خود کو وہ رئیس القلم اور مصنف تصانیف کثیرہ لکھتا ہے، اس کی تصنیفات و ترتیبات کی مجموعی تعداد ایک درجن سے زائد نہ ہوگی اور اعلیٰ حضرت کی کتب و رسائل کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے

لطیف باتیں بھی احباب کو کھٹکتی ہیں
نہ جانے کونسا کاٹنا میری زباں میں ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے کمالات، امتیازات اور خصوصیات ایسی نہیں ہیں کہ ایک کوزے میں سمیٹ لی جائیں۔ خصوصیات کی تفصیلات کے لیے دفاتر درکار ہیں ہم جب بھی ان کی مدحت سرائی کی نیت باندھتے ہیں الفاظ کی تنگی کاشت سے احساس ہونے لگتا ہے علمی بے مائیگی رکاوٹ بن جاتی ہے، ان کا ہر علم ہمالیہ کی بلندی لئے ہوئے ہے۔ ہم جب وہاں کھڑے ہوتے ہیں تو خود کو انتہائی بونا، چھوٹا اور سکڑا ہوا محسوس کرتے ہیں، ان کے عہد میں بطراط و سقراط بھی ہوتے تو ان کی درس گاہ میں زانوائے تلمذ تہہ کرنے

کے جبر سے خوف زدہ نہیں ہوتا ہے۔ وقت کی ہر جاہر طاقت اس سے حراساں رہتی ہے، دین کو باطل کی ہر آمیزش سے بچانا اور درآئے مکروہات سے دین کے چہرے کو صاف کرنا ہر مجدد کا ترجیحی عمل ہوتا ہے۔ بدعات کے تعفن سے دینی روایات کی جب سانسیں پھولنے لگتی ہیں تب کوئی مجدد مبعوث ہوتا ہے۔ شرعی اصولوں کے نفاذ میں مجدد کسی کی رعایت نہیں کرتا، اہل حق باطل سے ہمیشہ محاذ آراء رہے ہیں، مجدد حق کی آواز اور اہل حق کی شناخت ہوتا ہے۔ مجدد دینی نقطہ نگاہ سے اپنے عہد میں قبلہ حاجات ہوتا ہے دینی حوائج اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ مجدد کا پورا عہد اس کے زیر اثر ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجدد آتا ہے اور چلا بھی جاتا ہے اس کے جانے کے بعد آثار، علامات اور خدمات سے اہل زمانہ کو اس کی شخصیت کا عرفان ہوتا ہے، کوئی صدی مجدد سے خالی نہیں ہوتی مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے بعد اب تک باضابطہ طور پر کسی مجدد کا اظہار و اعلان نہیں ہوا ہے، بعض حضرات کے تعلق سے ان کے اہل عقیدت ان کی مجددیت کا اظہار و اعلان کر رہے ہیں مگر ان کی ذوات میں شرائط مجددیت مفقود ہے۔ اور اب اہل ہو او ہوس نے حالات کو ایسا رخ دے دیا ہے کہ مجدد تو دور کی بات ہے کوئی کسی کو بڑا تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے، اس عہد کا ہر فرد خود کو مجدد سے کم نہیں سمجھتا علما کی بات تو چھوڑنیے اب تو جہلا اس صفت میں آگئے ہیں مذہبی اور مسلکی حالات اتنے پر پیچ ہو گئے ہیں بقول شاعر

آنکھ کو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
موجہ حیرت ہے زمانہ کیا سے کیا ہو جائے گا

پرفخر محسوس کرتے، ان کے علوم و فنون کی صحیح تعداد ہم بتانے سے قاصر ہیں مگر ان کے جتنے معلوم علوم ہیں ہر علم سمندر جیسی وسعت و گہرائی لئے ہوتے ہیں۔
 پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا احمد رضا نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور دو میں کم و بیش ایک ہزار تصانیف چھوڑی ہیں حق یہ ہے کہ ایسی معتبر اور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والا قلم خود بے بضاعتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی جملہ صلاحیتوں کے باوجود اس گلستان بکنار شخصیت کی رعنائیوں کو سمیٹنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور دامن نگاہ کی تنگیوں گہمائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب نظر آتی ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں ہر فن کے الگ الگ عالم بلکہ امام تو مل جائیں گے مگر ایسی کثیر الجہات شخصیت چراغ رخ زیا لے کر ڈھونڈنے سے بھی شانہ نہ مل سکے۔ جس نے معقولات و منقولات کے اکثر اصناف میں اپنی فکری عظمتوں کے چراغ روشن کئے ہوں۔ جس کی مطبوعہ تصانیف بھی سیکڑوں تک پہنچتی ہو اور ایسے مسودات کا شمار بھی ممکن نہ ہو جو بوجہ طبع نہ ہو سکے ہوں اور مرور زمانہ کی نذر ہو گئے ہوں۔“

(نعت رنگ مولانا احمد رضا خاں نمبر ص ۷۱)

جناب مقبول جہانگیر لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دو سرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی حیرت کی بات

یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کبھی فن ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مقابل ہو۔“

(نعت رنگ مولانا احمد رضا خاں نمبر ص ۶۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی شخصیت کو جس زاویے سے دیکھئے اور جس سمت سے دیکھئے ان کی ذات گلستان بکنار اور سمندر نواز نظر آتی ہے۔ وہ اپنے عہد میں سب سے بڑے دانائے راز تھے ان کی دانائی اور علمی برنائی کے سامنے عالم اسلام کی کوئی شخصیت خود کو کھڑا کرنے کے لیے تیار نہ ہوتی۔ ان کی علمی وسعت، فقہی بصیرت اور ژرف نگاہی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علوم و فنون کا کوئی دیستان ان کی نگاہوں سے اوچھل نہیں تھا، ان کے قلم کا ہر تیور برسوں کی مطالعاتی جدوجہد کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی تحقیقات ہزاروں ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ان میں کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جو موضوع کے اعتبار سے تشنہ اور غیر اطمینان بخش ہو۔ ان کی تحقیقات کے مطالعہ کے لئے وسعت علم، اور وسعت فکر و نظر کی ضرورت ہے۔ صرف بصارت سے تحریر کی زیریں لہروں تک رسائی بہت مشکل ہے بصارت کے ساتھ اعلیٰ بصیرت کی وافر دولت بھی درکار ہے۔ وہ کٹھن سے کٹھن

کے چہرے پہ غفلت و مایوسی کے پڑے ہوئے دبیز پردے کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتے تھے۔ ان کی حیات کی ہر سانس سے ان کی اس روش کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کوئی بات اشارے کنائے میں کہنے کے قائل نہ تھے۔ ان کی تحریرات و تحقیقات اسرار و رموز سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر عوامی توجہات کے لئے آپ نے جو پیغامات نشر کئے ہیں ان میں عوامی ضرورت کی حد تک عمومیت ہے۔ جو لوگ علمی، فکری اور معنوی آفاق کے شہ نشین ہیں ان کے لئے ان کی ذات آیات الہی بھی ہے اور معجزہ رسالت پناہی بھی۔ ایک ذات میں علوم و معارف کے درجنوں سمندر کا سمٹ آنا یہ آیات الہی نہیں تو کیا ہے۔ وہ کمالات کی اس منزل پہ کھڑے تھے جہاں کسی مسئلے کو سمجھنے کے لئے انھیں کتابوں سے رجوع ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ان کی ہر تحقیق درجنوں کتابوں کا انشردہ و عصارہ معلوم ہوتی ہیں ان کے فنون کی تعداد اب تک متعین نہیں ہو سکی ہیں۔ مگر ان کے جو معلوم فنون ہیں ہر فن میں وہ وقت کے امام مقتدا اور پیشوا نظر آتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ چوہویں صدی کے مجدد تھے مجددین کی ایک تابناک تاریخ اور طویل فہرست ہے ہر مجدد مسلم امت کے لیے واجب التکریم ہے عام علما کی کسر شان سے ایمان و یقین کا آئینہ گرد آلود ہونے لگتا ہے، اگر جلد رجوع و توبہ کی توفیق نہیں ملی تو ایمان و یقین کے چراغ کے گل ہو جانے کا خطرہ یقینی ہو جاتا ہے جب عام علما کے تعلق سے یہ حال ہے تو مجددین کی بارگاہوں میں جرأت و جسارت کا کیا حال ہوگا۔ مجدد کی حیثیت دستار علما کی ہوتی

مسئلے کا حل اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ عقل حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ انسان عناصر رابعہ سے تیار ہوا ہے مگر ان کے کمالات دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا خمیر علم و عمل اور عشق سے تیار ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کی کسی بھی سانس کو کسی بھی جہت سے بے معنی ہونے نہیں دیا۔ مجدد کی حیات کا کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔ آپ ٹرین میں جبل پور کے سفر پہ تھے، خادم کے دل میں خیال گذرا کہ یہاں کیا عبادت ہو رہی ہے! جب آپ جبل پور اپنی قیام گاہ پہ پہنچے تو خادم سے فرمایا کہ قلم کا غزلایئے ٹرین میں کچھ اشعار موزوں ہو گئے ہیں۔ انھیں لکھ لوں ورنہ ذہن سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔ جب لکھنے لگے تو ۳۶۰ اشعار پہ جا کر قلم ٹھہر گیا۔ جب خادم نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو اسے اپنے دل کے وسوسے پہ ندامت ہوئی، یہی وہ اشعار ہیں جو ’الاستمداذ‘ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اپنے عہد کی، فکر ساز، ذہن ساز، علم نواز اور ماحول ساز شخصیت تھے۔ انہوں نے مسلم امہ میں علم، عمل اور عشق کا جو طوفان برپا کیا ہے۔ اس کی نظیر نایاب ہے۔ ان کی ذات ظاہر زیب و زینت اور تب و تاب کی قائل نہ تھی، وہ میکدہ زینت کا ہر وہ پیمانہ بدل دینا چاہتے تھے جو شرعی احکام و اصول سے میل نہیں کھاتا تھا۔ وہ ہر مسلم چہرہ سے نور و سرور کی شعاعیں پھوٹی دیکھنا چاہتے تھے۔ مدینے سے زندگی کا رشتہ مضبوط، پائیدار اور مستحکم ہے تو زندگی رشک فردوس ہوتی ہے۔ وہ مسلمانوں میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنون عشق دیکھنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں

ہے۔ مجدد کے عہد کا ہر عالم اس کے زیر فرمان ہوتا ہے اس کے شرعی فیصلے سے بے توجہی بھی ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اعلیٰ حضرت کے عہد میں اس کی نظیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جن شخصیات، اداروں اور خانقاہوں نے اعلیٰ حضرت کے شرعی فیصلوں کی تائید سے انکار کیا وہ تاریخ سے غائب ہی نہیں ہونیں بلکہ دولت ایمان بھی ان سے چھین گئی۔ آج وہ دنیا کے لئے آئینہ عبرت بنی ہوئی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی مخالفت کے بلبلے اٹھتے رہتے ہیں مگر عتاب الہی کا ایک ہلکا سا جھونکا آتا ہے اور سارے بلبلے غائب ہو جاتے ہیں۔ برصغیر ہندوپاک میں دین اگر اپنی اصلی صورت میں موجود اور محفوظ ہے تو یہ اعلیٰ حضرت کی خدمات کا نتیجہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی شخصیت بہت ساری خصوصیات کی جامع ہے۔ ان کی بہت ساری خصوصیات ایسی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں ہے۔ محققین بتاتے ہیں کہ چھ صدیاں ان کی نظیر سے خالی ہیں بعض ثقہ دانشوروں نے لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری کے بعد ان سے ذہین و فطین انسان پیدا نہیں ہوا ہے۔ جن علوم میں انھیں امامت حاصل تھی ان میں ان کی نگارشات موجود ہیں ان کے اساتذہ کی تعداد بہت کم ہے انہوں نے خود اپنے علوم کی تعدد بچپن بتائی ہیں۔ ان میں بہت سارے علوم ایسے ہیں جنہیں بغیر کسی استاذ کی مدد کے آپ نے حاصل کیا ہے۔ کچھ علوم ایسے ہیں جن کے آپ خود موجود ہیں۔ آپ کے نظریاتی مخالفین کو بھی آپ کی علمی وسعت و عظمت کا اعتراف تھا خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

”بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو ان کے معتقدین مجدد ماتہ حاضرہ کہتے ہیں درحقیقت طبقہ صوفیائے کرام میں یہ منصب مجدد کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھیں ہیں جو ساہا سال سے فرقہ و باہیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں۔ جنکے جوابات گروہ صوفیاء کی طرف سے کافی و ثنائی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تالیفات و تصنیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے یہ کتابیں دیکھ کر مصنف کے تبحر علمی کا شدید سے شدید مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلد وہ دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شائد ان لوگوں نے مولانا اسماعیل اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھی ہیں جن کو ساہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے۔ اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیاء علمی حیثیت سے مولانا احمد رضا خان صاحب کو اپنا بہادر، صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔“

(اعلیٰ حضرت ایک عالم گیر شخصیت، ص ۲۲۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی

حیات کی ہزاروں جہتیں ہیں اور ہر جہت محققانہ گفتگو کا تقاضا کرتی ہے، ان کی شخصیت اور خدمات پر خاصا کام ہوا ہے، ہو رہا ہے اور انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ اب تک کی پیش رفت کا اگر

سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو دو چند پیش رفت کے علاوہ کسی میں نظم و ضبط کی رعایت نہیں ملتی ہے۔ اہل زبان و قلم کا جو طبقہ فکریات، نظریات، نوادرات، تحقیقات، رضا کی ترویج و تشہیر میں اپنا خون جگر جلا رہا ہے وہ یقیناً قابل مبارک باد ہے۔ اگر اہل زبان و قلم کا ایک بورڈ تشکیل پایا جاتا اور منصوبہ بند طریقے سے کام ہوتا تو اس کے نتائج اطمینان بخش ہوتے، یہ کام دقت طلب، وقت طلب اور سرمایہ طلب ضرور ہے مگر جب ارادے نیک ہوتے ہیں تو راہ کے کانٹے پھول بن جاتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہم بڑی سے بڑی عمارت بنا لیتے ہیں بڑی بڑی درس گاہیں تیار کر لیتے ہیں اور خانقاہوں کی آرائش و زیبائش میں لاکھوں لاکھ روپے خرچ کر دیتے ہیں تو کیا یہ مستحسن کام نہیں ہو سکتا ہے، فولادی عزم کے ساتھ اگر کوئی میر سامنے آئے گا کارواں خود ہی تیار ہو جائے گا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان رسول اللہ ﷺ یکرہ من الشاة سبعا المرأة والمثانة والحیاء والذکر والانغین والغدة والدم

مذکورہ حدیث پاک کی روشنی میں فقہائے متقدمین و متاخرین نے پانچ چیزوں کا اضافہ فرمایا اس طرح اعضائے غیر ماکولہ کی بارہ قسمیں ہوئیں جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی اس حدیث پاک پر نظر پڑی تو آپ مچل جاتے ہیں اور عشق مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے سایے میں آپ نے تنہا مزید دس اعضاء کا اضافہ فرمایا حدیث پاک میں سات، مقدمین و متاخرین فقہانے پانچ اور اعلیٰ حضرت نے دس اس طرح اعضائے غیر ماکولہ کی ٹوٹل قسمیں بائیس ہوئی، اس حوالے سے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث پاک میں آئیں اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں اور دس کہ فقیر نے زیادہ کیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۳۲۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تحقیق کی جس کو تفصیل درکار ہے وہ فتاویٰ رضویہ، سے رجوع

میں ایک مثال ملاحظہ کریں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اور ان کے عہد کے مشاہیر علماء، و صوفیا اور مشائخ کی جماعت نے انھیں مجدد اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ مجددین کا سلسلہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوتا ہے۔ بحیثیت مجدد سب مساوی ہیں کام کی نوعیت ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔ مجددین کی تاریخ میں اعلیٰ حضرت کو کئی خصوصیات حاصل ہیں یہاں سب کا تذکرہ تو بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اسلامی آثار و مبادیات میں جو

بہت کم ہے جو ان کی کتب و رسائل کے اسماء صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکیں۔ ان کی بعض کتب و رسائل کے مسودات دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کاغذ کے سینے پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچ دی گئی ہیں۔ جن فنون پہ وہ کتابیں ہیں انھیں پڑھنے کے لیے ان فنون کے ماہرین کی ضرورت ہے۔ مغرب، مشرق، شمال اور جنوب کا کونہ کونہ چھان ڈالنے آج ان کی مثال نہیں ملے گی۔ ان کی حیات کی ہزاروں جہتیں ہیں اور ہر جہت میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی حیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو عبرت و حکمت سے خالی ہو۔ انکا ہر وصف اہل علم، اہل زبان اور اہل فن سے گہری سوچ کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ اپنے عہد میں شہرت و عظمت کی بلند سے بلند تر منزل پہ فائز تھے۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں یکساں مقبول تھے مجددین کی تاریخ ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک ہے مجددین کی حیات کا ہر پہلو مثل آئینہ ہوتا ہے مجددین کی صف میں بھی اعلیٰ حضرت کے کچھ نمایاں اوصاف ہیں۔ بہت سارے مجددین کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی دینی، ملی خدمات آثار اور علامات کو دیکھ کر دنیا نے ان کے مجدد ہونے کا اعتراف کیا مگر اعلیٰ حضرت کی مجددیت کا جس انداز میں اظہار و اعلان ہوا ہے میرے علم کے مطابق مجددین کی تاریخ میں شاید ہی کسی مجدد کی مجددیت کا اظہار و اعلان ہوا ہو۔ اعلیٰ حضرت کے علمی و اصلاحی اور تجدیدی آفاق کو دیکھ کر ابتدا ہی سے علماء و مشائخ کی ایک جماعت نے انھیں مجدد لکھنا اور کہنا شروع کر دیا تھا پھر ایک وقت آیا کہ بہار کی راجدھانی

کرے فتاویٰ رضویہ اور اعلیٰ حضرت کی دوسری کتابوں میں اس طرح کی بے شمار تحقیقات ہیں۔ ایک سو پانچ دلائل سے آپ نے حرکت زمین کا رد فرمایا ہے اس حوالے سے آپ خود فرماتے ہیں (مفہوم) حرکت زمین کے رد میں علمائے ماسبق کے ۱۵ دلائل تھے جن کی میں نے تصحیح کی ہے اور ۹۰ دلائل فقیر نے پیش کیے۔ اسی طرح کن پانیوں سے وضو جائز ہے ان کی کتنی قسمیں ہیں کن پانیوں سے وضو جائز نہیں ہے انکی کتنی قسمیں ہیں وہ مٹی جن سے تیمم جائز ہے ان کتنی ہیں جن سے تیمم جائز نہیں ہے ان کی کتنی قسمیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جواز میں کتنی قسموں کا اضافہ فرمایا اور عدم جواز پر کتنی قسموں کا زیادت کی سب کی تفصیل فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے مذکورہ مسائل پہ جب کوئی قاری اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کو پڑھتا ہے تو وہ سراپا حیرت و استعجاب بن جاتا ہے یہ وہ تحقیقات ہیں جن کی نظیر سے پوری تاریخ فقہ خالی ہے اسی لیے محققین نے لکھا ہے کہ اگر مولانا احمد رضا خان کے فتاویٰ کو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ ان کو اپنے شاگردوں میں شامل فرما لیتے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی خصوصیات نے پوری دنیا کو حیرت کدہ بنا دیا تھا۔ جو غیر جانب دار ہو کر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کا مطالعہ کرتا وہ انھیں کاہو کر رہ جاتا۔ اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کی مقناطیسیت میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے جو زبانیں ان کی مخالفت میں کھلتی ہیں وہ جاہل محض ہیں ان کی کتب و رسائل ایک ہزار سے زائد ہیں اور سب کے اسماء تاریخی ہیں اب ایسے افراد و اشخاص کی تعداد

نشین سپری گڑھ پٹنہ

مطیع الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالمتقن رقادری بدایونی
حضرت مولانا شاہ عبدالقیوم صاحب شہید فی سبیل اللہ بدایونی
حضرت مولانا ابوالوفاء سراج الدین شاہ سلامت اللہ
صاحب اعظمی رام پوری

حضرت مولانا حافظ عنایت اللہ خان صاحب رام
پوری

حضرت مولانا عجاز حسین صاحب برادر مولانا شاہ ارشاد
حسین صاحب رام پوری

حضرت مولانا شاہ ارشد علی صاحب رام پوری

حضرت مولانا عبدالغفار خان صاحب رام پوری

حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام پوری از
تلامذہ مولانا شاہ ارشد حسین

حضرت مولانا سید شاہ محمد حسن صاحب صاحبزادہ مولانا
حاجی سید شاہ اکبر صاحب ابولعلائی زیب سجادہ دانا پور

حضرت مولانا حاجی قاری شاہ محمد حامد رضا خان صاحب
خلف اکبر اعلیٰ حضرت عالم اہل سنت فاضل بریلوی

حضرت مولانا احمد علی شاہ نقشبندی

حضرت مولانا محمد رمضان صاحب اکبر آبادی مدرس و
واعظ جامع مسجد آگرہ

حضرت والا درجت جناب سید شاہ اسماعیل حسن میاں مارہروی

حضرت مولانا سید اعظم شاہ صاحب شاہ جہاں پوری

حضرت مولانا شاہ عبدالکافی صاحب مدرس اول و مہتمم

مدرسہ سبحانیہ الہ آبادی

پٹنہ کی سرزمین پر رندوہ کے سات روزہ تاریخی اجلاس میں
آپ کی مجددیت کا باضابطہ اظہار و اعلان ہوا۔ اس تاریخی
اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں غیر منقسم ہندوستان کے
تمام مراکز اہلسنت کی قریب قریب ساری مرکزی شخصیات جمع
تھیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق علما و مشائخ کی تعداد
ایک ہزار سے زائد تھیں۔ اور آپ کی مجددیت کے حوالے سے
جو اعلامیہ تیار ہوا تھا سب نے اس اعلامیہ کی تائید کی اور اپنے
دستخط سے اسے مزین کیا ۳۱۳ موندین علما و مشائخ کی فہرست
حیات اعلیٰ حضرت، حصہ دوم میں ملک العلماء حضرت علامہ
شاہ سید ظفر الدین فاضل بہاری نے شامل کی ہے۔ چند
مشاہیر شخصیات کے اسماء ذیل میں ملاحظہ کریں:

حضرت تاج لفقول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر
صاحب بدایونی

حضرت کنز الکرامت جبل الاستقامت الاسد الاسد
الاشد الارشد مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی پبلی بھیت
حضرت والا درجت حافظ صحیح بخاری مولانا مولوی سید
عبدالصمد صاحب نقوی سہسوانی پھپھوند ضلع اٹاواہ

حضرت والا درجت شاہ امین احمد صاحب جناب حضور
سجادہ نشین حضرت مخدوم الملک بہاری

حضرت استاذ مولانا مولوی ہدایت اللہ خان صاحب
جو پوری رام پوری

مولانا سید نصیر الحق صاحب چشتی نظامی زیب سجادہ عظیم آباد
مولانا سید وحید الحق صاحب زیب سجادہ شیخ پورہ بہار شریف

حضرت مولانا شاہ شہود الحق صاحب نظامی چشتی سجادہ

حضرت مولانا مولوی عبید اللہ صاحب پنجابی الہ آبادی

حضرت مولانا محمد بشیر صاحب اجملی الہ آبادی

حضرت مولانا محمد بشیر صاحب جبل پوری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اپنے

عہد میں مرجع علماء بھی تھے، مرجع فتاویٰ بھی تھے اور مرجع

خلاق بھی تھے آپ کی مرجعیت اور مرکزیت کا دائرہ صرف بر

صغیر ہندوپاک ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ پورے عالم اسلام

میں آپ یکساں محبوب و مقبول تھے وہابیت اور بد اعتقادی

اپنے خونی پنجے سے پورے عالم اسلام کو ہولہان کرنے پر آمادہ

تھی۔ الوہیت، رسالت اور محبوبان الہی سب کی عظمتیں

نشانے پر تھیں۔ علماء، مشائخ اور صوفیا، حالات و کوائف کا اپنے

طور پر دفاع کر رہے تھے مگر ان کی دفاعی کوششیں زود اثر

ثابت نہیں ہو پا رہی تھیں۔ سب ایسی ذات و شخصیت کے منتظر

تھے جو باطل قوتوں کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کر سکے

اعلیٰ حضرت سب کی مراد بن کر جلوہ گر ہوئے۔ اور اسلام کے

جن اصول و مبادیات باطل قوتیں مشق ستم بنائے ہوئے

تھیں۔ ان اصول و مبادیات کے چہرے سے گرد و غبار کو صاف

کر کے اس انداز میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا کہ محبوبان الہی

کی آنکھیں روشن و منور ہو گئیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان مقامات

پر بھی اپنے قلم کا پہرہ بٹھا دیا باطل جہاں سے در انداز ہو سکتا

تھا۔ جو لوگ غفلت کی نیند سو رہے تھے انھیں اس طرح آپ

نے بیدار فرمایا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے

سونے والو جاگتے رہو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرائیں یاں وہ چور بلا کے ہیں

تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے

تقدیس الوہیت، ناموس رسالت اور عظمت محبوبان الہی کا جس

انداز میں دفاع فرمایا ہے، یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اگر آپ کی

جلوہ گری نہ ہوتی تو نہ جانے اسلام و سنیت کا کیا حال ہوتا؟

آپ کی دینی، ملی اور علمی خدمات سے آپ کا پورا عہد متاثر

تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پورے عہد کے لیے قبلہ عقیدت بن

گئے تھے۔ اس حوالے سے علماء و مشائخ کے تاثرات و خیالات

اکٹھا کئے جائیں تو کئی مجلدات تیار ہو سکتی ہیں اس حوالے سے

بہت حد تک کام ہوا ہے۔ مگر وہ کئی حصوں میں منقسم ہے انھیں

اگر یکجا کر دیا جائے تو اس کی افادیت دو چند ہو جائے گی اس

تعلق سے ہم بہت سنجیدہ ہیں ہم یہاں ان محبوبان الہی کے

تاثرات و خیالات اپنے قارئین تک پہنچانا چاہتے ہیں جن کی

محبوبیت مسلم ہے اور جن کی بے پناہ مقبولیت و عظمت کا ایک

جہاں معترف ہے ذیل میں چند محبوبان الہی کے خیالات

ملاحظہ کریں۔

غوث زماں حضرت سید شاہ عبد اللہ علیہ الرحمہ نجیب

الطرفین سید ہیں۔ آپ علماء حق کے قدردان تھے، اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے بڑی محبت فرماتے

تھے۔ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے آپ کے خیالات کیا تھے؟

جب اس حوالے سے آپ سے سوال ہوا تو آپ نے یوں

جواب دیا کہ:

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت الشاہ

حوالے سے محبوبان الہی کے تاثرات و خیالات پڑھنے کے بعد پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔ اور کبھی کبھی آنکھیں ساون بھادو برسائے لگتی ہیں۔ حضرت مولانا سید شاہ حافظ غلام حسین مصطفیٰ رضا قادری ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے تفسیر نگاری اور احادیث بیانی آپ کو وراثت میں ملی تھی، علوم عقلیہ و نقلیہ کی جملہ شاخوں پہ آپ کی گہری نظر تھی۔ پرہیز گاری، تقویٰ شعاری اور خوف و خشیت میں آپ اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ ملتان شریف پاکستان آپ کا آبائی وطن ہے سید صاحب اپنی ایک مشہور زمانہ تفسیر مبارک القرآن سراج منیر، میں ایک جگہ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

”اردو تراجم میں پہلا ترجمہ لاجواب، بے نظیر

ترجمہ عالم بے بدل اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان رضی اللہ عنہ نے لکھا اعلیٰ حضرت کے بارے میں فقیر کچھ نہیں کہتا، اتنا ضرور ہے کہ آپ ہر فن میں ماہر تھے، آپ بحر العلوم تھے۔ دشمنوں نے بھی یہ اعتراف کیا ہے۔ آپ نے محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین ادبی انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ گمراہ فرقوں کا دور تھا۔ مگر آپ نے نہایت مختصر عرصہ میں گمراہ فرقوں کو تتر بتر کر دیا۔ امام اہلسنت اپنے وقت کے غوث زماں تھے، تقویٰ اور طہارت میں بے مثل تھے آپ کی ہر ادا سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ آپ نے پندرہ سو سے زائد کتابیں لکھیں، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیمتی

احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فیوضکم القدسیہ القادریہ کا فیضان لا محدود ہے۔ آپ کا علم بحر عمیق ہے۔ آپ کی ذات کو دنیا بھر کے علماء میں اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان عطا فرمائی ہے۔ اور آسمان معرفت کے ستاروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والا آپ کی شان میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے علم و فضل کا کرشمہ ہے کہ آج شہر شہر، قریہ قریہ اور بستی بستی آپ کے لکھے ہوئے درود و سلام گونج رہے ہیں۔ دنیا ئے اسلام میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا عالم ہو جس کو اتنی عزت و وقار اور توقیر اللہ تعالیٰ نے بخشی ہو کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کے علم و فضل سے انحراف نہیں کر سکتے آپ کا ترجمہ قرآن کنز الایمان دنیا ئے اسلام کے لیے خزینہ فیضان ہے۔ آپ کو تقریباً ستر علوم و فنون پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ کی ہر تصنیف عشق حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہر کتاب پڑھنے اور سننے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر حرف اور ہر سطر عشق و محبت کا جام ہے۔ آپ نے دنیا ئے اسلام پر جو احسانات فرمائے ہیں وہ قیامت تک ناقابل فراموش ہیں۔

(امام احمد رضا کالمیلین کی نظر میں۔ ص ۱۱۸، ۱۱۹، رضا اکیڈمی لاہور)
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے

میرے ناقص کانوں نے آپ ﷺ کے یہ ارشادات سنے ہیں۔ فرمایا ”موجودہ وقت میں میری امت کو اگر صحیح راستہ اختیار کرنا ہو تو میرے احمد رضا کا راستہ اختیار کرے۔ احمد رضا کا راستہ ہی میرا راستہ ہے۔“

(امام احمد رضا کا ملین کی نظر میں، ص ۱۲۱ / رضا اکیڈمی لاہور)
نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مارہرہ شریف کے اقطاب میں آخری قطب تھے۔ ان کی عظمت و رفعت کا اندازہ ہم جیسے بے مایہ کونہیں ہو سکتا۔ وہ ہر زاویے سے عرش نشین تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے آپ کی عظمتوں کا جس انداز میں خطبہ پڑھا ہے یہ اعلیٰ حضرت ہی کا حق تھا۔ حضرت نوری میاں اعلیٰ حضرت کے مرشد اجازت بھی تھے اور اساتذہ کی صف میں بھی آپ کا نام آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب حضرت نوری میاں ہی نے دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو اگر حضرت نوری میاں کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بہت سارے اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اپنے بزرگوں کی روش سے ہٹنے کی وبا عام ہو رہی ہے۔ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے آباء کے ارشادات و فرمودات پس پشت ڈال دیتے ہیں اعلیٰ حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تھے حضرت نوری میاں بارگاہ الہی میں دعا کرتے تھے الہی جب تک میں مولانا احمد رضا کو دیکھ نہ لوں اس وقت تک مجھے موت نہ دینا حضرت نوری میاں کی اعلیٰ حضرت سے محبت کی یہ انتہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے حضرت نوری میاں فرماتے ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی اس

تھا۔ آپ نے شرح بخاری لکھی جو لا جواب ہے۔ آپ کے سامنے مخالف علماء بول نہ سکتے تھے۔ آپ کی شہرت تمام عالم اسلام میں پھیل گئی۔ علمائے مصر اور علمائے مدینہ نے آپ کو امام تسلیم کیا۔ آپ کا قلم اتنا شہ زور تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں امت کو علم کا بیش بہا خزانہ عطا کیا۔ آپ کی تحریر کا سکہ پوری دنیا میں ہے۔ ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

فقیر یہ کہتا ہے کہ بیشک کامل راستہ نبیین، شہداء، صدیقین اور صالحین کا ہے اسی راستے پر نجات ہے۔ اولیائے کاملین کی محبت، صحابہ کی محبت، اہل بیت کی محبت ہی اصل میں نجات کا راستہ ہے۔ جس نے اس کو چھوڑا وہ اس دنیا میں اور آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی میں صحیح معنوں میں اولیا اللہ، صحابہ اور اہل بیت ان کے راستے کو صحیح معنوں میں ہمیں دکھلایا تو وہ ہمارے مجدد المآۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ ہیں۔ انہوں نے صالحین، صحابہ اور حضور ﷺ کی محبت کو عین ایمان جان ایمان قرار دیا ورنہ آپ کو کسی سے کیا مخالفت ہے۔ لوگ آپ کے خلاف کچھ کہتے ہیں، آپ کو بدعتی کہا جاتا ہے تو صرف اسی وجہ سے کہ آپ سرکار ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور کاملین کا راستہ دکھلاتے ہیں۔ خدا کی قسم! فقیر ناقص گناہگار ہے، واللہ واللہ مجھے دو مرتبہ زیارت رسول مقبول ﷺ ہوئی، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے اور

اظہار فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ہر تقریر و تحریر لائق تقلید و عمل ہے، بلکہ ان کا وجود نسل در نسل خاندان برکات کے لئے لائق صد فخر و مباہات ہے۔ ہم بھی اپنے مریدین، معتقدین اور ابناء و خلفاء کو مولانا احمد رضا خاں صاحب سے دلی محبت اور سچی عقیدت و احترام کی وصیت کرتے ہیں اور یہ تاکید کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ان کے موقف کی تائید کرے اور ان کے ہر شرعی فیصلے سے اتفاق رکھے۔ ہمارے خاندان کا ایک بچہ بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام بے ادبی سے نہ لے، مذہب و مسلک اعلیٰ حضرت سے نا اتفاقی ظاہر کرنے والا میرے سلسلے کا مرید نہیں ہو سکتا، ہو بھی تو خارج از سلسلہ تصور کرنا چاہئے۔

(ماہنامہ پاسبان اکتوبر الہ آباد، ۱۹۷۹ء)

○○○○

زمانے کے مجدد برحق اور سلسلہ برکات کے روحانی فرزند ہیں ان پر مرشد گرامی کی خاص نظر توجہ ہے، اللہ و رسول کی خاص عنایتوں سے وافر حصہ ان کو عطا ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا موقف ہی دین حق ہے اور اہلسنت کے تمام علمبرداروں کو اس جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ ان کے مشن و موقف سے دامن بچانے والوں میں خواص ہوں کہ عوام ان پر خاندان برکات کا اعتبار نہیں حضور خاتم الا کا برسیدنا شاہ آل رسول احمدی پیر و مرشد مولانا احمد رضا خاں صاحب نے علم و عمل میں ان کی تقلید و اتباع کا فرمان جاری فرمایا ہے بلکہ حضور نے یہ بھی وصیت کی ہے کہ مولوی شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے موقف سے ہمیشہ اتفاق رکھا جائے۔ نیز مرشد گرامی قبلہ نے ان کی مریدی پر فخر فرمایا ہے۔ اور دنیا سے لے کر محشر تک خوشی کا

احترام نبوت اور امام احمد رضا

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
جو مطیع الرسول ہے دراصل وہی مطیع اللہ ہے۔ جو مطیع
الرسول نہیں وہ مطیع اللہ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈالے بغیر دل میں چراغ
اطاعت الہی جلانے کا تصور ایک غیر اسلامی خیال ہے۔ اتباع
و پیروی کے لیے ضروری ہے کہ جس ذات کی اتباع و پیروی
کی جائے اس کی تعظیم و توقیر کا پرچم دل میں لہرا رہا ہو۔ جس
شخصیت کی عظمت و توقیر دل میں نہ ہوگی تو اس کی اتباع
و پیروی کا مزاج پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور تعظیم و توقیر کے لیے
ضروری ہے کہ جس کی تعظیم و توقیر کا سکہ مملکت قلب میں رائج
الوقت ہے اس شخصیت سے عشق و محبت کا تعلق بھی قائم ہو۔ اگر
محبت نہ ہوگی تو تعظیم و توقیر کا مزاج نہ پیدا ہوگا اور پھر اتباع
و پیروی تو بہت اونچی چیز ہے۔

آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ان
کی ذات اقدس سے وابستگی جان ایمان، روح ایمان اور خلاصہ
ایمان ہے۔ یہی رشتہ محبت ایمان کی اولین شرط بھی ہے۔ اس
ذات اقدس سے وابستگی میں جس قدر گہرائی و گیرائی ہوگی اسی

ہم بحکم الہی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول اعظم سید عالم
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی
کے پابند ہیں۔ قرآن مقدس میں بہت واضح اور غیر مبہم انداز
میں ہمیں رسول کو نین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا
گیا ہے۔ **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** اللہ تعالیٰ کی
اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔

ایک مقام پر اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
درس بایں انداز دیا جا رہا ہے۔ **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ
اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ، اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو!
تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو
جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔ ایک دوسرے مقام پر تو
رسول کو نین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کو
ہی عین دین قرار دے دیا گیا اور یوں ارشاد فرمایا گیا: **وَمَنْ
يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ**، جس نے رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔**

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں اطاعت رسول صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی جو حیثیت ہے اسے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اسی
راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

مَنْ كَانَ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سَوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يُلْفَى فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْفَى فِي النَّارِ، جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا۔ اللہ ورسول تمام مالوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں، جو بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے، جو کفر میں لوٹ جانا جب کہ رب نے اسے بچا لیا ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا برا جانا۔

ایمان تعلق باللہ ورسول کا نام ہے۔ ایمان کے گلشن میں ساری بہاریں اس تعلق و وابستگی سے ہیں۔ ایک دن حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ چنانچہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن مقدس نازل فرمایا: آپ مجھے جان سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔

غزوہ احد میں ایک صحابیہ کے باپ، بھائی اور شوہر تک شہید کر دیے گئے، انہیں جب اس کی خبر پہنچتی ہے تو دیوانہ وار دریافت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے

قدرا ایمان کی فصل بھی تروتازہ ہوگی۔ چنانچہ اس رشتہ عشق و محبت اور عظمت و توقیر نبوت پر جذبہ جاں نثاری پیش کرنے پر زور دیتے ہوئے قرآن مقدس یوں ہدایت جاری فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكَنٌ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○

ترجمہ: آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہارا کنبہ، تمہارے کھائے ہوئے مال، تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا اندیشہ تمہیں رہتا ہے اور تمہاری پسند کی رہائش گاہیں یہ سب کچھ اگر تم کو اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہوں تو تم اللہ کے حکم (عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

احادیث نبوی کے ذخائر میں اس تعلق سے بہت سی احادیث روشن ہیں۔ ایک مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے راوی حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک مقام پر اس تعلق و وابستگی پر زور دیتے ہوئے آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ثَلَاثٌ

نشان دہی کرتے ہوئے قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَعْظُمُونَ أَسْوَأَ مَا هُمْ عِنْدَ رَسُولِ
اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ

ترجمہ: بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے
ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری
کے لیے پرکھ لیا ہے۔

جن حضرات نے احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء
بجالانے میں کشادہ قلبی کا مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ نے تین عظیم انعام
واکرام سے نوازنے کا وعدہ فرمایا۔ اول یہ کہ ہم نے ان کے
دلوں کو تقویٰ کے لیے منتخب فرمایا، دوم یہ کہ اگر ان سے بشری
تقاضوں کے تحت کوئی لغزش و گناہ سرزد ہو جائے تو ہم انہیں
معفرت عطا فرما دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ ہم بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ
والثناء کا ادب بجالانے پر اجر عظیم سے نوازیں گے۔

ایک مقابلوں احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا
درس ہمیں دیا جا رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
تَشْعُرُونَ ○

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو
اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور
بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے
چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت (ضائع) نہ ہو جائیں اور
تمہیں خبر نہ ہو۔

ہیں؟ جب انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بخیر و سلامت
ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو کہتی ہیں کہ مجھے آپ کی زیارت
سے مشرف کرا دو۔ ایک روایت میں ہے کہ بے تابانہ آپ کا
جامہ اقدس پکڑ کر بولیں: كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ، آپ
کی زیارت کے بعد ہر مصیبت ہیج ہے۔ عاشق رسول حضرت
سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت جب قریب آیا تو
ان کی زوجہ محترمہ بولیں: وَاحْزَنَّاكَ، ہائے غم! حضرت بلال
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: وَاحْزَنَّاكَ غَدًا أَلْفِي مُحَمَّدًا وَ
أَصْحَابَهُ، واہ خوشی کا دن کل ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان
کے اصحاب سے ملیں گے۔

تاریخ کے صفحات خود جذبہ جاں نثاری کے واقعات
سے روشن و تابندہ ہیں جس ذات و شخصیت کے لیے دل
میں جذبہ محبت ہو گا تو پھر اس کی محراب عظمت میں خود سپردگی و
نیاز مندی کا مزاج نظر آئے گا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ایمان
کا ایک اہم ستون ہے۔ احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کے
حوالے سے متعدد آیات قرآنیہ کا نزول ہوا۔ جن میں قیامت
تک کے مسلمانوں کو رسول کو نبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب
عظمت میں نیاز مندیوں کے خراج لٹانے کا درس دیا گیا۔ ایک
مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: وَتَعَزَّوْهُ وَتَقَرَّوْهُ، تم ان
کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔

قرآن مقدس کے حکم کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر دین کا ایک اہم ستون ہے۔ ایک اور
مقام پر احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کی قرار و افی حیثیت کی

بے کراں تھا جس کے زیر اثر انہوں نے احترام و توقیر نبوت کے باب میں وہ درخشاں اور زریں خدمات انجام دیں جو آپ کی ذات و شخصیت کا طرہ امتیاز بن گیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے باب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو افکار و نظریات ہیں لاریب ان میں اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حرم و احتیاط کا جو رنگ ہے وہ پورے طور پر غالب نظر آتا ہے۔ بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ و الثناء میں حاضری، حاضر کی آداب اور اس مقدس مقام کی نزاکتوں کا احساس دلاتے ہوئے حاضر بارگاہ نبوی کو ہدایت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو، احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے اور سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے چلے۔ ہوسکے تو برہنہ پانی بہتر ہے

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے مسلمانوں کو اشاروں کنایوں میں نہیں بلکہ بہت ہی واضح اور غیر مبہم انداز میں احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ و الثناء کی تعظیم فرمادی اور ساتھ ساتھ عظمت و وقار نبوت کے بازو سچے اطفال بنانے والے عناصر کی انتہائی سخت جملوں میں گوشمالی کی جا رہی ہے۔

اب اس تناظر میں ہم پہلے سیدی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے تعلق بالرسول علیہ التحیۃ و الثناء پر گفتگو کریں گے اور پھر اس کے زیر اثر تعظیم و توقیر نبوت علیہ التحیۃ و الثناء کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کے افکار و نظریات کا مختصر اجازہ لیں گے۔

محبت رسول علیہ التحیۃ و الثناء یہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب زندگی کا خوبصورت عنوان ہے۔ اسی کے روال دواں آبخاروں اور شجر سایہ دار میں ساری زندگی بسر ہوئی۔ اپنے تو اپنے بیگانوں کو بھی آپ کے اس طرہ امتیاز کا اقرار و اعتراف تھا، ہے اور رہے گا۔ مشہور نقاد و ادیب نیاز فتح پوری سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس امتیازی وصف کے تعلق سے رقمطراز ہیں ”شعر و ادب میرا خاص موضوع ہے، میں نے مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام کا پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عشق و محبت رسول علیہ التحیۃ و الثناء کا یہی تو وہ جذبہ

جائے سرست ایس کہ تو پامی نہی
پائے نہ بینی کہ تو بجای نہی
جب در مسجد پر حاضر ہو صلوة و سلام عرض کر کے
قدرے توقف کرے، گویا سرکار سے اذن حضوری کا طالب ہے،
اس وقت جو ادب و تعظیم واجب ہے، مسلمانوں کا قلب خود
واقف ہے، زہار زہار اس مسجد میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے،
یقین جانے کہ وہ مزار عطر و انور میں بحیات ظاہری، دنیاوی،
حقیقی ویسے زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے، ائمہ دین
تصریح فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے ایک ایک قول و فعل بلکہ
دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔ اب وہ وقت آگیا کہ دل کا رخ بھی
اس پاک جالی کی طرف ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان

نظر رکھتے ہوئے ہر اس فعل کی اجازت پاتے ہیں جس پر شریعت نے قدغن نہ لگائی ہو، پہرے نہ بٹھائے ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔

”بوجہ اطلاق آیات، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے، حسن و محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقے کی برائی یا تخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا، جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب عظمت پر کہیں دور سے بھی بے ادبی کا شائبہ نظر آئے تو ان کا قلم احتیاط کا دامن تھامنے کی تاکید فرماتا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ”روح زندہ کے لیے بھی ہے۔ بلکہ روح ہی سے زندگی ہے اور درود شریف کے صیغوں میں ”اللھم صل علی روح سیدنا محمد فی الارواح“ تو اصل میں اس لفظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر جہاں عوام اس سے یہ معنی سمجھتے ہوں جیسے اس نیک نیت پاکیزہ خیال نے سمجھا تو ضرور اس کے کہنے سے ان کو روکا جائے یا یہ وہم ان کے دلوں سے نکال دیا جائے کہ ارواح کا اطلاق اموات ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقتاً ایسے ہی زندہ ہیں جیسی رونق افروزی دنیا کے زمانے میں تھی۔ ان کی موت ایک آن کے لیے تصدیق وعدۃ الہیہ کل نفس ذائقۃ الموت کے واسطے ہوئی ہے، پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ بحیات حقیقی جسمانی دنیاوی زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں،

کی آرامگاہ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتا کانپتا بید کی طرح تھرتھراتا ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا قدم بڑھا، خضوع و وقار، خشوع و انکسار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو، سوا سجدہ و عبادت کے جو بات ادب و اجلال میں اکمل ہو بجالا، زہار جالی شریف کے بوسہ و مس سے دور رہ کہ خلاف ادب ہے۔ اب نہایت ادب و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالا۔ باواز حزیں و صورت درد آگین و دل شرمناک و جگر صدچاک، معتدل آواز سے نہایت نرم و پست نہ بہت بلند و پست عرض الصلوٰۃ والسلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک یا شفیع المذنبین، السلام علیک وعلی الک واصحابک اجمعین۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عظمت مآب میں حاضری کے آداب بیان کرنے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے حزم و احتیاط کے جو چراغ جلائے ہیں یقیناً اس سے ان کے تعلق بالرسول علیہ التحیۃ والثناء کا پہلو درخشاں و تاباں ہوتا نظر آتا ہے۔

تعظیم و توقیر رسول کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مطلقاً مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب عظمت میں عقیدت و نیاز مندی کے خراج لٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ اسی سے استفادہ فرماتے ہوئے تعظیم و توقیر رسول علیہ التحیۃ والثناء کے باب میں ادب کے تقاضوں کو ملحوظ

نہیں رکھتا جب کہ اللہ ورسول کو برابر نہ جانے اور وہ کون سا مسلمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ اللہ عروجل کا شریک جانے گا۔“

اہل سنت وجماعت کے معمولات و مراسم کے تعلق سے باطل جماعتوں کی جانب سے جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کے تعلق سے مختلف دیار و اصمار سے اہل حق معرفت حق کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ علمی میں رجوع کرتے۔ مجالس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختتام پر کھڑے ہو کر صلوة و سلام پیش کرنے کا معمول ہے۔ ایک سائل نے اعلیٰ حضرت سے اس تعلق سے استفتا کیا تو آپ نے اس کا جواب بایں انداز تحریر فرمایا ”وہابی جھوٹے ہیں اور ان کا منع کہنا شریعت پر افترا ہے، ان سے پوچھو کہ اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے یا تم منع کرتے ہو؟ اگر کہیں اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے تو دکھائیں کس آیت کس حدیث صحیح میں ہے کہ قیام مجلس مبارک منع ہے اور اگر کہیں کہ ہم خود منع کرتے ہیں تو بکا کریں حکم ان کا نہیں بلکہ اللہ ورسول کا ہے۔ جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

اللہ عروجل نے قرآن عظیم میں جا بجا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم فرمایا اور قیام بھی اقسام تعظیم سے ہے تو جب تک اس خاص تعظیم کی ممانعت اللہ ورسول کے حکم سے ثابت نہ ہو یہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ قرآن عظیم سے بڑھ کر اور کیا دلیل درکار ہے۔ زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ ”اقامۃ القیامۃ“ میں ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکریم حضرت بتول زہرا کے لیے قیام فرماتے اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

مجالس خیر میں تشریف لے جاتے ہیں، کھانا پینا سب کچھ دنیا کی طرح بے کسی آلائش کے جاری ہیں۔

ایک مرتبہ سیدی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ علمی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھے جانے کے تعلق سے ایک استفتا کیا۔ سوال میں سائل نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ مکمل درود شریف نہ لکھ کر محض لکھ دیا۔ سیدی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے جذبہ عقیدت و محبت کو ٹھیس لگی اور سائل کے اصل استفتاء کا جواب بعد میں تحریر فرمایا، پہلے اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا سبق پڑھایا۔ فرماتے ہیں: ”صلی اللہ تعالیٰ علی جیبیہ والہ وبارک وسلم۔ سائل کو جواب مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یاء یام یاص یا صلعم لکھا کرتے ہیں محض مہمل و جہالت ہے۔ القلم احدی اللسانین، جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی ان مہمل کلمات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا۔ ایسی کوتاہی سخت محرومی ہے۔ ایسے لوگ فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قبیل لہم میں داخل نہ ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔“

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے باب میں سیدی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا قلم حد درجہ محتاط تھا۔ نہ افراط تھا، نہ تفریط تھی۔ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ”اولیٰ یوں کہنا ہے کہ اللہ پھر اللہ کے رسول نے چاہا۔ اور یوں کہنا بھی کہ اللہ ورسول چاہیں گے۔ حرج

لیے قیام کرتیں۔

تعمیم و توقیر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے باب

میں سیدی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا کردار ایک محافظ اور چوکیدار کا نظر آتا ہے۔ ناموس رسالت کے تحفظ میں وہ سر سے کفن باندھے ہوئے ایک مرد مجاہد کی طرح دشنام طرازیوں کو لکارتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں۔ تعظیم و توقیر رسالت مآب علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے کسی کو بھٹکا ہوا پایا۔ منصب نبوت کے حوالے سے لب و لہجے میں ذرہ برابر کہیں رکاکت نظر آئی فوراً قلمی معرکہ آرائی کے لیے کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس بات کا اقرار و اعتراف کرنا ہوگا کہ ناموس رسالت کی محافظت و چوکیداری آپ کی حیات کا نصب العین تھا۔ اس حوالے سے آپ پر تہمت بھی باندھی گئی، الزام تراشیاں بھی کی گئیں، لیکن آپ کے جذبہ وفاداری میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ ناموس رسالت کو بازو بچہ اطفال بنانے والوں کا تعاقب کرتے ہوئے کبھی کبھی بظاہر آپ کے لہجے میں سختی بھی پیدا ہوئی۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے اس انداز فکر پر تبصرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابل اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے۔ لیکن کسی مقام پر تہذیب و شانستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموس مصطفیٰ کی حفاظت میں شمشیر بکت نظر آتے ہیں۔ دونوں کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔“

پاکستان کے ایک دوسرے محقق و نقاد ڈاکٹر محمد

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت حاضر ہوئے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کرام کو ان کے لیے قیام کا حکم فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلس انور سے اٹھتے و قہنا قیاماً حتیٰ نراہ دخل بعض بیوت ازواجہ۔ ہم سب کھڑے ہو جاتے اور کھڑے رہتے جب تک کہ حضور حجرات شریفہ میں سے کسی میں تشریف نہ لے جاتے۔

ممانعت قیام امام سے ہے کہ ان کا بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا اور درباری تصویر بنے ہوئے سامنے کھڑے رہتے۔ بعض وقت اس کی ناپسندی بطور تواضع و رفع تکلف ہے جیسے اب بھی کوئی معظم دینی آئے اور حاضرین اس کے لیے قیام کریں تو وہ کہتا ہے کہ تکلف نہ فرمائیے، تشریف رکھیے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ قیام سے شرعاً منع کرتا ہے بلکہ تواضعاً مخالفین کے یہاں بھی قیام و تعظیم برابر رائج ہے۔ اپنے ملوں کے لیے قیام کریں گے اور لوگ ان کے لیے قیام کریں، بعض بیٹھے رہیں تو ناراض ہوں گے بے ادب جانیں گے مگر یہ تو اپنے ملوں کی تعظیم ہے۔ جن کی باطل عظمت سے دل بھرے ہوئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ان کے یہاں کہاں اس میں یہ شاخانے بوجھتے ہیں۔ شفا شریف وغیرہا میں ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضور کے ذکر اقدس کی تعظیم ذات انور کی طرح ہے۔ وقت تشریف آوری تعظیم ذات کریم قیام سے ہے تو ذکر شریف کی یہی تعظیم مسلمانوں نے صدہا سال سے مقرر کی۔“

آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندہ خدا کو پچاس ہزار مغلفہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندہ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرار ہم کو گالیاں دیں تو ایسے ہم بر علم۔

خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباء و اجداد کی آبرو بدگوئیوں کی بد زبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لیے سپر ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندہ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں۔ اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اڑاتے ہیں، مگر وہ اصلاً قطعاً اس طرف التفات کرتا نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا ہوا کہ بعونہ تعالیٰ عرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کروں۔ حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔“

”حمد اس وجہ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ ان اعظم اکابر کی ان مدحوں پر اتراتا ہے، بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے ہے، کیسا تو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔ نہ ان دشامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں۔ پریشان ہوتا، بلکہ شکر بجا لاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے

اسحاق قریشی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز فکر پہ اپنا تبصرہ کچھ اس انداز سے قلمبند فرماتے ہیں:

”رہا یہ سوال کہ ان کی نعمتوں میں بعض مقامات پر اشارہ اور کبھی صراحتہ ان افراد کا رد موجود ہے جن کے نظریات کو وہ بارگاہ رسالت میں نامناسب غیر محتاط اور بعض اوقات لائق گرفت سمجھتے تھے۔ ایسے خیالات پر ان کا جوش عقیدت کسی مداخلت کا قائل نہیں ہے۔ اگرچہ فتویٰ لگانے میں ان کی احتیاط بھی دیدنی ہے۔ اکثر یوں ہی ہوا کہ خیالات کا رد کیا، نظریات کو دین سے انحراف اور کفر کہا، نظریات کی تردید ان کے سارے کلام بلکہ نثری نگارشات میں بڑی واضح ہے۔ یہ ان کا ذوق ایمان اور تحفظ عقیدہ کا مسئلہ تھا، کوئی ذاتی پر خاش یا مفادات کا ٹکراؤ نہ تھا، یہ نظریاتی مبارزت تھی جو پر جوش بھی تھی اور بلا کسی حجاب کے بھی تھی۔“

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے حوالے سے جو جذبہ جاں نثاری اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے یہاں نظر آتا ہے وہ یقیناً قابل صدر شک ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و عرت کی محافظت میں آپ کی خدمات آب زر سے تحریر کیے جانے کے لائق ہیں۔ ایک وفادار، نمک خور غلام کی طرح اپنی پوری زندگی گزار دی۔ مخالفین کی دشام طرازیوں سے وہ قطعاً کبیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ اس پر ایک الگ نرالے انداز میں اظہار مسرت فرماتے ہیں۔ دیدہ عبرت ہو تو وہ پڑھیے:

”واللہ العظیم وہ بندہ گدا بخوشی راضی ہے۔ اگر یہ دشامی حضرات بھی اس کے بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی سے باز

تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے، جب وہ دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لیے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے تو بین رسول کی ہے۔ اگر وہ یقین رکھتے ہوتے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔ حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب و احتیاط کی روش کا نتیجہ ہے۔“

احترام و توقیر نبوت کے باب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا قلم ادب و احتیاط کے جملہ تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پلکوں سے لفظوں کے موتیوں کا انتخاب کرتا۔ مبادا دنیٰ سی لغزش و گستاخی اعمال کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بن جائے۔ انہوں نے اپنی تحریروں، فتاویٰ اور شعری نگارشات کے ذریعے احترام و توقیر نبوت علیہ التحیۃ و الثناء کے باب میں جو گل بوٹے کھلائے ہیں وہ عین منصب نبوت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ ان کی کسی تحریر میں افراط و تفریط کے کسی سقم و عیب کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل آپ کے قلم اور فکر کی اس طرح صیانت و حفاظت فرمائی۔ آپ نے اپنے فتوے کسی تحریر، نشریہ یا نظم میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بوقلموں صفات بیان کرنے میں احد و احمد اور خالق و مخلوق کا فرق ہر ہر قدم پر ملحوظ نظر رکھا۔ کہیں بھی آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں تحریر فرمایا۔ ایسا نظر نہیں

حیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عورت کی حمایت کرے، گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے۔“

درج بالا اقتباسات کی ایک ایک سطر وفاداری و جاں نثاری کی مشک باری ہے۔ اللہ تعظیم و توقیر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے نام پر ہر ظلم ہر ستم خندہ پیشانی کے ساتھ گوارا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا یہی وہ جذبہ جاں نثاری تھا جس کی بنیاد پر اغیار و مخالفین نے بھی آپ کے جذبہ جاں نثاری کی قسم کھا کھا کر گواہیاں دی ہیں۔ مودودی فکر کے ترجمان کوثر نیازی جو ایک شہرت یافتہ ادیب و قلم کار ہیں اعلیٰ حضرت کے اس وصف پر اپنے استاذ کے حوالے اپنا بے لاگ تبصرہ تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے: مولوی صاحب! مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتووں کے سبب ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: احمد رضا تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا، تم نے سمجھا کہ انہوں نے تو بین رسول کی تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی۔“

کوثر نیازی ایک دوسرے مکتبہ فکر کے بڑے عالم مفتی محمد شفیع دیوبندی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی کوٹلی نے آکر اطلاع دی، مولانا

اس سرکار کی غلامی و بندگی کی فرع ہے، جب تک ان کا غلام نہ ہو لے کوئی بندگی کام نہیں دے سکتی۔ لہذا قرآن عظیم میں ان کی تعظیم کو اپنی عبادت سے مقدم رکھا کہ فرمایا: لِيَتَّوَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَزَّزُوا وَتَتَّقُوا وَتَسْبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً ○ کہ تم ایمان لاؤ اللہ ورسول پر اور رسول کی تعظیم و تکریم کرو اور صبح و شام اللہ کی پائی بولو۔

یعنی نماز پڑھو تو سب میں مقدم ایمان ہے کہ بے اس کے تعظیم رسول مقبول نہیں۔ یوں تو عبد اللہ تمام جہان ہے مگر سچا عبد اللہ وہ ہے جو عبد مصطفیٰ ہے ورنہ عبد شیطان ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔“

تعظیم و توقیر نبوت کا یہی وہ انداز ہے جس کے زیر اثر آپ ہمیشہ اپنے دستخط میں احمد رضا کے ساتھ عبد المصطفیٰ کا سابقہ لگاتے۔ معترضین نے غلامی کی اس روش پر اعتراضات کی جو چھار کی لیکن آپ کے انداز غلامانہ پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ آپ بدستور معمول کے مطابق عبد المصطفیٰ لکھتے رہے اور معترضین کے اعتراضات کا علمی انداز میں محاسبہ فرما کر اس کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔

تعظیم و توقیر کا یہ وہ انداز تھا جس نے آپ کو بے پناہ حساس بنا دیا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب عظمت میں معمولی لغزش بھی نظر انداز کرنے کے قائل نظر نہیں آئے اور مرتکب اہانت سے ہر طرح کے مذہبی و معاشرتی تعلق کے مقاطعے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ چنانچہ اپنی وصیت میں اس تعلق سے ہدایت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی

آتا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات جلیلہ بیان کرنے میں ذاتی و عطائی کا امتیاز قائم نہیں فرمایا ہو۔ اس تعلق سے ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

”افسوس کہ ان کو اتنا نہیں سوچتا کہ علم الہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن، وہ قدیم یہ حادث، وہ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضرور البقا یہ جائز الفنا، وہ ممتنع البتعمیر یہ ممکن التبدل، ان عظیم تفرقوں کے بعد شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنون کا۔ اگر تمام اہل علم اگلے پچھلوں سب کے علوم جمع کیے جائیں تو ان کو علم الہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندر سے۔ بارگاہ الوہیت و نبوت میں اعلیٰ حضرت کا یہی وہ جزم و احتیاط ہے جس نے مخالفین و معاندین کو بھی ان کی عظمتوں کے اقرار و اعتراف پر مجبور کر دیا۔ وہ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، شراب عشق و محبت میں ان کا قلم اور ان کے افکار ڈوبے ہوئے ضرور تھے لیکن شریعت کی پاسداری سے ایک لمحہ بھی غافل نہ تھے، وہ جوش میں بھی تھے لیکن ہوش کی بالادستی بھی برقرار تھی۔ وہ دیوانگی کی سرحد میں داخل تھے لیکن فرزانگی کا دامن بھی مضبوطی کے ساتھ ہاتھوں کے گرفت میں تھا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہی اصل ایمان، روح ایمان اور جان ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان کا گلشن ایک اجڑا دیار، صحرائے بے وقار اور قطعی ناقابل اعتبار ہے۔ نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ بھی مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا پیٹہ گردن میں ڈالے بغیر بے وقعت ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ”نماز ہو یا کوئی عمل صالح وہ سب

فرماتا ہے: بے شک آخرت درجوں میں بڑی ہے اور فضیلت میں زائد۔

(۳) کوثر کا پانی جنت سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کوثر میں جنت سے دو پرنا لے کر رہے ہیں، ایک سونے کا ایک چاندی کا اور فرماتے ہیں سن لو کہ اللہ کا بیش بہا مال جنت ہے سن لو اللہ کا بیش بہا مال جنت ہے۔

(۴) کوثر کا پانی امت مرحومہ کے لیے زیادہ نافع ہے، ایک قطرہ جس کے حلق میں جائے گا ابد الآبائے تک کبھی پیسا نہ ہوگا۔ نہ کبھی اس کے چہرے پر سیاہی آئے۔

(۵) اللہ عزوجل نے عطاء کوثر اپنے حبیب افضل الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر احسان عظیم رکھا کہ ”إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكُوْثِرَ“ بے شک ہم نے کہ عظمت والے ہیں تم کو بے مثل و یکتا کوثر عطا فرمایا۔ تو کوثر کی عظمت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جہاں اپنے فتاویٰ، نثری شہ پارے کے ذریعے تعظیم و توقیر نبوت علیہ التحیۃ والثناء کے گلستان میں گلہائے صد ہزار رنگ کھلائے ہیں وہیں شعری نگارشات کے ذریعے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محرابِ عظمت میں اپنی نیاز مند یوں، عقیدہ مند یوں کے خراجِ بولموموں انداز میں لٹائے ہیں۔

○○○○

پیارا ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیا سیاہی بزرگ، معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے منسوب ہو جانے والی چیزوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تعظیم و توقیر کا سبق پڑھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا جبہ مبارک یا نعل شریف یا کاسہ مطہرہ تبرک کے لیے جس پانی پر ڈالا جائے وہ قابل وضو ہے۔ ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلاف ادب ہے۔ اگر منہ پر جاری منہ کا وضو ہو گیا، ان کا نام پاک لینے سے دل کا وضو ہو جاتا ہے۔“

مزید اس تعلق سے فرماتے ہیں: ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ مثل جبہ مقدسہ و نعلین مبارک کا غسل شفا، برکت، قابل وضو، معطر طہارت ہے، مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔“

آب کوثر اور آب زم زم کے درمیان زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے اس میں علمائے کرام کے علمی اختلافات سے اہل علم ناواقف نہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب ہونے کی بنا پر آب کوثر کو افضل قرار دینے کی پرزور روکالت فرماتے نظر آتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

(۱) آخرت میں وہی افضل ہے جو عند اللہ افضل ہے اور شک نہیں کہ آخرت میں کوثر افضل ہے۔ تو اب بھی کوثر زم زم سے افضل ہے۔

(۲) زم زم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا اور اللہ عزوجل

عقیدہ ختم نبوت تصانیف رضا کی روشنی میں

چالیسویں آیت ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت یوں بیان کرتی ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ مذکورہ آیت صراحتاً یہ بتاتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء میں آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اور آپ کی نبوت کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ اس آیت کے تناظر میں یہ نہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو قیامت سے پہلے آسمان سے روئے زمین پر نزول فرمائیں گے وہ بھی تو نبی ہیں پھر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا کیوں کر ثابت ہوگا۔ اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں مگر نزول کے بعد وہ اپنی شریعت سابقہ پر نہیں بلکہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے، اسی شریعت مطہرہ کی روشنی میں احکام نافذ کریں گے اور تبلیغی امور انجام دیں گے، اس پر مستزاد یہ کہ آقائے کریم رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبلہ کعبتہ اللہ کی طرف رخ کر کے

آقائے دو عالم حضور سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء بمعنی آخر الانبیاء ہونا ایسا قطعی ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس پر نص قرآنی دال ہے بلکہ صحاح کی بکثرت احادیث جو حد تو اتر تک پہنچی ہیں باضابطہ وضاحت و صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں، اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں، مسلمان پر جس طرح لا الہ الا اللہ ماننا، اللہ سبحانہ کو احد اور صمد لا شریک جاننا فرض اول و مناط ایمان ہے یونہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل و جزء ایمان ہے و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین نص قطعی قرآن ہے۔ اس کا منکر نہ منکر بلکہ شبہ کرنے والا نہ شاک کہ ادنیٰ ضعف احتمال خفیف سے تو ہم خلاف رکھنے والا قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلد فی النہر ان ہے نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر جو اس کے کافر ہونے میں شک و تردد کو راہ دے وہ بھی کافر ہے۔

(ختم النبیین ص ۶)

قرآن مقدس کے باسیسوں پارہ کے سورۃ احزاب کی

نمازیں ادا فرمائیں گے۔

محمد ما خلقتک یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اے آدم میں تیری بھی تخلیق نہیں کرتا و میں یہ بھی فرمایا و ہوا آخر الانبیاء من ذریعتک۔ یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری اولاد میں سب سے پچھلے نبی ہیں۔ آئیے ذیل میں حدیث و تفسیر کی روشنی میں پورا واقعہ اختصار کے ساتھ ملاحظہ کریں اور اپنے ایمان کو جلا بخشیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں رہائش کے زمانے میں شجر ممنوعہ کا پھل تناول فرمایا تو رب کے حکم سے آپ زمین پر تشریف لے آئے، یہاں آنے کے بعد اپنی لغزش پر متواتر تین سو سال تک اشک بار رہے اور رب قدیر کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہے مگر ان کی توبہ شرف قبولیت سے ہمکنار نہ ہوئی۔ تین سو سال کے بعد آپ کو اللہ کے حبیب مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آیا اور ان کے وسیلہ جلیلہ سے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوئے ”یا رب اسألك بحق محمد ان غفرت لی“ یعنی اے میرے رب تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما دے۔ خداوند قدوس نے فرمایا اے آدم! تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کیسے حاصل ہوئی جب کہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا بارالہ! میں تو انہیں جانتا نہیں تھا لیکن جب تو نے میرے جسم میں روح پھونک کر تخلیق مکمل فرمائی تو میں نے عرش کی جانب سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے پایوں پر لکھا ہوا تھا ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ تو پھر مجھے یہ سمجھتے دیر لگی کہ جس ذات باربرکات کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا یقیناً وہ تیرا

سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اس قدر مسلم ہے کہ رب کائنات نے لوح محفوظ پر جہاں مخلوقات کی تقدیر لکھی وہیں یہ بھی تحریر فرمائی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین یعنی سب نبیوں میں آخر ہیں۔ جیسا کہ صحیحین شریفین میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”

ان الله عز وجل كتب الله مقادير الخلق قبل ان يخلق السماوات والارض بخمسين ألفاً سنة وكان عرشه على الماء ومن جملة ما كتب في الذكر وهوام الكتاب ان محمداً خاتم النبیین۔

یعنی اللہ عزوجل نے زمین و آسمان کی آفرینش سے پچاس ہزار برس پہلے خلق کی تقدیر لکھی اور اس کا عرش پانی پر تھا منجملہ ان تحریرات کے لوح محفوظ میں لکھا بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہاں تک روایت ہے کہ پہلے انسان اور اللہ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان قلم قدرت سے لکھا ہوا تھا ”محمد رسول اللہ خاتم النبیین“ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

نبیہتی شریف کے اندر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ ایسی حدیث جلوہ ریز ہے کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ کے وقت رب کائنات نے جہاں اپنے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فرمایا ”ولا

خوب تعریف کی جائے۔ ماجی: کفر و شرک کو مٹانے والا۔ نبی الملاحم: جہادوں کے پیغمبر۔ حمطایا: حرم الہی کے حمایتی۔ فارقلیطا: حق کا باطل سے جدا کرنے والا۔ مازماذ: ستھر یا کیزہ۔ امقشی کا معنی ہے سب پیغمبروں کے پیچھے تشریف لانے والے۔ کتب سماویہ کے اندر رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اسم گرامی مقشی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کوئی نوزائیدہ مسئلہ نہیں بلکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جسے کتب سماویہ نے بھی اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔

یہ تو کتب سماویہ کی بات تھی اب آئیے صحائف کے بھی زریں اور اوراق پر نظر ڈالیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب عامر ثعبی سے روایت فرماتے ہیں کہ ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس صحیفے میں رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا درج تھا جیسا کہ صحیفہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں یوں مرقوم تھا کہ رب کائنات نے اپنے خلیل علیہ السلام سے فرمایا ”انہ کان من ولدک شعوب حتی یأتی النبی الہی خاتم الانبیا یعنی بے شک تیری اولاد میں قبائل در قبائل ہوں گے یہاں تک کہ نبی امی خاتم الانبیا جلوہ فرما ہوں گے۔ علاوہ ازیں محمد بن کعب قرظی روایت فرماتے ہیں ”اوحی اللہ تعالیٰ الی یعقوب انی ابعث من ذریعتک ملوکا وانبیاء حتی ابعث النبی الحرہی الذی تبنی امتہ ہیکل بیت المقدس وهو خاتم الانبیا و اسمہ احمد“ یعنی نبیرۃ ابو الانبیا حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے یعقوب! میں تیری اولاد میں

سب سے زیادہ محبوب ہے۔ رب قدیر نے فرمایا ”صدقہ یا آدمہ انہ لاحب الحق الی واذسالتنی بحقہ فقد غفرت لک ولا لا محمد ما خلقتک وهو اخر الانبیا من ذریعتک“ یعنی اے آدم! تو نے سچ کہا بلاشبہ وہ میرے لئے احب الخلق یعنی تمام جہان سے زیادہ محبوب ہے اب چونکہ تو نے میرے محبوب کا واسطہ دیا ہے تو میں نے تیری توبہ قبول کی اور تجھے مغفرت کا پروانہ عطا کیا، اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا اور یہ محمد تیری اولاد میں سب سے پچھلے نبی ہیں۔

رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا اس قدر واضح و مشہور ہے کہ نہ صرف یہ کہ قرآن مقدس، لوح محفوظ اور حضرت آدم علیہ السلام کے شانوں کے درمیان مکتوب مرقوم ہے بلکہ دیگر آسمانی کتب و صحائف کے اندر بھی جلی حروف کے ساتھ یہ مندرج ہے کہ آپ خاتم الانبیا ہیں اور آپ پہ نبوت کا تمام و اختتام ہو چکا۔ میرے اس دعوے کی پشت پناہ سیدی اعلیٰ حضرت کی نقل کردہ ابن عسا کر کی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مروی حدیث ہے۔ ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسمی فی الکتب القدیمۃ احمد و محمد و محمد و الماسحی و المفقنی و نبی الملاحم و حمطایا و فارقلیطا و مازماذ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی کتابوں میں میرے یہ نام مکتوب تھے احمد، محمد، الماسحی، امقشی، نبی الملاحم، حمطایا، فارقلیطا، مازماذ۔

اب آپ ان ناموں کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں۔ احمد: بہت تعریف کرنے والا، محمد: جن کی خوب

تیرا سیدہ علوم و معارف کا ایک بہتادریا بن چکا ہے۔ میں نے تازہ زندگی اشاعت علم میں کسی قسم کی بحالت سے کام نہیں لیا۔ اس کی واحد اور بڑی اہم وجہ یہ رہی کہ میں چاہتا تھا کہ میرا بیٹا بھی اپنے وقت کا ایک جید اور لائق و فائق ماہر علوم و فنون ہو۔ لیکن دو ورق تجھ سے روک رکھا۔ اس کے بارے میں اس سے قبل میں نے کبھی تجھے کچھ نہ بتایا۔ نہ بتانے کی وجہ بخل یا اخفا نہیں بلکہ قبل از وقت اور اندیشہ و غدشہ مانع رہے۔ اب چونکہ میں بستر مرگ پر ہوں۔ جانے کپ آجائے پیک اہل کس کو ہے خبر، اگر میں نے موت سے پہلے تجھے یہ بات نہ بتائی تو پھر میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا، مزید برآں تو ایک ایسی عظیم نعمت سے محروم ہو جائے گا جس کے دامن میں اخروی فلاح اور بہار جنت مضمّن ہے۔

لہذا اب میرے بیٹے میری بات غور سے سن اور میری موت کے بعد میرے کہا پر عمل کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کرنا، دراصل بات یہ ہے کہ میرے پاس دو بڑے ہی اہم ورق ہیں جن میں ایک نبی سے متعلق بہت ہی کارآمد اور نفع بخش ایسی باتیں مندرج ہیں جو تیری دنیا و آخرت کی بہبودی کی ضامن ہیں، سچ تو یہ ہے کہ میں نے کئی بار چاہا میرا ضمیر مجھے پیہم اصرار کرتا رہا، میری خواہش مجھے برا بیگنہ کرتی رہی کہ میں اس راز کی اہمیت و افادیت سے متعلق تمہیں باور کرا دوں اور فوراً اس کی اہمیت تم پر منکشف کر دوں لیکن جب جب میں نے انکشاف کی ہمت کی میرے سامنے یہ اندیشہ مانع رہا کہ مبادا کوئی کذاب مدعی نکل کھڑا ہو اور تو اس منتہی کو سچا جان کر اس کی پیروی کر لے۔ اسے نبی آخر الزماں مان کر اپنے ایمان

سلاطین و انبیاء بھیجتا ہوں گا یہاں تک مبعوث فرماؤں اس حرم محترم والے نبی کو جس امت بیت المقدس کی بلند تعمیر بنائے گی وہ سب پیغمبروں کا خاتم ہے اور اس کا نام احمد ہے (ﷺ)

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سرور کائنات ﷺ کے مایہ ناز صحابی ہیں وہ جہاں پہلے نہ صرف یہ کہ یہودی تھے بلکہ خود یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے وہیں ان کے والد اپنے زمانے میں اعلیٰ علماء توراہ یعنی توریت کے جاننے والوں میں سب سے بڑے جاننے والے گردانے جاتے تھے۔ حضرت کعب احبار حلقہ گوش اسلام ہونے کے بعد جو بیان فرمایا وہ روح پرور اور ایمان افروز ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات پر غماز ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی علماء تورات و انجیل و زبور بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدان گیتی میں آخری نبی بن کر جلوہ افروز ہوں گے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد علماء توراہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کا سینہ علم و معرفت کا گنجینہ تھا۔ وہ مجھ سے بے پناہ محبت و شفقت فرماتے تھے اور اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے کبھی چھپایا نہیں کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ میں بھی علم و فضل میں یکتائے روزگار بنوں، میری حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب ان کا آخری وقت آپہنچا۔ ہو ایوں کہ موت سے پہلے انہوں نے مجھے بڑے پیار سے قریب بلایا اور فرمانے لگے کہ اے میرے پیارے بیٹے! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اپنی معلومات میں سے کوئی شے ذرہ برابر بھی تجھ سے مخفی نہیں رکھی۔ بفضلہ تعالیٰ اب

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث جو ابو داؤد اور ترمذی کے اندر موجود ہے اس میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف خود کو خاتم النبیین بلکہ علی وجہ بصیرت مزید صراحتاً لائے نفی جنس کے ساتھ لابی بعدی بھی فرمایا، حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خاتم النبیین لابی بعدی“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبیوں میں خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اس طرح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ختمہ بی الرسل“ یعنی مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

اس سے پہلے راقم الحروف نے وہ حدیث بھی پیش کی جس میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان مکتوب تھا محمد رسول اللہ خاتم النبیین لگے ہاتھ مشکوٰۃ شریف میں مندرج حضرت عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں ”انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طین“ یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں عند اللہ اس وقت خاتم النبیین لکھا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی گندھی ہوئی مٹی میں تھے۔ بلفظ دیگر ان کی تخلیق مکمل بھی نہیں ہوئی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل و شواہد کے باوجود ختمی مرتبت سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا وہی انکار کرے گا جو

وعقیدے کا سودا کر لے، اپنے دین و دنیا کو تو ہلاکت کے دہانے تک پہنچا دے۔ اپنے ہاتھ کی کلہاڑی تو اپنے پاؤں پر مار لے لہذا اب چونکہ دنیا کو دائمی خیر باد کہنے کا میرا وقت آپہنچا ہے میری زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہونے والا ہے میری روح حق قص عنصری سے پرواز کرنے کے لئے اپنے پر تول رہی ہے اس لئے میں تجھے بتا رہا ہوں کہ دیکھ تیرے سامنے جو طاق ہے اس میں وہ اوراق رکھ کر میں نے ان کے اوپر مٹی لگا دی ہے۔ ابھی اسے چھیرنا نہیں جب نبی آخر الزماں اس زمین پر جلوہ افروز ہو جائیں تو ان اوراق کو پڑھ کر خاتم الانبیاء کی بارگاہ میں پہنچ کر ان پر ایمان لے آنا اور تاحیات چاہے حالات کتنے ہی کشیدہ ہوں ان کا بہر صورت پیرو کار بن کر رہنا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کے انتقال کے بعد جب میں طاق سے وہ اوراق نکالے تو میں نے دیکھا کہ ان میں بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین لابی بعدی بعدہ مولدہ بمکة ومہاجرہ بطیبۃ۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی جائے پیدائش مکہ ہے اور ہجرت گاہ مدینہ۔

رسول گرامی قدر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں، آپ پر نبوت تمام ہو چکی اور آپ کے بعد قیامت تک کسی دوسرے نبی (خواہ مستقل ہو یا ظلی بروزی ماتحتی) کے آنے کا

امت کو بھی اس بات کا کوئی رنج و ملال نہیں۔
 اتنا بیان کرنے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ انتہائی کیف آگیں سبت
 آموز ہونے کے پہلو بہ پہلو بے حد ایمان افروز بھی ہیں، آپ
 فرماتے ہیں کہ جب میں نے خداوند قدوس کے سوال پر نفی
 میں جواب دیا کہ نہ مجھے اس بات کا غم ہے کہ تو نے مجھے آخر
 الانبیاء بنا کر خاکدان گیتی میں مبعوث فرمایا اور نہ میری امت کو
 اس بات پر کسی قسم کا رنج و قلق ہے کہ اسے تو نے آخری امت بنایا
 تو رب قدیر نے اس کی وجہ خود یوں بیان فرماتی ”انی
 جعلتہم آخر الامم لافضح الامم عندہ ولا
 افضحہم عند الامم“ یعنی میرے حبیب! میں نے
 تمہاری امت کو اس لئے آخری امت بنایا کہ سابق امتوں کو ان
 کے سامنے رسوا کروں اور اسے اوروں کے سامنے رسوائی
 سے محفوظ رکھوں۔

مذکورہ بالا حدیث پاک سے جہاں یہ بات اظہر من
 الشمس ہو گئی کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی اور
 آپ کی امت آخری امت ہے وہیں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ رب
 کائنات کو اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے
 کس قدر محبت ہے۔ رب کائنات نے یہ نہ چاہا کہ میرے حبیب
 کی امت کسی کے سامنے رسوا ہو اور اس کے عیب سے کوئی اور
 واقف ہو، خدائے لم یزل و بے نیاز کے اس کرم کو دیکھتے
 ہوئے امید واثق رکھی جاسکتی ہے کہ جب رب قدیر کو یہ نہ گوارا ہوا
 کہ اس کے حبیب کی امت کے عیوب کو کوئی جانے اور اسے
 دنیا میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے تو پھر قیامت کے دن بھی ارحم

قرآن و حدیث سے نابلد ہو یا پھر ہٹ دھرمی کا شکار ہو، اس سے
 پہلے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا قول پیش
 کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اس قدر اہم ہے کہ سرکار کائنات
 صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان
 کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً محال و باطل جاننا ایک مسلمان
 کے لئے ایسے ہی فرض ہے جیسے لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھنا۔

اس سلسلے میں آئیے خطیب بغدادی کی حضرت انس
 بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ مندرجہ ذیل
 حدیث بطور اختصار ملاحظہ کریں جس کا تعلق واقعہ معراج سے
 ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کے ضمن میں
 ارشاد فرمایا ”لما اسرئی بی قربنی ربی حتیٰ کان بینی
 و بینہ کقاب قوسین او ادنیٰ وقال لی یا محمد هل
 غمک ان یعنک آخر النبیین قلت لا قال فهل
 غم امتک ان جعلتہم آخر الامم قلنا لا یعنی
 رب کائنات نے شب معراج مجھے اتنا قریب کیا کہ مجھ میں اور
 اس میں دو کمان بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تو ایسے روح
 پرور موقع پر میرے رب نے مجھ سے فرمایا کیا تمہیں اس بات
 کا غم ہے کہ میں نے تمہیں آخر النبیین یعنی سارے نبیوں میں
 آخری نبی بنایا؟ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رب قدیر کی بارگاہ
 میں عرض کی الہ العالمین! نہیں مجھے اس بات کا کوئی غم نہیں
 ہے، پھر رب کائنات نے آپ سے فرمایا کیا تمہاری امت کو
 اس بات کا رنج و ملال ہے کہ میں نے اسے ساری سابق امتوں
 کے بعد آخری امت بنایا، آپ نے عرض کی بارالہ! نہیں میری

صاحبِ عرت ہو، میں نے اپنے حبیب کا نام اپنے نام سے ملایا تاکہ جہاں میرا ذکر ہو وہیں ان کا بھی ذکر ہو، میں نے دنیا اور اہل دنیا سب کچھ اس لئے بنایا کہ میرے حبیب کا مرتبہ ان سب پر ظاہر کروں۔ اگر میرے حبیب نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔

علاوہ ازیں حدیث شفاعت جو بہت ہی طویل ہے اس کے اندر بھی روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول مرقوم ہے کہ کل بروز قیامت جب اہل محشر قیامت کی ہول ناکی سے مضطرب و بے قرار ہوں گے اور پچاس ہزار سالوں کے برابر طویل ترین دین سے ہراساں ہوں گے۔ سو انیزے سر کے اوپر سورج کی پردت ناقابل برداشت تمازت کی تاب نہ لا کر اہل محشر نہ صرف یہ کہ پسینے سے شرابور ہوں گے بلکہ پسینوں کی ندی میں نہا رہے ہوں گے تو ایسے جا نگاہ اور جان گسل موقع پر اہل محشر میں وہ سب بھی شامل ہوں گے جو دنیا میں شفاعت اور وسیلے کے منکر رہے ہوں گے یکجا ہو کر ہر نبی کی بارگاہ فیض میں شفاعت کی درخواست پیش کریں گے اور یہ کہتے ہوئے گڑ گڑائیں گے کہ خدا ہمارا شفاعت فرما کر ان گٹھنائیوں سے ہمیں راحت دلادیں تو ہر نبی ”اذہبو الی غیری“ یعنی میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ کہہ کہ دوسرے نبی کے پاس بھیج دیں گے بالآخر مایوس ہو کر جب اہل محشر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کے خواستگار ہوں گے تو آپ بر ملا فرمائیں گے میں اس منصب کا نہیں ”الی اتخذت الہامن دون اللہ وانہ لایہمینی الیوم الانفسی“ یعنی مجھے لوگوں نے اللہ کے سوا خدا بنا دیا تھا مجھے آج اپنی ہی فکر ہے، لہذا محشر والو! اگر شفاعت چاہتے ہو

الرحمن جو تبار العیوب اور غفار الذنوب ہے ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اہل محشر کے سامنے ہمیں ندامت سے محفوظ رکھے گا، اس امید و اثق کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے رحیم و کریم خدا اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات پر سربہ خم رہیں اور ہم خود کو عملی میدان کا شہسوار بنائیں۔

ختم نبوت سے متعلق ایک بین دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث سے ملتی ہے جس میں رسول الملائکہ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام کا وہ بیان مذکور ہے جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رب قدیر کے ارشادات موجود ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے پہلے خلاق کائنات کا یہ ارشاد پیش کیا یا رسول اللہ! ان ربك يقول قد ختمت بك الانبیاء“ یعنی آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں نے تم پر انبیاء کو ختم کیا یعنی آپ خاتم الانبیاء ہیں اس ارشاد کے بعد آپ نے خداوند قدوس کے دیگر ارشادات جو پیش کئے ان کے حرف حرف سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال عظمت شان ظاہر ہوتی ہے، رب کریم نے مزید فرمایا

”ما خلقت خلقاً اکرم علی منک، و قرنت اسمک مع اسمی فلا أذکر فی موضع حتی تذکر معی، ولقد خلقت الدنیا وأهلها لأعرفهم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت السہوت والارض“ یعنی میں نے کوئی ایسی مخلوق نہیں بنائی جو میرے حبیب سے زیادہ مری بارگاہ میں

تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاؤ جو خاتم النبیین ہیں، یہ سنتے ہی محشر والوں کی خوشیوں کا ٹھکانہ رہے گا، مسرت و شادمانی سے دلوں کی باچھیں کھل اٹھیں گی۔

سارے کے سارے شاداں و فرحاں دوڑے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ جب خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوں گے تو آپ فرمائیں گے ”انا لہا“ یعنی میں تمہاری شفاعت کے لئے ہوں۔ آج میری شفاعت سے تمہیں محشر کی جانگا ہی سے نجات کا پروانہ ملے گا۔

لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی بروز قیامت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاتم النبیین نہیں فرمائیں گے بلکہ اس حدیث شفاعت میں بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ مندرج ہے فیاتون محمداً فیقولون یا محمد انت رسول اللہ وخاتم النبیین“ یعنی سارے اولین و آخرین سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر بہار میں آ کر یوں عرض کریں گے کہ حضور! آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں ہماری شفاعت فرمائیے ان احادیث سے یہ بات مترشح ہی نہیں بلکہ متحقق ہو جاتی ہے کہ اولین و آخرین سب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے اور مانتے رہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا اس قدر مسلم ہے کہ دراز گوش نے بھی برملا اظہار کیا کہ انبیاء میں آپ کے سوا کوئی اور نبی باقی نہیں، اس سلسلے میں سیدنا علی حضرت قدس سرہ العزیز نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی طویل حدیث فتاویٰ رضویہ میں پیش فرمایا ہے، اختصار کے ساتھ اس حدیث تمہ ملاحظہ کریں۔

جنگ خیبر کی عظیم الشان فتح و کامرانی کے بعد حضور پر

نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہو رہے تھے اثنائے راہ ایک بیک ایک سیاہ رنگ کے دراز گوش کو آپ نے دیکھ کر اس کا نام پوچھا تو اس نے جواباً عرض کیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے اور خلاق کائنات نے میرے دادا کی نسل میں اس قدر برکتیں فرمائیں کہ اس میں ساٹھ دراز گوش پیدا کئے اور ہر ایک کو یہ شرف اعزاز بخشا کہ وہ کسی نہ کسی نبی کی سواری کے کام آیا، پھر وہ کہنے لگا ”وقد كنت اتوقعت ان تر کبني لم يبق من نسل جدی غیری ولا من الانبياء غیرک“ یعنی مجھے یقینی توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل میں سوا میرے اور انبیاء میں سوائے حضور کے کوئی باقی نہیں، مزید برآں یہ بھی کہنے لگا کہ میں پہلے ایک یہودی کے پاس تھا جو بڑا ہی ظالم و سفاک انسان تھا وہ مجھے بھوکا رکھنے کے ساتھ ساتھ مجھ کو زرد و کوب بھی کرتا تھا۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دراز گوش کا نام یعفور رکھا تھا، یہاں تک روایتیں متی ہیں کہ جب آپ کسی کو بلانا چاہتے تو یعفور کو بطور قاصد بھیج دیتے اور وہ اس شخص کے مکان کی چوکھٹ پر سر مارتا جب صاحب خانہ باہر آتا تو اسے اشارے سے بتاتا کہ مجھے اللہ کے رسول نے یاد فرمایا ہے، یعفور کے عشق رسول پر قربان جانیے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے فانی کو خیر باد کہا تو یعفور آپ کی رحلت کو برداشت نہ کر سکا یہاں تک کہ آپ کی جدائی کے صدمے سے نڈھال ہو کر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں میں گر کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔

صرف یعفور دراز گوش کی تخصیص کیا بلکہ سیدی علی حضرت نے طبرانی معجم اوسط، معجم صغیر، دلائل النبوة تاریخ ابن

کے رسول اور رسولوں کے خاتم ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی وہ مراد کو پہنچا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ نامراد ہوا۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوسمار کو اس طرح کلام کرتا ہوا بادیہ نشین نے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا وہ بر ملا کہنے لگا کہ خدا کی قسم جس وقت میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا اس وقت میری نظر میں آپ سے زیادہ کوئی شخص دشمن نہیں تھا اور اب آپ مجھے میرے والدین ہی نہیں بلکہ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو، اتنا کہہ کر وہ فوراً کفر کی زنجیر توڑ کر کلمہ طیبہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

مذکورہ بالا روایتوں سے یہ بات مہر نیم روز کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ سیر کار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ صرف انسانوں نے تسلیم کیا بلکہ جانوروں نے بھی زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قاتل سے بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ بلاشبہ آپ پر نبوت تمام ہو گئی اب قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، جو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا وہ جانور سے بھی گیا گزرا بلکہ بلفظ دیگر یوں کہہ لیں کہ منکر ختم نبوت سے جانور صد ہا بہتر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام اشخاص سے ہمیں محفوظ و مامون رکھے جو ایمان پر قدغن لگانے میں ذرہ برابر بھی عار محسوس نہیں کرتے۔

○○○○

عسا کرو غیرہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ایک سوسمار نے مجمع عام میں فصیح عربی زبان میں واضح انداز میں کہا کہ یا رسول اللہ آپ خاتم النبیین ہیں واضح رہے کہ یہ حدیث مولائے کائنات، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں جلوہ ریز ہے جیسا کہ خصائص کبریٰ اور جامع کبیر میں مندرج ہے۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک بادیہ نشین ایک سوسمار کا شکار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور آپ کے سامنے سوسمار کو ڈال کر کہنے لگا کہ لات عربی کی قسم میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک کہ یہ سوسمار آپ پر ایمان نہ لے آئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسمار کو جوں ہی آواز دی اس نے فوراً جواباً عرض کیا لبیک وسعدیک یا زینت من اوفی یوم القیامة یعنی اے تمام حاضرین مجمع محشر کی زینت میں آپ کی خدمت و بندگی میں حاضر ہوں سوسمار کے جواب کو اس وقت وہاں سارے موجودین نے سنا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من تعبد! یعنی تو کسی کی عبادت کرتا ہے؟ اس نے عرض کی الذی فی السماء عرشہ و فی الارض سلطانہ و فی البحر سبیلہ و فی الجنة رحمتہ و فی النار عذابہ یعنی میں اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس کا عرش آسمان میں، سلطنت زمین میں، راستہ سمندر میں، رحمت جنت میں اور عذاب جہنم میں ہے، پھر آپ نے پوچھا من انا بھلا میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی، انت رسول اللہ و خاتم النبیین قد افلح من صدقك و قد خاب من کذبك یعنی آپ پروردگار عالم

تحقیقات رضویہ کے خلاف جدید تحقیقات میزان نقد پر

نو سے شرعی معاملات میں استفاضہ کی بات آئی تو لوگوں نے علمائے حق سے حقیقت حال جاننی چاہی اور وقت کے مرجع انام امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سوال بھیجا، فتاویٰ رضویہ میں ٹیلی فون سے متعلق میری نظر میں تین استفتے گزرے جن میں پہلا استفتا، شہر رامپور سے ۴ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ میں اور دوسرا استفتا گونڈل کا ٹھیاواڑ گجرات سے ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں اور تیسرا استفتا حیدرآباد دکن سے ۱۶ رمضان ۱۳۳۳ھ میں آیا یہ سوالات مع جوابات فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۵۲۷ سے لے کر صفحہ ۵۲۹ تک مرقوم ہیں۔ پہلا اور دوسرا فتویٰ تفصیلی اور تیسرا مختصر ہے اور تینوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ٹیلی فون کی خبر دربارہ ثبوت ہلال غیر معتبر ہے۔

پہلا استفتا مع جواب درج ہے

کیا فرماتے ہیں علمادین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹ تاریخ کو کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے اور دوسرے شہر میں وہی چاند ۳۰ نظر آیا اور وہاں کے لوگ ٹیلی فون یا ٹیلی گراف میں اطلاع دیں تو وہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

میں نے عنوان بالا کے تحت دو مسئلوں کے حوالہ سے اہل علم کی خدمت میں چند سوالات پیش کئے تھے۔ وحید العصر علامہ محمد عاشق الرحمن صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کے حکم پر خود بھی چند سطر میں حاضر خدمت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

نیٹ کے ذریعہ ٹیلی فون کی ایجاد کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی یورپین نے ۱۸۷۶ء میں اسے ایجاد کیا اور ہندوستان میں پہلی بار ۱۹۰۲ء کے قریب اس کا داخلہ وائرلیس کے ساتھ ہوا پھر ۱۹۰۹ء میں بیٹری والا فون آیا لوگ اس ایجاد نو سے فائدہ اٹھانے لگے اور معاملات و معمولات میں وہ اس طرح ذخیل ہوا کہ آج شاید کوئی آبادی ایسی ہو جو اس چشمہ سے سیراب نہ ہوئی ہو۔ رفتار زمانہ ایسی بڑھی کہ ٹیلی فون کے بعد ۱۹۷۳ء میں موبائل فون کو کسی امریکی نے ایجاد کیا اور ہندوستان میں پہلی بار دہلی کی سرزمین پر ۱۹۹۵ء میں اس نے قدم رکھا۔ اور آج ہر گھر بلکہ ہر فرد اس کا ضرورت مند نظر آتا ہے۔

ٹیلی فونک استفاضہ

(۱) مسلمان ہزار بے عملی کے باوجود شرعی امور میں اپنے علمائے طرف آج بھی رجوع کرتے ہیں اور ماضی میں بھی یہی صورت حال تھی۔ بلکہ اس سے بھی بہتر تھی، جب اس ایجاد

بزرگ و استاذ بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ (متوفی ۲۰۱۲ء) ایک مقام پر لکھتے ہیں:

تار، خط، ٹیلی فون وغیرہ کی خبر سے چاند ثابت نہیں ہوتا جن لوگوں نے اس کی خبر پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑا ان پر قضا واجب ہے۔ (فتاویٰ بحر العلوم، ج ۲ ص ۲۵۶) اس فتویٰ پر جامع معقول و منقول علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کا دستخط بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ جتنے معتمد مفتیان کرام کے فتاویٰ میری نظر سے گزرے سب نے بیک قلم یہی تحریر فرمایا کہ ٹیلی فون سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے اور عدم اعتبار کی علت یہ بیان فرمائی کہ ”اس میں آواز آڑ اور پس پردہ سے سنائی دیتی ہے جو شرعی امور میں غیر معتبر ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ بات انظر من الشمس ہے کہ ٹیلی فون اور موبائل کل جس کام کے لیے استعمال ہوتا تھا آج بھی اس سے وہی کام لیا جاتا ہے اور دربارہ ثبوت ہلال کل جس علت کے پیش نظر ٹیلی فون کی خبریں غیر معتبر تھیں وہی حکم آج بھی رہے گا کہ دوردراز مقامات سے خبر دینے کی صورت میں آج کل بھی آواز آڑ اور پردہ کے پیچھے سے سنی جائے گی جس کا امور شرعیہ میں اعتبار نہیں ہے تو ماضی میں غیر معتبر ہونے کی علت تھی، وہی آج بھی موجود ہے۔ لہذا جو حکم کل تھا وہی حکم اب بھی رہے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۳) مصطلحات فقہیہ اور نصوص کتاب و سنت کے معانی اور مفاہیم کا معاملہ یہ ہے کہ جس کلمہ کا جو معنی عوام و خواص

الجواب: ہرگز معتبر نہیں ہو سکتی اصلاً قابل لحاظ نہیں ہو سکتی تار کی سخت بے اعتباری میں فقیر کا فتویٰ مفصلہ طبع ہو چکا ہے۔ اس کی حالت ٹیلی فون درکنار خط سے بھی بہت گری ہوئی ہے کہ اس میں مرسل کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور اکثر بنگالی بابوؤں وغیرہم کفار کا توسط ہوتا ہے ورنہ مجاہدیل ہونا تو ضروری ہے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں۔ ہدایہ میں ہے: ”الخط یشبہ الخط“ تو شرعاً تار پر عمل کرنا کیوں کر ممکن۔ یوں ہی ٹیلی فون کہ اس میں شاہد و مشہود نہیں ہوتا صرف آواز سنائی دیتی ہے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے تبیین الحقائق امام زلیخا پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لو سمع من وراء الحجاب لا یسمعه ان یشہد لاحتمال ان یکون غیرہ اذا النغمة تشبہ النغمة الخ۔
وصورة الشيا التی ذکرہ تحقق لها فیما نحن فیہ
کما لا یخفی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ جلد: ۴، ص: ۵۲۷)

دوسرے استفتا کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ٹیلی فون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچان جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے۔ (حوالہ سابق ص: ۵۲۹)

جملہ فقہائے اہل سنت کا اب تک یہی موقف چلا آ رہا ہے کہ ٹیلی فون اور موبائل سے رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے حتیٰ کہ عصر حاضر کے نامور علما کرام و مشائخ عظام کے مسلم

میں رائج ہو اور شریعت نے اس سے ہٹ کر اس کا کوئی اور معنی نہ بتایا ہو تو وہی معنی مراد ہوگا جو رائج ہے جسے ”عرف عام“ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اسی طرح جو عرف معاشرہ میں پہلے سے ہی پایا جاتا ہو اور اس عرف پر مبنی قول یا فعل کے وجود میں آنے تک وہ عرف خاتم ہو تو بھی کلمہ کا معنی اسی عرف کا اعتبار کرتے ہوئے لیا جائے گا۔

اور اگر کلمات کے ورود اور الفاظ کے تکلم کے بعد کوئی عرف وجود میں آئے تو وہ معتبر نہ ہوگا اور لفظ کا معنی متعین کرنے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا چنانچہ ”الاشباہ والنظائر“ میں ہے:

العرف الذی تحمل علیہ الالفاظ انما هو المقارن السابق دون المتأخر و هذا قالو لا عبرة بالعرف الطاری ۵۱۔ (الاشباہ مع الحموی: ۲۸۲/۱)

اور اگر شرع نے کسی کلمہ کا معنی متعین کر دیا ہو تو اگر عرف اس کا موید ہو تو اس عرف کا بھی اعتبار ہوگا اور اگر عرف اس تشریح شرع کا معارض ہو تو اب وہ غیر معتبر ہوگا اور شرع سے جو معنی منقول ہے وہی معنی معتبر ہوگا۔ میری اس تفصیل پر روشنی مجددین و ملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ کے درج ذیل ارشاد سے پڑتی ہے۔

آپ رقم طراز ہیں:

”حق ناصح یہ ہے کہ مصر و قریہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ نہیں جس کو شرع مطہر نے معنی متعارف سے جدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی نئے معنی کے

لیے مقرر کیا ہو اور نہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں نقل ضرور تھی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہو سکتی اور شک نہیں کہ یہاں شارع صلی اللہ علیہ وسلم سے اصلاً کوئی نقل ثابت و منقول نہیں تو ضرور عرف شرع میں وہ انہیں معانی معروفہ متعارفہ پر باقی ہیں اور ان سے پھیر کر کسی دوسرے معنی کے لیے قرار دینا وہ قرار دہندہ کی اپنی اصطلاح خاص ہوگی جو مناط و مدار احکام مقصود و مراد شرع نہیں ہو سکتی۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

”واعلم ان من الشارحین من یعبّر هذا بتفسیرہ شرعاً و یجب ان یراد عرف اهل الشرع وهو مع الاصطلاح الذی عبرنا به لا ان الشارع صلی اللہ علیہ وسلم نقله فانه لم یثبت وانما تکلم به الشارع علی وفق اللغۃ۔“

”اور ظاہر ہے کہ معنی متعارف میں شہر و مصر و مدینہ اسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے، محلے، متعدد دائمی بازار ہوتے ہیں وہ پرگنہ ہوتا ہے اس کے متعلق دیہات گئے جاتے ہیں عادتاً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فیصلہ مقدمات کرے اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے اور جو بستیاں ایسی نہیں وہ قریہ و موضع و گاؤں کہلاتی ہیں شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد و مدار احکام جمعہ و وغیرہا ہیں ولہذا ہمارے امام اعظم و ہمام اقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر کی یہی تعریف ارشاد فرمائی۔“ (فتاویٰ رضویہ ۱۰/۳)

میں اس مسئلہ کی مزید وضاحت میں فتاویٰ رضویہ کے

میں اگر کوئی عرف حادث ہو بھی تو اس سے خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کیا اثر۔“

(فتاویٰ رضویہ، ص: ۱۴۴، ص: ۱۸۶)

اسی میں آگے فرماتے ہیں:

”جس کے نام کے آگے سلطان لگاتے ہیں اس کو خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس سے بلند و بالا ہے یہی وہ خلافت مصطلحہ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے اسی کے لیے قرشیت وغیرہ سات شرطیں لازمی ہیں عرف حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کر جائیں وہ نہ حکم شرع کا نافی ہے اور نہ اصطلاح شرع کا منافی۔ الخ“

(فتاویٰ رضویہ، ص: ۱۴۴، ص: ۱۸۶)

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصطلحات شرعیہ اور نصوص فقہیہ کے جو معانی و مفاہیم من جانب شرع مشتوح اور متعین کر دیئے گئے ہیں کسی کو ان میں ترمیم و تبدیل کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر بالفرض آج ان اصطلاحات و نصوص میں ترمیم و تنسیخ کا حق دے دیا جائے تو احکام شرعیہ کا کیا حشر ہوگا۔

اس کو مندرجہ ذیل تحریر سے سمجھا جاسکتا ہے۔

(الف) ائمہ حنفیہ نے بیع کی تعریف ”مبادلة المال بالمال تبراضی الطرفین“ کی ہے اور مال کی تعریف میں فرمایا کہ ”ما یمیل الیہ الطبع و یمکن ادخاره عند الحاجة“ لفظ ادخار کے پیش نظر ظاہر الروایہ کے مطابق مال کے لیے مادی ہونا شرط ہے اسی لیے حقوق اور غیر مادی اشیا کی

حوالہ سے ایک کلمہ ”خاتم النبیین“ اور دوسرا کلمہ ”خلیفہ“ کو درج کرتا ہوں کلمہ ”خاتم النبیین“ کا معنی شرع مطہر نے متعین کر دیا اور حدیث و اجماع امت سے اس کا یہ مطلب واضح ہو چکا کہ ”خاتم النبیین“ بمعنی ”آخر النبیین“ ہے اب اگر کوئی شخص اس متعین اور مصرح معنی میں کسی طرح کی تاویل و تخصیص کرے تو وہ اصلاً معتبر نہ ہوگی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ رقمطراز ہیں:

”آیت کریمہ و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین و حدیث متواتر سے تمام امت مرحومہ نے سلفا و خلفا یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیاء میں آخری نبی ہوئے۔ حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔“

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی کتاب ”الاقتصاد“ میں فرماتے ہیں:

”ان الامة فهبت من هذا اللفظ انهم عدم نبی بعدا ابدًا و عدم رسول بعدا ابدًا و انه لیس تاویل و تخصیص“۔ ۱۵ (فتاویٰ رضویہ)

اسی طرح لفظ خلیفہ اصطلاح اہل شرع میں ایک مخصوص مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے لہذا اگر وہ کسی اور معنی میں استعمال ہو کر کے اس کے اصل معنی کے احکام نافذ کئے جائیں تو قطعاً غیر معتبر ہوگا سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

”خلیفہ و سلطان کے فرق اور یہ کہ سلطان کہہ دیا جانا ہی خلیفہ نہ ہونے کی کافی دلیل ہے اور یہ کہ لفظ خلیفہ

بیع کو فقہائے کرام نے ناجائز فرمایا ہے۔

احمد رضا قادری قدس سرہ علیہ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

”الاصل ان یعتبر فی الاسماء الشرعیة ما تبنی عنہ من المعانی۔“

یعنی قاعدہ یہ ہے کہ شرعی الفاظ جن معانی کا اظہار کرتے ہوں وہی معتبر ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۳۳۷) اور ٹیلی فون و موبائل سے استفاضہ کا تحقق ماننے والوں میں سے مفتی محمد نظام الدین صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور لکھتے ہیں:

”قرآن حکیم کی آیات اور دوسرے نصوص شرع کا معنی کیا ہے؟ اس کی تعیین آج کل کے لوگوں کے عرف سے نہیں ہوگی بلکہ عربی زبان میں ان کا جو لغوی معنی ہے وہ مراد ہوگا۔ اگر آیات و احادیث و نصوص فقہاء کے معانی لغات عرب سے صرف نظر کر کے عرف ناس سے متعین کیے جائیں تو پھر دین کا خدا حافظ۔“

سدالفرار کی منقولہ عبارتوں میں عرف سے مراد عرف لفظی ہے کہ عرف ناس سے الفاظ کے معانی کا ادلنا بدلنا خاص کا عام ہونا یا عام کا خاص ہونا یا مطلق کا مفید ہونا ان کے اپنے محاورات اور معاملات میں معتبر ہے کہ لفظ بھی اور عرف بھی ان کا۔ مگر قرآن و حدیث و فقہ میں وارد الفاظ و نصوص ان کے نہیں نہ وہ متکلم کے مقصود سے آگاہ تو وہاں ان کا عرف بھی معتبر نہ ہوگا یعنی ان کے عرف کی وجہ سے نصوص شریعت کے معانی و مفاہیم میں کوئی رد و بدل نہ ہوگا یہ بات عین قرین عقل و قیاس ہے۔“ (سات بنیادی اصول ص: ۲۷۶، ۲۷۷)

خلاصہ کلام یہ کہ نصوص فقہاء و مصطلحات شرعیہ کے جو معانی ائمہ دین نے بیان کر دیئے وہی معتبر ہیں ان میں تبدیل

اب اگر کوئی بیع کی تعریف ”مبادلة المال بالمال“

کی بجائے ”مبادلة الشئ بالشئ“ کرے اور کہے کہ حقوق بھی شئی ہیں لاشئ نہیں تو ان کی بھی بیع جائز ہے یا کہے کہ مال کی تعریف میں ”ویمکن ادخاره عند الحاجة“ میں ادخاره اور مطالبہ عند الحاجة مراد ہے اور حقوق کا بھی مطالبہ ہوتا ہے لہذا ان کی بیع درست ہے چونکہ زمانہ قدیم میں صرف مادی چیزوں کو مال سمجھا جاتا تھا تو مادی کی قید لگائی اور غیر مادی اشیا کی بھی بیع و شراک رواج ہو چکا ہے لہذا بیع اور مال کی تعریف اب عرف حادث اور عصر جدید کے تقاضے کے پیش نظر ہوگی۔

(ب) عامل کی تعریف کرتے ہوئے فقہائے کرام نے

فرمایا: ”العامل ما نصبه الامام لتحصیل الصدقات“ یعنی عامل وہ ہے جسے بادشاہ اسلام نے تحصیل صدقات پر متعین فرمایا ہو۔ اب مدارس کے سفرا حضرات فرمانے لگیں کہ ماضی میں تحصیل صدقات پر امیر ہی کی جانب سے تقرر ہوتا تھا اسی لیے ”الامام“ کی قید لگی مگر آج تحصیل صدقات کے لیے ناظم و منیجر حضرات بھی لوگوں کو مقرر کرتے ہیں لہذا اب عامل اسے کہا جائے گا جسے ناظم ادارہ نے بھی تحصیل صدقات پر مقرر کیا ہو اور پھر اسی لحاظ سے وہ عامل کے حکم میں ہو کہ مال زکوٰۃ بے حیلہ شرعیہ اپنی ضروریات کے لیے خرچ کرنے لگے۔

اسی طرح دیگر نصوص و اصطلاحات کا حال بھی سمجھ لیں۔

اس لیے آج کسی بھی فقیہ و مفتی اور مجلس کو ان میں تبدیل و

تغیر کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کلمہ کا جو معنی شرع کی جانب سے معلوم ہو گیا اسی کا اعتبار کرنا لازم ہے۔ اعلیٰ حضرت امام

اور ترمیم و تنسیخ کا حق آج کسی کو نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) فقہائے کرام نے دربارہ ثبوت ہلال استفاضہ کو بھی طرق موجبہ میں ذکر فرمایا ہے اور استفاضہ کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی رقم طراز ہیں:

قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم ینخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن روية لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعها
۵۱۔ (رد المحتار ۳)

اسی میں آگے تحریر فرماتے ہیں:

قلت وهو کلام حسن و یشعب الیه قول الذخيرة اذا استفاض و تحقق فان التحقق لا یوجد بمجرد الشیوع۔ (حوالہ سابق)

سیدنا امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ کتاب الصوم میں متعدد مقامات پر استفاضہ کی تشریح فرمائی اور تحقق استفاضہ کی دو صورت ذکر کی اور دونوں صورتوں میں بصراحت بیان فرمایا کہ تحقق استفاضہ کے لیے متعدد جماعتوں کا آنا درکار ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

”استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ یا عید کی گئی الخ۔“

(فتاویٰ رضویہ ۴/۵۵۲)

آگے فرماتے ہیں:

اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعات کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے عام لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے الخ۔ (حوالہ سابق)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط ہے، استفاضہ کے معنی جو علما نے بیان فرمائے وہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہوئے متعدد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہیے۔ (حوالہ سابق ص: ۵۵۸)

اور فرماتے ہیں:

”بلکہ خود وہاں کی آئی ہوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو

بالاتفاق وہ خبر دیں الخ۔“ (حوالہ سابق ص: ۲۵۲)

فقہ اعظم ہند صدر الشریعہ علامہ الشاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ رقمطراز ہیں:

کسی شہر میں چاند ہوا اور تمام شہر میں یہ بات مشہور ہے اور وہاں سے متعدد جماعتیں دوسرے شہر میں آئیں اور سب نے اس کی خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند ہوا اور وہاں کے لوگوں نے رویت کی بنا پر فلاں دن سے روزے شروع کئے یوں یہاں والوں کے لیے بھی ثبوت عبارتیں ان کے نظرینے کے تاج محل کو منہدم کرتی نظر آرہی ہیں اور ہم پہلے ثابت کر آئے کہ

التعداد فونوں کو خبر مستفیض قرار دیتے ہیں شاید خبر مستفیض کی تعریف کے اس ضروری نکتے کو بھول جاتے ہیں کہ استفاضہ کے لیے مقام رویت سے متعدد جماعتوں کا آکر متفقہ بیان دینا ضروری ہے جب کہ ٹیلی فون کی صورت میں اجتماع صرف خبروں کا ہوتا ہے مخبرین تو سب اپنے اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں تو اس خبر میں شہادت بلکہ تواتر یا استفاضہ کی صورت کیسے پیدا ہوگی یہ ایک مجرد خبر ہے

(فتاویٰ بحر العلوم، ۲/۲۴۱)

ان عبارات سے ادنیٰ تا مل بلکہ بلا تا مل یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحقق استفاضہ کے لیے محض خبروں کا آنا ہرگز معتبر نہیں ہے اور اصطلاح فقہ میں جسے استفاضہ کہا جاتا ہے اس میں مخبرین کا گروہ درگروہ آکر خبر دینے کا اعتبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) کتب فقہ و فتاویٰ میں استفاضہ کو جا بجا تواتر اور متواتر سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ علامہ شامی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردین ۱۵۔ (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، ۲/۲۷۰)

اور تنبیہ الغافل والوسنان میں ہے:

مما كانت الاستفاضة لغة بمنزلة الخبر المتواتر۔ (۲۵۲/۱)

اثبات احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقویٰ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۵۵۳)

نصوص فقہاء کے جو معانی و مفاہیم متعین و مصرح اور مشرح ہو گئے ان میں آج کسی کو تبدیل کا یا تعمیم و تقیید کا کوئی حق نہیں ہے ورنہ دین کا خدا حافظ۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ماضی میں خبریں پہنچانے کے لیے علاوہ اس کے کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ آدمی جا کر خبر دے اس لیے فقہائے کرام نے مخبرین کے آنے کا ذکر کیا اور آج خبر رسانی کے لیے ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں کہ بغیر آئے بھی خبر دی جاسکتی ہے تو آج بھی مخبرین کے آکر خبر دینے کی قید لگانا بے معنی بات ہے۔

مگر میرے نزدیک ان کی اس بات کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے کیوں کہ جدید ذرائع ابلاغ بالخصوص ٹیلی فون سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے دور میں ایجاد ہو چکا تھا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر رسانی بغیر مخبر کے گئے ہوئے اس وقت بھی ہوتی تھی اور پھر بعد کے ادوار میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے لے کے حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ تک ٹیلی فون اور موبائل گھر گھر پہنچ چکے تھے مگر ان حضرات میں سے کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ ان جدید ذرائع سے استفاضہ کو متحقق مانیں بلکہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے خاص ٹیلی فون سے استفاضہ ہی کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

ان خبروں کو نہ شہادت شمار کیا جاسکتا ہے نہ ان کو استفاضہ میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ، ۱/۳۹۴)

اور حضرت مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر میں آئے ہوئے کثیر

اسی میں ہے:

شریعت مطہرہ نے دربارہ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنا فرمایا۔ (حوالہ سابق ص: ۵۲۳)

نہ آئے گا اور یہ ظاہر ہے کہ ٹیلی فون و موبائل سے موصول خبر پر کسی طور سے وہ معنی صادق نہیں آرہا ہے لہذا ان ذرائع سے استفاضہ متحقق نہیں ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چلتی ٹرین پر نماز کا حکم

کتب متون و شروح اور فتاویٰ میں مصرح ہے کہ نماز فرض واجب اور ملحق بہ میں استقرار علی الارض شرط صحت نماز ہے چنانچہ ملک العلماء علامہ مسعود کاسانی قدس سرہ رقمطراز ہیں:

ملک العلماء علامہ ظفر الدین قدس سرہ نے علامہ شامی علیہ الرحمہ کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:

یستفیض الخبر یعنی متواتر خبر آئے۔ (فتاویٰ ملک

العلماء ص: ۱۶۵)

”الحاصل ان اتحاد الملکان شرط فی صلوة غیر النافلة عند الامکان لا یسقط الا بعدز فلو امکنہ الا یقان فلا کلام فی لزومه لما ذکرہ الشارح من العلة۔“ (۵۱۷/۱)

فتاویٰ اجملیہ میں ہے:

اور خبر استفاضہ متعدد جماعتوں کی وہ متواتر خبریں جن

کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کو عقل جائز نہ رکھے۔ (۲/۶۶۴)

اسی میں ہے:

یہ دونوں خبریں استفاضہ کہلاتی ہیں جو خبر متواتر کے حکم

میں ہے۔ (حوالہ سابق، ص: ۶۷۷)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: تحقیق یہ کہ استقرار بالکلیہ ولو بالوسائط زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے متصل با اتصال قرار ہو ان نمازوں میں شرط صحت ہے مگر تعذراہ۔ (فتاویٰ رضویہ ۳/۴۴)

ان عبارات سے واضح ہے کہ استفاضہ فقہیہ خبر متواتر

کے ہم معنی ہے تو جو حیثیت خبر متواتر کی ہے وہی استفاضہ کی

ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اگر یہ شرط کسی عذر سے فوت ہو رہی ہو تو دیکھا جائے

کہ جس عذر سے یہ فوت ہو رہی ہے وہ عذر اختیاری ہے یا غیر

اختیاری۔ اگر غیر اختیاری ہو تو نماز اسی حالت میں پڑھ لے

اور بعد میں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کسی عذر اختیاری کی

بنا پر وہ شرط فوت ہو رہی ہو تو بعد زوال عذر اعادہ کرے۔ امام

اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ اور جملہ معتدین اہل سنت نے چلتی ریل پر نماز کی

عدم صورت کا حکم اسی بنا پر دیا کہ صحت صلوة کی ایک اہم شرط

یعنی استقرار علی الارض نہیں پائی جا رہی ہے اور اعادہ کا حکم اس

(۶) ٹیلی فون سے ملنے والی خبر متصل ہے یا منقطع یہ

مسئلہ مزید غور و خوص کا طالب ہے حضور سیدی تاج الشریعہ

دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے ایک خطبہ صدارت میں اسے

خبر منقطع قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اب تک کی گفتگو سے مانند آفتاب روشن ہو چکا کہ

استفاضہ ایک خالص شرعی و فقہی اصطلاح ہے لہذا جب تک

اس مفہوم مصطلح کا صحیح مصداق متحقق نہ ہوگا استفاضہ قطعاً صادق

سماویۃ، اذلم یکن للعبد فیہا اختیار و اکتساب
(توضیح تلویح ص: ۶۴۷) والعوارض المكتبة ای
الی یكون تکسب العباد مدخل فیہا (۶۴۷)

(۴) منع من جهة العباد اور منع من جهة الله کا مفہوم
واضح ہو جانے کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے
کہ ٹرین کا نماز کے لیے نہ رکنا من جهة الله نہیں بلکہ عذر من
جهة العباد ہے۔

کیوں کہ ٹرین نہ رکنے میں سب سے اہم عذر گورنمنٹی
قانون ہے اور گورنمنٹی قانون حکومت کے ارباب حل و عقد نے
اپنے اختیار و ارادہ سے وضع کیا اپنے اختیار سے نافذ کیا اور بعد
نفاذ اس کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار بھی ان ارباب بست و کشاد کو
حاصل ہے۔ الحاصل قانون بحال وضع و نفاذ اور بحال بقاسب
ذمہ داران حکومت اور قانون ساز بورڈ کے ارکان کے کسب و
اختیار سے ہے اور جس امر غیر اختیاری کے مبادی باختیار پیدا
کئے جب وہاں غیر اختیاری کے احکام نہیں نافذ ہوتے ہیں تو
یہاں تو سب اختیاری ہے لہذا یہاں بدرجہ اولیٰ امر اختیاری
کے احکام ہی نافذ ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری
قدس سرہ رقم طراز ہیں:

”جس غیر اختیاری کے مبادی باختیار پیدا کئے اس
میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوال عقل
اختیاری نہیں مگر جب کہ اختیار سے ہی تو زوال عقل
اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے
ہوا۔“ (المحجة المومنة ص: ۶۰)

لہذا ٹرین کا نماز کے لیے نہ رکنے کا عذر سماوی نہیں بلکہ

شرط کے فقدان میں بندے کا ذلیل ہونے کی بنا پر ہے یعنی یہ
عذر بھی من جهة العبد ہو جو اعادہ صلوة کا موجب بنا۔ اعلیٰ
حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

فرض و واجب جیسے وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی
ریل پر نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے
پڑھ لے بعد استقرار اعادہ کرے۔

(فتاویٰ رضویہ، ۳/۴۴)

اسی میں آگے رقم طراز ہیں:

ریل اگر روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور
مثل تخت ہو جائے گی انگریزوں کے کھانے وغیرہ
کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من
جهة العباد ہوا۔ اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی
ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے۔
(حوالہ سابق) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے بعد اس کے اعادہ کا
حکم منع من جهة العباد کی بنیاد پر ہے جیسا کہ ماسبق میں
گزارا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جس عذر میں بندے کے کسب و اختیار کا کچھ دخل

نہ ہو اسے منع من جهة الله کہا جاتا ہے اور جس میں
بندے کے کسب و اختیار کا کچھ دخل ہو اسے منع من جهة
العباد کہا جاتا ہے اصول فقہ کی متعدد کتب میں ان دونوں
کلموں کی تشریح مختلف الفاظ و عبارات سے کی گئی ہے مگر ان
سب کا مال و انجام وہی ہے جو اوپر درج ہے۔ تلوتح میں ہے:

ثم العوارض (المعترضة علی الاہلیة) نوعان

ثابت ہو گیا کہ منع من جہۃ العباد کے لیے خاص اسی معاملہ میں ممانعت ضروری نہیں بلکہ عام ممانعت کے ضمن میں پائی جانے والی ممانعت بھی کافی ہے۔

(۶) فقہائے کرام کے نزدیک استقرار علی الارض صحت نماز کے لیے شرط اجماعی ہے اور جو حکم کسی امر اجماعی پر متفرع ہو وہ بھی اجماعی ہوتا ہے چنانچہ ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں استحباب میلاد و قیام وغیرہ معمولات اہل سنت اجماعی ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ معمولات ایک اصل اجماعی یعنی ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء اور تعظیم نبی علیہ السلام پر متفرع ہیں تو یہ بھی اجماعی ہوئے۔ اسی طرح چلتی ٹرین پر نماز کا حکم ایک اصل اجماعی یعنی شرط صحت صلوٰۃ استقرار علی الارض پر متفرع ہے لہذا اسے بھی حکم اجماعی کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ اب تک پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا عمل اور عرف چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کے بعد اعادہ پر ہے اور اس پر علمائے اہل سنت کا اتفاق چلا آ رہا ہے۔ جہاں تک علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ کے موقف کا معاملہ ہے اسے بعض حضرات نے غلط ڈھنگ سے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ عدم جواز کے قائل ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فلا شبه عدم جواز الصلوٰۃ فیہ عند سیرہ ۱۵۔
(غنیۃ المصلیٰ ص: ۲۵۴)

اب تنہا بچے حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلی صاحب ان کے فتاویٰ کا حال معلوم کرنے کے لیے ملک العلماء حضرت ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی حیات اعلیٰ حضرت جلد اول اور

عذر مکتسب اور منع من جہۃ العباد ہوا۔ اس مسئلہ کا صریح جزئیہ ملاحظہ ہو۔ حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

ومنشأ كل ذالك انه ليس بایدی الراكبین السائرین لا فی السیر ولا فی الیقاف بل له مواقف متعینة وكذا ساعات وقوفه فلا یقف بارادة احدھم اثناء السیر ولا زیادة علی تلك الساعات فی مواقفها لكن هذا كله عذر من جہۃ العباد لا عذر السماوی۔
(منیۃ المصلیٰ ص: ۲۵۴)

(۵) منع من جہۃ العباد کے تحقق کے لیے خاص اس معاملہ میں ممانعت ہرگز درکار نہیں ہے بلکہ اگر ممانعت عام من جہۃ العباد ہے تو اسی کے ضمن میں پائی جانے والی ممانعت بھی کافی ہوگی۔ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں چلتی ٹرین پر اعادہ صلوٰۃ کا حکم برہنائے منع من جہۃ العباد دیا جب کہ اس وقت بھی خاص کر نماز سے ممانعت کا کوئی قانون نہیں تھا علاوہ ازیں فتاویٰ رضویہ میں درج اس مسئلہ سے بھی حقیقت خود بخود جا گر ہو جاتی ہے۔ اس میں ہے:

ریل میں ہے اور اس درجہ میں پانی نہیں اور دروازہ بند ہے تیمم کرے لانہ کالمحبوس فی معنی العجز۔ مگر جب پانی پائے طہارت کر کے نماز پھیرے لان امانع من جہۃ العباد۔ (فتاویٰ رضویہ ۱/ ۶۱۴)

اس مسئلہ میں غور کریں دروازہ بند ہے ظاہر ہے کہ دروازہ صرف نمازی کے لیے نہیں بند ہے بلکہ سارے مسافرین پر ہے اور اسے منع من جہۃ العباد فرمایا تو قطعاً

فعل بندے کے کسب و اختیار سے ہے اور دونوں کے لیے روکنا یہ بھی بندے کے کسب و اختیار سے ہے اور دونوں میں سے کسی کے لیے نہ روکنا یہ بھی بندے کے کسب و اختیار سے ہے تو مذکورہ صورتوں میں سے جس صورت میں نہ روکنا پایا جائے وہ دخل بندہ کے سبب منع من جهة العباد ہی ہوگا البتہ اس روکنے اور نہ روکنے میں اگر کسی طور سے بندے کا دخل نہ ہو مثلاً خدا نخواستہ ٹرین کسی تکلیفی خرابی سے خود بخود رک جائے یا روکنے کے باوجود بریک یا کسی خرابی سے نہ رکے بلکہ چلتی رہے تو اس روکنے یا نہ روکنے کو بہ سبب عذر ساوی کہا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی عبارت کا صریح مفاد اور مفہوم متبادر ہے ”انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا یہ سب محکمہ ریلوے کے اختیار سے ہے تو نماز کے لیے نہ روکنا منع من جهة العباد ہوا۔“ اور حقیقی مفہوم مخالف ہے ”ریل کا انگریزوں کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا بندوں کے کسب و اختیار کے دخل سے نہ ہو تو منع من جهة العباد نہ ہوا۔“

اس سے واضح ہوا کہ قائلین جواز نے فتاویٰ رضویہ کی عبارت کا جو مفہوم مخالف نکالا ہے وہ اس کا مفہوم مخالف ہی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) کلام فقہاء میں مفہوم مخالف کے معتبر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ رقم طراز ہیں:

مفاهیم الخلاف معتبرة فی عبارات العلما بالوافق۔ (فتاویٰ رضویہ ۵/۳۷۳) مگر جب مفہوم مخالف

فتاویٰ رضویہ کے مختلف مقامات کو دیکھ لیا جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جملہ علما اہل سنت و عوام و خواص سب چلتی ٹرین پر نماز کے عدم جواز اور پڑھنے کے بعد اعادہ صلوٰۃ کے قائل ہیں تو تنہا ایک عالم کا قول مرجوح اور مبنی برخطا ہے اور بقول علما مرجوح پر فتویٰ جہل اور خرق اجماع ہے۔

لہذا خرق اجماع بمعنی مصطلح معروف لیا جائے تو بھی درست ہے اور بمعنی خلاف اتفاق علمائے اہل سنت لیا جائے جب بھی درست ہے۔ اور چلتی ٹرین پر صحت صلوٰۃ کا حکم دینا ضروراً فتا بقول مرجوح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) فتاویٰ رضویہ کی مستقل عبارت یہ ہے: ”انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہوا۔“

(فتاویٰ رضویہ ۳/۴۴)

اگر اس عبارت کا اختراعی مفہوم مخالف نکلے گا بھی تو ایک ہی نہیں بلکہ تین مفہوم ہو سکتا ہے۔

۱۔ انگریزوں کے کھانے کے لیے نہیں روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے روکی جاتی ہے۔

۲۔ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے روکی جاتی ہے۔

۳۔ کسی کے لیے نہیں روکی جاتی ہے۔

اور تینوں میں سے کسی ایک مفہوم پر منع من جهة العباد کا مدار نہیں ہے بلکہ منع من جهة العباد کا مدار اس پر ہے کہ ٹرین کا روکنا یا نہ روکنا سب بندے کے کسب و اختیار سے ہے۔ تو ان تینوں مفاہیم میں یہ دخل کسب و اختیار موجود ہے یعنی انگریزوں کے لیے نہ روکنا اور نماز کے لیے روکنا یہ دونوں

اس سے اترنے کی ضرورت نہیں۔ جب کہ سواری ہی نہیں بلکہ اگر پورا قافلہ رک جائے پھر بھی سواری مثل تخت نہیں ہوگی۔ نماز کے لیے اس سے اترنا ہی ہوگا۔

(۲) قافلہ کسی آدمی کو شرط صحت صلاۃ یعنی استقرار علی الارض کے حصول سے نہ مانع ہے نہ محصل ہے اگر قافلہ چلتا رہے نمازی اتر پڑے تو استقرار حاصل اور قافلہ ٹھہر جائے اور نمازی نہ ٹھہرے یا ٹھہرے مگر سواری سے نہ اترے تو استقرار لاحق ہے۔

جب کہ اگر ٹرین رک جائے تو نمازی کے لیے استقرار حاصل ہوگا اور نہ رکے تو استقرار حاصل نہیں ہوگا تو محکمہ ریلوے کا قانون ضرور مانع استقرار مصلیٰ ہے۔

اس لیے مسئلہ ریل کو ذہاب قافلہ کے مسئلہ سے الحاق درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲) جانور کی سواری کی صورت میں استقرار علی الارض کی شرط حاصل ہو جانے کے لیے اگر نمازی اترنا چاہے تو قافلہ مانع نہیں آتا وہ شخص اپنی سواری روک کر خود اتر سکتا ہے لہذا یہاں منع من جہۃ العباد نہ ہوا۔ پھر جب وہ اترنے کا تصور کرے گا تو تنہا ہو جانے کی صورت میں جان و مال جانے کا خوف لاحق ہوگا یہ خوف من جانب اللہ پیدا ہوا اس لیے منع من جہۃ العباد نہیں بلکہ منع من جہۃ اللہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد اختر حسین قادری

خادم افتادہ درس دارالعلوم علمیہ جمہد شاہی بستی

۱۱ جمادی الاخرہ ۱۴۳۵ھ

○○○○

خلاف واقع ہو یا صریح ثابت کے معارض ہو یا فقہائے معتمدین کے جزم کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ درج ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:
واعمل بمفہوم روایات انی مالہم ینخالف لصریح ثبتا۔

ردالمحتار میں ہے: لا یصح اقتداء رجل بصبی۔ (رد المحتار ۱/۲۲۷)

اس کے تحت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ رقم طراز ہیں:

هذا یقتضی بمفہومہ جواز اقتداء المرأة البالغة لصبی وهو غیر الواقع قطعاً۔ (جد الممتار ۱/۲۷۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹) ماسبق میں اس عبارت کا مفہوم متبادر بلکہ صریح مفاد ذکر ہوا اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم اختراع کر کے اس پر کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں اور اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۰) یہ بالکل کھلی حقیقت ہے کہ کل نظام الاوقات بنانے میں پرائیویٹ کمپنیاں جس طرح خود مختار تھیں اسی طرح آج جمہوری حکومت میں محکمہ ریلوے بھی اس نظام کو بنانے، نافذ کرنے بلکہ ترمیم و تنسیخ کرنے میں خود مختار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۱) ریل اور قافلہ کا مسئلہ ایک دوسرے سے جدا ہے اور دونوں میں کئی طرح فرق ہے۔

(۱) ریل اگر رک جائے تو مثل تخت ہوگی نماز کے لیے

کنز الایمان: اردو ترجمہ قرآن کا منفرد عنوان

جامعہ تھے یقیناً اس دور اور بعد کے ادوار کے لیے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

وہ منصب الوہیت و مقام نبوت کی شان کے منافی کوئی لفظ تحریر نہیں فرماتے یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے غیر جانب دار، وسیع النظر، اہل علم و ادب نے کنز الایمان کو دیگر تراجم قرآن پر نہ صرف یہ کہ فوقیت دی۔

بلکہ اسے عشق و ادب کے اعتبار سے بھی نہایت محتاط ترجمہ قرآن کی سند عطا فرمائی ہے۔ تقدیس الوہیت اور ناموس رسالت کی چونکداری تو اعلیٰ حضرت کا طرہ امتیاز رہا ہے ایسے تمام الفاظ کے انتخاب سے گریز فرمایا جو مقام الوہیت اور منصب نبوت کے شایان نہیں۔

آپ کے قلم گوہر رقم سے تحریر ہونے والے ترجمہ قرآن بنام ”کنز الایمان“ کو دیگر اردو تراجم قرآن کی دنیا میں ایک انفرادی شناخت و پہچان حاصل تھی، ہے اور رہے گی۔۔۔ یہ ترجمہ قرآن سادہ سلیس، بامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی مفسرین متقدمین کی تفسیرات و توضیحات کے عین مطابق ہے، اس تعلق سے مشہور اسلامی اسکالر حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں:

کنز الایمان اردو زبان میں ایک ایسا ترجمہ قرآن پاک ہے جس میں لفظ و معنی کی حرمت کی مکمل پاسداری کا مزاج و منہاج نظر آتا ہے۔ ایسا سلیس، سادہ، عام فہم اور بامحاورہ ترجمہ قرآن اردو زبان میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ پھر یہ کہ اس ترجمہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے مقام عظمت و شان رفعت کی بھرپور پاسبانی نظر آتی ہے تو وہیں مقام نبوت و ناموس رسالت کے تحفظ کا حق بھی ادا ہوتا نظر آتا ہے۔

اس کے قبول عام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک دنیا کی مختلف زبان میں اس کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ اہل علم و تحقیق اس کی اہمیت و وقعت اور انفرادی خصوصیات کے حوالے سے سیکڑوں تحقیقی و تاثراتی مقالات تحریر فرما چکے ہیں، کئی جامعات میں اسکالرس حضرات نے اسے موضوع تحقیق بنا کر اس پر طویل تحقیق، تبصرہ و جائزہ پیش فرمایا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے جن اساسی علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو گہری مہارت حاصل تھی وہ اسلامی علوم و معارف کا ایک چلتا پھرتا

روح قرآن اور عربیت سے بہت قریب ہے۔۔۔ ان کے ترجمے کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عظمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔ شہرت یافتہ ادیب و قلم کار حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ ”کنز الایمان“ پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”قرآن کریم کا جو ترجمہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے حق یہ ہے کہ اس پائے کا سلیس، بامحاورہ اور ذمہ دار ترجمہ آج تک اردو زبان کی تاریخ میں نہیں ملتا۔۔۔ رائج الوقت اردو کے ایک ایک ترجمے کو دیکھ لیا جائے زبان و محاورے کی بھرپور رعایت کے ساتھ سوزِ محبت اور گدازِ عشق میں ڈوبا ہوا اس درجہ محتاط ترجمہ نظر نہ آئے گا“ (قلمی بیاض سے)

اگر ایک طرف عقیدت مندوں، نیاز مندوں نے ”کنز الایمان“ کی انفرادیت، اہمیت اور خصوصیات پر کھل کر اپنے تاثرات و تبصرے تحریر فرمائے تو وہیں اغیار و مخالفین کی جماعت سے بھی اہل علم و تحقیق کے تبصرے معرض وجود میں آئے۔۔۔ اس سلسلے میں امیر جماعت اہل حدیث ’استاذ سعید بن یوسف زئی‘ نے اس کی انفرادی خصوصیت کے حوالے سے اپنا تبصرہ محفوظ فرمایا اور دیگر ترجمہ قرآن پاک کو اس کے مقابل غیر محتاط قرار دیا۔۔۔ آپ بھی دیدہٴ عبرت سے یہ تبصرہ ملاحظہ کریں:

”یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار

”انہوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا قرآن فہمی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انہیں گہرا عبور تھا۔۔۔ شان نزول، نسخ و منسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیر صحابہ اور استنباط احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔۔۔ یہی سبب ہے کہ اگر قرآن حکیم کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ ”کنز الایمان“ سب سے بہتر ترجمہ ہے جس میں شان الوہیت کا احترام بھی ملحوظ اور عظمت نبوت و رسالت کا تقدس بھی پیش نظر ہے“

ملک شیر محمد اعوان نے اس کی انفرادی خصوصیت و اہمیت پر بایں انداز اپنا تبصرہ محفوظ فرمایا:

”مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورے کا حسن امتزاج آپ کے ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہے پھر انہوں نے ترجمے کے سلسلے میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے تعدد معنی میں ایسے معنی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہو۔۔۔ ناموس توحید و رسالت کی پاسداری میں یہ ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔۔۔ اس ترجمے سے قرآنی حقائق کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔۔۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں دواں ہونے کے ساتھ ساتھ

نہیں ہیں۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ جادو وہ، جو سر چڑھ کر بولے!
حقیقتوں کا یہ برملا اعتراف امام احمد رضا کی عقیدت
مندریوں، نیاز مند یوں کے پس منظر میں نہیں ہے۔۔۔۔۔ بلکہ
ان کے بیکراں علم و فضل کا یہ حقیقت پسندانہ اقرار و اعتراف
ہے۔۔۔۔۔

تفسیر قرآن پاک کے حوالے سے علمائے علم تفسیر نے
چار اصول کی نشاندہی فرمائی ہے۔

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن (۲) تفسیر القرآن
بالحدیث (۳) تفسیر القرآن بآثار الصحابة والتابعین (۴) تفسیر
القرآن باللغة العربیة والقواعد الاسلامیة۔

کنز الایمان کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والے ارباب علم و
تحقیق پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت کا
یہ ترجمہ قرآن پاک علمائے مفسرین کے بیان کردہ اصول و
ضوابط کے عین مطابق ہے۔۔۔۔۔ اعلیٰ حضرت نے ترجمہ قر
آن کا یہ عظیم اور روشن تاریخی کارنامہ جس انداز میں انجام دیا
وہ یقیناً ان کی خداداد علمی لیاقتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہیں
اسلامی علوم و فنون پر گہری دسترس تھی کچھ علوم و فنون تو
انہوں نے باقاعدہ اساتذہ ذی وقار کی بارگاہ میں حاضری
دے کر حاصل کیے لیکن کچھ علوم و فنون ایسے بھی ہیں جن میں
ان کا کوئی استاذ نہیں۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنی خداداد فکری
صلاحیتوں سے اساتذہ کی رہنمائی کے بغیر وہ فنون حاصل کیے
۔ ان کے افکار و خیالات پر گہری نظر رکھنے والے اصحاب علم و
تحقیق پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ وہ علم لدنی کے مالک تھے۔

اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا کی حیات گونا گوں علمی

اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے جب کہ ذات
باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا
ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت و تقدیس
و عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جب کہ
دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتبہ فکر
کے علما کے ہوں اس میں یہ بات نظر نہیں آتی۔۔۔۔۔

اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا شفیع روز جزا
سید الاولین و آخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے جن
میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا
خان نے اوروں کی طرح صرف لفظی و معنوی ترجمے سے کام
نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب ماینطق عن الہوی و
رفعنا لک ذکرک کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر
رکھا ہے۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم
میں بالکل ہی ناپید ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ
انہوں نے اپنے ترجمے میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر
علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی“

مشہور ادیب، دانشور اور صحافی مولانا کوثر نیازی کنز
الایمان کا خطبہ کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

”امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا
ہے۔۔۔۔۔ کنز الایمان روح پرور ترجمہ عشق رسول کا
خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے“

جماعت مخالفین کے یہ وہ افراد ہیں جن سے امام احمد رضا
علیہ الرحمۃ والرضوان کا شدید مسلکی و نظریاتی اختلاف ہے ان
کے دلوں میں اس عبقری کی عقیدتوں کے چراغ روشن

کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فر فر فر پڑھتا جاتا ہے۔۔۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ قرآن مقدس کا یہ ترجمہ فی البدیہہ برجستہ اور کتب تفاسیر ولغت کی مدد لیے بغیر ہوتا رہا لیکن ترجمہ نگاری کے بعد کوئی مقام اہل علم کو ایسا نہیں ملا جہاں کتب تفاسیر ولغت کے خلاف ترجمہ نظر آیا ہو۔۔۔ اس سلسلے میں اہل علم کی آراء تحریر کرتے ہوئے مفتی بدرالدین احمد رضوی رقم طراز ہیں:

”جب صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے“

تفاسیر متقدمین اور کتب لغت کے عین مطابق اس قدر سلیس و بجا اور ترجمہ قرآن مقدس ایک اندازے کے مطابق چار پانچ سال کی مختصر سی مدت میں ہی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔۔۔ بالائے حیرت تو یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد تھوڑا سا وقت اس اہم کام کے لیے مخصوص تھا۔

سیدی اعلیٰ حضرت کے دوسرے اہم علمی کاموں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس تاریخی اور اہم کارنامے پر توجہ کی جائے تو یہ خود آپ کی عبقریت کا ایک روشن شہادت نامہ ہے۔۔۔۔۔ اہل علم و فکر پر یقیناً یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ ترجمہ نگاری کا کام کس قدر اہم اور مشکل ہے پھر معاملہ جب فرمان الہی اور قرآن مقدس کی ترجمہ نگاری کا ہو تو مشکلات اور بھی سخت ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ احتیاط کا تقاضہ مزید شدت اختیار کر جا

مشاغل میں اس قدر مصروف تھی کہ انہیں بعض دیگر اہم گوشوں کی جانب متوجہ ہونے کا موقع میسر نہ آتا۔ ظاہر ہے کہ ترجمہ قرآن مقدس کا عظیم کارنامہ کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں بلکہ اس کے لیے باقاعدہ اہتمام و انتظام درکار ہے۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی امجد علی قادری رضوی تلمیذ و خلیفہ امام احمد رضا نے کسی موقع سے اردو ترجمہ قرآن کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے درخواست گزاری۔۔۔۔ ”سوانح اعلیٰ حضرت“ کے قلم کار حضرت مفتی بدرالدین احمد قادری کے قلم سے یہ عشق افروز ترجمہ قرآن تحریر کیے جانے کی تمہید ملاحظہ کیجئے اور اس عبقری کی خداداد صلاحیتوں و لیاقتوں کا خطبہ پڑھیے:

”جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمے کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ سونے کے وقت یا دن میں قیلو لے کے وقت آجایا کریں۔۔۔۔۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دو ات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا“

ترجمے کا طریقہ کار یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر قرآنی آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور حضرت صدر الشریعہ لکھتے رہتے لیکن یہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفاسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا ترجمہ فی البدیہہ برجستہ زبانی طور پر بولتے جاتے جیسے کوئی یادداشت

قابل صد افسوس ہے بلکہ مقام حیرت بھی ہے۔

ایک سلیم الطبع اور زندہ ضمیر مومن اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان میں داؤں چلنے والا، چال چلنے والا جملہ استعمال نہیں کر سکتا۔ نعوذ باللہ من ذلك۔ اب ذرا اسی تناظر میں اس آیت قرآنی کے ترجمے میں اعلیٰ حضرت کا ایمانی تیور ملاحظہ فرمائیے:

ان کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے (کنز الایمان)

(۲) اللہ یستہزیئ بہم (البقرہ: ۱۵)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے عام مترجمین نے لفظ ”استہزیء“ کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے اللہ جل شانہ کے مقام عظمت کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اسے دیدہ عبرت ہو تو پڑھئے:

اللہ ان منافقوں سے ٹھٹھا کرتا ہے (سر سید احمد خاں)
اللہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے (مرزا حیرت دہلوی)
اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)
اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے (مولانا وحید الزماں)
ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے (فتح محمد جالندھری)
اللہ ان سے مذاق کرتا ہے (محمد جانا گڑھی)

اس آیت کے تحت بھی ترجمہ نگاروں نے اسی ذہنی خباثت کا اظہار کیا ہے جو ایک مرد مومن کے قلب و جگر کے لیے ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ غور فرمائیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان زیبا میں کس طرح کے سطحی و سفلی الفاظ کا استعمال روار کھا

تا ہے اور وہ بھی کتب تفسیر ولغت کی بظاہر مدد لیے بغیر۔ بعد میں کتب تفسیر ولغت متقدمین سے مطابقت کی جاتی تو اسے ان کے خلاف نہ پایا جاتا۔۔۔۔۔

قرآن مقدس کی چند آیات کے تراجم (جو مختلف ترجمہ نگاروں کے قلم سے ہوئے ہیں) کے تقابلی مطالعہ سے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کی اہمیت، واقعیت، انفرادیت اور خصوصیت پہ مہر لگ جاتی ہے۔۔۔۔۔ ناظرین پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اس ترجمہ قرآن پاک کو لاریب دوسرے اردو تراجم پر فوقیت و انفرادیت حاصل ہے۔

ثبوت کے لیے چند آیات کا تقابلی جائزہ ملاحظہ ہو۔

(۱) و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین
قرآن پاک کی اس آیت کا اردو ترجمہ تحریر کرتے ہوئے عام ترجمہ نگاروں نے جو ترجمہ تحریر کیا ہے وہ انصاف پسند قارئین کے روبرو ہے:

مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا مکر سب سے بڑھ کر ہے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)
اور وہ اپنا داؤں کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤں کر رہا تھا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں میں بہتر داؤں کرنے والا ہے (مولانا وحید الزماں)

تو ادھر وہ چال چل رہے تھے اور ادھر خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے (فتح محمد خاں جالندھری)

ان تمام مترجمین نے شان الوہیت کے منافی الفاظ کے استعمال میں جس جسارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ

(مولانا وحید الزماں)

۔۔۔ پھر تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا (مولانا مودودی)

اردو ترجمہ نگاروں کے ان تراجم کا بغور مطالعہ فرمائیں تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ وہ تمام مترجمین جو توحید کے ٹھکیدار بنے پھرتے ہیں لفظ ”استوا“ کا ترجمہ تحریر کرنے میں ٹھوکر کھانے سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکے مقام الوہیت و ربوبیت کے منافی شان ترجمہ کر کے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے پاک ہے اس اسلامی عقیدے کے تناظر میں یہ ترجمہ قطعی شان الوہیت کے منافی ہے۔

اب ذرا محتاط ترین ترجمہ نگار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کنز الایمان میں اس آیت قرآنی کے ترجمے میں مقام الوہیت و شان ربوبیت کی پاسداری کے جلوے ملاحظہ فرمائیں:

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھدن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (کنز الایمان)

(۴) وما کنت تدری ما الکتب والایمان

(سورہ شوریٰ پ ۲۵ آیت: ۵۳)

اس آیت کے تحت مختلف ترجمہ نگاروں نے جو ترجمہ تحریر کیا ہے وہ غیر جانب دار قارئین کے پیش نظر ہے: اے نبی! تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا

ہے۔۔۔ ٹھٹھا کرنا، ہنسی اڑانا، مذاق اڑانا، دل لگی کرنا۔۔۔ استغفر اللہ

مگر اعلیٰ حضرت کی ترجمہ نگاری کا یہ حسین منظر ملاحظہ کیجئے:

اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے (۳) ان ربکم اللہ الذی خلق السہوت والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش (اعراف: ۵۴)

اس آیت کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے عام اردو مترجمین نے ان ربکم اللہ الذی خلق السہوت والارض فی ستة ایام کا ترجمہ تو قریب قریب لفظوں کے تھوڑے تغیر و تبدل کے ساتھ یکساں تحریر کیا ہے لیکن ثم استوی علی العرش کا ترجمہ کرتے ہوئے مقام الوہیت کی شان کے خلاف جس طرح کے الفاظ کا استعمال روا رکھا ہے وہ انصاف پسند قارئین کو یقیناً و رطہ حیرت میں ڈال دے گا:

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھدن میں بنائے پھر قرار پکڑا عرش پر

(مولانا محمود الحسن دیوبندی)

۔۔۔۔ پھر عرش پر قائم ہوا (اشرف علی تھانوی)

۔۔۔۔ پھر عرش پر جا ٹھہرا (فتح محمد خاں جالندھری)

۔۔۔ پھر قائم ہو گیا عرش پر

(مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

،،،، پھر آسمان و زمین بنانے کے بعد تخت پر چلا

چیز ہے (مولانا اشرف علی تھانوی)

دیتے ہوئے ترجمہ نگاری کے مرحلے سے گزر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

تم نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو (فتح محمد خاں

اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے اور نہ احکام شرع

جالندھری)

کی تفصیل (کنز الایمان)

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا

چیز ہے (مولانا عبدالماجد ریا آبادی)

(۵) انا فتحنالک فتحاً مبیناً لیغفر لک اللہ

اس سے پہلے تجھ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے

ما تقدم من ذنبک وما تاخر

اور نہ ایمان معلوم تھا (مولانا وحید الزماں)

(سورہ فتح پ ۲۶ آیت: ۱)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ اردو زبان میں مختلف ترجمہ

آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور

نگاروں نے جو تحریر کیا ہے قارئین حضرات غیر جانب دار ہو کر

ایمان کیا چیز ہے (محمد جونا گڑھی)

اسے ملاحظہ فرمائیں:

تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا

ہوتا ہے (مولانا مودودی)

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے شرعی فیصلہ تاکہ

آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے

معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ

(عبدالکریم پارکھی)

اور پیچھے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ

آپ نہ تو یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ

آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں (مولانا

جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے (فہیم الدین صدیقی)

اشرف علی تھانوی)

دیکھا آپ نے! اس آیت قرآنی کا ترجمہ تحریر کرتے

بے شک ہم نے تم کو فتح دی شرعی و صاف تاکہ

ہوئے کس قدر دریدہ دہنی کے ساتھ رہبر امت نبی کائنات

خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے (فتح محمد خاں

صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان سے بے خبر اور ناواقف بتایا جا رہا ہے۔ مومن

جالندھری)

ہونا تو دور کی بات ہے اے نبی! تمہیں ایمان کی خبر تک نہ تھی

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی

کہ ایمان کیا ہے یہ بھی تمہیں علم نہ تھا۔

سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے (مولانا عبدالماجد

اس کے برخلاف امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت کا محتاط قلم

دریا آبادی)

اس سنگلاخ وادی سے کس پاکیزگی کے ساتھ گزرتا ہے کہ ان کا

اے پیغمبر! یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہے؟ ہم نے تجھ کو کھلم کھلا

رہو اور فکر بغیر ٹھوکر کھائے منزل ایمان کی پابوسی کرتا نظر آ رہا ہے

فتح دی تاکہ تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ

۔ وہ کس پاکیزگی کے ساتھ قلم کو آداب بارگاہ نبوی کا درس

بخش دے (مولانا وحید الزماں)

فرما کر ان دریدہ دہنوں اور گستاخوں سے کہئے۔ ع

دیکھو! اس طرح سے کرتے ہیں سخن و باتیں

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی۔ تاکہ

اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے انگلوں کے اور

تمہارے پچھلوں کے (کنز الایمان)

(۶) ووجدك ضالاً فهدی (سورہ ضحیٰ پ ۳۰

آیت: ۴)

اس آیت کا ترجمہ تحریر کرتے ہوئے بھی مترجمین

لفظ ”ضال“ کی ترجمہ نگاری کرتے ہوئے منصب نبوت کے

پاسدار نظر نہیں آتے اور یہ ان حضرات کے ہاتھوں میں بازیچہ

اطفال نظر آتا ہے۔ غیر جانب دار قارئین ملاحظہ فرمائیں:

پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سو جھائی (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ

کو شریعت کا راستہ بتلادیا (مولانا اشرف علی تھانوی)

رستے سے ناواقف دیکھانا واقف دیکھا تو سیدھا راستہ

دکھایا (فتح محمد خاں جالندھری)

آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتادیا (مولانا عبد الماجد

دریا آبادی)

اسنے تجھ کو بھولا بھٹکا پایا پھر راہ پر لگایا (مولانا وحید

الزماں)

اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت دی (محمد جونا گڑھی)

اور تمہیں ناواقف راہ پایا پھر ہدایت بخشی

(مولانا مودودی)

اور راستے سے ناواقف دیکھا تو راستہ دکھایا

بے شک اے نبی! ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی

ہے تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو کچھ گناہ پیچھے

سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے (محمد جونا گڑھی)

اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تاکہ اللہ تمہاری

اگلی پچھلی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے (مولانا مودودی)

بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی کہ اللہ نے تمہاری

اگلی پچھلی چوک پر بخشش فرمادی (مولانا پارکھی)

اے محمد! ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا کی تاکہ اللہ

تمہارے اگلے اور پیچھے گناہ بخش دے (فہیم الدین صدیقی)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے اردو ترجمہ

نگاروں نے گستاخی اور دریدہ دہنی کی حد کر دی۔ نعوذ باللہ

من ذلک۔۔ مسلم گھرانے کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ نبی

معصوم ہوتے ہیں ان کی ذات سے کسی طرح کے گناہ کا صدور

ممکن نہیں۔ عصمت انبیا اسلامی عقائد کا ایک مسلم الثبوت

عقیدہ ہے۔ ہاں خطائے اجتہادی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان

مترجمین نے نبی کو نین سید المعصومین حضرت محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ایک پاپی گنہگار اور خطا کار کی

شکل میں پیش کر کے ایمان و عقائد کی پوری عمارت کو متزلزل

کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ نبی کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے تمام

گناہوں کی مغفرت کا اظہار کیا جا رہا ہے بلکہ اس بات کا بھی

اقرار ہے کہ آپ سے آنے والے دنوں میں بھی گناہ کا صدور

ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک اب ذرا اس پس

منظر میں کنز الایمان کا ایمان افروز اور روح پرور ترجمہ ملاحظہ

(فہیم الدین صدیقی)

اردو ترجمہ نگاروں کے ان تراجم کا دل پر ہاتھ رکھ کر مطالعہ فرمائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان تمام مترجمین نے ترجمہ نگاری کے مرحلے سے گزرتے ہوئے منصب نبوت و رسالت مد نظر رکھے بغیر جس دریدہ دہنی و گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے ان کے ایمان بالرسالة پہ سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے۔۔۔۔۔ تقریباً تمام ترجمہ نگاروں نے سید المعصومین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ سے بھٹکا ہو ا۔ شریعت سے بے خبر۔ بھولا بھٹکا قرار دیا ہے جب کہ سورہ والنجم میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ بہت واضح اور صاف الفاظ میں مقام نبوت و منصب رسالت کے تعلق سے اسلامی عقیدے کا اظہار فرما رہا ہے۔ ماضل صاحبکم و ما غوی۔۔۔۔۔ (اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔۔۔ تمہارے صاحب نہ بھگنے بے راہ چلے۔۔۔۔۔ (کنز الایمان) ظاہر ہے ان ترجمہ نگاروں کے تراجم کی روشنی میں ”ضل“ کا ترجمہ گمراہی و ضلالت سے کیا جائے تو نعوذ باللہ من ذلک قرآن کی یہ دو آیات آپس میں متضاد و متضاد نظر آئیں گی۔۔۔۔۔ اور پھر وہ تراجم منصب نبوت کے منافی بھی قرار پاتے ہیں۔۔۔۔۔ اب ذرا اس تناظر میں سیدی اعلیٰ حضرت کا محتاط ترین ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔
ترجمہ نگاری کا حق بھی ادا فرما دیا اور منصب نبوت کا آگینہ بھی چور چور اور پاش پاش ہوتا نظر نہیں آتا۔

مشتے نمونہ از خردارے کے تحت چند آیات کے تراجم کا جو تقابل پیش کیا گیا۔۔۔۔۔ اس سے کنز الایمان کی اہمیت، انفرادیت اور خصوصیت کے جو نقوش ابھرتے ہیں وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں رہے۔۔۔۔۔

اولین تین آیات کی ترجمہ نگاری میں حضرت مترجم نے لفظ ”مکر“ ”استهزاء“ اور ”استواء“ کا ترجمہ کرتے ہوئے شان الوہیت اور مقام ربوبیت کی نزاکتوں کا لحاظ و پاس رکھتے ہوئے لفظوں کا بے پناہ محتاط انتخاب فرمایا ہے۔۔۔ جب کہ آخری تین آیات میں مقام نبوت و منصب رسالت کے آداب و احترام کی وہی جلوہ گری نظر آتی ہے جو اس کا تقاضا ہے۔۔۔۔۔ یہی تو وہ خوبی ہے کہ جماعت مخالفین کے اصحاب فکر و ارباب قلم کی زبان پہ بھی اس کا خطبہ جاری ہو گیا اور وہ یہ تحریر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ

”انہوں نے اپنے ترجمے میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی“
معنوی اور حقیقی خوبیوں کے علاوہ زبان و بیان کی سلاست، لب و لہجے کی نفاست، لفظوں کا خوبصورت اور محتاط انتخاب اور ایجاز و اختصار تو بس ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جائیں جا است

حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہرامی

مدیر اعلیٰ ”الکوثر“ دارالعلوم خیر یہ نظامیہ

بارہ درہی سہرام (بہار)

○○○○

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ
کی
دو تاریخی پیشکش
بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے

پاسبان ملت نمبر

پاسبان ملت حضرت
علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی مجاہدانہ
زندگی کا بھرپور تعارف۔

شمس العلماء نمبر

شمس العلماء حضرت
علامہ مفتی نظام الدین حبیبی علیہ الرحمہ کی
حیات و خدمات پر سیر حاصل گفتگو

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کا اگلا شمارہ، حضرت علامہ قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہوگا۔

اہل زبان و قلم سے گزارش ہے کہ اپنی قلمی نگارشات سے ادارے کا تعاون کریں۔

منجانب: الجامعۃ الرضویہ مغلیہ پورہ پٹنہ سیٹی ۸

باب پنجم ملاقات

مدیر اعلیٰ پیغام رضا کا

حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مظفر پوری سے طویل انٹرویو

برصغیر ہندوپاک سے اہل سنت و جماعت کے جو رسائل و جرائد نکلتے ہیں ان میں ”پیغام رضا“ ممبئی کی حیثیت مختلف جہات سے بہت ممتاز اور نمایاں ہے۔ ”پیغام رضا“ نے مذہبی، مسلکی اور جماعتی روایات سے مذاق کی کسی کوشش کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جماعت اہل سنت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات امتیاز اور علامت تصور کی جاتی ہے۔ ان کی تعلیمات، ارشادات اور پیغامات میں اسلامی اقدار و روایات کی چودہ سو سالہ تاریخ آئینے کی طرح جھلکتی ہے۔ برصغیر میں ان کے افکار و نظریات سے ہٹ کر مذہبی شفافیت کا تصور بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اسلامی آثار و تبرکات کو جو تحفظ فراہم کیا ہے اس کی نظیر سے کئی صدیاں خالی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو ہم کسی بھی زاویے سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ انہیں نظر انداز کرنے کا عمل مذہبی، مسلکی اور جماعتی خودکشی کے مترادف ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلاف بعض اساطین وقت کے دلوں میں بہت دنوں سے لاوے سلگ رہے تھے۔ عوامی خوف سے ان کی زبانیں بند تھیں۔ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ ۲۰۰۵ء کے اوائل میں ان اساطین وقت کو ”ماہ نامہ جام نور“ کی شکل میں ایک پلیٹ فارم مل گیا۔ یا خود انہوں نے اپنے دلوں کے بخارات نکالنے کے لیے اسے بطور پلیٹ فارم استعمال کیا۔ پھر جماعتی روایات پہ حملوں کا غیر سنجیدہ، افوس ناک اور حیرت ناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس جنگ میں وہ درس گاہیں، خانقاہیں اور رہائشی اداروں نے بھی کلیدی رول ادا کیا جن کے دستور اساسی میں اعلیٰ حضرت سے غیر مشروط وفاداری شامل ہے۔ ”حسام الحرمین“ پہ نظر ثانی ہونی چاہیے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اکابرین اہل سنت کا وقتی اور جذباتی فیصلہ تھا، لفظ ”بریلوی“ جماعت اہل سنت کی پیشانی پہ بدنام داغ ہے، مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ و دیابند کا دیا ہوا نعرہ ہے، اعلیٰ حضرت کی تحقیقات حرف آخر نہیں، اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے بڑوں سے اختلاف کیا ہے تو ہم ان سے اختلاف کیوں نہیں کر سکتے؟ اور بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟ یہ اور اس طرح کے اور بھی درجنوں نعرے بلند ہونے لگے۔

جب کسی غیر محمود تحریک کو بعض بڑوں کی پشت پناہی مل جاتی ہے تو دوسرے بڑے خاموشی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں گھر جل رہا تھا اور جن کے دلوں میں مذہبی درد کی آگ سلگ رہی تھی وہ خاموش تماشاخی بنے ہوئے تھے۔ ایسے نازک وقت میں ”پیغام رضا ممبئی“ امید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوا۔ پھر احتساب عمل کا ایک سنجیدہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ”پیغام رضا“ کا دفاعی سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک مخالفین اپنی کین گاہوں میں روپوش نہ ہو گئے۔ مخالفین تو چھپ گئے مگر ان کے غیر شعوری عمل سے نسل نو کا ایک بڑا طبقہ جماعتی روایات کے حوالے سے شبہات کے زد میں آ گیا۔ اب وہ طبقہ کسی کو بڑا سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ نتیجہ کے طور پر جماعتی اتحاد کا خواب ایک

سراب بن کر رہ گیا۔ مخالفین نے جو آگ لگائی ہے اس آگ کو بجھانے میں دردمندوں کو برسوں لگ جائیں گے۔

آج سے کچھ سال پہلے ہم نے ”پیغامِ رضا“ کے ”فکر و خیال نمبر“ نکالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ نمبر کی اشاعت کا بنیادی مقصد مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو علمائے مجتہدین کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس حوالے سے ان کے خیالات کیا ہیں؟ خود علمائے مجتہدین کا ایک مختصر مگر جامع تعارف بھی مقصود تھا۔ مخالفین کا طبقہ اس خوش فہمی کا شکار تھا کہ جماعت کی غالب اکثریت ہماری ہم خیال ہے۔ یعنی سواد اعظم ہمارے ساتھ ہے۔

جماعت کی صحافتی تاریخ میں اب تک جو نمبرات اشاعت پذیر ہوئے ہیں فکر و خیال نمبر کا خا کہ ان سے مختلف ہے۔ اس کی نوعیت انٹرویو کی ہے اس سلسلے میں ہم نے ۳۰، ۳۵، ۳۷ سوالات بنائے تھے۔ سوالات کے جوابات کے لیے ہم نے ان علمائے ایک فہرست بنائی تھی جو عصری جبر سے نالاں ہیں اس فہرست میں بعض وہ بھی ہیں جو مخالفین کے تعلق سے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ یا ان سے خوف زدہ ہیں۔ جب ہم نے علمائے خدمت میں سوالات ارسال کئے تو بعض نے ملی تقاضا سمجھتے ہوئے بروقت سوالات کے جوابات دئے۔ مگر اکثریت نے بعض سوالات کو انتہائی خطرناک بتاتے ہوئے جواب دینے سے انکار کر دیا۔ یہ ان کی اپنی سوچ تھی حقیقت یہ ہے کہ کوئی سوال خطرناک نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ہر سوال کی جواب دہی آپ پر فرض نہیں ہے۔ جس سوال سے آپ کو خطرہ محسوس ہو رہا ہے اسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ جن علما اور دانشوروں نے جواب دینے سے انکار کیا ہے ہم ان کی فہرست بھی قارئین کے سامنے لائیں گے۔ جب انار کی پھیلتی ہے تو اچھے اچھوں کا فکری زاویہ بدل جاتا ہے۔ لوگ جس کام میں ذاتی منفعت نہیں دیکھتے اسے کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

اب تک ایک درجن سے زائد چھوٹی بڑی شخصیات کے جوابات آچکے ہیں سب سے پہلا جواب حضرت علامہ مفتی وصی احمد و سیم صدیقی سابق وائس پرنسپل جامعہ اسلامیہ روناہی کا موصول ہوا۔ اب تک کے جوابات سے ہم اپنے اہداف تک پہنچ نہیں پارہے ہیں۔ ہم نے جماعت کی قریب قریب پچاس شخصیات کا انتخاب کیا ہے۔ جب تک ان میں سے اکثر شخصیات کے جوابات نہیں آجاتے اس وقت تک نمبر کی اشاعت مشکل ہے۔ جو لوگ جوابات دینے میں خوف کا شکار ہیں ان کو خوف کے دائرے سے باہر نکالنے کے لیے ماہر فقہ و فتاویٰ، اس العلماء مفتی اعظم بہار، مناظر اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بانی و سربراہ اعلیٰ جامعہ الحضرة مظفر پور کے جوابات قارئین کی عدالت میں پیش کر رہے ہیں جوابات تو سب اطمینان بخش ہیں مگر مفتی صاحب موصوف نے اپنے جوابات میں ہر طبقے کے قاری کی نفسیات کا خیال رکھا ہے، اس لیے ”ماہنامہ نور مصطفیٰ، پٹنہ“ کے اس وقیع و دستاویزی ”امام اہل سنت نمبر“ میں ہم اسے شامل اشاعت کر رہے ہیں۔

یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اہل سنت و جماعت اس وقت شدید انتشار کا شکار ہے لوگ مختلف خانوں میں بٹ رہے ہیں پہلے ہم غیروں کا تعاقب کیا کرتے تھے لیکن اب ہمیں اپنوں کا تعاقب کرنا پڑ رہا ہے بعض لوگ شعوری یا لاشعوری طور پر ایسے کام کر رہے ہیں جن سے بہت ساری صدائیں گرد آلود ہوتی جا رہی ہیں اسلاف شامی کے پردے میں اسلاف بیزاری کے جذبے کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ قریب دو دوروں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ اسلاف کی اماتیں شبہات کی زد میں ہیں۔ مذہب و مسلک کی نئی نئی تعبیریں سامنے آرہی ہیں عوامی اعتقادات متزلزل ہو رہے ہیں..... نئی نسلوں کا مستقبل

اجمل العلوم، سنبھل، حضرت علامہ مفتی محمد صالح صاحب بریلوی شیخ الحدیث جامعۃ الرضا، حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی سابق شیخ الحدیث مظہر اسلام، حضرت علامہ تحسین رضا خان سابق صدر المدرسین دارالعلوم مظہر اسلام اور شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ حافظ وقاری مبین الدین امر وہوی علیہما الرحمۃ والرضوان۔

سوال (۲)..... آپ کے اساتذہ میں اپنے وقت کی اہم اہم شخصیات ملتی ہیں ان میں آپ کن شخصیات سے زیادہ متاثر ہیں اور متاثر ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب (۲) حضرت علامہ مفتی محمد حسین سنبھلی، حضرت علامہ تحسین رضا خان بریلوی، حضرت علامہ الحاج مبین الدین امر وہوی علیہم الرحمۃ والرضوان۔ یوں تو، ع

ہر گلے رارنگ و بولے دیگرست

تاہم اول الذکر ایک کہنہ مشق مدرس ہونے کے ساتھ بہترین مناظر بھی رہے، مزاج میں سادگی تھی، کتابوں سے زبردست ممارست تھی، میرا ذخیرہ کتب بھی انھیں کی ترغیب و تربیت کا مہون منت ہے۔

اتاذ العلماء حضرت محدث بریلوی کی تقہیم نہایت عمدہ تھی جو کتاب پڑھاتے، الطینان کلی ہو جاتا۔ کم سخن اور سادہ مزاج تھے، صبر و شکر کے پیکر تھے۔

مؤخر الذکر کم سخن، حافظ، قاری، حاجی، بقیۃ السلف عالم با عمل، اوقات درس کے خالی لمحات میں بھی تلاوت قرآن پاک کی عادت تھی اور ان سے متعلق بریلی شریف میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے ”اگر

تاریکیوں کے گہرے میں ہے۔ آپ کا دل درد ملت سے آشنا ہے اور جماعتی صداقتیں آپ کے پیش نگاہ میں اس لئے کچھ سوالات ہم آپ کے حضور لے کر حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ کے جوابات سے ملی مفاد کی راہیں کشادہ ہو سکیں اور کاروان ملت کو سمت سفر متعین کرنے میں آسانیاں میسر آئیں۔ آپ کا نام اور کام دونوں شہرت رکھتا ہے لیکن عوام کا ایک بڑا طبقہ آپ کے شخصی تعارف سے نا آشنا ہے اس لئے ہم اپنے قارئین کو آپ کا مختصر مگر جامع تعارف دینا چاہتے ہیں..... کیا اس حوالے سے آپ کچھ بتانا پسند کریں گے؟

سوال (۱) آپ کی تعلیم و تربیت کی باضابطہ ابتدا کہاں سے ہوئی اور اس کی انتہا کیا ہے..... آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں کون کون لوگ آتے ہیں؟

جواب: (۱) اپنے گاؤں ”مہستان“ کے اردو پرائمری اسکول سے، اردو پرائمری بورڈ مڈل اسکول اورائی، پھر گاؤں میں ہی فارسی کے اتاذ مولانا عبدالرحمن مرحوم سے ان کے دولت خانہ پر فارسی اول تا گلستاں وغیرہ، اس کے بعد مدرسہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوپور، مراد آباد میں میزان وغیرہ، بعدہ مدرسہ اجمل العلوم سنبھل میں درجہ رابعہ کی کتابیں شروع کیں مگر وہاں کے صدر مدرس و شیخ الحدیث حضرت علامہ سید مصطفیٰ علی علیہ الرحمہ کے انتقال فرمانے اور مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب سنبھلی کے مستعفی ہونے کی وجہ سے دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں رابعہ تافضیلت۔

قابل ذکر اساتذہ میں ہر دو اساتذہ مذکورین اور حضرت علامہ چراغ عالم صاحب حامدی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث مدرسہ

جذبہ نہ رہا، ادھر مغربی تہذیب اور علوم جدیدہ کے گرویدہ حضرات کی دنیوی ٹھٹھا باٹ دنیاوی ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کا جذبہ اور قوم و ملت کے رؤسا و امراء، الامعدود سے چند، اور ذمہ داران کیٹی کی طرف سے علم و علماء کی ناقدری وجہ کفایت میں کٹوتی یہ وہ عوامل ہیں جن سے رفتہ رفتہ علم اٹھتا جا رہا ہے۔ حضرت قاسم العلوم و انخیرات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات نے فرمایا من اشراط الساعة ان یرفع العلم، رفع علم کو آثار قیامت سے بتایا۔ یہاں رفع علم کا مطلب کتابوں کے صفحات یا علما کے سینے سے مٹنا نکلنا نہیں بلکہ یہ کہ اہل علم اٹھتے جائیں گے اور کتب دینیہ سے استفادہ کی اہلیت و صلاحیت کا فقدان ہوتا جائے گا۔

سوال (۵)..... علوم کی یوں تو بہت ساری قسمیں ہیں لیکن عام طور پر انہیں دو خانوں میں بانٹا جاتا ہے..... دینی علوم اور عصری علوم پہلے مدارس میں صرف دینی علوم پڑھائے جاتے تھے مگر آج اکثر مدارس میں دینی و عصری دونوں قسم کے علوم کی بہتر سہولتیں ہیں اس کے باوجود پہلے جو بچے مدارس سے نکلتے تھے ان میں دین کے خلاف ہر طرح کے چیلنج کو قبول کرنے کی بھرپور صلاحیت ہوتی تھی..... لیکن آج ایسا نہیں ہے بلکہ جو بچے مدارس سے نکل کر عصری جامعات میں جا رہے ہیں ان کا دین سے رشتہ برائے نام رہ جاتا ہے ایسا کیوں؟

جواب (۵) کما حقہ علم دین حاصل کیا نہ اس کا فیضان ملا اور جب باصلاحیت علما کی شایان شان خدمت نہ ہو سکی تو مادی ترقیات کے خواہشمند طلبہ نے علوم عصریہ کو اپنی ضرورت سمجھا اور انہیں کے حصول میں محنت کی اور دینی علوم سے یا تو عاری رہے

ولی کو دیکھنا ہے تو مبین الدین کو دیکھو، مجھے فخر ہے کہ میں نے ایسے باعمل اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ رب قدیر ان کی تربت پاک پر رحمت و نور کی برکھا برسائے اور مجھے ان سب کے نورانی روحانی فیوض و برکات سے متمتع آئیں

سوال (۳)..... آپ کے پاس تجربات بھی ہیں اور مشاہدات بھی..... آپ نے بہت ساری اکابر شخصیات کو دیکھا بھی ہے اور ان کی صحبت سے فیضیاب بھی ہوئے ہیں فیض یافتہ شخصیات میں کس شخصیت نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے؟

جواب (۳) تاجدار اہل سنت شہزادہ اعلیٰ حضرت سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم ہند علامہ الشاہ مصطفیٰ رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ۔

سوال (۴)..... ہندوستان میں مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے کل کی نسبت آج مدارس میں سہولتیں زیادہ ہیں پھر بھی تعلیم و تربیت کا معیار پہلے جیسا نہیں ہے..... پہلے مدارس سے جو بچے نکلتے تھے ان میں دین کی تڑپ ہوا کرتی تھی ان میں تعلق بھی ہوا کرتا تھا لیکن آج جو بچے نکلتے ہیں ان میں نہ وہ تڑپ ہوتی ہے اور نہ وہ تعلق بلکہ ان میں دینی قدروں سے الجھنے کا رجحان تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ جن کے دلوں میں دینی روایات کے احترام کا چراغ جل رہا ہے ایسے بچوں کی تعداد بہت کم ہے آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

جواب (۴) اساتذہ میں صدر الشریعہ، مجاہد ملت، امین شریعت مفتی اعظم کانپور، حافظ ملت، شمس العلماء۔ جیسا حرص تعلیم و تدریس ان کا سا اخلاص، ذمہ داریاں سمجھنے اور انہیں نبھانے کا

خير الناس قرني ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم، ثم یأتی من بعدہم قوم یتسبئون ویحبون السمن۔ یعنی سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ جو میرے زمانے سے قریب پھر وہ جو ان سے قریب، پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو فریبی وتن پروری کو پسند کریں گے اور فرمایا: شرار الناس من شرار العلماء فی الناس، لوگوں میں شریر تر علما اشرار ہوں گے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ اس کی اہم وجہ وہ ہے جو آپ کے سوال میں مذکور ہے، یعنی ”ذاتی مفاد کے لیے پل پل اپنا قبلہ عقیدت بدلتے رہنا۔“ اسی کو کو حدیث میں فرمایا گیا کہ قرب قیامت صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر۔ مولیٰ تعالیٰ ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

سوال (۷)..... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی دینی خدمات کی نظیر سے کئی صدیاں خالی ہیں..... انہوں نے دین مخالف کسی بھی تحریک کو کبھی ابھرنے نہیں دیا..... اپنے زمانے میں اٹھنے والے ہر سوال کا انہوں نے معقول جواب دیا۔ آپ نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں مثبت رہنمائی کی..... اس سلسلہ میں آپ کی ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل ہیں۔ آپ نے دلوں کو عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرارت عطا کی..... محبوبان الہی سے مسلمانوں کا رشتہ ٹوٹ رہا تھا آپ نے اس رشتہ کو حیات تازہ عطا کی یعنی قوم و ملت پر آپ کے احسانات کی ایک طویل فہرست ہے اس کے باوجود آج کچھ درس گاہیں، خانقاہیں اور شخصیات آپ کی کردار کشی کی باضابطہ تحریک چلا رہی

یا ناقص۔ پھر وہ احساس برتری کے شکار ہوئے اور علماء دین کو ناکام و کمتر سمجھنے کی غلطی کرنے لگے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ پروفیسران، انجینئرز و وکلاء علماء دین کو خاطر میں نہیں لاتے الاما شاء اللہ۔ ادھر مدرسوں کی چہاردیواری میں کچھ اوقات گزاری کر کے پیشہ ور مقررین، اہل ثروت کی قصیدہ خوانی کرنے والے شعراء نابالغین، جگہ جگہ اعراس و مزارات کا جال بچھانے والے فساق و فجار مجاورین من گڑھت کرامتیں بیان کرنے والے دنیا دار خطباء و ناظمین نے بھی اہل علم کی عظمتوں کا دامن تارتا کرنے میں کوئی کمی کسر نہ چھوڑی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سوال (۶)..... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ ان کے خلفاء، تلامذہ، اور معتقدین کی جماعت جلد ہی ہماری نگاہوں سے رخصت ہوئی ہے دوسری نسل جس کے ہاتھوں میں شریعت کا قلمدان ہے جن میں آپ بھی ہیں۔ اور تیسری نسل جو شریعت کا قلمدان اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے پرتول رہی ہے دین کے حوالے سے ہم تینوں نسل میں زمین و آسمان کا فرق دیکھتے ہیں۔ اول الذکر نسل کا کوئی قدم شریعت کی سرحدوں سے کسی بھی حال میں باہر نہیں ہوتا تھا، دین کی محبت ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی۔ دوسری نسل میں اکثریت ایسوں کی ہے جو ذاتی مفاد کے تحت پل پل اپنا قبلہ عقیدت بدلتی رہتی ہے پھر تیسری نسل دین کے حوالے سے کیسی ہوگی؟ اس کے تصور ہی سے دل گھبراتا ہے آخر اتنی جلد یہ فرق دیکھنے میں کیوں آ رہا ہے؟ اس سلسلے میں آپ کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے؟

جواب (۶) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الآخرة، والثانی صارت ابدانہم رہینۃ
لشہواتہم، والثالث غلب علیہم حلول الامل
مع قرب الاجل والرابع آثروارضی المخلوقین
علی الخالق، والخامس، اتبعوا اہواءہم ونبذوا
سنة نبیہم وراء ظهورہم، والسادس، جعل
قلیل زلاۃ السلف حجة انفسہم ودفنوا کثیر

مناقبہم، (ص ۲۲۳)

یعنی خلق خدا کو چھ چیزوں سے تباہی و بربادی پہنچتی ہے۔
(۱) اعمال آخرت میں ضعف نیت، (۲) جموں کا شہوات
ولذات میں مبتلا رہنا۔ (۳) یہ جاننے ہوئے کہ آخر مرنا ہے اس
کے باوجود حرص و ہوا اور آرزو میں انہماک۔ (۴) رضائے الہی
پر رضائے مخلوق کو ترجیح دینا۔ (۵) خواہشات نفسانیہ سے پیار
اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا السلام کو پس پشت ڈالنا، (۶) اسلاف کی
معمولی لغزش کو اپنی سرکشی و بے راہ روی کے لئے حجت لانا اور
ان کے بے شمار مجاسن و مناقب سے صرف نظر کرنا۔ ایسے لوگ
لائق التفات نہیں انھیں چاہئے کہ وہ اوپر کی باتوں سے نصیحت
حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت دونوں کو کامیاب بنائیں۔

سوال (۸)..... ابھی حال ہی میں جامع اشرف کچھو کچھ
شریف کے دارالافتاء سے فتویٰ کی شکل میں ایک طویل تحریر
شائع ہوئی ہے جس میں وہاں کے مفتی نے لکھا ہے کہ ”مولانا
اشرف علی تھانوی جید عالم دین تھے ان کی بعض کتابیں امت
مسلمہ کے لئے مولانا احمد رضا بریلوی کی کتابوں سے زیادہ مفید
ہیں۔ آج مسلمانوں میں جو جھگڑے پائے جا رہے ہیں وہ تمام
جھگڑے مولانا احمد رضا نے لگائے ہیں“ اس تحریر میں اس طرح

ہیں اور آپ کی تحقیقات سے الجھ رہی ہیں آخر اس کے پس پردہ
مقاصد کیا ہیں؟ اور اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

جواب (۷) بلاشبہ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام
احمد رضا خاں قدس سرہ کی شخصیت ہمہ گیر تھی اور آپ نے اپنے
دور میں اٹھنے والے ہر فتنہ کا اپنی خداداد صلاحیتوں سے جو مقابلہ
فرمایا، اس کے لئے آپ من جانب اللہ منتخب تھے انہوں نے
عشق رسول کا جام شیریں پلایا اور ایمان و عقیدہ کی حفاظت
فرمائی، اس سے آپ کا رب ایسا راضی ہوا کہ قبول فی الارض کی
نعمت سے سرفراز فرمایا، یہ مقبولیت اپنوں میں سے بھی کچھ
حضرات برداشت نہ کر سکے اور اغیار تو اغیار ہیں جس کا اظہار آپ
خود فرما چکے۔

کردو عدو کو تباہ حاسدوں کو روبراہ
اہل ولا کا بھلا، تم پہ کروڑوں درود
آپ نے جن لوگوں کا رونارویا ہے وہ کوتاہ قد حاسدین
ہیں جو ایڑیاں اٹھا کر اپنا قد دراز کرنے کی سعی لاحاصل میں
مصروف ہیں مگر ان کی اوچھی حرکتوں سے اعلیٰ حضرت کا تو کچھ
بگڑنے کا نہیں وہ آتش حد میں جل کر اپنا ہی دین و دنیا
دونوں برباد کر رہے ہیں وہ اس زمانے میں بھی تھے جمعی تو
فرمایا:

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے
اور یہ اعلیٰ حضرت ہی نہیں دیگر اکابر کے ساتھ بھی ہوتا رہا
ہے تفسیر روح البیان میں ہے دخل الفساد علی الخلق
من ستة اشیاء، الاول ضعف النیة بعمل

جامع اشرف کی آڑ میں اکابر امت کے خلاف ایک نئی سازش ہے جس کی پشت پناہی کہیں اور سے ہو رہی ہے اور دین کے بدلے دنیا خریدنے کی شاطرانہ چال ہے جس سے جامع اشرف اور درگاہ معلیٰ کے ذمہ داران کو بروقت نوٹس لینے کی ضرورت ہے کہ وہاں کی عظمت مجروح ہونے سے بچے اور اہلسنت کا شیرازہ در شیرازہ نہ بننے فی الحال اسی پر اکتفا ہے بوقت فرصت اس پوری تحریر کا فنی، شرعی اور ادبی جائزہ پیش کرنے کا ارادہ ہے مولیٰ تعالیٰ، خدمت دین و ردّ بے دین کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

سوال (۹)..... جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دستور اساسی میں اراکین، مدرسین، اور فارغین کے لئے ”حسام الحرمین“ کی حرف بحرف تائید شامل ہے دستور کی یہ ایسی دفعہ ہے جس میں عہدیدار اعلیٰ کو بھی چیخڑ چھاڑ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے پھر بھی وہاں کے بعض فارغین ”حسام الحرمین“ پہ نظر ثانی کا شدت سے تقاضا کر رہے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ کیا یہ حضور حافظ ملت کی مخالفت نہیں ہے؟

جواب (۹) یہ تو ذمہ داران اشرفیہ کے لئے ایک چیلنج ہے اگر ان کے نزدیک بھی جامعہ اشرفیہ کا دستور قابل نظر ثانی ہے تو نظر ثانی کریں اور نہیں تو اس طرح کی رائے دینے والوں کو لگام دیں نہ مانیں تو ایسے فارغین کی اسناد کو منسوخ کر کے فارغ کر دیں، رہا حسام الحرمین پر نظر ثانی کا تقاضا، تو یہ تقاضا، تقاضا کرنے والوں کی صلح کلیت کا تقاضا ہے جو ہرگز لائق التفات نہیں، اور ایسا عمل بلاشبہ بانی ادارہ اور دستور ادارہ دونوں کی مخالفت ہے۔

کی اور بھی بہت ساری باتیں ہیں جس ادارہ سے اس طرح کی تحریر جاری ہو اور جو نام نہاد مفتی ایسا پیغام نشر کرے شریعت کا اس پر کیا حکم ہوگا؟ اس حوالہ سے آپ کچھ وضاحت کرنا پسند کریں گے؟

جواب (۸) جس نام نہاد مفتی کی بابت سوال کیا گیا ہے وہ کچھوچھو شریف میں دوسرا ”معین“ ہے اور وہ تحریر جسے فتویٰ کی شکل کہا گیا ہے نرا طغویٰ ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کو جید عالم دین اور اس کی بعض تصنیفات کو اعلیٰ حضرت کی تصانیت سے امت مسلمہ کے لئے زیادہ مفید ماننا، مسئلہ تکفیر میں اعلیٰ حضرت سے غلطی کے صدور کا قول کرنا، اور بریلی سے تکفیری فتنہ کی آگ میں پورے مسلک کے جلنے کی بات بتانا اور اس کے مقابل مقلدین وغیر مقلدین اکابر و ہابیہ وغیر ہم کی انشراح صدر کے ساتھ تعریف و توصیف کرنا انہیں اہل سنت و جماعت میں داخل ماننا بلکہ عظمت و حید و رسالت کا محافظ قرار دینا ایک نئے فتنہ کو جنم دینا اور جامع اشرف و ذمہ داران ادارہ بلکہ معظمان درگاہ معلیٰ کے لئے سوالیہ نشان کھینچنے کے مترادف ہے گوکہ سطحی طور پر ایک رسمی مواخذہ کے رد عمل میں اس تحریر پر تزویر سے کہیں زیادہ پرفریب انداز میں مرے دل سے رجوع نامہ بھی تحریر کر دیا ہے جس میں یہ لکھا گیا ہے کہ ”میرا موقف وہی ہے جو اکابر اہلسنت کا ہے“ اب یہ مکار بتائے کہ اکابر اہلسنت میں وہ کون ہیں جنہوں نے اکابر دیوبند کی تکفیر سے منع فرمایا ہے یا انہیں اہلسنت و جماعت سے مانا ہے؟ دور جانے کی ضرورت نہیں موجودہ اکابر میں شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ ہی سے اپنی اس تحریر پر تفصیل اور منطقیانہ و پھیر پھار والے رجوع نامہ کی تصدیق کرائے۔

ہیں تو اس انداز سے تعبیر کا فائدہ فقیر کی فہم ناقص سے وراہ ہے اگرچہ مرقات، شرح سفر السعادت، اشعة المعات اور دیگر متعدد کتب و حواشی میں یہ تاویل نظر فقیر سے بھی گزری جبکہ اس کے برعکس اسی امت اجابت کے بعض گنہگاروں کے لئے، غنی، وکیل وغیرہ طبقات دوزخ کا بھی ذکر آیا۔ پس اگر امت اجابت کے لئے دخول ہی بتانا مقصود تھا تو اس میں الا واحدہ کی کیا ضرورت؟ لامحالہ بطور تریب و ترغیب غلود فی النار سے بچانے اور غلود فی الجنة کا استحقاق بتانے کے لئے فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں اکہتر، نصاریٰ میں بہتر، اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان میں بہتر ناری اور ایک ناجی ہوگا اور وہ وہی ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوگا اور وہ اہلسنت و جماعت ہے۔ ناجیہ، نجات والا، یہ نجو سے بنا جس کے معنی میں علاحدہ یا اوپچی جگہ تو جو فتنہ سے علاحدہ بھاگ جائے وہ اس سے بچ جاتا ہے لہذا اس سے بچنے کو نجات کہا جاتا ہے اس سے جتنے الفاظ بنتے ہیں سب میں علاحدگی کے معنی کا لحاظ ہوتا ہے مثلاً، استنجاء، اسی سے ہے جو علاحدگی میں کیا جاتا ہے، مناجات، تنہائی میں دعا کرنے کو کہا جاتا ہے، نجوا، علاحدگی میں مشورہ کرنا وغیرہ اب فرقہ ناجیہ کا مطلب ہوا، آتش دوزخ سے علاحدہ اور دور رہنے والا فرقہ، اور وہ وہی ہے جو مذاہب اربعہ میں دائر ہے پھر ناجی فرقہ بھی دو قسم ہے ایک وہ جو جہنم میں داخل ہی نہ ہوگا یہی امام غزالی علیہ رحمۃ الباری نے اختیار فرمایا اور محققین و محدثین نے بھی یہ جواب پسند فرمایا وہ یہ کہ ”فرقہ ناجیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو مطلقاً دوزخ میں داخل نہ کئے جائیں گے خواہ ان کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا یا بسبب

سوال (۱۰)..... حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور ہماری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک ہی فرقہ حق پہ ہوگا یعنی جنت میں جائے گا ہم نے یہی پڑھا بھی ہے اور متدین علماء سے یہی سنتے بھی آرہے ہیں لیکن آج بعض خود کو ذی ہوش سمجھنے والوں کا کہنا ہے کہ سب کے سب اپنے گناہوں کی سزا کاٹ کر جنت میں جائیں گے مفتی مطہج الرحمان مضطر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ سارے فرقے جماعت اہل سنت سے خارج ہیں لیکن دین میں داخل ہیں اس سلسلے میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

جواب (۱۰) فرقہ ناجیہ کی تعیین میں بھی دو فرقے ہو گئے، ایک نے ”فی النار“ سے دخول فی النار اور دخول فی النار سے امت اجابت کا دخول مراد لیا ہے اور دوسرے نے اس سے غلود فی النار مراد لیا ہے اور ظاہر ہے کہ غلود فی النار امت اجابت کے لئے نہیں ہے وہ امت دعوت کے لئے ہے اس طرح اصل میں دو ہی فرقے ہیں۔ جنتی اور جہنمی، قال تعالیٰ فریق فی الجنة و فریق فی النار۔ امت اجابت کے لئے دخول فی النار کے اسباب میں، رشوت لینا، دینا، شراب پینا، سود کھانا، نماز میں غفت برتنا، مسلمان کا قتل ناحق کرنا، وہیموں دیگر بہت سے افعال وغیرہ جو احادیث میں اپنے اپنے مواقع پر مروی ہیں ان میں سے کسی کے مرتکب کو فرقہ، ملت سے تعبیر نہیں فرمایا گیا، مگر زیر بحث حدیث میں ملے یا فرقہ، بتا کر بہتر فرقوں یا بہتر اہل ملت کو ناری فرمایا گیا، اگر اس سے امت اجابت کے وہی افراد مراد ہیں جو بالآخر معفو و مغفور ہو کر غلود فی الجنة کے مستحق

مرتدین، فلاسف، یہ فقہا و محدثین اور خود ارشاد سید المرسلین کی منشا اور مقصود کے خلاف ہے چنانچہ افتقرت امتی علی ثلاث و سبعین فرقة کے تحت ”تیسیر شرح جامع صغیر“ میں ہے ای فی الاحول الدینیة لا الفروع الفقہیة کلہا فی النار الا واحدۃ وہی اهل السنة والجماعة اسی مقام پر فیض القدر میں ہے اذا لولی ہی المخصوصہ بالذم و اراد بالامة من تجمعهم دائرة الدعوة من اهل القبلة، طحاوی علی الدرر میں ہے من شد عن جمهور اهل الفقه والعلم والسواد الاعظم فقد شد فیما یدخله فی النار فعلیکم معشر المومنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرۃ الله تعالی وحفظه وتوفیقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه فی مخالفتهم و هذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفیون و المالکیون و الشافعیون و الحنبلیون رحمهم الله تعالی و من كان خارجا عن هذه الاربعة فی هذا الزمان فهو من اهل البدع والنار، جو شخص جمہور اہل علم و فقہ اور سواد اعظم سے جدا ہو اور وہ اس چیز کے ساتھ تنہا ہو جو اسے دوزخ میں لے جائے گی، تو اسے گروہ مسلمین تم پر فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت کی پیروی لازم ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حفاظت و کار سازی موافقت اہلسنت میں ہے اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا، اہلسنت کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات والا

گناہوں کے ان لوگوں کو صرف یہی تکلیف ہوگی کہ قیامت میں خوف ان لوگوں کو بھی رہے گا اور وہ لوگ قبر کی سختی میں مبتلا کئے جائیں گے یا پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کے گناہ نیست و نابود کر دیئے جائیں گے اور اس فرقہ کے لوگ صرف خاص اہلسنت سے ہوں گے کہ عقیدہ اور عمل میں ان لوگوں نے بدعت کی راہ اختیار نہ کی ہوگی اگرچہ احتمال ہے کہ بعض تقصیرات فرعیہ ان لوگوں سے بھی سرزد ہو سکتی ہیں اور اس فرقہ کی یہ تفسیر جو حدیث شریف میں ہے نہایت چپاں ہے ”الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی“ امام غزالی نے یہ قید لگا دی ہے کہ فرقہ ناجیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بغیر حساب و کتاب بغیر شفاعت کے بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔

دوسری قسم یہ کہ اصول عقائد کے اعتبار سے مستوجب جہنم نہ ہو کر اپنے بعض اعمال کی وجہ سے دوزخ میں دخول ہوگا پھر اپنے گناہوں کی سزا پا کر یا شفاعت یا محض رحمت الہی سے دوزخ سے نکلے گا اور بالآخر خلد نشیں ہوگا۔ تو یہ دونوں قسمیں فرقہ ناجیہ کی ہوں، اس کے علاوہ جو رہا وہ سب نار یہ ان کے لئے دخول بھی اور خود بھی اور حدیث کا سیاق و سباق اسی پر دال کہ کہا فی النار الا واحدہ هذا ما ظہری من اقوال الفقہا والمحدثین اللہم اجعلنا من الناجین واحشرنا تحت لواء سید المرسلین و ادخلنا الجنة مع الابرار۔۔۔۔۔ والصديقین بجاہ طہ و سلیمین۔

رہا وہ قول کہ ”سارے فرقے جماعت اہل سنت سے خارج ہیں لیکن دین میں داخل ہیں“

اس سے قائل کی مراد اگر یہ ہے کہ یہ سب کے سب ناجی ہیں خواہ وہابیہ مقلدین وغیر مقلدین ہوں یا روافض و دیگر

دیسے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

”ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے فرقوں میں جو فرقہ ہے وہ باعتبار اعتقاد کے ہے تو اس امت کے بارے میں بھی یہی مراد ہے کہ اس امت میں بہتر فرقے ہوں گے ان سب فرقوں میں فرقہ باعتبار عقائد کے ہوگا یعنی ایک فرقہ کا جو عقیدہ ہوگا اس کے خلاف دوسرے فرقہ کا عقیدہ ہوگا علیٰ ہذا القیاس سب فرقوں کے عقائد مختلف ہوں گے کسی فرقہ کا عقیدہ دوسرے فرقہ کے عقیدہ کے موافق نہ ہوگا ان سب بہتر فرقہ کے عقائد فاسد ہونگے وہ سب فرقے اپنے فاسد عقائد کے سبب دوزخی ہوں گے اور ایک فرقہ کا عقیدہ صحیح ہوگا اور وہ فرقہ ناجیہ ہے وہ فرقہ اپنے عقیدہ کے سبب سے مستوجب دوزخ نہ ہوگا بلکہ وہ فرقہ اپنے نفس عقیدہ کے اعتبار سے قابل نجات ہوگا، اگرچہ ممکن ہے کہ اس فرقہ کے بعض گنہگار لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے کچھ دن جہنم میں رہیں لیکن پھر وہ لوگ اپنے گناہ کی سزا پا کر اللہ جل شانہ کی رحمت سے بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔ (فتاویٰ عزیز ص ۳۵۸)

اجمل العلماء حضرت علامہ مفتی محمد اجمل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں بہتر فرقوں کو ناری قرار دیا ہے اس کے یہی معنی ہیں وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے کہ جب ان کے عقائد و اقوال کفریہ ثابت ہو چکے تو کفر کی سزا خود فی النار ہی ہے تو نہ یہ دوزخ سے نکل سکتے ہیں نہ ان کی مغفرت ہو سکتی ہے نہ کوئی شفیع ان کی شفاعت کر سکتا ہے نہ ان کو شفاعت کچھ نفع دے سکتی ہے اور محمد اللہ اکثریت اہلسنت و جماعت ہی کی ہے یہ تمام گمراہ فرقے اپنی مجموعی تعداد کے باوجود بھی اہلسنت

گروہ اب چار مذاہب، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ہیں اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، اور جو ان چار سے اس زمانہ میں جدا ہو اوہ بدعتی و جہنمی ہے۔ لہذا امت اجابت سے نکل جانے والا ہر فرقہ قادیانی، پنجری، چکڑا لوی، وہابی، دیوبندی، تبرائی سب ناری غیر ناجی قرار پائے گا، قال اللہ تعالیٰ ومن یرتد منکم عن دینہ فیما ہو کافر فاولئک حبطت اعمالہم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون، اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرا پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا، اکارت گیا، دنیا اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انھیں آسمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ تو جو ناجی نہیں وہ ناری ہے کفار میں مجاہرین و منافقین، مشرکین کیلئے جس طرح خود فی النار ہے اسی طرح ضروریات دین میں سے کسی امر ضروری دینی کا انکار کر کے امت اجابت سے نکل کر یہ بھی امت دعوت میں شامل ہو گئے، قال تعالیٰ، من یتولم منکم فہو منکم، اہل قبلہ بنا کر برائے نام نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی ظاہر آدائیگی امت اجابت سے نکلنے میں مانع نہیں ہو سکتی۔ البتہ وہ اختلاف جو فروع میں ہو جیسے ائمہ اربعہ کا اختلاف یہ منہجی عنہ نہیں بلکہ اسے ”اختلاف امتی رحمتہ“ فرما کر نعمت کبیرہ اور فضیلت جسمہ قرار دیا گیا، والتفصیل فی فیض القدر خلاصہ کلام یہ کہ امت اجابت میں بھی جن لوگوں کی بدعت و ضلالت حد کفر تک پہنچ چکی وہ امت اجابت میں نہ رہے وہ کفار و مشرکین بلکہ ان سے بڑھ کر دائمی ناری جہنمی ہو چکے قال تعالیٰ، کفر و ابعد اسلامم، اسلام میں آ کر کافر ہو گئے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کے متعدد جوابات

کے عشر عشیرہ بھی نہیں“۔ فتاویٰ اجملیہ ص ۲۹۶۔

حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
”ماانا علیہ واصحابی والی حدیث میں اختلاف سے مراد اصول
عقائد میں اختلاف ہے“ فتاویٰ بحر العلوم ج ۲ ص ۷۳۔ ۷۲۔

اگر یہ توجیہ درست نہ ٹھہرے تو عقائد کفریہ نجسہ والوں کی
تکفیر عبث و لغو قرار پائے اور کوئی فرقہ ناری نہ ٹھہرے۔“

سوال (۱۱)..... دنیا میں بے شمار فرقے اور جماعتیں

پائی جاتی ہیں ان میں صرف اور صرف جماعت اہل سنت ہی

ایک ایسی جماعت ہے جس میں حق دائر ہے اور یہی جماعت ما

انا علیہ واصحابی کی مصداق ہے یہاں اسلام کے تمام تراصول

وفروع سب اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن آج یہ

جماعت شدید بحران کا شکار ہے اور جیسے جیسے دن بیت رہا ہے

اس کے بحران میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ مؤثر قیادت ہے مگر

لوگ قیادت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے

لوگ بڑوں کی زبان استعمال کر رہے ہیں جن کی کوئی حیثیت

نہیں وہ اپنی حیثیت کو منوانے پر آمادہ ہیں جماعت اہل سنت کو

بحران سے نکالنے کی مؤثر صورتیں کیا ہو سکتی ہیں۔

جواب (۱۱) تجربات شاہد ہیں کہ فی زمانہ جملہ فروع

اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں ہیں بہت سی فروع ایسی ہیں

جن میں کافی غلو و افراط، تنذیر و اسراف نے ان کی اصل ہیئت

ہی بدل ڈالی اور وہ اغراض صحیحہ و مقاصد حسنہ سے بہت دور

جا چکیں، بایں ہمہ انھیں مسلکی شعار کے طور پر پیش کیا جا رہا

ہے۔ رہی مؤثر قیادت تو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے بعد

ایسی قیادت کا فقدان، میں ہی نہیں جماعت کی بااثر شخصیات

محسوس کر رہی ہیں۔ اگر مؤثر قیادت یا قیادت مؤثر ہوتی تو یہ

جماعت موجودہ بحران کا شکار ہی نہ ہوتی۔ دعا ہے مولیٰ تعالیٰ

ہماری جماعت کو اس بحران سے جلد از جلد نجات دے، آمین،

ادھر علما اہلسنت کو بالخصوص اکابر ملت کو چاہئے کہ ذاتی

مفادات کو بالائے طاق رکھ کر نیز چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو نظر

انداز فرما کر کسی ایک نقطہ پر پہنچنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں، اور

مرکزی نقطہ کو چاہئے کہ تمام خطوط کو جوڑے رکھے اور حتی الامکان

اختلافی یا ذاتی مسائل کے لئے ملک و ملت کے باصلاحیت،

تجربہ کار، دیندار و مخلص علمائے کرام کا ایک بورڈ تشکیل دیکر مسئلہ کا

حل ڈھونڈے یونہی ذاتی معاملات میں فریق ثانی (ملزم)

سے بیان صفائی لے، پھر بورڈ کے متفقہ و حتمی فیصلہ پر اپنی مہر و شوق

ثبت کرے، ادھر ملزم بھی حکم شرع کے سامنے اپنی انا کو فنا کر کے

سر تسلیم خم کرے، مسلک کو اپنی ضد اور ذاتی نجش کے لئے ہدف تنقید

نہ بنائے، بلکہ ذاتی مفاد کو مسلکی مفاد پر قربان کر دے۔

نااہل اساتذہ غیر معیاری مدارس میں تربیت افتاء، جا بجا

بلکہ بے جا فتنی سمینار، بلا ضرورت داعیہ شہر تو شہر گاؤں دیہات

میں دار القضا، دار الافتاء اور جو صحیح نکاح نہ پڑھا سکے اُس کو

منصب قضا و افتاء دینا، عام طور پر ابتدائی مدارس و مکاتب

میں عوام و امراء کو خوش کر کے چندہ بٹورنے کے لئے بلا تکمیل

بلکہ دوسرے مدارس سے کرایہ پر طلبہ بلا کر دستار حفظ و عالمیت

بلکہ فضیلت، افتاء کے روز بروز بڑھتے رواج سے بھی مسلک

وقیادت متاثر ہوتی ہے۔

مؤثر قیادت کے لئے علمی لیاقت کے ساتھ سیاسی بصیرت

اور اپنے دائرہ کار کے مذہبی و ملکی اور قومی حالات سے آگاہی

محتاج ہے؟ موجودہ حالات میں خدمت افاغیا انجام دینے والوں کی حیثیت علمی و عرفی سے اس کا نام روشن ہو رہا ہے یا جگہ ہنسائی؟ وہاں کے فارغین مرکز کی طرف نسبت کرنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں یا خفت و ندامت ان جیسے اور بھی سوالات ہیں جن کے عملی جوابات کی ضرورت ہے جو کوتاہیاں ہیں ان کے تدارک کی ضرورت ہے اور میرے مخلصانہ و ہمدردانہ معروضات کی قدر دانی ہونی چاہئے یہ صرف میری آواز نہیں جماعت کی آواز ہے مگر اس کے برعکس میرے حوالہ سے کیا رائے قائم ہو سکتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہاں ہم چھوٹوں کو بھی چاہئے کہ موجودہ شخصیات میں سے کسی ایک کو اپنا بڑا امانت دہی ہوگا اور مذکورہ بالا کوتاہیوں کے باوجود مسلک و ملت کی فلاح و بہبود والے ہر کام اور ہر آواز پر حسب صلاحیت اپنی رضا کارانہ خدمات سے دریغ نہ کریں اور مسلک حق کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور ہر وہ حکم و فیصلہ جو مطابق شرع ہو اس کے سامنے گردن جھکا دیں۔ ایک اور مرض متعدی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے کہ چھوٹے چھوٹے لوگ زبان و ادب یا شعر و سخن یا کسی مخصوص فن میں کوئی نام و مقام حاصل کر لیتے ہیں تو وہ بڑوں کی پیگڑیاں اچھالنے لگتے ہیں۔ اپنی ایڑیاں اٹھا کر دراز قد بننے کی ہوڑ میں اپنے محسن کو بھی کسی خاطر میں نہیں لاتے ہیں اپنی ذہانت اور ایک دوفن کی مہارت پر اسلاف شناسی بھول جاتے ہیں اور وہ نقد و نظر کے خود ساختہ اصول کی روشنی میں حضور مفتی اعظم، صدر الشریعہ، حافظ مملکت، اعلیٰ حضرت، محدث اعظم حتیٰ کہ ان کے اوپر والوں کو بھی اپنی نوک قلم کا ہدف ملامت بنانے کی سعی پلید کر کے اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں بلاشبہ ایسے

بھی ضروری ہے یا پھر مذہبی امور کیلئے علوم شرعیہ کا حامل اور احکام شرعیہ پر عامل اپنے دائرہ کار کا ممتاز و منفرد عالم دین منتخب کیا جائے اور دنیوی امور کے لئے صحت عقیدہ کے ساتھ مخلص و ایماندار سیاسی بصیرت اور حق بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے والے مرد آہن کو آگے لایا جائے اور دونوں ایک دوسرے کے تعاون و اشتراک سے دینی و دنیوی قیادت کی باگ ڈور سنبھالیں۔ چونکہ ہماری جماعت میں اس کا فقدان رہا ہے لہذا قضیہ باری مسجد ہو یا دہشت گردی کے نام پر گرفتاریاں، مسئلہ طلاق ہو یا ۴۸ لاکھ آسامی مسلمانوں کا حق شہریت، اخلاق اور افزائش اسلام جیسے بے گناہوں کا قتل بہیمانہ ہو یا گھر واپسی کا فتنہ ارتداد و شہمی کرن و بھجوں دیگر مسائل میں ہماری جماعت کا قابل ذکر قائدانہ کردار سامنے نہیں آیا جبکہ اس کے برعکس مذکورہ معاملات میں دوسروں نے جو رول نبھایا وہ نہ عوام سے اوجھل ہے نہ ارباب اقتدار سے، گوکہ ہمیں نظر انداز کرنے کے نتیجے میں کہیں نہ کہیں انھوں نے ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند کا نام محض عقیدت کا نتیجہ نہیں بلکہ قبلہ و کعبہ کے نام نہاد دعویداروں کا معاملہ ہو یا چٹیا و زنار داروں کا شریعت کا ہو یا سیاست کا، ووٹ کا ہو یا نوٹ کا شہمی کا ہو یا نسبندی کا ہر جگہ آپ کی موثر قیادت نے سنبھالا دیا۔

اس وقت مرکز کالائجہ عمل کیا ہے اس کا نصاب تعلیم کیا اس کے دائرہ میں آنے والے مدارس میں اس کا نصاب داخل ہے یا وہ باہر کا نصاب داخل کئے ہوئے ہے؟ اپنے ماتحت مدارس میں مدرسین دے پاتا ہے یا وہ خود باہر کے فارغین کا

حضرت کی تعلیمات، اسلامی ہیں اور اسلامی تعلیمات پر ہی عمل کر کے وسیع دنیا کی سیر کیا جلائی و سمعتوں کو ناپا جاسکتا ہے جو اظہر من الشمس و ابہر من الامس ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات سے تو ہٹا جاسکتا ہے مگر ان کی اسلامی نظریات سے الگ ہو کر جماعتی اتحاد کا تصور آتشِ حمد میں جل جھلس کر یا گل ہو جانے والے کی بڑ ہے۔

سوال (۱۳)..... مسلکِ اعلیٰ حضرت جماعتِ اہل سنت کا امتیازی نشان ہے یہ نعرہ ہمیں اکابر شخصیات نے دیا ہے ان میں حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم ہند، حضور صدر الافاضل، حضور سید احمد اشرف، حضور ملک العلماء، حضور برہان ملت، حضور صدر الشریعہ حضور شیر پیشہ اہل سنت، حضور مجاہد ملت، حضور امین شریعت، حضور غزالی زماں، حضور پاسبان ملت، حضور مجاہد دوراں، حضور پیر جماعتِ اعلیٰ شاہ، حضور محدث اعظم پاکستان، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، علامہ کامل سہرامی، حضور سید العلماء، حضور احسن العلماء قابل ذکر ہیں..... ایک محدود حلقہ یہ آواز بلند کر رہا ہے کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت وہابیہ دیا نہ کا دیا ہوا نعرہ ہے اس لئے اسے ہمیں ترک کر دینا چاہیے کیا مخالفین کا یہ مطالبہ درست ہے؟ اگر مخالفین کی بات تسلیم کر لی جاتی ہے تو کیا اس سے جماعتی نظام متاثر نہیں ہوگا۔ پھر یہ کہ اسلام پورے کا پورا ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے۔ مخالفین آج مسلکِ اعلیٰ حضرت کو ترک کر دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں کل ان کا دوسرا مطالبہ بھی سامنے آسکتا ہے اسلامی قوانینِ خدائی قوانین ہیں اسلامی قوانین کی حفاظت کے لئے علماء نے کچھ ضابطے متعین کئے ہیں کچھ ایسی اصطلاحیں بھی ہیں جن سے اہل حق کی شناخت ہوتی ہے

لوگ فتاویٰ خلاصہ کے مطابق حرماں نصیب ہیں اور ان کے سوتے خاتمہ کا اندیشہ ہے مولیٰ تعالیٰ ایسی جرات سے محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کو وقت رہتے ہوئے ہدایت دے۔ آمین

سوال (۱۲)..... جماعتِ اہل سنت میں ایک ایسا حلقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنی تحریر و تقریر میں اشارے کنائے میں اس جذبے کا شدت سے اظہار کر رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے ساتھ ہم نہیں چل سکتے ان کی تعلیمات کی روشنی میں ہم وسیع دنیا کی سیر نہیں کر سکتے ان کے افکار و نظریات ہمیں دن بدن محدود کر رہے ہیں اس لئے کوئی نیا چہرہ لایا جائے جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور جو سب کے ساتھ مل جل کے زندگی گزارنے کا حق دیتا ہو کیا مذکورہ خیالات درست ہیں؟ کیا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تعلیمات ہمیں محدود کر رہی ہیں۔ کیا اعلیٰ حضرت سے ہٹ کر جماعتی اتحاد کی کوئی صورت ممکن ہے۔

جواب (۱۲) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تعلیمات ہمیں محدود کر رہی ہیں کا مطلب وہ نہیں جو حاسدین نے لیا بلکہ یہ کہ حدود شرع میں رہنے کا پابند بنا رہی ہیں اور اعلیٰ حضرت کا متبادل نہ مجال شرعی ہے نہ عقلی مگر جو واقعہ متبادل ہو گا وہ وہی پیغام دیگا جو اعلیٰ حضرت نے دیا اور جو ایسا نہ ہو یا ایسے کو آزاد خیال یا مذہب بیزار برداشت نہ کر سکے تو وہ خود ظالم جفا کار ہے۔ ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون۔ اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں، ایسے لوگ کل ہو کر ائمہ مذاہب کی تقلید کا قلاہ بھی اپنی گردنوں سے نکال پھینکیں تو انھیں کون روک سکتا ہے، اعلیٰ

ہے۔ سورہ مکیہ ومدنیہ، مکہ ومدینہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اترنے والی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔ عقیدہ ختم نبوت سے بغاوت رکھنے والے غلام احمد قادیانی کے باطل نظریات کو اس کے مسکن، قادیان، کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کبھی خود اس کے نام کی طرف منسوب کر کے، احمدی، کہا جاتا ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک خاتون مخصوص ایام میں نماز پڑھنے کی بابت مسئلہ پوچھا تو فرمایا ”احرور یہ انت“ کیا تو حرور کی رہنے والی ہے؟ یہ مقام اس وقت خارجیوں کا گڑھ تھا اور وہ لوگ ایام حیض میں نماز کے قائل تھے، تو انہیں حرور یہ کہہ دیا گیا، خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”الایمان یمان“ والحکمہ یمانہ، کبھی فرمایا ”الایمان فی اهل الحجاز“ ایمان یعنی ہے حکمت یمانہ ہے ایمان اہل حجاز میں ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یمن کے باہر ایمان نہیں ہو سکتا، اہل حجاز کے علاوہ کوئی ایمان والا نہیں بلکہ یہ کہ اس دور میں یمن و حجاز کے لوگ کثرت سے ایمان والے رہے اور وہ ایمان کے زیادہ حریص رہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہاں کا ایک ایک فرد مومن رہا ہو اس طرح کی نسبت غلبہ و شہرت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہاں کے لوگ ہر زمانہ میں اس صفت سے متصف ہی رہیں، تفسیر روح البیان میں ہے انما نسب الایمان الیہم اشعار ا بکمالہ فیہم لان من اتصف بشئی وقوی قیامہ بہ نسب ذالک الشئی الیہ لان یکون فی ذلک نغی له عن غیرہم فلانما فاة بینہ و بین قولہ الایمان فی اهل الحجاز ثم ان

مسک اعلیٰ حضرت انہیں اصطلاحوں میں سے ایک ممتاز اصطلاح ہے حالات کے تناظر میں اصطلاحیں وجود میں آتی ہیں۔ عہد حاضر میں اہل حق کی شناخت کے لئے مسک اعلیٰ حضرت سے جامع کوئی اصطلاح نہیں۔ کیا مخالفین کے مطالبے میں واقعیت ہے؟ کیا وہ کسی سازش کے شکار تو نہیں ہو رہے ہیں؟ جواب (۱۳) اختلاف زمان و مکان سے علامات و اصطلاحات میں تبدیلی ہوتی ہے کسی زمانے میں، اسلام کا نام دین وحدت، دین توحید تھا، ایک زمانہ میں دین حنیف اور ملت برائیمی رہا پھر دین اسلام سے مشہور و متعارف ہوا تو اسلام کوئی نیا دین نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ہے مگر اس وقت اس نام سے معروف نہ تھا اسی کو دین فطرت، دین حق، دین وسط، دین اللہ، دین محمدی، صراط مستقیم، سواد اعظم، اور اہلسنت و جماعت بھی کہا جاتا ہے۔

اصطلاح وانتاب میں لحاظ کسی عقیدہ نیک و بد کے ایجاد و فروغ کا ہوتا ہے یا اس کے استحکام و استیصال کا یا اس کے اجرا و دفاع کا، پھر کبھی یہ نسبت کسی بھی عقیدہ کے مروج و بانی کی طرف ہوتی ہے کبھی اس کے مسکن کی طرف کبھی کسی نعمت کے ملنے اور اترنے کی طرف یونہی اس کے برعکس شرو فساد کے برپا ہونے و پھیلنے کی طرف، اور کبھی بالکل خلاف عقل متحمل نظریہ کے مخالف باپ دادا اور اس کے مورث اعلیٰ کی طرف، مثلاً وہابی کی اصطلاح، عبد الوہاب کے بیٹے محمد نامی کے ماننے والے کہلاتے ہیں مگر نسبت اس عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنے والے، باپ عبد الوہاب کی طرف منسوب ہے۔ نجدی، نجد سے باطل نظریات کے پھیلنے کی وجہ سے جگہ کی طرف منسوب

کلام و عقائد کی کتابوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ آج بھی وہ بہت سے مسائل جو کسی ایک ملک میں سنیت کے امتیازی مسائل تصور کئے جاتے ہیں وہ مسائل دوسرے ملک میں حق و باطل کے درمیان خطا فاصل تصور نہیں کئے جاتے ہیں جیسے ہمارے یہاں برصغیر میں مسئلہ نور و بشر، مسئلہ حاضر و ناظر کو ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ عالم عرب میں انہیں حق و باطل کی کسوٹی نہیں سمجھا جاتا ہے اسی طرح لبنان میں عبد اللہ الحریری اور ان کے متبعین ابن تیمیہ کی تکفیر کو دلیل سنیت قرار دیتے ہیں مگر ہندستان میں اس کی تکفیر میں احتیاط کی گئی اور اسے ضال و مضل قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح اس دور میں جو حامی الحریمین کی تشریحات کے مطابق گمراہ و بد مذہب جن کی گمراہی و بد مذہبی حد کفر کو پہنچ چکی ہو ان کے لیڈروں کو کافر جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج جانتا ہو اور اپنے اسلاف کے مسلک کا پیرو ہو اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہو وہ سنی، اور جو اس کے برخلاف ہو وہ غیر سنی۔

مسلک اعلیٰ حضرت، کی اصطلاح سواد اعظم، یا اہلسنت و جماعت کے لئے اس دور میں ہندستان اور اس سے متصل ممالک کے لئے خط امتیاز ہے، سنی، اہلسنت و جماعت، اور سواد اعظم ہونے کے مدعی وہ لوگ بھی ہیں جو سواد اعظم اور اہلسنت و جماعت کے بنیادی عقائد سے نہ صرف منحرف ہیں بلکہ شان الوہیت و عقیدہ عظمت رسالت کے باغی ہیں۔ نسبت و اضافت کی بحث گزر چکی، یہاں بھی مسلک کی اضافت اعلیٰ حضرت کی طرف اس لئے نہیں کہ انہوں نے کوئی نیادین یا نیا مسلک گڑھا ہو یا عقائد اہلسنت و جماعت کے واضح و موجد

المیراد بذلك الموجودون منهم في ذلك الزمان لاكل اهل اليمن في كل الاعيان۔

سواد اعظم و اہلسنت و جماعت ہر زمانے میں جب جب کسی جماعت نے سواد اعظم کے جن عقائد سے اختلاف کیا وہی عقائد اس دور میں جماعت کا امتیاز رہا اور سنیت کی علامات قرار پائے مثلاً خوارج نے فتنہ تکفیر برپا کیا تو یہی مسئلہ سنی و غیر سنی کے درمیان امتیاز تھا یعنی جو مرتکب کبیرہ کی تکفیر نہ کرتا ہو وہ سنی اور جو تکفیر کا قائل ہو وہ غیر سنی۔ ایک زمانہ میں تفضیل شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حضرت عثمان غنی و مولا علی رضی اللہ عنہما پر فضیلت ماننا اور موخر الذکر سے محبت رکھنا اور مسیح علیٰ الخفین، چرمی موزوں پر مسیح درست ماننا سنیت کی علامت قرار پایا۔ یونہی ایک زمانہ میں خلق قرآن کا مسئلہ محک سنیت ہوا کرتا تھا کہ جو قرآن کریم کو قدیم اور اللہ رب العرش العظیم کی صفت مانے وہ سنی اور جو قرآن کو مخلوق و حادث مانے وہ غیر سنی، اسی طرح کسی دور میں مسئلہ صفات باری تعالیٰ اور مسئلہ خلق افعال عبادت، تشبیہ، تجسیم، تنزیہ کے مسائل اس جماعت کا نشان امتیاز رہا۔ یہی نہیں کبھی ایک ہی زمانہ میں دو، دو الگ الگ خطوں میں اس جماعت کے امتیازی عقائد الگ الگ رہے، مثلاً جس دور میں ایران اور عراق میں شیعہ سنی اختلاف اپنے عروج پر تھا وہاں خلافت و امامت مسئلہ نقص قرآن رویت باری تعالیٰ اور جواز متعہ وغیرہ کی بنیاد پر سنی و غیر سنی ہونے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

اس دور میں بلاد مغرب یعنی اندلس اور مراکش وغیرہ میں عوام واقف ہی نہیں تھے، یہ مسائل صرف مدارس کے اندر علم

آپ کی حیات کے ترجیحی ابواب ہیں آپ کی زبان و بیان پہ گہری نظر ہے۔ آپ کو یہ ساری خصوصیات جہد مسلسل اور کثرت مطالعہ کے نتیجہ میں ملی ہیں آپ نے بے شمار شخصیات کا مطالعہ کیا ہوگا اب تک جتنی شخصیات کا آپ نے مطالعہ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ کس شخصیت نے آپ کو متاثر کیا ہے؟

جواب (۱۴) تاجدار اہلسنت شہزادہ اعلیٰ حضرت سیدنا و مرشدنا علامہ الشاہ مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی بافیض و باکرامت جامع تقویٰ و طہارت شخصیت نے جن کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ خنیت الہی، عشق رسالت پناہی کی سچی تفسیر اور عملی تعبیر تھا۔

سوال (۱۵)..... علماء دین کی اساس ہوتے ہیں دینی نظام ہمیشہ علماء ہی سے چلتا رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ علماء کی ذمہ داریاں عوام سے مختلف ہوا کرتی ہیں۔ علماء کو وارث انبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے اس طرح علماء کی ذمہ داریاں اور بھی سوا ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ علماء کی ایک جماعت ایسی رہی ہے جو منہاج نبوت سے اقتباس نور کرتی رہی ہے..... ماضی بعید تو کتابوں میں ہے اور ماضی قریب کے علماء کی ایک جماعت ہمارے پیش نگاہ ہے اور حال کے علماء بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں لیکن دونوں میں ہم بڑا فرق محسوس کرتے ہیں ماضی قریب کے علماء نے اپنے منصب کا کبھی سودا نہیں کیا۔ ان کی ساری جدوجہد مذہب و مسلک کے لئے ہوتی تھی لیکن حال کے علماء ماضی قریب کے علماء سے بالکل

مختلف ہیں الا ماشاء اللہ آخر کار اس قدر جلد یہ فرق کیوں آیا؟

جواب (۱۵) حرص و ہوس، بغض و حسد، جب جاہ و مال،

ہوں بلکہ اس لئے کہ وہ خود بھی اس پر گامزن رہے اور سب کو اسی پر چلنے کی تلقین و تبلیغ فرمائی اور عقائد فاسدہ جو چور دروازے سے اس میں داخل کر دیئے گئے تھے انھیں اپنی خدا داد صلاحیتوں سے جدا کر کے خبیث و طیب میں امتیاز قائم فرما دیا وراپنی مختصر عمر کا لمحہ لمحہ اس کی تجدید و احیاء کے لئے وقف فرما دیا، قرآن کریم نے فرمایا وان هذا صراطی مستقیماً، اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کی تفسیر ہے ای مسلکی و شریعتی یعنی میرا مسلک اور میرا طریقہ و راستہ پھر فرمایا، ولسمی الشرع طریقاً لانه یودی الی الثواب فی الجنت شرع کا نام طریقہ رکھا گیا کیوں کہ وہ جنت کا راستہ ہے اور فرمایا ومعنی اضافت الی ضمیر علیہ السلام انتسابہ الیہ من حیث السلوک لامن حیث الوضع کی فی صراط اللہ مستقیماً،

یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مسلک و شریعت کی نسبت وضع کرنے کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس پر چلنے چلانے کی وجہ سے ہے کیونکہ حقیقت یہ راستہ تو خود اللہ نے وضع فرمایا جیسا کہ صراط اللہ مستقیماً سے مفہوم ہے،

(روح البیان ص ۱۲۰ ج ۲)

لہذا بلاشبہ یہ عرف و اصطلاح جائز ہی نہیں بلکہ عہد حاضر میں برصغیر کے اندر اس سے جامع و مانع کوئی دوسری اصطلاح نہیں ہے تو بلاوجہ ظاہر عرف و عادت کے خلاف کسی دوسری اصطلاح کی ایجاد کسی منسوبہ بندسازش کا نتیجہ ہے جو خود خلاف و مکروہ ہے اور اکابر و اسلاف کی روش سے ہٹ کر حسد و عناد، شر و فساد کی راہ اختیار کرنا ہے۔

سوال (۱۴)..... درس و تدریس، امامت و خطابت،

دعوت و تبلیغ، تالیف و تصنیف، مطالعہ، جہاں بینی اور جہاں بانی

کسی نہیں کہ بذریعہ کسب حاصل کی جاسکے۔ بلکہ یہ فضل وہی ہے جو حاسدین کی بس سے باہر ہے۔

سوال (۱۷)..... مارہرہ شریف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا پیرخانہ ہے اعلیٰ حضرت کی پانچ نسلیں مارہرہ شریف کے حلقہ ارادت میں داخل ہیں۔ مارہرہ شریف کی خانوادہ رضویہ پر خصوصی نوازشات رہی ہیں۔ نوازشات ہی کا نتیجہ ہے کہ ”اعلیٰ حضرت“ کو ”چشم و چراغ خاندان برکات“ کہا جاتا ہے..... مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کا جس انداز میں تذکرہ کیا جاتا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ طریقت میں پیرخانے کا مقام و مرتبہ کیا ہے اس سے اہل علم خوب اچھی طرح واقف ہیں، فروغ رضویات میں بھی مارہرہ شریف کے رول کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خاندان برکات اور خاندان رضویہ ہمیشہ سے شیر و شکر رہے ہیں لیکن حالیہ چند برسوں میں دونوں خانوادوں میں فاصلے بڑھ رہے ہیں اور روز بروز اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے ایک طبقہ مارہرہ شریف کے قرب کے پردے میں فاصلے کو ہوادے رہا ہے۔ نتیجہ کے طور پر مخالفین کی جراتیں بڑھ رہی ہیں اور وہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو کھل کر اپنی تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ سادات مارہرہ مخالفین کی سازشوں کو سمجھ نہیں پارہے ہیں آخر دونوں میں دوریاں کیسے ختم ہوں اور اس کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟

جواب (۱۷) یہاں ”حب علی نہیں بغض معاویہ“ کی مثل یاد آتی ہے کہ کچھ حاسدین مروانی سیاست چل رہے ہیں، دونوں خانقاہیں اپنے اپنے پیش رو بزرگوں کی روش پر چلیں تو

اسلاف ناشائسی، فکر عقبی سے غافل، خشیت الہی سے عاری، اکابر کی ناقدری اور احساس ہمہ دانی و پنہجوں دیگر عوامل و محرکات ہیں جو شرار الناس شرار العلماء کی وعید شدید پڑھنے کے باوجود اپنی فکر میں تبدیلی لانے کے روادار نہیں ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سوال (۱۶)..... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات معیار سنیت ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت اہل سنت و جماعت کا نشان امتیاز ہے یہی ایک ایسی اصطلاح ہے جو غیروں سے ہمیں ممتاز کرتی ہے۔ بعض اداروں، خانقاہوں، اور افراد کی جانب سے اس کی درپردہ مخالفت ہو رہی ہے آخر اس مخالفت کے پس پردہ کون سے مقاصد کارفرما ہیں۔

جواب (۱۶) تحریر بالا میں گزر چکا اور یہ کوئی نئی بات نہیں یہ سب سے پرانا مرض ہے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام اور قابیل نے ہابیل کی مخالفت اسی مرض حد کا شکار ہو کر کیا حضرت سعدی علیہ رحمۃ الباری نے اسی کو یوں فرمایا ہے:

توانم آنکہ نیازم اندرون کسے
حود را چه کنم کو ز خود برنج درست
کچھ افراد، کچھ ذمہ داران ادارہ، کچھ اہل خانقاہ کی دلی خواہش ہے کہ اس طرح کی اصطلاح ان کی طرف منسوب ہو یہ شہرت و مقبولیت انہیں ملے، کوئی لفظ، اعلیٰ حضرت تو کوئی مسلک اعلیٰ حضرت تو کوئی تصانیف اعلیٰ حضرت کو ہدف تنقید بنا رہا ہے کوئی نامناسب تو کوئی ناجائز کہہ رہا ہے کوئی حسام الحرمین پر نظر ثانی کا مشورہ دے رہا ہے مگر اس کے برعکس اعلیٰ حضرت کی شہرت و مقبولیت کا دائرہ تنگ ہونے کی بجائے مزید وسیع ہوتا جا رہا ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، یہ نعمت

یہ دوریاں ختم ہو سکتی ہیں۔ مارہرہ اگر جسم ہے تو بریلی، اس کی آنکھ اور مارہرہ مکان ہے تو بریلی اس کا چراغ مارہرہ اپنی آنکھ نہ پھوڑے، بریلی آنکھ نہ موندے، مارہرہ اپنے چراغ میں تیل ڈالتا رہے، چراغ، گھر کو روشن رکھے، روشن گھر میں چور کو گھسنے کا موقع ہی نہ ملے کوئی ان ہونی ہو۔

سوال (۱۸)..... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے خانقاہی نظام کو نئی تب و تاب عطا کی ہے، خانقاہی معمولات و مراسم پہ شدت کے ساتھ حملے ہو رہے تھے اعلیٰ حضرت نے ان حملوں کا بھرپور دفاع فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ کی تالیفات و تصنیفات شاہد ہیں۔ اگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو خانقاہی نظام کب کا دم توڑ چکا ہوتا۔ خانقاہی نظام کے تحفظ میں اعلیٰ حضرت کا کوئی شریک نہیں ہے لیکن آج خانقاہی اعلیٰ حضرت کے خلاف متحد ہو رہی ہیں دلی کی، صوفی کانفرنس، اس کا عملی مظاہرہ ہے اس سلسلہ میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

جواب (۱۸) اب خانقاہیں کم خواہ مخواہیں زیادہ ہیں جہاں خانقاہیت ہے وہاں اعلیٰ حضرت ہیں، جو خواہ مخواہ ہے وہاں اعلیٰ حضرت سے بغاوت ہے، دلی کی نام نہاد ”صوفی کانفرنس“ جس طرز پر ہوئی اس سے اہلسنت کا ایک بڑا طبقہ کھچی ہے اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی، خود خانوادہ اشرفیہ سے بھی بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ بہر حال وہ ایک حادثہ تھا جو ہو گیا اور بہت ممکن کہ اسی احساس ندامت نے کنوینر محترم کو جمعیتہ العلماء کے دعوئے چہشتیت کی دھجیاں اڑانے پر آمادہ کیا جو ”انقلاب“ میں شائع ہوا تھا۔

سوال (۱۹)..... حضور تاج الشریعہ اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے نمبرہ ہیں اور حضور مفتی اعظم ہند کے جانشین ہیں اور موجودہ علمائے اہل سنت و جماعت میں خصوصی امتیاز کے حامل ہیں، آپ کی کتاب حیات میں جہاں خاندانی فضیلتوں کی ایک طویل فہرست ہے وہیں ذاتی فضیلتوں کی بھی ایک لمبی فہرست ہے ”علوم و معارف“ کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو آپ کی نگاہ سے اونچل ہو برصغیر ہند و پاک میں فقہ و افتاء میں کوئی آپ کا مثیل نظر نہیں آتا، خلق خدا میں قبولیت کا یہ عالم ہے کہ جہاں قدم رکھتے ہیں پروانوں کا جہوم کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے عقیدتوں کی پھیلتی خوشبو سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو غوث اعظم کی نیابت حاصل ہے زبان میں تاثیر کا یہ عالم ہے کہ جو کہہ دیتے ہیں واقع ہو کے رہتا ہے مخالفین ان کی عظمتوں کی پھیلتی لہروں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں بلکہ مخالفین خود بے آبرو ہوتے جا رہے ہیں۔ جماعت اہلسنت جسم ہے تو ان کی ذات روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتنوں کے جہوم میں ان کی ذات چراغ ہدایت ہے ان امتیازات و خصوصیات کے باوجود جماعت کا ایک نام نہاد طبقہ ان کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور ان کی کردار کشی کا کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا۔ آخر ان کی مخالفتوں کے پس پشت مفاد کیا ہیں؟ کیا انہیں نظر انداز کر کے جماعتی اتحاد کا کوئی تصور ممکن ہے۔ ان کا دینی، ملی، علمی، اور سیاسی مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اور انہیں ہمیں کس نگاہ سے دیکھنا چاہیے؟

جواب (۱۹) اب اس سوال کی ضرورت نہ رہی۔

سوال (۲۰)..... محدث کبیر حضرت علامہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری، رضوی امجدی کا خاندانی اور علمی شجرہ انتہائی

ساری خصوصیات رکھتی ہے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندستان ہی میں اتارے گئے اذان کی سب سے پہلی آواز ہندستان ہی میں گونجی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندستان سے بڑی محبت تھی حضرت خواجہ غریب نواز کو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر ہندستان بھیجا بڑے بڑے اساطین امت اس کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں قریب قریب ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے اس ملک پہ حکومت کی ہے اس کے باوجود آج یہاں ایک گداگر کی حیثیت سے گزار رہا ہے حکومت کے کسی شعبہ میں اس کی کوئی نمائندگی نہیں۔ خود حکومت ہر طرح سے اس قوم کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر عالمی برادری کا خوف نہ ہو تو حالات کچھ اور ہوتے۔ آخر مسلمانوں کی پستی کے اسباب کیا ہیں؟ اور اسے ذلت و رسوائی کے غار سے نکلنے کی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

جواب (۲۱) موثر قیادت کا فقدان۔ جب قیادت صالح و مفید ہوگی تو قوم و ملت بھی مستفید ہوگی۔

سوال (۲۲)..... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے وصال کو سو سال ہونے جا رہا ہے بعض ادارے جشن صد سالہ کی تیاریاں اپنے اپنے طور پر کر رہے ہیں لیکن یہ کام منصوبہ بند انداز میں ہونا چاہئے اس لئے کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت لفظوں سے کھیلنے والی شخصیت نہیں ہے انہوں نے اپنی اڑسٹھ سالہ حیات میں علمی دنیا کو ایک ہزار سے زائد کتابیں اور رسائل دیئے ہیں ان پہ جو بھی کام ہو پاندار انداز میں ہو اس حوالہ سے آپ کے ذہن میں کوئی خاکہ ہو تو بیان فرمائیں۔

مستحکم، مضبوط اور پاندار ہے۔ برصغیر ہند و پاک کا شاندار ہی کوئی ادارہ ایسا ہوگا جہاں ان کے علمی فیضان کا بادل کسی نہ کسی شکل میں برس نہ رہا ہو۔ ان کے والد ماجد حضور صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی شاہ امجد علی اعظمی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خصوصی تلامذہ اور خلفاء میں تھے۔ حضور صدر الشریعہ نے براہ راست اعلیٰ حضرت سے استفادہ کیا ہے حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ محبتیں بھی انہیں حاصل رہیں۔ اس طرح ان تینوں شخصیات کی خصوصی نوازشات ان کے ساتھ رہی ہیں۔ خود حضور صدر الشریعہ کو اپنے پیرخانہ سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی۔ اس طرح دیکھا جائے تو اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی محبت محدث کبیر کو وراثت میں ملی ہے۔ خود محدث کبیر اپنا جداگانہ علمی قدر رکھتے ہیں ان کی اب تک کی زندگی علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج میں گزری ہے ان کا دامن حیات ہر طرح کے داغ و دھبوں سے پاک ہے انہوں نے کبھی مذہب و مسلک کا سودا نہیں کیا ہے، ان کی ذات ہر اعتبار سے قابل احترام ہے..... اس قدر صاحب فضل و کمال شخصیت ہونے کے باوجود ادھر دس پندرہ سالوں سے تسلسل کے ساتھ ایک جماعت ان کی کردار کشی میں ہمہ تن مصروف ہے۔ آخر ایسا کیوں اور اس کے اسباب کیا ہیں جب کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی کے خلاف نہ بولتے ہیں اور نہ لکھتے ہیں۔

جواب (۲۰) اس کا جواب بھی گزشتہ سطور میں آچکا۔

سوال (۲۱)..... ہندستان ہمیشہ سے جنت نشان رہا ہے، یہاں کی مٹی سونے لگتی ہے، ہندستان کی مٹی اپنے اندر بہت

جواب (۲۳) بڑے چھوٹوں پر شفقت فرمائیں، چھوٹے بڑوں کو بڑا مانیں اور ان کا احترام کریں۔

سوال (۲۴) پیغام رضا مذہب اہل سنت کا ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان ہے۔ اس نے جہاں مذہبی قدروں کے تحفظ میں اہم رول ادا کیا ہے، وہیں تعاقباتی ادب کو فروغ بھی بخشا ہے۔ اس کے قارئین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ کیا آپ پیغام رضا کے رول سے مطمئن ہیں؟ کیا آپ پیغام رضا کے قارئین کے نام کوئی پیغام دینا پسند کریں گے؟

جواب (۲۴) پیغام رضا کے مندرجات اہم اور تقاضائے وقت ہیں جو بخیرہ اور غیر جانبدار قاری کے لئے مشعل ہدایت اور معاندین و حاسدین کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ اس کے مدیر محترم بلند حوصلہ و باہمت ہیں۔ اس کی اشاعت پر وہ دلی مبارکباد کے مستحق و لائق تہنیت ہیں مولیٰ تعالیٰ، پیغام رضا، اور اس کے مدیر کو آسید روزگار سے محفوظ رکھے اور ان کے علم و عمل، فضل و کمال میں یوماً فیوماً ترقی اور عمر میں برکت دے۔ آمین، والسلام

محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ

بانی و سربراہ اعلیٰ جامعہ الخضر، مظفر پور

قومی صدر آل انڈیا اسلامک ایکشن کمیٹی، مظفر پور

جواب (۲۲) ”جشن“ کا لفظ ولادت کے لئے تو صحیح ہے مگر وصال کے لئے موزوں نہیں لگتا اگرچہ بزرگوں کے لئے یوم وصال ضرور جشن ہے کہ وہ وصل حبیب کا دن ہے بہر حال جشن ولادت ہو یا تقریبات عرس ایسے خاص دنوں میں اہم اور عالمی پیغام نشر ہونا چاہئے مگر عام طور پر ایسا نہیں ہو رہا ہے چنانچہ سال گزشتہ خود میڈیا نے بھی شہ سرنی کے طور پر یہ خبر شائع کی کہ عرس رضوی کے اسٹیج سے سیلاب کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مجمع کے لئے کوئی ملکی یا عالمی پیغام نشر نہ ہو سکا، جبکہ جمومی حملے اور روہنگیا اور خود اپنے ہی ملک میں آسام کے مسلمانوں کو حق شہریت سے محروم کیا جا رہا تھا۔ طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی سرخیوں میں چل رہا تھا مگر کسی پر نہ صدائے احتجاج بلند ہوئی نہ دعا کے لئے لب کھلے۔

سوال (۲۳)..... اکابر اور اصاغر میں باہم ربط ہونا چاہیے اس لئے کہ اکابر کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری اصاغر ہی کی ہوتی ہے اگر اصاغر کا اکابر سے رشتہ ٹوٹ جائے اور دونوں کی ڈگریک دوسرے سے مختلف ہو جائے تو ملت کو شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ماضی قریب کا منظر نامہ ایسا نہیں تھا۔ اصاغر اپنے اکابر کے پہلو بہ پہلو اور قدم بہ قدم ہوتے تھے۔ اکابر کی اصاغر پہ خصوصی نوازشات رہا کرتی تھیں۔ لیکن آج کا منظر نامہ ماضی قریب کے منظر نامہ سے یکسر مختلف ہے۔ کوئی بڑی شخصیت اپنے چھوٹوں پہ دست شفقت پھیرنے پہ آمادہ نہیں ہے اور کوئی چھوٹا کسی کو بڑا تسلیم نہیں کر رہا ہے اس صورت حال کو آپ بھی محسوس کر رہے ہونگے اس حوالہ سے آپ کی رائے کیا ہے؟

باب ششم ادبیات

تفہیم کلامِ رضا — چند معروضات

اُردو نعت آج ایک منفرد صنفِ سخن کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ نعت کی صنفی شناخت کا یہ دائرہ نہ تو صرف مسلمان حلقوں تک محدود ہے اور نہ ہی اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والوں تک۔ نعت کی تخلیقی اور تفہیمی دنیا ایسی تمام سرحدوں سے ماورا اور کہیں زیادہ وسیع تر ہے۔ بلاشبہ نعت کے بیانیہ کی ساخت اور اُس کے متن کے اظہاری سانچوں کی تشکیل اور ان کی معنویت کا عمل براہِ راست اسلامی عقائد سے مشتق ہوتا ہے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ غیر مسلم شعرا کی نعت نگاری آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا وہ اعتراف ہے جو بجائے خود معجزے ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ انسانی تاریخ کے ہزاروں برسوں میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ عقل و دل دونوں ہی اس امر کی گواہی دیتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم نے اس معجزے کی گواہی کچھ اس طرح پیش کی ہے:

”اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کیا۔“

یہ ذکر اور اس کی بلندی کی سطحوں کا فروغ نعت کا شیوہ ہے اور یہی نعت نگاروں کی آرزو۔

اُردو نعت کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ اس صنفِ سخن

کی آبیاری میں متعدد شعرا نے اپنا خونِ جگر صرف کر کے عقیدت نگاری کے باب میں اپنے خلوص، وارفتگی اور فنی مہارت کے جاوداں نقوش ثبت کیے اور حرفِ نسبت کے اعزاز کے ذریعے اپنے نام ہی کو نہیں، کام کو بھی دستِ بردِ زمانہ سے بچالیا۔ اردو کے تناظر میں دیکھا جائے تو نعتیہ شاعری کا ذکر آتے ہی ہمارے ذہنوں میں جو پہلا نام روشن ہوتا ہے، وہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ کہتے ہیں قدرت بڑے کاموں کے لیے بڑے لوگ پیدا کرتی ہے اور انھی بڑے لوگوں کے عظیم کارناموں سے کسی قوم کی فکری تاریخ اور تہذیب و ادب کے اوراق روشن ہوتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بھی اپنی مجموعی صفات کے تناظر میں ایک ایسی ہی بڑی شخصیت ہیں جنہوں نے علمی، فکری، نظریاتی اور فقہی موضوعات پر وہ قابلِ قدر قلمی اثاثہ چھوڑا ہے جس سے آنے والا زمانہ تادیر روشنی حاصل کرتا رہے گا۔

مولانا کو شعر و ادب سے بھی خصوصی لگاؤ تھا۔ بے شمار علمی مشاغل کے باوجود ان کی شاعرانہ تخلیقات میں زبان و بیان کی قوت، تخیل کی بلند پروازی، جذبات و واقعات نگاری اور وارداتِ قلبی کی پیکر تراشی جیسے فکری اور فنی محاسن دیکھ کر خوش

داری کے ساتھ اس احساس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کی تمام تر مقبولیت کے باوجود تاریخ ادب کا اُن کی طرف عدم التفات اور کلامِ رضا کے اہم فکری، فنی اور لسانی حوالوں کا عصری ادبی مباحث اور تجزیاتی مطالعات میں نظر انداز کیا جانا ہماری تنقید کے آگے ایک بڑا سوالیہ نشان اور ہماری ادبی روایت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

”نعت رنگ“ کے مذکورہ خصوصی شمارے کی ترتیب و تہذیب کے دوران مجھے کلامِ رضا کی تفہیم و تشریح پر مبنی ایسے بیشتر لوازم کو توجہ سے دیکھنے کا موقع ملا جو اس وقت تک شائع ہو چکا تھا اور اس کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مولانا کی نعتیہ شاعری پر اب تک اُردو کے بہت سے نعت گو شعرا کے مقابلے میں دیکھا جائے تو کہیں زیادہ لکھا گیا ہے، مگر اس کا بیشتر حصہ تحسینی اور جذباتی عقیدت پر مشتمل ہے جب کہ ادب میں صرف عقیدت کے اظہار سے کام نہیں چلتا، یہاں تو تحلیل، تبصرہ، تجزیہ کرتے ہوئے نتائج فکر پیش کرنے کا تقاضا ہوتا ہے، جس کی کمی اس باب میں صاف صاف محسوس ہوتی ہے۔ نقد و نظر کا ماحول ایک کھلی فضا کا تقاضا کرتا ہے، جب کہ ہم نے مولانا کے گرد ایک ایسا تقدیس ہالا قائم کر رکھا ہے جو شعری تخلیقات کو معروضی انداز اور ادبی معیارات کی روشنی میں پرکھنے والے سنجیدہ اہل قلم کو اس طرف آنے سے روکنے کا سبب بن رہا ہے۔ یہ طبقہ اگر کہیں اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتا دکھائی بھی دیتا ہے تو سرسری انداز اور محتاط رویوں سے اس بات کی نشاندہی فوری طور پر ہو جاتی ہے کہ وہ صرف رسمی توصیف اور عمومی دلجوئی سے کام لے رہا ہے۔ اس

گوار حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے کل وقتی شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی اُردو زبان و ادب اور نعت گوئی کے فن کو کتنا پُر ثروت کیا ہے۔ ۱۴۴۰ھ میں مولانا کو دنیا سے رخصت ہوئے ۱۰۰ سال ہو جائیں گے، مگر مولانا کے عشقِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت اور ان کے افکار، نظریات اور تعلیمات و کلام کی روشنی ہر آنے والے لمحے میں اپنا دائرہ وسیع کر رہی ہے۔ ہر گزرتا دور ”حدائقِ بخشش“ کی تخلیقی عظمت، ادبی سرفرازی، شعری بلندی اور عشق و عقیدت کے نو بہ نو پہلو سامنے لا رہا ہے۔ مولانا نے اپنی نعت گوئی کے توسط سے بحیثیت عالم دین احترامِ بارگاہ رسالت مآب اور آدابِ نعت گوئی کے جن زاویوں اور پہلوؤں کو متعارف کروایا اور انھیں اپنے افکار و خیالات کے شعری سانچے میں جس طرح ڈھال کر دکھایا، اس کی کوئی دوسری مثال اُردو نعت کی شعری روایت میں باید و شاید نظر آئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نعتیہ ادب پر اب تک تنقید و تحقیق کے جتنے بھی اظہاری زاویے سامنے آ رہے ہیں، ان میں کہیں نہ کہیں مولانا کے اسلوب و آہنگ کو چراغِ راہ بنا کر چلنے کا رویہ نمایاں نظر آتا ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ، لیکن اس امر کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ اب تک مولانا کو بحیثیت شاعر اُردو زبان و ادب کی تاریخ میں وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں اور یقیناً ہیں، اس حوالے سے ۲۰۰۵ء میں ”نعت رنگ“ کا مولانا احمد رضا خاں نمبر مرتب کرتے ہوئے، میں نے جن چند معروضات کا اظہار کیا تھا وہ آج بھی سوالیہ نشان کی صورت ہمارے سامنے ہیں۔ میں پوری ذمہ

ہے۔ ادب اور زبان سے جڑے مسائل ان کا مسئلہ اور موضوع نہیں۔

نتیجتاً ایسی تحریروں کی تعداد زیادہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کی تحسین کے نام پر جمع کر دی گئی ہیں۔ اس انبار میں مولانا کی نعتیہ شاعری پر لکھے گئے ایسے سنجیدہ، علمی اور تنقیدی مقالے بھی ہیں جو عصری ادبی میلانات کی روشنی میں لکھے گئے تھے اور جنہیں نمایاں کرنا ضروری تھا، مگر وہ کہیں دب کر رہ گئے۔ ان کی وہ توقیر نہیں ہو سکی جس کے وہ مستحق تھے۔

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہم نے مولانا کی نعتیہ شاعری کو ادبی نقطہ نظر سے سمجھنے اور بحیثیت شاعران کی تخلیقی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ خود کی، نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ مولانا کی نعتیہ شاعری اور ان کا شعری عمل خالص ادبی نقطہ نظر سے ہونے والی گفتگو کا وسیع، خیال افزا اور خیال افروز ماحول چاہتے ہیں۔ مگر ہم مولانا کی نعتیہ شاعری کو ان کے دیگر اہم اور وقیح کاموں کے ساتھ ملا کر دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں جس کے نتیجے میں وہ بحیثیت شاعر محدود تر حوالے سے موضوع گفتگو بنتے ہیں اور ایک معروف عالم دین اور مذہبی و مسلکی رہنما کی حیثیت سے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں ادب کے

مجموعی فضا کے حوالے سے میں نے اپنے احساسات ”نعت رنگ“ کے ”مولانا احمد رضا خاں نمبر“ کے ادارتی نوٹ میں کچھ اس طرح پیش کیے تھے:

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں اردو کے وہ خوش نصیب اور مقبول خاص و عام نعت گو ہیں جن پر بہت لکھا گیا ہے۔ اردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا پر موجود ہے، لیکن مقالات و مضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہو سکتی ہے، اطمینان کا نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ کسی نہ کسی بہانے ایک عظیم نعت گو کی یاد اور اس کے کام کی خوش بو پھیل رہی ہے اور عدم اطمینان اس بات پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی ایک بڑی تعداد سنجیدہ قارئین کو متاثر کرنے کی بجائے یکسانیت اور اکتاہٹ کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

ایسا صرف اس لیے ہے کہ یہ ساری تحریریں ایک دوسرے کی تفصیل و تلخیص معلوم ہوتی ہیں۔ اس ایوان میں فکر تازہ کے درتچے کم ہی کھلے ہیں۔ وہی چند موضوعات اور وہی چند حوالے جن کی بنیاد پر لاتعداد مضامین کا ایک ڈھیر لگا دیا گیا ہے۔ پھر ان مضامین کے لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے حلقہ ارادت منداں سے تعلق رکھتی ہے جو مولانا کی نعت گوئی پر صرف اور صرف مولانا سے عقیدت اور محبت کے اظہار کی خاطر کچھ لکھنے کی کوشش کرتی

نے ان کی شخصی عظمت اور علمی مرتبت کی ضیاء کی ہے؟ ہمیں اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنی ہوگی، اس فضا کو بدلنا ہوگا۔ ہماری یہ جذباتیت کلامِ رضا کی تفہیم کے راستے بند کر رہی ہے۔

عربی، فارسی اور اُردو کے حوالے سے تمام بڑے اور محترم نام جو علم و فضل میں درجہِ استناد رکھتے ہیں اور شاعر بھی ہوئے، ان پر ہونے والے کاموں پر ایک نظر ڈالیے، کیا ان پر لکھنے والوں کو اظہارِ رائے کی آزادی نہیں دی گئی اور کیا اس کے نتیجے میں ان پر ہونے والے کاموں کی رفتار اور اس کی قبولیت و پذیرائی کے آثار نمایاں نہیں ہیں۔

اگر ہم اپنی سوچ کشادہ کر کے یہ فضا تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ہم نے اہل علم کو سنجیدگی سے کلامِ رضا پر لکھنے کا موقع فراہم کیا تو مجھے یقین ہے کہ کلامِ رضا کی تابندگی اور اس کی عظمت سے نہ صرف ہماری ادبی تاریخ منور ہوگی، بلکہ ہمارا وہ قاری جو اس موضوع پر موجود مواد کی یکسانیت کی وجہ سے اکتاہٹ کا اظہار کر رہا ہے، وہ بھی پوری دلچسپی سے اس طرف متوجہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

(نعت رنگ، شمارہ ۱۸، مطبوعہ ۲۰۰۵ء)

یہ ساری تفصیل ایک بار پھر آپ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمیں اب مولانا کے کلام پر

نقاد اور قاری دونوں ہی ان کے کلام پر آزادانہ اور ناقدانہ رائے دینے میں محتاط رویوں کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا پر لکھے گئے بیش تر اہل علم کے مضامین پر ایک نظر ڈالیے، آپ کو مولانا کی مذہبی خدمات، علمی حیثیت اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے تو خوب ملیں گے مگر شعری محاسن پر چند جملوں اور چند سطروں سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ ایسا صرف اور صرف اس لیے ہے کہ ہم اب تک مولانا کو خود بحیثیت شاعر موضوعِ گفتگو نہیں بننے دے رہے ہیں کہ کوئی لسانی یا ادبی اختلاف سامنے نہ آجائے اور اگر کہیں ایسا ہوا بھی ہے تو ہم نے اسے مولانا کی شخصیت یا علمی مرتبے پر حملہ تصور کرتے ہوئے اپنی برہمی کا اظہار کیا ہے۔ ہمارا یہی رویہ مولانا کی شعری عظمت کے وسیع تر اعتراف میں حائل رہا ہے، مولانا کی زندگی میں بھی اور آج بھی۔ ردِ عمل کے اس رویے کا نقصان یہ ہوا کہ ایک عظیم نعت گو شاعر ہماری سنجیدہ اور مرکزی ادبی تاریخ کا حصہ نہ بن سکا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ان کا یوں تذکرہ ہی نہیں چاہتے؟ اس طرح تو ہم خود اُردو کے نعتیہ اور اسلامی ادب میں مولانا کے مقام اور کام کا شمار نہ ہونے کے ذمہ دار ٹھہریں گے۔ کیا سعدی، رومی اور جامی کی منظومات پر کسی ادبی و لسانی تنقید

سے برابر اور بہت کچھ لکھا گیا ہے اور حالیہ دور تک لکھا جا رہا ہے۔ تاہم اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید عصری ادبی تناظر میں کلامِ رضا کے مطالعے کا رجحان پیدا کیا جائے۔ اسی صورت میں یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کلام کے وہ کون سے فکری اور ادبی میلانات ہیں جو اس عہد کے شعری اسالیب اور تخلیقی معیارات کے حامل ہیں اور کلامِ رضا کو اس دور کے شعری تناظر میں بھی زندہ رہنے اور پڑھے جانے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔

ہر کلام کو عہد بہ عہد قرأت کی تبدیلیوں کے ساتھ معانی کے آفاق کے پھیلنے ہوئے منظر نامے میں پڑھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ادوار میں بعض اساتذہ کے کلام کی نئی نئی شرحیں سامنے آتی رہی ہیں۔ اس ضمن میں غالب اور اقبال مثال کے درجے میں آتے ہیں۔ ان کی شرح و تعبیر کا جو کام ہوا، وہ نہ صرف دوسروں سے بہت زیادہ ہے، بلکہ اس حوالے سے بھی غور طلب ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف نظریات اور ذہن کے حامل لوگوں نے الگ الگ نظریاتی اور فکری اندازِ نظر سے یہ کام کیا ہے۔ اس نوع کے کام کی اصل اہمیت بھی یہی ہے کہ ہر نئے عہد کے لوگ ایک نئی نگاہ اور ایک نئے زاویے سے اسے سرانجام دیں۔ غالب اور اقبال کے سلسلے میں تو تشریح و تعبیر کا یہ کام اپنا ایک جواز عام قاری کے لیے رکھتا ہی ہے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ میر تقی میر جسے اپنے لہجے کے دھیمے پن اور زبان کی سادگی کے باعث ایک آسان شاعر سمجھا گیا تھا، اس کی شرح بھی جدید منظر نامے میں کی گئی تو ”شعرِ شور انگیز“ جیسا معرکہ آرا کام سامنے آیا جس میں تنقید کے پانچ

ازسرنو ادبی زاویوں سے گفتگو کا ماحول سازگار بنانا چاہیے اور اس سلسلے میں ادب کے معتبر اور ثقہ نقادوں، ادیبوں اور شاعروں کو آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ مولانا کی شعری تخلیقات پر نقد و نظر کے ذرا کریں۔ اس کتاب میں شامل مضامین اسی خیال سے یک جا پیش کیے جا رہے ہیں کہ اس کام کی راہ ہموار کی جائے اور اس رویے کو فروغ دیا جائے۔

ادب کے کسی بھی سنجیدہ قاری کے لیے عام ادبی ذوق اور پسندیدگی کے بدلتے ہوئے معیار اور ایک شاعر کی قدرو قیمت میں عہد بہ عہد اتار چڑھاؤ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔ ان تبدیلیوں کی اہمیت سمجھنے اور ایک ادبی شاہکار کو مختلف زمانوں کے زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرنا نہ صرف ادبی ذوق کی تربیت کرنے اور ادبی روایت کا شعور حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے، بلکہ یہ اپنے عصر کے لیے ایک صحت مند اور پہلو دار روایتی پس منظر کی تعمیر اور ہم عصر لکھنے والوں کی تخلیقات کے لیے متوازن فکر و نظر کا معیار قائم کرنے کے سلسلے میں بھی ایک اہم اور سنجیدہ کوشش کا درجہ رکھتا ہے۔

ادب و فن کے اصولوں کے تحت دیکھا جائے تو کسی بھی شاعر کا فنی مطالعہ کرنے کے دو خاص زاویے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر کو اُس کے عہد کے تقاضوں، ماحول اور تناظر میں رکھ کر اس کے کلام کو ان اقدار کی روشنی میں پرکھا جائے جو اُس کے عہد میں رواج پا چکی تھیں اور پسندیدہ سمجھی جاتی تھیں۔ دوسرا زاویہ یہ ہو سکتا ہے کہ دورِ حاضر کے ادبی ذوق و معیار کو بنیاد بنا کر شاعر کو جدید آگہی کے مطابق ازسرنو دریافت کیا جائے۔ میرے خیال میں کلامِ رضا پر اوّل الذکر زاویے

نظریاتی اصولوں کے تحت بھی دیکھا اور پرکھا جانا چاہیے تاکہ ان کی حقیقی ادبی عظمت نعتیہ ادب میں بالخصوص اور ادبی تناظر میں بالعموم متعین اور محکم ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک وسیع اور وسیع نوعیت کا کام ہے، اس کے لیے مسلسل کوششوں کی ضرورت ہے اور اس کی تکمیل میں وقت بھی صرف ہوگا۔

مولانا کی شاعری کے بارے میں ادب کے ایک ادنیٰ طالب علم اور نعت کے مستقل قاری کی حیثیت سے، میں جب بھی غور کرتا ہوں تو دو باتیں بالخصوص غور طلب محسوس ہوتی ہیں۔ پہلی جذبے کا وفور اور دوسری اظہار کا قرینہ۔ اپنے اوّلین تجزیے میں شاعری سب سے پہلے جذبے کے ابلاغ کی سطح پر ہی پرکھی جاتی ہے۔ شاعر کی کامیابی کے باقی سارے معیارات اس کے بعد ہی غور طلب ٹھہرتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مولانا کی شاعری میں جذبے کی فراوانی اور گہرائی ہر دو صورتوں میں مولانا کا کلام توجہ طلب نظر آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت کو مولانا نے شعر و سخن ہی میں بیان نہیں کیا ہے، بلکہ شرف انسانیت کے معیارات کا تعین آپ کی ذات گرامی کے شخصی اور انفرادی اوصاف کو بھی اس انداز سے نمایاں کیا ہے کہ اس سے ہر زمانے اور ہر تہذیب کے لیے اخذ و استفادہ کی صورت واضح ہوگئی ہے۔ یوں یہ اظہار مولانا کے ذاتی عقیدے تک محدود نہیں رہتا، بلکہ موجود و آئندہ زمانوں کے تہذیبی و ادبی اظہار کا جاودا حوالہ بن جاتا ہے۔

اب جہاں تک معاملہ ہے اظہار کے قرینے کا تو مولانا کی نعت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت بہ یک وقت محبوب اور ہادی برحق کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔

پہلوؤں یعنی تشریح، تقابل، تجزیہ، تعین قدر اور امتیاز کا خاص خیال رکھتے ہوئے میر کے کلام کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے جہان معنی کی تفہیم کا جواز محض اس کی زبان یا اس کے لسانی پیکروں کی عقدہ کشائی سے موسوم نہیں، بلکہ اس کے ادبی، جمالیاتی، تلازماقی، حسیاتی اور فکری پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے عہد سے اسے ہم آہنگ کرنا بھی اس کی تشریح و تعبیر کا ایک رخ سامنے لاتا ہے۔ دراصل اسی رخ کی بنیاد پر کسی بھی شاعر کی نئے زمانے سے ہم آہنگی کے پہلو سامنے آتے ہیں۔ یہی پہلو اسے نئے زمانے میں قابل فہم بناتے اور زندہ رکھتے ہیں۔

میرے نزدیک نعتیہ ادب میں مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا وہ مقام و مرتبہ ہے کہ ان کے کلام کا بھی ایسے ہی زاویوں سے مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ اسی خواہش کے تحت میں نے اس کتاب میں جو مضامین جمع کیے ہیں، ان میں سے چند ایک جدید ادب کے تناظر میں بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تدوین میں یہ حقیقت ایک ادبی ضرورت اور فکری تقاضے کے طور پر مسلسل میرے پیش نظر رہی ہے کہ مولانا کی ادبی حیثیت کا تعین پوری معروضیت کے ساتھ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ان کے تخلیقی اور شعری اظہار کو ان کی مذہبی حیثیت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاتا۔ ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ان کے ادبی کام کا جائزہ ادب کے اپنے معیارات کے تحت نہیں لیا جاتا۔ صنائع بدائع، محاکات، مدرکات، لسانیات اور جمالیات ایسے مستند مشرقی پیمانوں کے ساتھ ساتھ اب ان کے کام کو جدید تاریخی، فکری، لسانی اور

ہی اس سلسلے میں وضاحتیں پیش کرنی ہیں۔ میں نے اس کام کی ضرورت مولانا کے ایک مداح اور ادب کے قاری کی حیثیت سے پوری سچائی اور اخلاص کے ساتھ محسوس کی۔ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ مجھے روایتی اور جدید تنقیدی منظر نامے سے وہ لوازمہ بہر حال فراہم ہو گیا کہ میں اسے ایک امید اور اطمینان کے ساتھ مولانا کے نئے قارئین اور ناقدین کی نذر کر سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ انھی نئے لوگوں میں سے کچھ اور نام، کچھ اور ذہن آگے چل کر مولانا کے ادب و شعر کی تشریح، تعبیر اور تفہیم کا وہ کام کریں گے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور جو ہمارے ادب و نقد پر ان کا قرض بھی ہے۔

○○○○

چنانچہ اس نعت کی تفہیم و تعبیر کے ضمن میں عوام و خواص دونوں کو اپنی اپنی ذہنی و فکری سطح کے مطابق تسکین کا سامان میسر آتا ہے۔ عامۃ الناس کے لیے محبوب کی جہت اور اہل فکر و دانش کے لیے رشد و ہدایت کی جہت ہے۔ اس کے ساتھ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کے ہاں سخن کا لطف اور شعر کا حسن ایسا ہے کہ اس رُخ پر دل فدا ہوتا ہے تو اُس رُخ پر جاں نذر ہوتی ہے۔ کلام کی تاثیر ایسی کہ روح کیف و سرور سے ہی نہیں عقل و شعور سے بھی ہم کنار ہو۔ مولانا کے کلام کی صرف یہ دو جہتیں ہی معاصر ادبی و تنقیدی ذہن کے لیے مطالعے کا تقاضا نہیں رکھتیں، بلکہ ایسے ہی کئی اور بھی لطیف نکات ہیں جو پڑھنے اور سوچنے والے ذہنوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب کی بابت مجھے نہ تو کوئی دعویٰ کرنا ہے اور نہ

رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری

حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں؟ اس کاروان علم و فضل کے پیچھے اڑنے والی گرد سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس کارواں کا ایک ایک فرد اپنی ذات میں انجمن تھا۔ فضیلتیں ان کا طواف کرتی تھیں۔ ان کا ہر بول ہزاروں کتابوں کا افشردہ و عصا رہا کرتا تھا۔ علمی طور پر ان کی تحریریں، ان کی فکری عظمتوں کا آئینہ دار اور عملی طور پر ان کے روز و شب ان کی رفعت کردار کا پیمانہ ہوتے تھے:

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی

پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کی ایک ایسی روشن نشانی تھے۔ وہ علم و خبر کا ایک بحر بے کراں تھے۔ قرآن پاک کی بلاغتوں سے لے کر فرمودات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحتوں تک، تفسیری مباحث سے لے کر فقہی نزاکتوں تک، علم توقیت کی واقعیت سے لے کر علم حساب کی گہرائیوں تک، علم ہندسہ کے کمال سے لے کر علم جفر کے حال تک، علم کلام کی خرد افروزیوں سے لے کر قلب و نظر کی آفاق گیر یوں تک ہر مقام پر ان کی علمی اور روحانی تاب و تاب کا اعتراف، ہر دور کا ذوق سلیم کرتا رہا ہے۔ اعتراف عظمت کے

دور حاضر کا یہ ایک المیہ ہے کہ اس میں تعلیم جتنی تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے اتنی ہی سرعت کے ساتھ علم گھٹتا جا رہا ہے حق یہ ہے کہ ہماری اکثریت اپنے علمی مرکز اور فکری سرچشمے سے کٹ کے رہ گئی ہے۔ عربی زبان کی بلیغانہ وسعتوں سے شناسائی تو دور کی بات ہے۔ دور حاضر کے 'دانشوروں' کی اکثریت سے قرآن مجید کی درست تلاوت کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آج کون ہے جو اقبال کی طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن کے سمندر سے موتی چنے ہیں۔ موتی چننا تو ایک طرف ہمیں تو موتیوں کی پہچان بھی نہیں ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر کسی شخص پر علم و حکمت کے ایوان کھلتے اور اسے تفکر و تدبر کی توفیق ملتی ہے۔ آج اگر ہم علمی طور پر مفلس، قلبی طور پر پریشان، ذہنی طور پر محدود اور نظری طور پر مسدود ہیں تو اس کی ایک ہی بنیاد ی وجہ ہے کہ ہماری سیہ دلی کی بنا پر اس علیم و خبیر ذات کی نگہ لطف ہم سے ہٹ گئی ہے۔ اور ہم ہیں کہ اس احساس زیاں سے بھی بے نیاز ہیں۔ جب دل رخشاں اور ذہن تاباں ہو تو قلم بھی نور انگلتا ہے۔ اور ہر لفظ شب کی ظلمتوں میں نقیب سحر بن جاتا ہے۔ آج جب ہم اسلاف کے علمی نقوش دیکھتے ہیں تو

میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا۔ جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مقابل ہو۔

آپ شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اور تصوف کے بہت سے دیگر سلسلوں میں بھی خلافت سے سرفراز رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کے ساتھ پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں دوسری بار یہ شرف ملا، اس سفر حج کے دوران میں وہاں کے علمائے کرام نے آپ کو انتہائی احترام سے نوازا، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق احمد رضا خان کو علمائے حریمین بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے تھے، چنانچہ بعض علما نے انہیں 'مجد دامت' لکھا ہے فتویٰ نویسی کے سلسلے میں ان کی فقیہانہ بصیرتوں کا اعتراف علامہ اقبال کو بھی تھا۔ ایک مجلس میں انہوں نے فرمایا کہ ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔

۱۹۱۱ء میں 'کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن' کے نام سے آپ کا مشہور ترجمہ قرآن پاک طبع ہوا جس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ ترجمے میں ہلکی سی بے احتیاطی سے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی نوع کی بے ادبی نہ ہو۔

آپ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) کو وفات پا گئے۔ ایک بار خود آپ نے غور فرما کر قرآن کی اس آیت سے اپنا سن پیدائش اخذ کیا تھا۔ 'أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدِيَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ۔'

اور وفات سے چند ماہ پہلے القائی طور پر آپ نے سن

پہلو بہ پہلو اختلاف کی اگر کوئی بات ہو تو وہ دلیل رحمت ہوتی ہے۔ مگر اختلاف برائے اختلاف، اس قابل ہے کہ اسے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے کہ پستیوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بلند یوں کو گھور کریں۔

آپ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء (۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ) کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام نقی علی خان اور جد امجد کا نام مولوی رضا علی خان تھا۔ والد نے آپ کا نام محمد اور جد امجد نے احمد رضا رکھا، تاریخی نام 'المختار' ہے۔ جس سے ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ کے والد محترم اور جد امجد، صاحب تصنیف بھی تھے اور علم و عمل کے اعتبار سے بھی منفرد اور معتبر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت رضا نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔ صرف و نحو، ادب حدیث، تفسیر، کلام فقہ اصول معانی و بیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ، ہیئت غرض تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ ذہانت اور حافظے کی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ جناب مقبول جہانگیر کے الفاظ میں:

اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی، حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کئی فن ایسے ہیں۔ کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام

(لیکچر اربعہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے الفاظ میں:
آپ کی اردو شاعری اردوئے معلیٰ کا اعلیٰ شاہکار ہے آپ
کے اردو کلام سے بھی درحقیقت وہی صحیح معنوں میں لطف اندوز
ہو سکتا ہے۔ جسے عربی فارسی پر عبور ہو یا کم از کم اردو کا اچھا فاضل
اور ادیب ہو۔

صاحب زادہ سید خورشید احمد گیلانی ایک خوبصورت مضمون
میں حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:
ایک آدمی اگر کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر کھڑا ہو اور وہ نیچے کی
طرف دیکھے تو اسے ہر چیز بہت چھوٹی نظر آئے گی۔ خواہ وہ
چیزیں اپنے طور پر بہت بڑی ہوں۔ اس لئے کہ وہ خود بہت
بلندی پر کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن وہی شخص اگر اپنے اوپر آسمان کی
طرف دیکھے تو وہ خود کو آسمان کی وسعت کے مقابلے میں بہت
سکڑا ہوا۔ اس کی بلندی کے سامنے اپنے آپ کو بہت پست
اور اس کے حجم کے تناظر میں اپنی ذات کو رائی کے دانے برابر
سمجھے گا۔۔۔ کچھ اسی طرح کی صورت حال کا سامنا اس شخص کو کرنا
پڑتا ہے جو عالم اسلام کی عقربری شخصیت اور برصغیر کی انتہائی
عظیم المرتبت ہستی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے
بارے میں کچھ کہنا اور ان پر کچھ لکھنا چاہتا ہو۔ اس دور کا کوئی
بڑے سے بڑا عالم، فاضل، مفتی، محدث، مفسر، متکلم، مصنف اور
شاعر علوم و فنون کے کوہ ہمالیہ پر کیوں نہ کھڑا ہو اور ہر ایک اس
کے سامنے ہونا اور ٹھگنا کیوں نہ نظر آ رہا ہو۔ مگر جب وہ اعلیٰ حضرت
فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم و فضل اور تحقیق و تصنیف
کے آسمان پر نظر ڈالتا ہے تو دوسروں کا کیا مذکور، وہ خود اپنے
آپ کو کوتاہ قامت اور پست شخصیت نظر آنے لگتا ہے۔

وفات کا استخراج اس آیت سے فرمایا 'ویطاف علیہم
بانیۃ من فضۃ واکواب'
آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں اکثر
بتحر عالم ہیں اور آپ سے تعلق خاطر رکھنے والے اصحاب آپ
کو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت کے القاب سے
یاد کرتے ہیں۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اردو، فارسی، ہندی اور دیگر کئی
زبانوں پر عالمانہ قدرت رکھتے تھے۔ وہ ایک بے بدل
خطیب، صاحب طرز انشا پرداز، حق گو و اعظم، معجز بیان مناظر،
قابل قدر مفسر، ژرف نگاہ محدث، اور بصیرت افروز فقیہ
تھے۔ انہوں نے ایک بھر پور دینی علمی زندگی گزاری۔ چونکہ وہ
ایک وہی شاعر تھے۔ اس لئے جملہ مصروفیات کے باوجود جب
طبیعت شعر گوئی کی جانب آتی تھی تو شعر آویزوں کی طرح ڈھلتے
چلے جاتے تھے۔ ان کی شاعری طبعی اضطراب کے بے ساختہ
پین کا حاصل تھی۔ بیوں کہ آورد کے لئے فکر کو وقت کی ضرورت
ہے۔ اور وقت ان کے پاس تھا نہیں، کہ اسے شعر گوئی کے لئے
وقف کیا جاسکے۔ اردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی شعر
کہتے تھے۔ ان کا عربی دیوان گو محفوظ نہیں رہا۔ مگر بکھرے
ہوئے اشعار کی تعداد اتنی ضرور ہے جن سے ان کی عربی شعر
گوئی کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چونکہ وہ عربی کے فاضل
تھے۔ اس لئے اردو اشعار میں بھی عربی رنگ و آہنگ چھایا
ہوا ہے۔ آج عربی اور فارسی کا ذوق ناپید ہو گیا ہے یہی وجہ ہے
کہ دور حاضر کے دانش ور حضرات اپنی بے علمی کا ماتم کرنے
کے بجائے 'سہل نویسی' کا پرچار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حامد علی خان

کے اکثر اصناف میں اپنی فکری عظمتوں کے چراغ روشن کئے ہوں۔ جس کی مطبوعہ تصانیف بھی سیکڑوں تک پہنچتی ہو اور ایسے مسودات کا شمار بھی ممکن نہ ہو جو بوجہ طبع نہ ہو سکے ہوں۔ اور مرور زمانہ کی نذر ہو گئے ہوں۔

بطور ایک نعت گو، ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔ قاری ان کی محرابِ نعمت میں علمی اعتبار سے مرعوب اور فکری طور پر سرنگوں نظر آتا ہے۔ جذباتی کیفیات اور دلی واردات کے نقطہ نظر سے، دور دور تک نہ کوئی ان کا مثیل ہے نہ سہیم۔ خیال ایک سماوی نعت ہے جب کہ زبان ایک ارضی صلاحیت، ان وہی اور اکتسابی خوبیوں کے لطیف اور غنائی امتزاج کا نام شعر ہے۔

حضرت رضا فکری صلاحیتوں کی پاکیزگی سے بھی بہرہ ور تھے۔ اور زبان و بیان پر بھی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔ عرضی اور فنی اعتبار سے بھی وہ الفاظ کو موسیقیت کی میزان میں تولنے پر قادر تھے۔ ان کے پورے کلام کو نقد و نظر کی کڑی آزمائشوں میں سے گزار سبے، آپ کو نہ کوئی زبان کا سقم نظر آئے گا، نہ کوئی عرضی لغزش دکھائی دے گی۔ اور نہ کہیں فکری پس ماندگی کا احساس ہوگا۔ جس شخصیت نے نعت سرائی کی بنیاد ہی قرآن حکیم کو بنایا ہو کہ وہ خود ایک کتابِ نعت ہے اور اس کی قرآن کی موعظانہ بصیرتوں اور علمی رفعتوں پر گہری نظر ہو تو پھر اس کی نعت گوئی کے اعجاز و ابجاز کو تسکیم کیے بغیر نہ اہل نظر آگے گزر سکتے ہیں نہ تماشا ئی۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ

بے جا سے ہے المنتہ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

ان پر بات کرتے ہوئے بڑے سے بڑے خطیب کی زبان لڑکھڑائے لگتی ہے۔ اور بڑے سے بڑے ادیب کی نوکِ قلم سے الفاظ ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔ نہ زبان کی باگ ہاتھ میں رہتی ہے نہ قلم کی رکاب پاؤں میں۔ یک رخا بھلا کہاں تک ہمہ جہت شخصیت کو اپنے فکر و خیال کے دائرے میں قابو رکھ سکتا ہے۔۔۔ فاضل بریلوی کی شخصیت ایک ہشت پہلو بہیرے جیسی ہے۔ جس طرح اسے سورج کی روشنی کے رخ پر رکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیارنگ نظر پڑتا ہے۔۔۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو آفتابِ علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت کے کبھی رنگ اپنے اندر دل و نگاہ کی جاذبیت کا سامان لئے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں سن کر یا پڑھ کر زبان پر بے اختیار آجاتا ہے۔

کوئی تصویر نہ ابھری تری تصویر کے بعد

ذہن خالی ہی رہا، کاسہ سائل کی طرح

حضرت رضانا نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں کم و بیش ایک ہزار علمی تصانیف چھوڑی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ایسی معتبر اور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والا قلم خود بے بضاعتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی جملہ صلاحیتوں کے باوجود اس گلستانِ بکنار شخصیت کی رعنائیوں کو سمٹنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور دامنِ نگاہ کی تنگیوں گہائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب نظر آتی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں ہر فن کے الگ الگ عالم بلکہ امام تو بہت مل جائیں گے۔ مگر ایسی کثیر الجہات شخصیت، چراغِ رخ زیالے کر ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ مل سکے جس نے معقولات و منقولات

بالکل خواص کی ایک شئی ہو جاتا ہے۔ فکر گداز دل میں ڈھلتا ہے تو اس میں شعری لطافت آتی ہے۔ مولانا چونکہ علمی تجربہ دینی بصیرت اور شعری صلاحیت کے اعتبار سے مستند ہونے کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کی نعت عظمیٰ سے بھی بہرہ ور تھے۔ اس لیے ان کی شاعری میں اگر ایک طرف شعری خوبیاں اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہیں تو دوسری طرف جذبے کی گہرائی نے علمی رسوخ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر جوش و ہوش کی ایک ایسی کہکشاں کو ابھارا ہے جس کا ہر رنگ نگاہوں سے لپٹ لپٹ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت ہر دل کی دھڑکن، ہر لب کی صدا اور ہر نگاہ کی آرزو بن کر شعری افق پر جگمگا رہی ہے۔ اس میں اہل نظر کے لئے متاع تدریسی اور توفی الواقع فراواں ہے مگر سطحی نوعیت کے ناظرین کو بھی اپنے ذوق کی آسودگی کا سامان مل جاتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے الفاظ میں:

مولانا کی نعتیہ شاعری میں حسن و بیان، استعارات، تلمیحات اور علمی اوصاف اس کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خشک علوم و فنون کے سمندر کا غواص، اس قدر شگفتگی کس طرح پیدا کر سکتا ہے؟

جذبہ صادق ہو تو وہ خوش بو کی طرح مشام جاں کو معطر کرتا چلا جاتا ہے۔ جب ممدوح بھی بے مثل ہو، مدحت نگار دل بھی محبت سے لبریز ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قلم کو پر ہما کی اڑان بھی عطا کی ہو تو پھر اس کی قلم کی ہلکی سی جنبش لولوئے لالا بکھیرتی چلی جاتی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری مولانا کی قادر الکلامی، اسرار علمیہ اور

گل افشانی گفتار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

ان کی نعتیہ شاعری بنیادی طور پر فلسفیانہ موٹگا فیوں اور علم

یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ
نئے خیال کی تلاش میں شاعر عموماً بہک اور بھٹک جاتے ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ مضمون ہی عنقا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی میں ایسے مقام کم ہیں جہاں خیال میں تکرار ہو۔ ان کا ہر شعر کمال سیرت کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ جمال صورت کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے رکھتا چلا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی انداز کی طرف بھی نمایاں ہے۔ سچ یہ ہے کہ روئے رسول ﷺ رخ جمال الہی کا آئینہ ہے اور سیرت رسول ﷺ قرآن کی اعجاز آفرین تعلیمات کا ایک عکس دل آویز، اختر الحامدی کا شعر ہے:

اک اک ادا ہے آپ کی آیات بینات
جس زاویے سے دیکھئے قرآن میں مصطفیٰ

قرآن ہر مقام پر صداقتوں کا اظہار نئے انداز سے کرتا ہے اور قرآن کا یہی اسلوب اہل نظر کے لئے فکری اور لسانی بصیرتوں کے ایوان کھولتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ قرآن ہی کا فیض ہے کہ فاضل بریلوی کی نعت ایک فانوس کی طرح صدرنگ انوار بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ جا بجا قرآنی آیات اور احادیث جمین شعر پر لودیتی نظر آتی ہے۔ صنعت تلمیح پر مشتمل اشعار دینی اور واقعاتی پس منظر لئے ہوئے ہیں۔ فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاحات ان کی علمی وسعت اور ہم لوگوں کی فکری نکبت کی آئینہ دار ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ تو لکھ گئے کہ جانتے تھے۔ اور ہم پڑھ رہے ہیں مگر سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مولانا مسلمہ عالم تھے۔ اور تغزل گو شاعر بھی۔ صرف علم کے

بل پر کہا جانے والا شعر فلسفہ یا معمہ بن کے رہ جاتا ہے۔ یا

میں رسائیں 'قدر سخن شناس' باقی نہ رہے تو 'تحسین ناشناس' ہی رہ جاتی ہے۔ جسے نقد و نظر کے میدان میں کوئی بھی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت شمس بریلوی نے اپنی فاضلانہ تالیف میں حضرت رضا کی نعت کا ادبی اور تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے۔ بہت سے ایسے اشعار ایک جا کیے ہیں جن کے مفہوم کو عہد حاضر کے دانش وروں کی غالب اکثریت نہیں پاسکتی۔ یہ چند اشعار حضرت کی علمی فضیلتوں کے اعتراف اور عہد حاضر کے علمی افلاس کے ماتم کے لئے کافی ہیں:

زبان فلسفی سے امن و خرق و الیام اسری
بنایا دور رحمت ہاے یک ساعت تسلس کو

(فلسفہ مابعد الطبعیات)

دنیا، مزار حشر، جہاں ہیں، غفو ر ہیں
ہر منزل اپنے چاند کی منزل غضر کی ہے

(علم نجوم)

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے
(علم ہندسہ)

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے

حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(علم منطق)

غایت و علت سبب، بہر جہاں تم ہو سب
تم سے بنا، تم بنا تم پہ کروں درود

(علم فلسفہ)

عام قاری سے لے کر ناقد اور معتقد سے لے کر معترض

وفن کی بھول بھلیاں کی شاعری نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات صفات سے گہری وابستگی اور شدید جذباتی لگاؤ کی شاعری ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری پر معصومیت، شفیقتی، سادگی اور عاشقانہ سرمستی کی جو چاندنی چھٹکی ہے وہ قاری کے درون خانہ میں جس قسم کا مد و جزر پیش کرتی ہے وہ بے سبب نہیں۔

حق یہ ہے کہ ان کی نعت ان کے بھر پور علمی اظہار کے باوجود فلسفیانہ پیوست سے بچی ہوئی ہے مگر پھر بھی بیش تر مقام ایسے ہیں کہ ان کی تہ تک عام فہم کی رسائی نہیں ہے۔ شخصی کمال ہی فن کو عظمت عطا کیا کرتا ہے اور وہی فن رنگ ثبات و دوام کا حامل ہوتا ہے جسے کسی مرد خدا نے تمام کیا ہو۔

جب تک قاری ان علوم سے آشنا نہ ہو جن تک حضرت رضا کی ماہرانہ دسترس ہے اس وقت تک ان کے اشعار میں مضمیر علمی بصیرتوں کو نہیں پاسکتا۔ دور حاضر کی اکثریت علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کی انتہا کو چھو رہی ہے۔ وہ عربی اور فارسی کی مبادیات تک سے نابلد اور خود اردو کا ذوق اس قدر افسردہ پڑ مردہ ہو چکا ہے کہ مومن و غالب، انیس و دبیر اور اقبال تک کتنے ہی شاعر ہیں کہ ان کی تخلیقات کے فہم و ادراک کے لئے تشریحات مطلوب ہیں اس لئے اگر آج حضرت رضا کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف نہیں ہو رہا ہے تو اس کی تہ میں آج کے دانش ور حضرات کی 'بے دانشی' ہے اور جو لوگ ان کی ستائش میں رطب اللسان ہیں ان کی اکثریت بھی محض مذہبی فرقہ بندی اور نظریاتی ہم آہنگی کے تحت اس تعریف کو اپنائے ہوئے ہے۔ ورنہ ان کے کلام کے رموز و غوامض تک بہت کم نظر

لئے چاندنی، گنبد خضریٰ سے سمیٹنا ہوگی کہ کعبہ عقیدے کا مرکز ہے اور مدینہ عقیدت کی جلوہ گاہ عقیدہ عقیدت سے بال و پر لیتا ہے اور عقیدت عقیدے کی انگلی تھام لے تو بے راہ نہیں ہوتی، بلکہ خود منزلیں اس کا استقبال کرتی ہیں۔ مولانا محمد صلاح الدین مرحوم نے ایک مقام پر عقیدے اور عقیدت کی اس ہم آہنگی کا تجزیہ یوں کیا ہے:

کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے یہ چھوٹا سا کلمہ دو مختصر فقروں پر مشتمل ہے پہلا جز اقرار توحید اور دوسرا اقرار رسالت۔ جس طرح یہ دو فقرے مل کر اس کرۂ ارض میں توحید و رسالت کے دو ایسے مرکز بنتے ہیں جو بظاہر الگ الگ مگر حقیقتاً باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے ایک مرکز دین و ایمان ہے تو دوسرا مرکز عقیدت و محبت۔ ایک قبلہ ہے تو دوسرا قبلہ نما، ایک نشان معبودیت ہے تو دوسرا نشان عبدیت، ایک مرکز نظر ہے تو دوسرا نور نظر، ایک مرکز عہد بندگی ہے تو دوسرا مرکز درس گاہ بندگی، ایک عظمت خداوندی کی علامت ہے تو دوسرا رفعت بندگی کی علامت، ایک جلوہ گاہ جلال ربانی ہے تو دوسرا جلوہ گاہ جمال نبوی ﷺ، ایک کتاب تو دوسرا تفسیر، ایک پیغام عمل تو دوسرا جمال مجسم عمل۔ ایمان قلب و نظر کی یک جانی کا نام ہے اور اس یک جانی کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ مسلسل پیش نظر ہو اور قلب پروانے کی طرح شمع رسالت کا طواف کرتا رہے۔

توحید و رسالت کے اس تعلق کو حضرت رضا اپنی ایک نعت میں انتہائی دل آویز انداز سے بیان کرتے ہیں کہ آج اس نعت کے اکثر مصرعے اہل درد کے دل کی انگشتی کا نگینہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت کے نزدیک کعبہ تو بہر کیف کعبہ

تک کی اکثریت اگر ان علوم ہی سے بے بہرہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مولانا کی نعت گوئی کی تحسین کا حق ادا کر سکے گی اور نہ ان کے اعتراض میں اعتدال کا رنگ آسکے گا۔ داد دینے والوں کی داد بھی بے داد ہوگی اور اعتراض کرنے والوں کی تنقید بھی بے محل۔ بقول شاعر:

اس فن کی لطافت کو لے جائے کہاں کوئی

پتھر کا زمانہ ہے شیشے کی کہانی ہے

یہ حقیقت ہے کہ توحید اسلام کا ایک بنیادی تصور ہے کہ جب اس میں کوئی کھوٹ در آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ازلی اور ابدی تصور کے نکھار اور وقار کو بحال کرنے کے لئے انبیا مبعوث کرتا ہے۔ اسی لئے ہر نبی کا پہلا بول تصدیق توحید کے گرد گھومتا رہا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا جو خوب صورت تصور دیا ہے وہ کسی اور مذہب کے پاس نہیں ہے۔ ہمارا تصور توحید، رسالت ہی سے وابستہ و پیوستہ ہے جناب پروفیسر علی عباس جلال پوری کے الفاظ میں:

جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرت پاک کو رہنمائے عمل بناتے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا محققہ اثبات نہیں کر سکتے۔ گویا جو مسلمان اپنی حسب توفیق جتنا اسوۂ حسنہ کو اپنے طور پر مشعل راہ بناتے گا۔ اتنا ہی وحدانیت کے شعور و ادراک سے بہرہ ور ہو سکے گا۔

ہمارے ہاں توحید اور رسالت باہم دگر یوں ہم رشتہ اور ہم آہنگ ہیں کہ دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مقصود زندگی رضائے خداوندی ہے مگر فرمودات رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں گویا پہنچنا بہر نوع رب کعبہ تک ہے مگر راستے کے

رہ جانناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو
 رقص بسمل کی بہاریں تو مٹی میں دیکھیں
 دل خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو
 علم کی کمی، دل سے وسعت اور نگاہ سے رفعت چھین لیا
 کرتی ہے۔ ہمارے دینی اختلافات رسالت مآب ﷺ سے
 قلبی تعلق کے فقدان کی دلیل ہیں۔ ان اختلافات کی تہ
 میں جائیں تو بات اصولی نہیں، فروعی نظر آتی ہے اور زبان و قلم
 کی ساری کاوشیں، فروع کو اصول بنانے میں دکھائی دیتی ہیں۔
 حق یہ ہے کہ ہمارے ایمان کی واحد اساس حب رسول ﷺ
 ہے، اس کے بغیر ہماری زندگی کی ہر شے بے اساس
 ہے، وعظ و تنذیر بھی، بحث و محیص بھی، جذب و شوق بھی، شعر و
 ادب بھی اور آہ و فغاں بھی۔ بقول اقبال:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات
 شوق اگر ترانہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

ہم تہی ساغر، تہی دامن اور تہی دست لوگ بتکدہ تصورات
 میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ ہم نے توحید اور رسالت کو خانوں
 میں بانٹ دیا ہے، حالانکہ ہر دو لازم و ملزوم ہیں، جنہیں کعبے
 میں جھکتی ہے اور دل مدینے میں، سجدہ، صرف اللہ تعالیٰ کو
 روا ہے مگر 'وصیدناز' کو پلکوں سے صاف کرنے میں کیا روک
 ہے۔ دل چل چل کر پوچھے کہ:

نہیں اذن سجدہ جو میری جنہیں کو
 تو پھر یہ ترا سنگِ در کس لئے ہے

ہے مگر مدینہ کعبہ کا کعبہ ہے کہ وہ شعلے جو طور کو ایک انداز بے
 نیازی سے چور چور کرتے ہیں۔ وہی شعلے شمع رسالت
 مآب ﷺ پر پروانہ وار لپکتے ہیں کہ یہی وہ حسن عالم تاب ہے کہ
 جس آنکھ میں سما جائے، خود جلوے اس آنکھ کا طواف
 کرتے دکھائی دیتے ہیں، حضرت رضا کے نزدیک آب زمزم
 خوب ہے مگر شہ کوثر کی جود و سخا بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ سنگ
 اسود کے بوسے سے دل کی ظلمت دھلتی ہے مگر خاک بوسی
 مدینہ سے بھی دل کے اندھیروں کو اجالا ملتا ہے۔ مٹی میں جانور
 تڑپتے ہیں، یہاں دل تڑپتا ہے۔

(انتخاب کلام رضا)

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
 کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
 آب زمزم تو پیا خوب بھائی پیا میں
 آؤ، جود شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
 زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
 ابر رحمت کا یہاں زور برسا دیکھو
 خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
 قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
 ایمن طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ
 شعلہ طور یہاں انجمن آرا دیکھو
 دھوچکا ظلمت دل بوسہ سنگ اسود
 خاک بوسی مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
 خوب مسعے میں بامید صفادوڑ لیے

یا کرتی ہے، نیت خالص نہ ہو تو بڑے سے بڑا دعویٰ بھی صدق کی دلیل نہیں بن سکتا۔

حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم و شعور اور جذب و جنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ الفاظ وتر کیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پر شکوہ اظہار بھی جا بجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔ وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس حد تک متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لئے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں لفظی برجستگی، فنی رعنائی اور سہل ممتنع کی مثالیں وافر تعداد میں جلوہ گر ہیں۔ قرآنی آیات اور عربی جملوں کی پیوند کاری، ان کی فنکارانہ دسترس کا منہ بولتا شاہ کار ہے۔ نمکسالی زبان کو نعتیہ تغزل کی روح روا بنا دینا، ان کی ایک منفرد خصوصیت ہے۔ لفظی تکرار سے شعری آہنگ کو تاثر آفرین بنا دینا انہی کا کمال ہے۔ ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فکر و خیال کا ایک بحر بے کراں ہے کہ بے روک ٹوک، شعر و سخن کی سنگلاخ گھاٹیوں میں یو رواں دواں ہے کہ اسے کوثر و تسنیم کی موجیں بھی رشک سے دیکھتی ہیں:

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے! طبیعت کی روانی اس کی

مگر جمیں سجدے سے باز رہے کہ محبوب ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا، یہ رک جانا ہی عقیدت کے تقدس کی معراج ہے اطاعت کے اسی جذبے کو حن عقیدت کہتے ہیں۔ اصغر گوڈوی نے انہی کیفیات کے تحت کہا تھا:

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں

نہ دیں جو اہل شریعت، جمیں کو اذن سجد

توسل، تعلق، نسبت اور رابطے کا اس حن کا کون منکر ہے کہ ہم نے خدا کو جانا، پہچانا اور پایا تو اسی فیض سے، اسی تعلق سے سجدوں کو کیف، دلوں کو نشاط اور نگاہوں کو امید عطا ہوئی۔ اس حوالے کے بغیر تو نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ عبادت تکمیل پاتی ہے۔ اگر اس واسطے کو نکال دیا جائے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہو کر رہ جائے گی:

اک وہم و گماں ہوتے اگر آپ نہ ہوتے

ہم لوگ کہاں ہوتے اگر آپ نہ ہوتے

عشق، علم سے بے بہرہ ہو تو مبالغے کی حدوں تک پہنچ کر بے کیف ہو جایا کرتا ہے۔ مگر رضا بریلوی کی ایسی شخصیت جو ایمان کے اس کمال سے بہرہ ور ہو جسے حب رسول ﷺ کہتے ہیں اور دوسری طرف علم دین کا کما حقہ شعور بھی رکھتی ہو، اس کے قلم کے لئے بہکنے اور بھٹکنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ نعت سرائی، تلوار کی دھار پر گامزن ہونا ہے۔ علم و نظر سے بہرہ ور، جذبہ عشق جب اس دھار پر چلے گا تو یقیناً سرخرو ہوگا، دوران سفر میں اگر کہیں قلم کا قدم ڈگمگائے تو اسے سہو و لغزش سے تعبیر کیا جائے گا، نیت کی کجی قرار نہیں دی جائے گی۔ سہو کا اعتراف ہو تو بڑی سے بڑی لغزش بھی بشری حن بن جا

شوق کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ خوبصورت خیال، اپنے ساتھ خوبصورت الفاظ بھی لایا کرتا ہے۔ خیالات کی وسعت و ندرت کے ساتھ ساتھ حسن ادا کی خوبی حضرت رضا بریلوی کو ایک ایسے قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے نمایاں کرتی ہے جس کا دل محبوب کی یاد میں دھڑکتا اور جس کی آنکھیں انتظار کے کیف میں گوہر بدامان رہتی ہیں اور جس کا قلم اپنی تمام تر ادبی وجاہتوں، فنی ثقافتوں اور علمی عظمتوں کے ساتھ نعت کی دنیا میں کبھی پھول کھلاتا، کبھی ستارے بکھیرتا اور کبھی چاند اچھالتا ہے کہ شاید اس وجود ناز آفرین کی عکاسی ہو سکے جو حسن کائنات بھی ہے اور کائنات حسن بھی، نتیجہ معلوم کہ لفظ لفظ اور حرف حرف کہیں کہیں نکھرتی دکھائی دیتی ہے، کہیں شفق پھوٹی ہے، کہیں چاندنی چھٹکتی ہے اور کہیں مہک پھیلتی ہے کہ بقول احسان دانش:

آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں

تب کہیں اک آدمی کو نین کا حاصل بنا

شمس بریلوی کے الفاظ میں ”نعت“ سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم میں طرز ادا کی رنگینی کے لئے میدان بہت تنگ ہے۔ وہاں نہ مبالغے کی گنجائش ہے نہ اغراق و غلو کی، نہ وہاں شوخی کا گزر ہے اور نہ بے باکی کا دخل، نہ معشوق کو جو رستم ہے کہ اس سے نت نئے مضامین پیدا کئے جائیں اور نہ بوس و کنار کا گزر ہے۔ ہجرو فراق کی کیفیات ضرور ہیں لیکن ہجر و فراق کی وہ واردات نہیں جو تغزل کے لیے مخصوص ہیں۔ بلکہ بہت محدود، جہاں قدم قدم پر ادب کے پہرے دار ہیں اور اسلامی احکام کے نقیب کھڑے ہیں۔ ذرا سی لغزش اعمال حسنہ کی تباہی کا نتیجہ بن جاتی ہے اور ادنیٰ سی بے راہ روی دارین کی رو سیاہی کا موجب

مبالغہ، شعر کا حسن ہوتا ہے مگر نعت میں مبالغہ، ایمان کے لئے خطرہ بن جایا کرتا ہے۔ نعت صدائقوں ہی کی امین اور صدائقوں ہی کی ترجمان ہے اور ایک ایسے وجود کی عظمتوں اور رفعتوں کا شاعرانہ بیان ہے جس کے روز و شب کی پاکیزگیوں، اظہار و بیان کی سچائیوں اور فکر و خیال کی رعنائیوں کا اعتراف مخالفین کو بھی تھا۔ جو شخصیت فی الواقع محمد ﷺ تھی اور ہے محمد کہتے ہی اس کو ہیں جس کی تعریف میں سبھی رطب اللسان ہوں، اپنے اس لیے کہ ان کے دل مجتوں سے لبریز ہیں اور غیر اس لیے کہ حسن اپنا اعتراف خود کراتا ہے۔ آفتاب کی کرنوں کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اور خوشبو کو اپنے جواز کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔۔۔ حضرت رضانا نے کائنات کی اس سب سے بڑی صداقت کو جس شان اور آن کے ساتھ شعر کے آئینے میں دکھایا ہے وہ دینے والے کی عطائے خاص کا اعجاز ہے۔ ورنہ سخن ورتو اچھے اچھے ہیں مگر انداز بیان اور تو کسی کسی کا ہوتا ہے۔ یہ فیصلے کرم کے ہیں اور بات نصیب کی ہے:

ایک خوش بو سے مہک اٹھتی ہے دنیا میری

جب ترانام مرے لب سے ادا ہوتا ہے

سچ یہ ہے کہ سچی نعت کے لئے قلم بعد میں حرکت کرتا ہے اور اس کی قبولیت پہلے ہو جایا کرتی ہے۔ اس ضمن میں توفیق رضائے الہی پر موقوف ہے اور اذن توصیف، خود موصوف کی طرف سے ملتا ہے۔ نعت کبھی نہیں جاتی بلکہ خود بخود قلم کی نوک پر لو دیا کرتی ہے۔ حسن اپنے اظہار کے لئے خود آمادہ اور بہار اس کی ہم رکابی کے لئے خود بے قرار ہوتی ہے، تغزل کی ایمانیت اس حسن کی معنوی تصویر کشی کے لئے کمال

اسی دوران میں مولانا نے خود قصیدہ معراج تحریر فرمایا۔ اور وقت مقررہ پر محسن کا کوروی کو اپنا قصیدہ سنایا۔ تو وہ سناٹے میں آگئے۔ قصیدہ مرصع میں یہ التزام ہے کہ اس کا ہر مصرع اولیٰ کا آخری رکن بالترتیب حروف تہجی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس قصیدے کے ۶۰ اشعار ہیں۔ ۵۵ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ پر اصطلاحات علم ہیئت، مولانا کے تخریر و نظر کی ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر، ادب کی دنیا میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے۔ اس قصیدہ کو سمجھنا، اس سے حظ اٹھانا اور کیفیت سمیٹنا تو دور کی بات ہے دور حاضر کے اصحاب علم و فن کی اکثریت اسے صحت لفظی کے ساتھ شاید پڑھ بھی نہ سکے۔ علمی افلاس اور ادبی بے بضاعتی جب اس حد تک آجاتے تو نہ سچی تحسین کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ پر غلوں نقد و نظر کی مولانا کی نعتیہ رباعیات سے بھی جہاں ان کے فنی کمال اور عرضی نظم کا پتا چلاتا ہے۔ وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قصیدے میں بات کو از حد پھیلا کر بھی بات کو سمیٹ لے جانے والا یہ نعت گو مدحیہ افکار کے بحرنا پیداکنار کو کامیابی کے ساتھ رباعی کے کوزے میں بند کرنا خوب جانتا ہے اور ان کا یہ فخر بہر نوع حق معلوم ہوتا ہے کہ:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آگئے ہو، سکے بٹا دینے ہیں

انہوں نے غالب، داغ اور امیر کی شعری زمینوں میں نعتیں کہی ہیں۔ اگر فنی اعتبار سے ان شاعروں کی غزلوں اور مولانا کی ہم زمین نعتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مولانا کی قدرت شعر گوئی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور مولانا ان سب سے اس لئے عظیم معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے پیش نظر نعت ایسی مشکل

اور معمولی سے معمولی بے باکی آخرت کی تباہی کا پیش خیمہ، پس ان قیود اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کسی نعت نگار کا خامہ زبان کی سادگی کا لطف اور طرز ادا کی رنگینی کو پیش کر دے تو یہ اس کی نعت گوئی کا ایک ایسا رخ ہے جس کو اس کا منتہائے کمال کہنا چاہیے یہ ہر کسی کا کام نہیں۔۔۔ ہندوستان میں صرف دو نعت گو شاعرانیسویں صدی کے ربع آخر میں میری نظر میں ایسے گزرے ہیں جو اس وصف میں کمال کی بلندیوں تک پہنچ سکے ہیں، ایک جناب محسن کا کوروی اور دوسرے جناب رضا قدس سرہ: نعت نگاری ہر صنف سخن میں ہوتی رہی ہے۔ نظم کی شکل میں، قصیدے کے رنگ میں، قطعات و رباعیات کے انداز میں، آج کل غزل کی ہیئت مقبول ہے۔ غزل کی یہ ہیئت طویل ہو جائے تو قصیدہ بن جاتی ہے۔ جناب رضا کی اکثر نعتیں غزل ہی کے رنگ و آہنگ میں ہیں۔ مگر انہوں نے بہت سے قصائد بھی کہیں ہیں اور بسا اوقات خیالات کی طغیانی اور الفاظ کی روانی غزل ہی کو قصیدہ بناتی رہی ہے:

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے

ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

قصیدہ نور، قصیدہ معراج، قصیدہ مرصع، قصیدہ درصفت

علم ہیئت قابل ذکر ہیں۔ قصیدہ نور ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے۔

اس میں ۴۷ مطلعے ہیں، قصیدہ معراج ۶۷ شعروں پر مشتمل

ہے۔ ایک روایت کے مطابق محسن کا کوروی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم

جب معراج پر اپنا قصیدہ 'سمت کاشی سے چلا جانب متھر ابادل'

حضرت رضا کو سنانے کے لئے آئے تو ظہر کے وقت دو شعر سننے

کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مکمل قصیدہ بعد نماز عصر سنا جائے گا،

کہ نہ وہ ہر دل سے ابھر سکتا ہے اور نہ ہر سزا پر دیا جاسکتا ہے۔ نعت ایک ایسی صنف سخن ہے جسے مشکل ترین کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہاں نہ انسان غزل کی مجازی فضا میں بہک سکتا ہے اور نہ قصیدہ نگاری کی طرح زمین کو آسمان بنا سکتا ہے۔ نعت کے حدود مقرر ہیں، ان سے نعت گو بڑھ سکتا ہے نہ گھٹ سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں متاع ایمان ہی کے سلب ہونے کا خدشہ ہے۔ دور حاضر کے اکثر شعر نعت گوئی کا شوق تو رکھتے ہیں۔ مگر احتیاط کے تقاضوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ صرف اس لئے کہ ان کی نگاہ میں نہ شریعت کے رموز ہوتے ہیں نہ طریقت کے مقام، نتیجہ معلوم کہ وہ بزعم خویش توصیف رسالت مآب ﷺ کا حق ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ مگر ان کا شوق بے حد، حد کو پھلانگتا اور مدحت کو بسا اوقات الوہیت تک لے جاتا ہے جو بہر کیف توہین ہے۔ نعت گوئی کے لئے دل کی محبت ایک فطری شرط ہے مگر جذبہ محبت کی اس روانی کو طغیانی سے بچانا مقصود ہے۔ حضرت رضانا نے خود نعت گوئی کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا ہے:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

اس احساس کے ساتھ اگر وہ شخصیت دین کے فہم سے

صنف سخن ہے، غزل یا نظم نہیں۔ ہماری کلاسیکی اردو غزل کو اپنے جس ایمانی تاثر پر فخر، جس فکری گداز پر ناز اور جس جمالیاتی کیفیت پر غرور ہے اس فنی فخر و ناز کی بیشتر ادائیں حضرت رضا کے کلام میں ضرور یز بھی ہیں اور صوفیاں بھی۔

غزل گو بالعموم تصورات کی بے نام دادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں ان کے ہاں دیدہ کم اور شنیدہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ فرسودہ اور مستعمل موضوعات کو ادا کی خوبی سے تازگی عطا کیا کرتے ہیں۔ خیال کی طرفگی، خال خال ہوتی ہے جب کہ نعت سراسر صداقتوں کا بیان ہے۔ اس میں جب تک شیفتگی دینی شعور کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو، بات بنتی نہیں۔ نعت گو کو صورت اور سیرت کے اعتبار سے مثالی یاد دوسرے لفظوں میں اسلامی ہونا چاہیے۔ صرف لفظی حسن سے نعت میں رعنائی نہیں آیا کرتی جب تک دل کا گداز اس میں شامل نہیں ہو وہ دل آویز نہیں بن سکتی۔ عمل کو خود آواز بنا چاہیے کہ گفتار کی کثرت سے دل مرجھا جایا کرتے ہیں۔ اطاعت کے بغیر، عقیدت کا ہر تصور بے جان ہے۔ گنبد خضریٰ کے خیال سے اگر دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی، اگر روح ویران ہے اور آنکھیں کوئی سا پیرا یہ نم بھی نہیں رکھتیں، تو ایسے انسان کی نعت گوئی تعلیاً نہ خود نمائی کا عکس تو ہو سکتی ہے، عجز و نیاز کا پندار نہیں بن سکتی، حضرت رضانا ہی لئے نعت گوئی میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں کہ آپ ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی نکتہ آفرینوں سے بھی کما حقہ واقف تھے۔ ایسی ہی شخصیت نعت سرائی کا حق ادا کر سکتی ہے، ورنہ ہر بولہوس حسن پرستی کو اپنا شعار بنا کر سچائی کا دعوے دار نہیں ہو سکتا کہ نعت ہی وہ نغمہ ہے

جاتا ہے۔۔۔ نعت میں نہ سوز مجازی ہے نہ تڑپ رسمی اور نہ آنسو روایتی۔ جذبات کی یہی وہ واقعیت، بیان کا یہی وہ گداز اور اظہار کا یہی وہ خلوص ہے جو نعت تاثر اور تغزل کے منہاتے کمال پر لے جاتا ہے اور غزل کی رسمی اور مجازی فضا کو بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کا دل حب رسول ﷺ سے معمور، قلم اظہار بیان پر قادر اور فکر فرمودات الہی سے مستیر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں تغزل کی کیفیت بدامان، جنونِ نغمہ بار اور قلم گلِ فشاں ہے۔ ان کی شاعری میں ایک نغماتی انبساط اور ایک ملکوتی حسن ہے۔ دور حاضر میں غزل ایمانی اعتبار سے نشتریت کو چھو رہی ہے اور گمان گزرتا ہے کہ یہی غزل گو جب نعت کہیں گے تو اس میں حسن و کیف ہوگا مگر حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نعت پڑھ کر یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہی قلم اگر غزل کہتا تو زبان و بیان کی کیسی کیسی جدتیں ابھارتا، فکر و خیال کی کیسی ندرتیں پیدا کرتا اور دنیاے غزل کے کیسے کیسے 'میر تقیوں' کو پیچھے چھوڑ جاتا۔ ان کے ہاں بیان و بدیع کے بے شمار خوبصورت مثالیں ہیں اور ہر مثال علمی نکات اور شرعی بصائر کا دل آویز نمونہ ہے۔ بقول اختر الحامدی:

آپ سرتاپا عشق کی شراب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن قدم ڈگمگاتے نہیں، پیسے ہوئے ہیں مگر بہکتے نہیں، جوش ہے مگر ہوش کے ساتھ، دل و روح مکینف ہے مگر عقل ہوشیار ہے۔ جو قدم اٹھا منزلِ جاناں کی طرف، جب قدم پڑا شاہراہ شریعت پر، دیوانے کی طرح رواں دواں ہیں مگر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، سراپا مدہوش ہیں مگر آپ کا قلم جاگ رہا ہے۔ آپ کے کلام میں آپ کا یہی جنونِ بیدار کار فرما ہے۔ جو تغزل کی

کما حقہ آشنا ہو۔ اس کا دل جذباتِ محبت سے بھی لبریز ہو تو یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ وہ شخصیت جب نعت نگاری پر آمادہ ہوگی تو ارادتاً افراط و تفریط کا شکار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں اشعار کی اکثریت ادب اور احتیاط کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ محطاط اندازِ فکری سے 'پاس ناموس عشق' کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔ دیوانوں کی طرح سوچنا اور فرزانوں کی طرح لکھنا، ہر ذہن اور ہر قلم کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہوش و جنوں اور شعرو شریعت کی متوازن ہم آہنگی، نعت گوئی کے لئے جتنی ضروری ہے، اتنی ہی فنی اور جذباتی اعتبار سے مشکل بھی ہے۔ شعر کے ایمانی حسن کے لئے دل گداختہ ضروری ہے۔ سوزِ دروں کی یہ آئینہ مجازی دنیا میں تو بسا اوقات آوردہ ہوتی ہے۔ جب کہ نعت میں اس گداختی کی بنیاد ایک ایسی اصلیت پر ہے جس سے بڑھ کر واقعیت کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے پیش نگاہ ایک ایسا وجود اکمل و اطہر ہوتا ہے جس کی صورت فی الواقع نظر افروز، سیرت دل آرا اور طرز عمل قابل تقلید ہے جس کی ہر بات وحی الہی کی ساختہ پر داختہ اور آراستہ ہے۔ جس کے لب کھلتے ہی سچائیوں کے لئے ہیں، جس کی محبت دین حق کی شرط اول ہے، جس کا کائنات حسن کی مرقع نگاری کا حق شعر و سخن کا کوئی سا پیراہ، بیان و بدیع کا کوئی سا انداز اور فصاحت و بلاغت کا کوئی سا آہنگ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ جہاں بہت کچھ کہہ دینے کے باوجود بھی بات عجز و نارسائی ہی کے اعتراف پر ختم ہوتی ہے اور پھر جہاں مبالغہ آرائی، شجر ممنوعہ ہے۔ جہاں جوش آرزو مقصود ہے مگر حواس و ہوش کو بچانا بھی لازم ہے، جہاں محبت کی وارفتگی کا اظہار، فرزانگی کی بصارتوں اور احتیاط کی بصیرتوں کے ساتھ کیا

سے ہوتی اور اڑان بھی اسی کے کرم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مولائے کریم جس قلم اور جس ذہن سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اسے خود ہی جودت اور بالیدگی عطا فرماتا ہے۔ مانگنے والے کے دل میں خلوص ہو تو دینے والے کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ احمد رضا بریلوی خواب دیکھتے ہیں کہ شارع عام پر ایک بلوریں فانوس لئے کھڑے ہیں، روشن کرنا چاہتے ہیں مگر دائیں بائیں کی پف زنی اسے روشن نہیں ہونے دیتی، دفعاً حضور پر نور ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ اور انہیں پھونک مارنے کا حکم دیتے ہیں پہلی ہی پھونک سے فانوس انوار کا شانہ بن جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ دوسری بار حج کے لئے جاتے ہیں تو شوق زیارت فراواں ہے، مگر بات بنتی نہیں اس عالم میں وہ ایک نعت لکھتے ہیں اور پیش کرتے ہیں، جس کا مطلع ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کہ بگڑی بن جاتی اور تنہا بار آور ہو جاتی ہے۔۔۔ یوں یہ بات طے ہے کہ ان کی نعت میں تاثر کی جو بے ساختگی اور جذبے کا والہانہ پن ہے وہ سراسر الوہی عنایت ہے۔ بشری کمال نہیں۔

اسلام میں مختلف مکاتیب فکر ہیں۔ ہر مکتب اپنی ہی سوچ کو سچ جانتا ہے۔ اور اسی کی تبلیغ کو فرض سمجھتا ہے۔ ایک دینی عالم جب شعر کی دنیا میں قلم اٹھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی اپنی فکر وہاں در آئے گی۔ ایک مفکر کا ذہن اپنے ہی نظریات کے گرد گھومتا ہے بے عینہ جب ایک عام ادیب اور شاعر اپنی ذہنی وابستگی سے ہٹ کر لکھے گا تو اس کے ادب کی حیثیت ایک کٹے

جان ہے۔ نعت میں چوں کہ انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے یہاں قدم سوچ سوچ کر اٹھانا اور پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے میں بات اکثر سپاٹ اور پھیکھی ہو جاتی ہے۔ خیال سوچتا ہے تو لفظ ساتھ نہیں دیتے، لفظ ذہن میں ابھرتے ہیں تو مفہوم غیر واضح رہتا ہے۔ احتیاط کے تقاضے اتنے کڑے ہیں کہ دل کی بیشتر بے تانیوں کو دباننا پڑتا ہے۔ ایسی فضا میں بات کہنا اور وہ بھی برجستگی کے ساتھ، ان کی عظمت گفتار کی روشن دلیل ہے کہ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں شاعرانہ صلاحیتوں اور ماہرانہ عظمتوں کے باوجود بات بنانا مشکل ہوتا ہے۔ لفظ و خیال کے حسن امتزاج ہی سے تاثر ابھرتی ہے۔

یہ امتزاج حضرت رضا کی نعت گوئی میں جا بجا نظر آتا ہے، خیالات آنچلوں کی طرح لہراتے اور الفاظ موتیوں کی طرح چمکنے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں برجستہ گوئی کی بے شمار مثالیں ہیں لفظ جہاں آگیا نگیلہ بن گیا ہے۔ کوشش کے باوصف اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں آسکتا۔ ان کے ہاں بات ازنی تم اور سمدای زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ گویا:

چنتا ہے رخِ وقت پہ الہام کی افشاں

ان کا بھی قلم حضرت جبریل کا پر ہے

ان کی نعت گوئی صحیح معنوں میں عطیہ الہی ہے کہ

نعت کی عمارت اٹھتی ہی حب نبی ﷺ کی اساس پر ہے اور یہ محبت اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتی:

دہد حق عشق احمد بندگان چیدہ خودرا

بہ خاصاں می دہد شہ بادہ نوشیدہ خودرا

اس ضمن میں قلم کو جنش بھی اسی ذات بلند و برتر کی رحمت

ضروری ہے کہ جہاں بھی کوئی حسن نظر آئے اسے نگاہوں میں سمیٹ لیا جائے۔ اور جو منظر نگاہوں پر بارگزرے اسے وجہ نزاع بنانے کے بجائے صرف نظر سے کام لیا جائے۔ پھول کے ساتھ اگر کانٹے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھول کو جنت نگاہ نہ سمجھا جائے۔ یہی وہ طرز فکر ہے جس سے حکایت حکایت رہتی ہے شکایت نہیں بنتی۔

مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو حضور ﷺ سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار آپ پالکی میں کہیں جا رہے تھے کہ دفعتاً آپ نے پالکی رکوائی اور کہا۔ کہاروں میں کوئی سید ذات کے ہیں! ایک کہار نے کہا مزدور کی کوئی ذات نہیں ہوتی اور وہ مزدور ہوتا ہے۔ اصرار کے بعد اس نے سید زادہ ہونے کا اعتراف کیا تو آپ نے اس سے نہ صرف معذرت کی بلکہ اسے پالکی میں سوار کیا اور خود اپنے کندھوں پر پالکی اٹھائی اور اس کہار کا تعلق اس ذات ﷺ گرامی قدر کے خاندان سے تھا۔ جس کی خاک پا ہمارے لئے سرمہ بصیرت ہے۔ جس کے اشارہ ابرو سے وقت اپنا رخ بدلتا اور بہاریں پلٹ پلٹ آتی ہیں اور جس کے خرام ناز کے طفیل بطحا کی ریت میں بھی ریشم کا لوچ محسوس ہوتا ہے اور جس کے انفاس پاک کی مہک کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان کائنات ارضی و سماوی کے لئے نکہت بد اماں ہیں۔ اور رہے گا اور اس کہار کے بارے میں حضرت رضا کے احساس کا ابھرنا بھی ان کے اس تعلق خاطر کی دلیل ہے جو انہیں حضور ﷺ کی ذات اقدس سے تھا۔ اقبال نے کہا تھا:

بدرگاہِ سلاطین تا کجا اس چہرہ سانی با

ہوئے پتنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اسی طرح قاری جب ایک ادیب و شاعر کو پڑھتا ہے تو گو وہ اس کے خیالات سے متفق نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس کے قلم کی جولانی اور انداز کی شکستگی کی داد دینے بغیر نہیں رہتا۔ ادیب اور شاعر کی فنی طور پر یہی پرکھ ہے کہ اس نے بات کبھی کیسے ہے؟ اور بسا اوقات یہ امر ثانوی رہ جاتا ہے کہ کیا کہا ہے؟ اگر مقصد اور فن دونوں میں صالحیت آجائے تو قلم سے نکلنے والا ہر جملہ اور ہر مصرع سحر حلال بن جایا کرتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے اشعار میں اپنے مخالفین پر بھی برسے ہیں۔ اس برسے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کی رعنائی تحریر ہی سے منکر ہو جائیں۔ خوبی جہاں بھی ہے تحسین اس کا حق ہے۔ علی گڑھ میگزین کے نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء میں سلامت اللہ خاں اپنے مضمون 'ادب و عقیدہ' میں لکھتے ہیں:

ادب عقیدے کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جاسکتا ہے۔

گویا جب تک ادیب اور شاعر کے ہاں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ نظریاتی صالحیت نہ ہو۔ اس کی تخلیق آفاقی تاب و تب سے محروم رہتی ہے۔ مقصدیت ہی قلم کی جنبشوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔ قاری کا ان نظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ قاری ذوق سلیم کا حامل ہو تو وہ اختلاف کے باوصف حسن ادا کی داد دے گا کہ:

بات کرنے کی اد اہوتی ہے

نکہت گل بھی صدا ہوتی ہے

بیا موز از خدائے خویش ناز کبریائی با

شعرا عموماً بادشاہوں کے حضور میں برنگ شعر سجدہ ہاتے ارادت نذر کرتے رہے ہیں مگر حضرت احمد رضا خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ بندہ نواز سے ناز کبریائی کی دولت پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی محبت کی بنا پر ان کا دل اس قدر جھکا ہوا اور سزاقدس اس قدر اٹھا ہوا تھا کہ وہ اہل دولت کی طرف نگاہ غلط انداز سے دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ ہم ادنیٰ ہیں مگر نسبت ارفع و اعلیٰ ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری فقیری پر بھی شان سلطانی رشک کرتی ہے۔ حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار فرمائش کی گئی کہ نواب نانپارہ کے لئے کچھ مدحیہ اشعار لکھ دیں! آپ نے یہ سن کر ایک دل آویز نعت تحریر فرمائی اور اس کے مقطع میں اپنا مسلک یوں واضح فرمایا:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارہ نال نہیں

نان پارہ اور پارہ نال کی ترکیب نے بیان کے لطف کو دو بالا کر دیا ہے۔ یہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی خاص نظر کرم ہے جو بندوں کو فقر و غیور کی دولت سے مالا مال کرتی ہے اور انکسار کا یہی وہ پندار ہے جو انسان کو دربارشہ میں بھی سرکشیدہ رکھتا ہے۔ سید قاسم محمود کے الفاظ میں:

اعلیٰ حضرت بچکن ہی سے تقویٰ، بھارت، اتباع سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت کے اوصاف سے مزین ہو چکے تھے۔ صرف چودھ برس کی عمر میں آپ جلیل الشان عالم، عظیم المرتبت فاضل ہو گئے اور پھر چون، برس کی عمر تک مسلسل دینی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے سب کام حب الہی کے تحت تھے۔ نہ کسی کی

تعریف کرتے نہ کسی کی ملامت کا خوف کھاتے۔

حضور ﷺ عیدہ تھے۔ یہ مقام عبدیت تھا جس نے انہیں بے مثل بشر بنا دیا تھا صرف بشر تو سبھی ہوتے ہیں اور ہر نبی پر اس دور کے ارباب استکبار نے یہی طنز کی تھی کہ تو تو ہمارے جیسا ہے۔۔۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس میں عبدیت کا جمال منتہائے کمال پر تھا اور جب بھی کسی خاکی انسان نے اس جمال کے انوار سمیٹنے اور بیان کرنے کی سعی کی تو اسے اپنی تمام فکری اور شعری صلاحیتوں کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑا کہ:

غالب خنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

کال ذات پاک مرتبہ دان محمد است

کیونکہ حضور ﷺ کے مقام کی یہی وہ شان ہے جہاں ہم اپنی جملہ رسائیوں کے باوجود نارسا ہیں۔ کیوں کہ عبدیت کا نقطہ کمال اور عبودیت کا مقام آغاز دونوں اس قدر قریب قریب ہیں کہ ہر دو کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ نعت نگاری کی شان یہی ہے کہ حضور ﷺ کو خدا کے بعد سبھی کچھ کہا جائے۔ مگر خدا نہ کہا جائے۔ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ انہوں نے حتی الامکان سعی کی ہے کہ عبودیت اور عبدیت میں فرق رہے۔ کیوں کہ توحید و نازک مقام ہے کہ وہاں کسی نوع کی کوئی سی شراکت بھی گوارا نہیں کہ اسی بارگاہ میں سرخم ہوتے ہیں، وہیں ہاتھ اٹھتے ہیں اور وہیں سے جذب و کیفیت کو بال و پر عطا ہوتے ہیں۔ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اسی بارگاہ میں یوں سراپا دعائیں:

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، ہے

سرکار ﷺ کے شفاف آئینے پر ہی کوئی بال آیا ہے۔ نعت گوئی کی انہی نزاکتوں اور شاعر کی انہی نارسائیوں کے بارے میں حضرت رضا کہتے ہیں:

کچھ نعت کے طبعیے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتے میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں ہے

حضور ﷺ کی بارگاہ ناز میں درود و سلام نذر کرنا، ہم مسلمانوں کے لئے حکم خداوندی کے تحت فرض ہے۔ یہ ہماری نماز کا ایک کیف آفریں جز ہے کہ اس حوالے کے بغیر دعا شرف قبول کو نہیں پہنچتی اور دعا عبادت کا جوہر ہے۔ منعم حقیقی کی جانب سے گنبد خضریٰ پر ہر لحظہ اکرام و انوار برستے رہتے ہیں۔ ملائکہ رحمتوں کے نورانی طبق لے کر پیہم اترتے رہتے ہیں اور ہم اپنی نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی سے متمسک رہتے ہیں کہ وہی اپنے حبیب کو زیادہ سے زیادہ نوازے تاکہ وہ نوازش ہائے مسلسل، ہم عالمین پر بقدر ظرف و طلب بنتی رہے۔ درود و سلام ہی وہ کسوٹی ہے جس پر مدعی کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ یہی وہ ترازو ہے جس سے محبت کی کیفیت اور کمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا موصوف نے ۱۷۰ اشعار پر مشتمل جو سلام تحریر کیا ہے اس کا قبول عام اس سلام کے بقائے دوام کی دلیل بھی ہے اور خود ان کے خلوص خاطر کا آئینہ بھی۔ دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والا ہر بول، ہر سماع اور ہر قاری کے دل کی دھڑکن بن جایا کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن، روح کی لرزش اور آنکھ کا آنسو صداقتوں کا امین ہوا کرتا ہے۔ اس سلام کا ہر دل کی دھڑکن بن جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ اسے کنبد خضریٰ سے بھی پذیرائی کا

مجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوہ پاکِ رسول ﷺ دکھا، تجھے
اپنے ہی عز و علا کی قسم

وہ مدینہ جاتے ہیں تو شوق کو ایسا سجدہ گزارنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اس سجدے کی خبر سر کو بھی نہ ہونے پائے۔ وہ لحد کی تاریکوں میں حب نبی ﷺ کے چراغ لے کر اترنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک روضہ شہ والا ﷺ کعبے کا کعبہ اس لئے ہے کہ بقول اقبال:

تو برنخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع بیٹیمے صورت پرانہ می آئی

ان کے نزدیک حضور ﷺ باغ خلیل کا گل زیبا بھی ہیں اور جانِ تمنا بھی۔ گلزارِ قدس کا گل رنگیں ادا بھی اور درمان دردِ بلبل شیدا بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کمالِ حسن میں گمانِ نقص نہیں ہے۔ یہی وہ پھول ہے جو بے خار اور یہی وہ شمع ہے جو بے دود ہے۔ وہ دلِ حزیں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ آنسو بن کر چمکے اور خاکِ مدینہ میں گھل مل جائے۔ اور ان کا یہ شعر تو حاصلِ نعت گوئی معلوم ہوتا ہے:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

آپ کے معروف طویل سلامِ مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کا ہر شعر مقامِ رسالت ﷺ کے کسی نہ کسی رخ کی دل آیزی کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ سلام خود بولتا ہے کہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نعت گوئی کی اس اوگٹ گھاٹی سے کس کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں نہ جبین شعر پر کوئی شکن آئی ہے اور نہ مدحت

پادر ہے کہ جناب رضاحمۃ اللہ علیہ کی شاعرانہ صلاحیتیں کلیتاً خداداد تھیں۔ اس میدان میں انہوں نے کسی کے حضور میں زانوئے تلمذ بھی نہ نہیں کیا بلکہ حضور ﷺ ہی کے فیض سے ان کے فکر کو برنائی اور قلم کو رعنائی ملی۔ البتہ وہ شہید جنگ آزادی حضرت مولانا کفایت علی کافی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ نعت گوئی سے متاثر ضرور تھے۔ حضرت کافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قدم پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آجاتی
چشم مشاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے
کافی کشتہ دیدار کو زندہ کرتے
لب اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

کچھ اسی نوع کا جذب دروں اور اسی انداز کا سوز نوا حضرت رضا کے ہاں بھی جا بجا ملتا ہے سچی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اتباع ہی اللہ تعالیٰ کا اتباع ہے۔ آپ ﷺ کی محبت ہی میں حب الہی کا راز مضمر ہے۔ ایمان کا معیار حب رسول ﷺ ہے۔ جب ہر دنیاوی محبت حضور ﷺ کی محبت کے سامنے بے وقار ہو کر رہ جائے تو مسلمان ایمان کی تکمیل کو چھوڑنے لگ جاتا ہے۔ حضرت فاضل بریلوی کی حضور ﷺ سے جنوں کی حد تک محبت تھی۔ اس کا اعتراف ہر زبان اور ہر قلم کو ہے۔ محبت کی یہی وارفنگی جب شعر کے سانچے میں ڈھلی تو نعت بن گئی۔ اسی از خود فنگی نے انہیں اس قدر محتاط بنا دیا تھا کہ وہ کوئی ایسا خفیہ سا کلمہ سننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جس سے محبت کے آب گینے پر زد پڑتی ہو۔ یہ عطائے خاص ہے کہ انہیں علم دین ملا اور اس علم کا مرکز دل کی دھڑکنیں رہیں، ذہن کی موٹکافیاں نہیں۔ دل

شرف مل چکا ہے۔ یہ سلام جہاں شاعر کی وارفنگی شوق کا ایک مترنم اظہار ہے وہاں سیرت و اخلاق نبوت کی ضیا باریوں کا ایک تاریخی مرقع بھی ہے۔ ہر شعر ایک نئی تاریخی صداقت لے کر ابھرتا اور نشاط روح بن کر جلوے بکھیرتا اور جنت نگاہ ہو کر ظلمتوں کو اجالتا کرتا چلا جاتا ہے۔ مولانا کے تتبع میں بہت سے ممتاز شعرا نے سلام لکھے ہیں اور نعت میں سلام و درود کا یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتا جا رہا ہے۔ بعض سلام سادہ مترنم اور عام فہم بھی ہیں اور عوام الناس کی زبان پر رواں بھی ہیں مگر مولانا کا یہ سلام قدیم ہونے کے باوجود جدید دور میں بھی اپنی قبولیت کے اعتبار سے روز بروز نکھرتا ہی جا رہا ہے۔ فنی اور شعری اعتبار سے بھی یہ کاوش اس قدر رفیع و حسین ہے کہ ناقد اپنے منصب نقد و نظر کو بھول کر اس کے گداز و ترنم کے حضور میں دوزانو ہو جانے پر مجبور نظر آتا ہے۔ جناب نظیر لدھیانوی کے الفاظ میں:

اگر مولانا قصیدہ ثاوی اسریٰ اور اس سلام کے سوانحت میں اور کچھ نہ کہتے تب بھی نعتیہ ادب میں ان کا پلہ بھاری رہتا۔ یہ شعری کاوش جہاں جمال نبوت کا ایک کیفیت آور بیان ہے۔ وہاں سخن آفرینی کے کمال کا ایک دل آویز اظہار بھی ہے۔ اس میں زور بیان کے ساتھ ساتھ بے پناہ روانی ہے۔ بقول ایک نقاد:

یہ سلام پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ شعر و حکمت کا بحر بے کراں پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں ہے۔ جس میں معارف قرآن و حدیث، اسرار عشق و رموز معرفت اور زبان و بیان کے لاتعداد گہر ہائے گراں مایہ بہے چلے آ رہے ہیں۔

کے راستے علم کی دولت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت رضارحمۃ اللہ علیہ کا دور زبان کی صحت مندانہ شگفتگی اور بیان کی غزل آمیز اثر آفرینی کے اعتبار سے ایک ایسا مثالی دور تھا جو بہر رنگ معاصرین کے لئے ایک ادبی چیلنج اور بعد والوں کے لئے قابل استفادہ ٹھہرتا ہے۔ مگر یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ حالی، امیر مینائی، اکبر الہ آبادی ایسے کاملین فن، جب غزل سے ہٹ کر اور مجاز سے کٹ کر نعت کے میدان میں وارد ہوتے ہیں۔ تو ان کے لئے وہاں اپنے خاص معیار تغزل کو قائم رکھنا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ نعت میں ہر مقام مقام احتیاط ہے۔ یہاں نہ اشہب قلم بگٹٹ دوڑ سکتا ہے اور نہ سمد شوق بے باک و بے پروا ہو سکتا ہے۔ ایسے نازک مقام یہ کہ جہاں سانس بھی ہولے سے لینا پڑے اور جہاں سکوت ہی تکلم بلیغ کی حیثیت رکھتا ہو۔ وہاں زبان کی نفاستوں، شعر کی لطافتوں، فکر کی نظافتوں اور اسلوب و ادائیگی صد اقتوں کو نبھانا کسی کسی کا کام ہے۔ یہ توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی۔ اور اس اعتبار سے حضرت رضائی اواقع خوش نصیب ہیں۔ سچا شاعر تلمیذ فطرت ہوتا ہے۔ خیال کے مطابق لفظ بھی اسے عطا ہوتا ہے۔ حضرت رضا کا نعتیہ کلام اپنے اندر فکری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ادا کی سادگی بھی لئے ہوئے ہے۔ بدیع و بیان دونوں خیال کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں نبوت کے جمال کا ذکر ہے وہاں الفاظ بھی دل کش اور دل آرا ہیں۔ جہاں سیرت کے کمال کا بیان ہے وہاں اظہار و بیان کی بلاغتیں بھی منتہائے کمال پر نظر آتی ہے۔ جہاں خصائص نبوت کا ذکر ہے وہاں لب و لہجہ کی ادائیں بھی تخصیص کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں، گویا ان کے نعتیہ کلام

سے ایک سخن شناس کے ذوق کو بھی آسودگی ملتی ہے۔ ایک فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کا احساس بھی نصیب ہوتا ہے۔ اور ایک دل درد آشنا کو سوز کی وہ لذت اور نشاط و کیفیت کے وہ لمحے بھی میسر آتے ہیں جنہیں کوئی سا قلم بھی بیان نہیں کر سکتا۔ یہی وہ لمحاتی کیفیت ہے جس کے طفیل روز و شب اس کہکشاں میں گزرتے ہیں جس کی تمنائیں عمر میں تمام ہو جاتی ہیں۔ بقول شاعر:

بس اک نگاہ تبسم نواز مل جائے

تمام عمر میں ڈھلتا رہا ہوں آہوں میں

حضرت کی جدت آفرین علمیت اور فنی نزاکتوں پر ماہرانہ دسترس کا اندازہ مطلوب ہو تو ان کی وہ معروف نعت دیکھئے جس میں عربی کی بلاغت بھی ہے، فارسی کی حلاوت بھی ہے ہندی کا گداز بھی اور اردو کی لطافت بھی۔ چار مختلف زبانوں کے اس امتزاج کے باوجود نہ کہیں بیان کا لطف مجروح ہوا نہ کہیں ادا کے حسن میں فرق پڑا ہے۔ کہیں کہیں مشکل پسندی کا احساس ہوتا ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی بات شگفتہ اور رواں دواں ہے۔۔۔ الغرض ادائے خیال کے جتنے بھی پیرائے ہیں۔ شکوہ الفاظ کے جتنے بھی انداز ہیں، بیان و بدیع کی جتنی بھی رعنائیاں ہیں، خیال و فکر کے جتنے بھی زاویے ہیں، فصاحت و بلاغت کی جتنی بھی کیفیت آفرینیاں ہیں اور نعت سرائی میں احترام و احتیاط کے جتنے بھی تقاضے ہیں ان کا بیشتر حصہ 'حدائق بخشش' میں اپنی تمام تر نور سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اگر ان تمام نور پاروں کو یک جا کر دیا جائے تو شاعرانہ علامہ و رموز کا ایک خوبصورت مجموعہ وجود میں آسکتا ہے۔

قدیم و جدید نعت گوئی میں امتیازی فرق یہ ہے کہ پہلے

بھی فراہم کی جس پر آپ کا شاعر ناز کرتا اور خود کو منفرد گردانتا ہے۔ گویا وہ ان اولین شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اردو نعت کو ایک مستقل فن اور صنف کی حیثیت دی۔ نعت سرائی کے قدیم انداز اور جدید رخ کا ایک ایسا خوبصورت امتزاج کسی اور نعت گو کے ہاں مشکل ہی سے ملے گا۔ افسوس کہ ان کے کلام کو جانب دارانہ تعصب سے دیکھا گیا۔ نتیجہ معلوم کہ محاسن کو نظر انداز کیا گیا اور لغزشوں کو نمایا کرنے کی سعی کی گئی اور آج بقول ڈاکٹر محمد مسعود:

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نعت گو شعرا کے امام اور مملکت نعت گوئی کے سلطان ہیں۔ اس حقیقت کو اگرچہ ماضی میں تسلیم نہیں کیا گیا مگر اب اہل نظر فرانح حوصلگی سے تسلیم کر رہے ہیں۔ اور اس امر پر اظہار افسوس کر رہے ہیں کہ جواب جانا پہچانا گیا ہے پہلے کیوں نہ جانا پہچانا گیا۔

آپ نے نعت کو ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت دی، نعت کے لئے غزل کی ہیئت کو اختیار کیا، یوں انہوں نے جدید دور کے شعرا کو نعت گوئی کے لئے ایک ترقی پذیر اور تاثر آفریں سانچا فراہم کیا۔ دور حاضر کے سب سے بڑے مفکر شاعر علامہ اقبال نے مسلمانوں کے انحطاط کی بنیادی وجہ حضور ﷺ سے قلبی تعلق میں کمی یا فقدان کو قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمان اس لئے زار و زار اور ذلیل و خوار ہیں کہ وہ دل تو رکھتے ہیں مگر محبوب نہیں رکھتے اور محبوب کے تصور کے بغیر دل محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور اس دل سے نکلنے والی آواز اور قلم سے ابھرنے والا شعر محض بے کیف لفظوں کا مجموعہ تو ہو سکتا ہے اس میں نشتریت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عقل سے لے کر

شاعر نعت میں زیادہ زور سراپائے رسالت مآب ﷺ کے کمال جمال پر دیتے تھے۔ وہ حسن ذات میں اس قدر از خود رفتہ ہوتے تھے کہ جب یہ جمال جہاں تاب اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نعت کے رنگ میں ان کے قلم کی نوک پر ضوفاں ہوتا تھا تو ان الفاظ کا طواف خود جلوے کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاعری کا رخ بدلتا گیا غم روزگار زیادہ دل فریب ہو گیا۔ غم جاننا اور غم دوراں کی اس آویزش کا اثر نعت پر بھی پڑا، نتیجہ معلوم کہ نعت میں حسن صورت کا بیان کم اور جمال سیرت کا ذکر زیادہ ہوتا چلا گیا۔ زمانے کی تلخیوں، غم کی شدتوں اور جنوں کی آبلہ پائیوں کو گنبد خضریٰ ہی کے خشک سائے میں آسودگی، راحت اور سکون نصیب ہوا، طائف کے اس عظیم و جلیل مسافر نے ہمارے لئے ستم سہنے کے سبھی مراحل آسان کر دیے، حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے لو لگا کر تخت و تاج کی رعوتوں کو نیزوں پر اچھالتے اور وقت کے فرعونوں کو حقارت کی ٹھوکروں سے اڑاتے رہے۔ آپ ﷺ ہی نے زمین کے ذروں کو اڑنا سکھایا اور آپ ﷺ ہی نے آسمان کی رفعتوں کو انسان کے پاؤں تلے بچھا دیا۔ اس تناظر میں اگر حضرت رضا کی نعت کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام کی صداقتیں اس آہنگ سے رقصا و درخشاں ہیں کہ جہاں انوار کی یہ لپک، نگاہوں سے لپٹتی ہے، وہاں نعت گو کی علمی وجاہتوں کے حضور میں دل جھک جھک جاتا ہے۔ آپ کے جمال ظاہری کے تذکرے بھی ہیں اور کمال معنوی کا دل نشین بیان بھی، آپ نے جہاں روایت کو سنبھالا دیا وہاں جدید دور کے لئے ایسی اساس

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہوزندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے
اور دل زندہ ہوتا ہے حضور ﷺ کی محبت سے۔

دونوں کے کلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے
فکری ہم آہنگی جھلکتی ہے، موضوع اور مقصد کے اعتبار سے انداز
اپنا اپنا ہے مگر کہیں کہیں اقبال کے انداز پر بھی اخذ و استفادے کا
گمان گزرتا ہے۔

چودھری افضل حق مرحوم کا یہ جملہ کہ اعتراف عظمیٰ کے
لئے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے، میرے نزدیک
ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اختلاف کی بنیاد اگر خلوص پر
ہو تو اس کا نتیجہ محاصمت کی شکل میں نہیں بلکہ رحمت کی شکل
میں نکلتا ہے۔ اگر نیت اور ذہنیت ہی راست نہ ہو تو پھولوں
پر بھی کانٹوں کا گمان ہوتا ہے۔ کتنے ہی دانش ور ہیں جنہوں
نے حضرت رضا بریلوی کی شعری عظیمتوں اور فکری صدقتوں
کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ نظریاتی بعد کے باوجود کسی کی شخصی
وجاہت اور فکری ثقافت کو تسلیم کرنا خود شرف انسانی کی ایک
روشن دلیل ہے۔ چند آراء دیکھئے:

ہندوستان کے دور آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طباع
اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی ذہانت و فطانت، جودت
طباع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تجربی کے شاہد عادل
ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے اس پر مضبوطی سے
قائم رہتے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار کا بہت غور و فکر کے بعد

حکمت تک، علم سے لے کر نظر تک اور خودی سے لے کر بے
خودی تک جتنی منزلیں ہیں ان تک پہنچنے کے لیے اقبال کے
نزدیک اسوۂ حسنہ ہی واحد راستہ ہے یہی وہ تعلق ہے جسے اپنا کر
انسانی زندگی پر مہر و ماہ رشک کرتے ہیں اور اس نسبت سے
ہٹ کر زندگی بے آبروی اور رسوائی کو اپنا مقدر بنا لیتی ہے۔ گو
اقبال نے صرف نعت گوئی کو اپنا مقصد نہیں بنایا، مگر جب بھی
وہ حضور ﷺ کا حوالہ دیتے ہیں (اور یہ حوالے جا بجا ہیں کہ ان
حوالوں کے بغیر ان کی شاعری بے نور ہے) تو اس اسم گرامی
کے آتے ہی اقبال کا قلم انوار بکھیرنے لگ
جاتا ہے۔۔۔ حضرت رضا بریلوی کی شعری کاوشوں کا تاثر،
جمال اور دل آویزی بھی حب رسول ﷺ ہی کی دین ہے کہ
خیال میں رعنائی ہے تو اسی نام سے، دل میں نور ہے تو اسی تصور
سے اور قلم میں بینائی ہے تو اسی ذکر سے۔ حضرت رضا بریلوی کا
سرمایہ نعت قدیم رنگ کا حامل ہے جب کہ اقبال کے پیش نظر
جدید دور اور امت مسلمہ کے سیاسی اور عمرانی مسائل تھے۔ اس
لئے انہوں نے تقہیم و ابلاغ کے لیے بھی اظہار میں جدت
پیدا کی کہ اظہار و بیان کا انداز وقت کے تقاضو کے مطابق ہوا
کرتا ہے بہر کیف دونوں کے پیش نظر حب رسول ﷺ کے
جذبے کو برقرار محکم اور استوار کرنا ہے جس کے بغیر ہماری
حیات، مہمات، برزخ اور آخرت چاروں بے کیفیت و بے رنگ
ہیں۔ فاضل بریلوی نے اگر کہا:

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

تو اقبال نے کہا:

کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خان اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے۔ (علامہ اقبال)

احمد رضا خان کی شخصیت ان کی شاعری اور شاعری ان کی شخصیت ہے۔ شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے ہاں ملے گی۔ (ڈاکٹر سلام سندیلوی)

میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی ﷺ کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلیٰ معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔ (نیاز فتح پوری)

مولانا دینی علوم کے جامع تھے، دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ شیوا بیان شاعر بھی تھے۔ ان کو یہ ساعت نصیب ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول ﷺ کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ ان کے بھائی مولانا حسن رضا خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

جب داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت

تعریف کی اور فرمایا کہ مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔

(ماہر القادری)

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی و ادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں۔ (سید علی عباس جلال پوری)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عشق رسول ﷺ ان کی نعتوں

میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ (مولانا کوثر نیازی)

وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اس لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف کم توجہ دی گئی حالانکہ ان کا کلام اس پائے کا ہے کہ انہیں طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دینی چاہیے۔ (افتخار اعظمی)

مولانا نے چھوٹی، محروں میں لکھ کر جو بڑی بڑی باتیں کہی ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ مولانا نے نعت گوئی میں ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد ڈالی جس کی چھاپ آج بیش تر مشاہیر کے کلام میں نظر آتی ہے۔ (عابد نظامی)

دیوان رضا عرفان و وجدان کا قاموس ہے۔

(شمیم اشرف)

مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے شعر و ادب میں ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب المثل اور بیان کے تمام الفاظ تصانیف سے یک جا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتا ہے۔ (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ)

انہوں نے سادہ مگر پرکار الفاظ میں خیالات کو ڈھالا ہے کہ

وجدان عش عش کرنے لگتا ہے۔ (طاہر طونسوی)

ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم

ان کے نعموں سے عشق و مستی کا جہان آباد ہے دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے، عشق نصیب ہو رہا ہے۔ اور مجت نغمہ خواں بن کر روجوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے۔ (حافظ مظہر الدین)

آپ کا عشق مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبا ہوا پر خلوص اور بے نظیر کلام بلاغت نظام حقائق و معارف کا حسین مرقع، جدت تمثیل، ندرت تخیل اور شاعرانہ قدرت کے علاوہ آیات و احادیث مقدسہ، نرم و نازک تشبیہات اور پاکیزہ استعارات سے بھرپور ہے۔

(قمریزدانی)

انتخاب کلام رضا:

میں نے اس مقالے میں حضرت کے کلام کے جا بجا حوالوں سے عمداً گریز کیا کیوں کہ میں آخر میں ان کے کلام کا ایک انتخاب دینا چاہتا تھا۔۔۔ انتخاب ہر قاری کے اپنے ادبی ذوق کے مطابق ہوتا ہے۔ اور نہیں چاہیے کہ کوئی شخص اپنا انتخاب کسی دوسرے پر ٹھونسے اور چاہیے کہ ہر طالب اور شائق خود کسی شاعر کے کلام کو دیکھے، پرکھے اور اس سے لطف لے۔ حضرت رضا کی اردو نعت کا یہ مختصر سا انتخاب وقت کی اس ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔ کہ دور حاضر کے قاری کے پاس وقت کی بھی کمی اور علم کی بھی۔ فارسی اور عربی کی بلاغتوں کا وہ ادا نشاس کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مضمون و ادا کے اعتبار سے اردو کے بعض بلیغ اور عمیق اشعار اس کی فہم و فراست کے لیے ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس کا مطالعہ بھی محدود ہے اور علم بھی مسدود۔۔۔ دل کی دھڑکنوں، شوق کی وسعتوں، روح کی لرزشوں اور نظر کی تمنائوں کا اندازہ تو اس علیم وغیر ذات ہی کو ہے۔ بہر کیف یہ انتخاب ایسے ہی پڑھے لکھے ان پڑھوں (راقم

البشوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ (کالی داس گپتا)

وہ جید عالم، بتمح حکیم، عقبروی فقیہ، صاحب نظر، مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خلیب تھے۔ لیکن ان تمام درجات رفیع سے بلند ان کا درجہ ہے۔ اور وہ ہے عشق رسول ﷺ کا۔

(ڈاکٹر سید عبداللہ)

آپ کے کلام میں جو الہانہ سرشاری، سپردگی اور سوز و گداز کی کیفیت ملتی ہے وہ اردو کے نعت گو شعرا میں اپنی مثال آپ ہے۔ (خلیل الرحمن اعظمی)

ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔

(سید عابد علی عابد)

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حب رسول ﷺ ہی تھی جس نے نعتوں کا پیکر اختیار کیا نعت کہتے وقت وہ کوئی قافیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لئے نعت عموماً طویل ہو جاتی تھی۔ لہذا تمام اشعار مضامین اور زبان کے لحاظ سے یکساں وزنی ہوتے تھے، بعض اشعار تو ایسے انوکھے ہوتے تھے کہ ان کا جواب مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ (سید محمد جعفر شاہ پھلواری)

انہوں نے کبھی اپنی استاد کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ جو قدر و قبولیت ان کے کلام کو حاصل رہی اسے وہ ہاتھ غیبی کا فیض بتاتے ہیں جو ان کے عشق رسول ﷺ کا نتیجہ ہے۔

(جلیل قدوائی)

کلام رضا میں حسن صورت بھی ہے حسن معنی بھی اور حسن تاثیر بھی۔ ان تینوں کا ایک جا ہو جانا شاعر کے جمال قلب و نظر کا اعجاز ہے۔ (ڈاکٹر مسعود)

رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا
تیرے صدقے! مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا
(۲)

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو میں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا
جو گدا دیکھوں لیے جا تا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانہ نور کا
قبر انور کہیے یا قصر معلیٰ نور کا
چرخ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا
ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا سفری کو کبریٰ نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا
(۳)

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا
خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعن زمیں سے
سن! ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہ کونین

بھی اسی قبیلے کا ایک فرد ہے) کے لئے ہے۔ تاکہ کم سے کم
وقت میں حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ عظمتوں کا زیادہ سے
زیادہ اندازہ ہو سکے... اور کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ ایسے علمی طور پر بے
مایہ انسان نعت رضا کی عالمانہ بصیرتوں اور اظہار و بیان کی مشکل
پسند پیچیدگیوں میں الجھ کر، اپنے علمی افلاس کا ماتم کرنے کے
بجائے، نعت کے اس دل آویز مرقع کے مطالعہ سے ہی دست
کش ہو جائیں۔ اس انتخاب میں علمائے کرام کی ضیافت ذوق کا
اتنا سامان نہیں جتنا عوام کی علمی پسماندگی کے تقاضوں کو دخل
ہے۔ اس سلسلے میں میری اپنی نارسائیاں حضرت رضا کے
گہائے نعت کی فراوانیوں سے بہر کیف معذرت طلب ہیں۔

’میں ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگی داماں بھی ہے
(۱)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجس میں ہے دریا تیرا
اغینیا پلتے ہیں درسے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ رستا تیرا
ایک میں کیا! مرے عصیا کی حقیقت کتنی!
مجھ سے سولاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
خوار و بیمار و خطاوار گنہ گار ہوں میں

نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزارِ پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا
(۷)

جب بامِ تجلی پر وہ نیرِ جاں آیا
سر تھا جو گرا جھک کر دل تھا جو تپاں آیا
طیبہ کے سوا سب باغ، پامالِ فنا ہوں گے
دیکھوں گے چمنِ والو! جب عہدِ خزاں آیا
کچھ نعت کے طبعے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتے میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا
جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کنناں آیا
(۸)

جب کہ پیدا شدہ انس و جاں ہو گیا
دور کعبے سے لوٹ بتاں ہو گیا
تھا براقِ نبی یا کہ نورِ نظر
یہ گیا وہ گیا وہ نہاں ہو گیا
نبی لو خبر آتشِ غم سے میں
تفتہ جاں، تفتہ جاں، تفتہ جاں ہو گیا
گزرے جس کو پچے سے شاہِ گردوں جناب
آسماں، آسماں، آسماں ہو گیا
کس کے روئے منور کی یاد آگئی
دل تپاں، دل تپاں، دل تپاں ہو گیا

معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

(۴)

غم ہو گئے بے شمار آقا بندہ تیرے نثار آقا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ بھاری ہے ترا وقار آقا
تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے میں وہ کہ بدی کو عار آقا
پھر منہ نہ پڑے کبھی خزاں کا دے دے ایسی بہار آقا
(۵)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عبت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ اندازِ وحدت کا
الہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا
زبانِ خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگرِ افکارِ فرقت کا
رضائے خستہ جوشِ سحرِ عصیاں سے نہ گھرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا
(۶)

نہ آسماں کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہِ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں ناریدہ ہونا تھا
کنارِ خارِ مدینہِ دمیدہ ہونا تھا
کنارِ خاکِ مدینہ میں راحتیں ملتیں
دلِ حویں تجھے اشکِ چکیدہ ہونا تھا
بلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

غازہ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب
 اللہ اللہ بہارِ چمنستانِ عرب
 پاک ہیں لوٹِ خزاں سے گل و ریحانِ عرب
 عرش سے مژدہ بلیقیں شفاعت لایا
 طائرِ سدرہ نشین، مرغِ سلیمانِ عرب
 کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
 یوسفستاں ہے ہراک گوشہ کنعانِ عرب
 پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
 خسروِ خمیل ملک، خادمِ سلطانِ عرب
 حور سے کیا کہیں، موسیٰ سے کیا عرض کریں
 کہ ہے خود حسنِ ازل طالبِ جانانِ عرب
 (۱۲)

پھر اٹھا ولولہ یادِ مغیلانِ عرب
 پھر کھنچا دامنِ دل سوتے بیابانِ عرب
 صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار
 کہ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب
 (۱۳)

زہے عورت و اعتلائے محمد ﷺ
 کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد ﷺ
 مکاں عرشِ ان کا، فلکِ فرشِ ان کا
 ملکِ خادمانِ سرائے محمد ﷺ
 خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
 خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ
 عجب کیا اگر رحم فرمالے ہم پر

طوطی سدرہ و صفتِ رخِ پاک میں
 گلِ فشاں، گلِ فشاں، گلِ فشاں ہو گیا
 طوطی اصفہا! سن کلامِ رضا
 بے زباں، بے زباں، بے زباں ہو گیا
 (۹)

بڑھ گئی تیری ضیا، اندھیر عالم سے گھٹا
 کھل گیا گیسوترا، رحمت کا بادل گھر گیا
 تیری آمد تھی کی بیت اللہ مجرے کو جھکا
 تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا
 میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
 جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا
 کیوں جناب بو ہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر
 جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا
 ٹھوکریں کھاتے پھرو گے، ان کے درپر پڑ رہو
 قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا
 (۱۰)

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
 سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان
 انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
 لہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
 جان و دل، ہوش و خرد سب تو، مدینے پہنچے
 تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا
 (۱۱)

تابِ مرآتِ سحر گردِ بیابانِ عرب

نگلی ہے نامہ دل پر خوں میں فالِ گل
(۱۶)

سر تا بقدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
کیا غازہ ملا گردِ مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جو بن میں، قیامت کی پھبن پھول
تھکا بھی ہمارے تو بلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ مَن پھول
کیا بات رضا اس چہستانِ کرم کی
زہرہ ہے کلی جس میں حسین او رحن پھول
(۱۷)

رنگِ قمر ہوں، رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پر آب ہوں
دل ہوں تو برقِ کادلِ پرِ اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیان، شہا
رنگِ پریدہِ رخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں، بحرِ کرم! مدد
پروردہٗ کنارِ سراب و حباب ہوں
عبرتِ فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت
گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں
دل بستہ، بے قرار، جگر چاک اشک بار

خداے محمد برائے محمد ﷺ
دم نزع جاری ہو میری زباں پر
محمد محمد خداے محمد ﷺ
خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محوِ لقاے محمد ﷺ
(۱۴)

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہو کر
رخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہو کر
چمنِ طییبہ ہے وہ باغِ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چپکے ہیں جہاں بلبلی شیدا ہو کر
ہے یہ امیدِ رضا کو تری رحمت سے شہا
نہ ہو زندانیِ دوزخِ ترا بندہ ہو کر
(۱۵)

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامالِ جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
جنت ہے ان کے جلوہ سے جو یاتے رنگِ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل
غمگیں ہے شوقِ غازہٗ خاکِ مدینہ میں
شبنم سے دھل سکے گی نہ گردِ ملالِ گل
نعتِ حضور میں مترنم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں و جدِ حالِ گل
چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی میں خلد

چلتے بھادیے میں روتے ہنادیے ہیں
ان کے نثار! کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دھیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیے ہیں دربے بہا دیے ہیں
ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں
(۲۰)

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی زالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شریں مقالی ہاتھ میں
ابر نیساں مومنوں کو، تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں
مالک کو نین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقت سنگِ درجین، روضے کی جالی ہاتھ میں
حشر میں کیا کیا مزے دارا فنگی کے لوں رضا
لوٹ جاؤں پاکے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں
(۲۱)

راہِ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں
مصطفیٰ ہے مسد ارشاد پر کچھ غم نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تم تم اس میں جم جم ہے کہ بیش

غنجہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں
دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیش تر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہدیں اگر وہ جناب ”ہوں“
حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خونِ ناب ہوں
(۱۸)

وہ سوائے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاج دار پھرتے ہیں
ہر چراغِ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
ان کے ایما سے دونوں باگوں پر
خیل لیل و نہار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
لاکھوں قدسی ہیں کامِ خدمت پر
لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں

(۱۹)

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلادیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں، کوچے بسادیے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں

مرغِ فردوس پس از حمدِ خدایتیری ہی مدح و ثنا کرتے ہیں
جس کے جلوے سے اُحد ہے تالباں معدنِ نور ہے اس کا داماں
ہم بھی اس چاند پہ ہو کر قرباں دلِ سنگیں کی جلا کرتے ہیں
لب پر آجاتا ہے جب نامِ جنابِ منہ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جاں بے تاب اپنے لبِ چوم لیا کرتے ہیں

(۲۴)

چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو
ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے تا مطلعِ فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے، وہ پیارے گیسو
بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں و اللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو
تارِ شیرازہٗ مجموعہٗ کونین ہیں یہ
حال کھل جاتے جو اک دم ہوں کنارے گیسو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

(۲۵)

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہرِ فروزاں ہم کو
دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں

کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
ایسا امی کس کے لئے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقرار بک الا کرہ نہیں
ہے انہی کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں
سایہ دیوار و خاک درہو یا رب اور رضا
خواہشِ دیہیمِ قیصر شوقِ تختِ جم نہیں

(۲۲)

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھولِ خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر، ملی یو تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
وہی لامکاں کے مکین ہوئے، سرِ عرشِ تخت نشین ہوئے
وہ نبی ہیں جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
کروں مدحِ اہلِ دُولِ رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرادین پارہٗ ناں نہیں

(۲۳)

وصفِ رخ ان کا کیا کرتے ہیں بشرح و اشمس و ضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں
تو ہے خورشیدِ رسالتِ پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیا اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں
اپنے مولیٰ کی ہے بس شانِ عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیرِ سجدے میں گرا کرتے ہیں
رفعتِ ذکر ہے تیرا حصہ دونوں عالم میں ہے تیرا چرچا

طیر حرم ہیں یہ کہیں رشتہ پنا نہ ہوں
یوں دیکھنے کہ تارِ نظر کو خبر نہ ہو
اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدہ تر کو خبر نہ ہو
اے شوقِ دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو
(۲۷)

مصطفیٰ خیر الوری ہو
سرور ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق
ہم بدوں کو بھی نباہو
کس کے پھر ہو کے رہیں ہم
گر تمہیں ہم کو نہ چاہو
بد نہیں تم انکی خاطر
رات بھر رو رو کرا ہو
ہم وہی ناشستہ رو ہیں
تم وہی بحر عطا ہو
ہم وہی شایانِ رد ہیں
تم وہی شانِ سخا ہو
ہم وہی بے شرم و بد ہیں
تم وہی کانِ حیا ہو
ہم وہی تنگِ جفا ہیں
تم وہی جانِ وفا ہو
ہم وہی قابلِ سرا ہیں

کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گلِ خندہ ہم کو
کاش آویزہ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراناں ہم کو
عرش جس خوبی رفتار کا پامال ہو ا
دو قدم چل کے دکھا سر و خراماں ہم کو
جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو
نیرِ حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ، ملے سایہ دامان ہم کو
پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو
اے رضا و صفِ رخ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغِ غزل خواں ہم کو
(۲۶)

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو
کانٹا میرے جگر سے غم روز گار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو
فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو
کہتی تھی یہ براق سے اس کی سبک روی
یوں جانیے کہ گرد سفر کو خبر نہ ہو

سب تمہارے در کے رستے
ایک تم راہِ خدا ہو
سب تمہارے آگے شافع
تم حضورِ کبریا ہو
وہ کلسِ روضے کا چمکا
سر جھکاؤ کج کلا ہو
وہ درِ دولت پہ آئے
جھولیاں پھیلاؤ شاہو!

(۲۹)

سب سے اولیٰ و علیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی
جن کے تلوؤں کا دھون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ میحا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رسل
اور رسولوں سے علیٰ ہمارا نبی
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیا تاج دار
تاج داروں کا آقا ہمارا نبی
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے

تم وہی رحمِ خدا ہو
چرخ بدلے، دہر بدلے
تم بدلنے سے ورا ہو
حق درودیں تم پہ بھیجے
تم مدام اس کو سرا ہو
وہ عطا دے تم عطا لو
وہ وہی چاہے جو چاہو
بر تو او پاشد تو برما
تا ابد یہ سلسلہ ہو
کیوں رضا مشکل سے ڈریے
جب نبی مشکل کشا ہو

(۲۸)

کوئی کیا جانے کہ کیا ہو
عقلِ عالم سے ورا ہو
کنزِ مکتومِ ازل میں
درِ ممکنونِ خدا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم
اصل مقصودِ ہدیٰ ہو
سب بشارت کی ازاں تھے
تم ازاں کا مدعا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے
تم مؤخرِ مبتدا ہو
قرب حق کی منزلیں تھے
تم سفر کا منتہا ہو

بدوں پر بھی برسادے برسانے والے
مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(۳۲)

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے بو پر چلتے ہیں بھٹکنے والے
جگمگا اٹھی مری گور کی خاک تیرے قربان چمکنے والے
عرش تک پھیلی ہے تابِ عارض کیا جھلکتے ہیں جھلکنے والے
گل طیبہ کی ثنا گاتے ہیں نخلِ طوبیٰ پہ چہکنے والے
عاصیوں تھام لو دامن ان کا وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے

(۳۳)

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدہ حیرت زدہ تنکتا کیا ہے
زاہد ان کا میں گنہ گار، وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا تم ہے! تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پر کشش اعمال کے وقت
دوستو! کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں، کوئی دیکھو یہ کیا شور، ہے غوغا کیا ہے
یوں ملانک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پر کشش ہے بتا! تو نے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال میں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے

ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مرثدہ دیجئے کہ ہے
بے کسو کا سہارا ہمارا نبی
(۳۰)

پیشِ حق مرثدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو نہاتے جائیں گے
کشتگانِ گرمی محشر کو وہ جانِ مسیح
آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
وسعتیں دی ہے خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف
خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے
سوختہ جانوں پہ وہ پر جوشِ رحمت آئے ہیں
آبِ کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے
آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ
صر صر جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
پاتے کوبالِ پیل سے گزریں گے تری آواز پر
ربِ سلم کی صد اپر وجد لاتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر، ان کا سناتے جائیں
(۳۱)

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت

با رک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے
تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جان بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے
حیرتیں ہیں آئینہ دارِ وفورِ وصفِ گل
ان کے بلبل کی خموشی بھی لبِ اظہار ہے
گونج گونج اٹھے ہیں نعمتِ رضا سے بوتال
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

(۳۵)

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دل بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
گنہ گار رول کو ہاتھ سے نویدِ خوش مآلی ہے
مبارک ہو شفاعت کے لیے احمد سا والی ہے
ترا قد مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
تمہاری شرم سے شانِ جلال حق ٹپکتی ہے
خیم گردنِ بلالِ آسمانِ ذوالجلالی ہے
میں اک محتاج بے وقعت، گدا تیرے سگ درکا
تری سرکار والا ہے تر درباغالی ہے
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر جس کے بلبل ہیں
ترا سرو سہی، اس گلبنِ خوبی کی ڈالی ہے

(۳۶)

زمین و زماں تمہارے لئے، مکیں و مکاں تمہارے لئے
چینیں و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے
دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل
بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بھر کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد 'ٹھہر نا' کیا ہے
کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے
وہ آیا مرا حامی، مرا غم خوار ام
آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں 'ہٹو' اس پہ تقاضا کیا ہے
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشم بد دور ہو، کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
صدقے اس رحم کے، اس سایہ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضا جانِ عنادل ترے نعموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

(۳۴)

مژدہ باد اے عاصیوں، شافعِ شہ ابرار ہے
تہنیت اے مجرمو!، ذاتِ خدا غفار ہے
عرشِ سافر ز میں ہے، فرشِ پا عرشِ بریں
کیا نرالی طرز کی نامِ خدا رفکار ہے
چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدے کریں

ترا مدح خواں ہر نبی و ولی ہے
شفاعت کرے حشر میں جو رضائی سوا تیرے
کس کو یہ قدرت ملی ہے
(۳۸)

نصیب دو تال گر ان کے در پر موت آتی ہے
خدا یوں ہی کرے، پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے
اسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اٹھاجاتا نہیں، کیا خوب اپنی ناتوانی ہے
ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اس کی
زبان بے زبانی ترجمان خستہ جانی ہے
جہاں کی خاک روٹی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گیلوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے
شہا، کیا ذات تیری حق نما ہے فرد امکاں میں
کہ تجھ سا کوئی اول ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے
درود میں صورت ہالہ، محیط ماہ طیبہ ہیں
برتائمت عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے
یہ سر ہو اور وہ خاک در، وہ خاک در ہو اور یہ سر
رضاوہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے
(۳۹)

حرز جاں ذکر شفاعت کیجئے
نار سے پھینکنے کی صورت کیجئے
ڈوب کر یاد لب شاداب میں
آب کوثر کی سباحت کیجئے
ان کے در پر بیٹھئے بن کر فقیر

ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھے بھی وہاں تمہارے لئے
تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین و فلک سماک و سمک میں سک نشاں تمہارے لئے
یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، تاج و کمر، یہ حکم رواں تمہارے لئے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہو بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمہارے لئے
(۳۷)

نبی سرور ہر رسول و ولی ہے
نبی راز دار مع اللہ لی ہے
ہے بے تاب جس کے لئے عرش اعظم
وہ اس رہو لامکاں کی گلی ہے
نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پر، یہ عزت ملی ہے
طلاطم ہے، کشتی پہ طوفان غم کا
یہ کیسی ہوائے مخالف چلی ہے
نہ کیوں کر کہوں یا جیبی انگشتی
اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے
صبا ہے مجھے صر صر دشت طیبہ
اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے
جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو
نہ کچھ قصد کیجئے یہ قصد ولی ہے
ترے درکا درباں ہے جبریل اعظم

خوبی انہیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
 عرض و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام
 ملجا یہ بارگاہ دعا و اثر کی ہے
 شوریدہ سرسلام کو حاضر ہیں السلام
 راحت انہیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے
 خستہ جگر سلام کو حاضر ہے السلام
 مرہم بیہیں کی خاک تو خستہ جگر کی ہے
 اہل نظر سلام کو حاضر ہیں السلام
 یہ گرد ہی تو سرمہ سب اہل نظر کی ہے
 (۴۱)

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
 کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
 کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے
 چبھتی ہوئی جگر میں صدائیں گجر کی ہے
 ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے
 سوچنا خدا کو یہ عظمت کس سفر کی ہے
 ہم گرد کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
 ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے
 واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جان نو
 یہ راہ جاں فزا مرے مولا کے در کی ہے
 ہیں چتر و تخت سایہ دیوار و خاک در
 شاہوں کو کب نصیب یہ دھج کر و فر کی ہے
 اپنا شرف دعا سے ہے باقی رہا قبول
 یہ جائیں ان کے ہاتھ میں کبھی اثر کی ہے

بے نواؤ فکر ثروت کیجئے
 جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
 ایسے پیارے سے محبت کیجئے
 سر سے گرتا ہے ابھی بار گناہ
 خم ذرافرق ارادت کیجئے
 عالم علم دو عالم ہیں حضور
 آپ سے کیا عرض حاجت کیجئے
 اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے
 چارہ زہر مصیبت کیجئے
 جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
 یاد اس کی اپنی عادت کیجئے
 (۳۹)

ذرے جھڑ کر تیری پیزاروں کے
 تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے
 میرے آقا کا وہ در ہے جس پر
 ماتھے گھس جاتے ہیں سرداروں کے
 مجرموں چشم تبسم رکھو
 پھول بن جاتے ہیں انگاروں کے
 (۴۰)

ان پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
 ان پر سلام جن کو تحیت شجر کریں
 ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں
 ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے
 شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام

اس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
یٹھی یٹھی عبارت پہ شیریں درود
اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام
الغرض ان کے ہر مو پہ لاکھوں درود
ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام
ماخذ

- (۱) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان رضا کے نعتیہ کلام کا تحقیقی اور ادبی جائزہ۔۔۔ حضرت شمس بریلوی
- (۲) امام نعت گو گیا۔۔۔ اختر الحامدی
- (۳) انوارِ رضا۔۔۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
- (۴) شبِ جائے کدمن بودم۔۔۔ آغا شورش کاشمیری
- (۵) جہانِ رضا۔۔۔ مرید احمد چشتی
- (۶) اردو میں نعتیہ شاعری۔۔۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق
- (۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔۔۔ جلد نمبر ۱۰
- (۸) اقبال اور احمد رضا خان۔۔۔ راجا رشید محمود
- (۹) اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔۔۔ سید قاسم محمود

○○○○

غبرزیں، عبیر ہوا، مشکِ تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے
گھیرا اندھیروں نے دہائی ہے چاند کی
تنہا ہوں، کالی رات ہے، منزلِ خطر کی ہے
(۴۲)

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ ارم تاجِ دارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بے کس کی دولت پہ لاکھوں درود
مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمہِ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
وہ دعا جس کا جو بن بہارِ قبول

مولانا احمد رضا خان کی اردو نعتیہ شاعری

ماورائی نظریات ہوں یا مادی تصورات کسی سے صرفِ نظر نہ ہوا، بلکہ ایک سازگار ماحول میں سب کا جائزہ لیا گیا، علمی اساس پر اخذ و ترک کا معیار قائم ہوا، یہ رویہ ثابت کر رہا تھا کہ دین اپنے ماننے والوں کو آزادیِ فکر کی دعوت دے رہا ہے، دروازے بند کر لینا تو اُن کی عادت ہے جو کھلی ہوا میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہ ناپائیدار نظریات کے اندر سے اُٹھنے والے خوف کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کانوں میں انگلیاں داب لی جائیں، اسلامی تعلیمات کو ایسا کوئی خوف طاری نہ تھا۔ یہ تو ابتدا ہی میں واضح کر دیا گیا تھا کہ ایمان و ایقان کی نعمت سے سرفراز ہونے والے کو بے یقین کا ڈر نہیں ہوتا جس دین کے بانی کو یہ یقین ہو کہ اُس کا ساتھ دینے والا مخالف ماحول اور معاند فضا میں بھی اپنے عزم پر قائم رہ سکتا ہے تو اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ادا کرتے ہوئے آتشیں الاؤ میں بھی کود جانے کی اجازت دے دینی چاہیے، یہی اعتماد کا رویہ تھا جو ہر دور میں راہ نما ہے، یونانی افکار اور ہندی نظریات کا در کھلا مگر جسدِ ملت میں اضطراب پیدا نہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کی روح ہر مرحلے پر سایہ فگن رہی، نخذ ما صفا و دَع ما کدر، کا ضابطہ مسلسل راہ نما رہا، اسی کا نتیجہ تھا کہ عالم اسلام

تاریخِ عالم کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ قوموں کا دورِ عروج افرادِ قوم کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، ماحول کی سازگاری وسائل کی ارزانی اور مناسب مواقع کی فراہمی، بلند پروازی کو تحریک دیتی ہے اور افراد کے جوہر کھلنے لگتے ہیں، مسلمان اُمت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، مسلمانوں کے دورِ ہمایوں کی برکات کا تو اک زمانہ شاہد ہے کہ اُن کی علمی وجاہت، تحقیقی ثقاہت اور عملی کاوشوں کا ہر کہیں چرچا ہے۔ ایسے ایسے نابغہ روزگار پیدا ہوئے کہ صفحہ دہر پر اُن کے نقوش آج بھی روشنی کا نشان ہیں، علوم و فنون کے ایسے باب کھلے کہ دنیا ششدر رہ گئی، علم کی ہر شاخ، خواہ اُس کا حوالہ دینی ہو کہ عبادات و معاملات سے متعلق ہوں، یا اُس کا حوالہ وہ معاشرتی و معاشی، علمی و سائنسی پیش رفت ہو جو کارِ جہاں میں آسانوں کی افزائش کا ذریعہ بنا ہو، یا خالص فکری و نظریاتی نوعیت کا حامل ہو، مسلم علماء و مفکرین کی جولاں گاہ قرار پائی تھی، ایک خوش گوار حیرت یہ ہے کہ خالص نظریاتی ریاست جو عقائد و اعمال کی مضبوط اساس پر قائم ہوئی تھی کسی ذہنی و فکری گھن کا شکار نہ ہوئی، مضبوط عقیدہ رکھتے ہوئے بھی دوسروں کے عقائد پر حملہ نہ کیا، علم کی کسی شاخ سے نظریں نہ چرائیں،

توانائیوں کے حامل ہوتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت قوموں کی بقا کی ضمانت ہوتے ہیں۔ غلامی، محکومی، نکبت، ادبار جب گھریں تو ایسے ہی علما و محققین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا ایک حکیم فرزانہ بھی شام حیات میں نوید صبح کا پیغام بر ہوتا ہے، خوش قسمتی سے ایسے فرزانے اسی اُمت کو دستیاب رہے، بعض تو ایک وجود میں انجمن بنے رہے، تاریخ کے صفحات پر دکتے رہے اور روشنیاں بکھیرتے رہے، یہ تسلسل اس لیے قائم رہا کہ تریخ عقیدہ کے ساتھ ہی اس کی ترتیب دے دی گئی تھی، مدینہ منورہ کی نورانی فضا اور مکہ مکرمہ کا معاندت کی گھٹن سے اٹا ماحول دو تربیت گاہیں تھیں جو آنے والے ادوار میں ہر حال میں جینے کا سلیقہ عطا کر رہے تھے۔

دور زوال میں بہت سی قدآور شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی شیع یقین کو روشن رکھا۔ تاریخ نگار اور صداقت پسند طالب علم کی جبین عقیدت ان سب کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ ان میں ایک نہایت بلند بام شخصیت بھی ہے جس کے بارے میں عربی ادب کے نامور استاد، ادبیات عربی کے شہرت یافتہ محقق اور ایک مشہور مستشرق آرائے نکلس نے یہ کہہ کر اعتراف کیا تھا۔ نکلس نے لکھا کہ:

زوال بغداد کے بعد مسلمان علماء میں سے
اُسے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے تو وہ
بغیر کسی توقف کے امام سیوطی علیہ الرحمۃ کا نام
لے گا۔^۱

امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی علمی کاوشوں کو کسی محدود دائرے میں اسیر نہیں کیا جاسکتا، تفسیر سے ادب تک، لغت

علوم کا مرکز ترویج علم کا منبع اور صلاحیتوں کے نکھار کا حوالہ بنا۔
دور عروج کے اثرات ہمہ گیر بھی ہوتے ہیں اور ہمہ جہت بھی مگر جب زوال ڈیرے ڈالنے لگتا ہے تو پسپائی کا عمل روح فرسا ہوتا ہے۔ منفلوطی نے کہا تھا کہ آسمان کی طرف اٹھنا مشکل کام ہوتا ہے مگر اُترائیوں میں پھسل جانا بہت آسان ہے، عروج قوت و توانائی چاہتا ہے اور زوال، بے ہمتی اور ناتوانائی، خلافت راشدہ وہ عصر سعادت تھا کہ جس کی مثال کسی قوم و ملت کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دور خالق و مخلوق کے درمیان حسین رابطوں کا مظہر ہے۔ مخلوق، خالق کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہے اور ربوبیت عامہ کے تقاضوں کو نبھایا جا رہا ہے، بنو اُمیہ اور بنو عباس، مسلمانوں کے دور عروج کے حوالے تو ہیں کہ ان ادوار میں باہمی ناہمواریوں کے باوجود قومی عظمت کا دبدبہ قائم تھا مگر ان میں وہ روح بتدریج مضحل ہوتی جا رہی تھی جو ملت کی اصل شناخت تھی، بغداد پر ہلاکوں کے حملے نے ظاہری سطوت کا بھی خاتمہ کر دیا تو مسلمان قوم بگولوں کی زد پر آگئی، نہ مرکز نہ مرکز آشنائی، ایسی مہیب صورت حال کسی قوم پر بھی آتی تو وہ اپنا وجود بھی برقرار نہ رکھ سکتی مگر مسلم اُمت کے اندر جو عقیدے کی روشنی تھی اُس نے بے سروسامانی میں بھی زندہ رہنے کی ہمت عطا کی۔ زاویے، خانقاہیں، حجرے اور آستانے، نہ صرف یہ کہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے بلکہ ان سے ملت کے ناتواں جسم میں بھی حرارت قائم رہی، نظریات کی مضبوطی کا یہی ثمر ہوتا ہے جو اس کی اُمت کو حاصل رہے۔

دور زوال میں علم کی شمع روشن رکھنے والے لوگ بڑی

بھی۔ یہ انسانی وجود کے اُس توازن کا مظہر ہے جو خیالات کو منظم کرنے اور منظم خیال کو مربوط الفاظ عطا کرنے کا ذریعہ ہے۔ شعر اور شعور کا مرکز ایک ہے اسی لیے شعر کو شعور کا ترجمان کہا جاتا ہے، یہ بھی کہا گیا کہ شاعر اُس کا شعور پاتا ہے جو دوسروں کے بس میں نہیں ہوتا، یہ فطری جذبہ ہے جو لفظوں میں ڈھل جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ جذبہ ہر کہیں موجود رہا ہے، لوگوں نے تو شعر کے حوالے سے یہاں تک بات بڑھادی کہ کہہ اٹھے:

آں کہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود
شعر گفتن حجت فرزندِ آدم ☆ بود

شعرا اپنے مختلف قوالب میں اپنی سطوت منواتا رہا ہے۔ عربوں میں تو شعر کو ایک معاشرتی عظمت کا حوالہ گردانا جاتا تھا۔ صحرائے عرب کا کونہ کونہ نغمہ ریز تھا، تعلقات جو عربوں کی مجموعی کاوش شعر کا حسین تر نمونہ ہے اس قدر لائق احترام تھے کہ کعبۃ اللہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیے جاتے تھے، اسلام نے جہاں تہذیب و ثقافت کے ہر مظہر کو تابانیاں بخشیں شعر بھی اس کرم فرمائی سے محروم نہیں رہا۔ شعر کی اثر آفرینی کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے ضابطوں کی پاس داری کی گئی۔ ردیف، قافیہ، وزن غرض کہ اس کا ہیولہ ویسا ہی رہا کہ یہ موسیقی الکلام کی حد بندیوں میں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ لفظوں کو مزید حرمت عطا کی گئی۔ خیال کو صداقت کی رفعت ملی، شعر گوئی کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا مگر اس صلاحیت کو پابند آداب بنایا گیا، اس طرح شعر کی شوکت بھی قائم رہی اور یہ شعور کا سچا ترجمان بھی بنا، اعترافِ صدق نے باب صداقت کی راہ دکھائی تو یہ

سے نحو تک، تاریخ سے سوانح تک، سیرت سے خصائص تک جس حوالے سے بھی نظر اٹھائیں امام السیوطی کی ذات فیض بار نظر آتی ہے۔ اس قدر متنوع اصناف پر اس اعتماد سے بے تکان لکھتے جانا کسی کرم خاص کا مظہر محسوس ہوتا ہے، میں بلا خوف تردید اسی قسم کا دعویٰ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کرنے میں راحت پاتا ہوں۔ وہی ماحول، ایسی ہی زوال آشنا قوم، ویسے ہی چوبائی حملہ، چہار جانب دندان تہ فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو جانا کسی توفیق پائے ہوئے مرد مجاہد ہی کا حوصلہ ہے، یہ بات امام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دنیا کو سمجھادی کہ تسلیم و رضا میں استقامت کا وہی شخص حق ادا کر سکے گا جو اپنے مرکز یقین کے خصائص، خصائل، شمائل سے باخبر ہوگا اور وجود کی عظمتوں سے بھی آگاہ ہوگا، بلکہ یہ آگاہی اُس کا وجدانی اعتراف بن چکی ہو، حملے اُن پر بھی ہوئے کہ اس اعتراف میں دین کا استحکام تھا اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ہوئے کہ اس اعتراف کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ اس حوالے سے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت کچھ لکھا گیا، لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، حقائق شماری ہی حقائق آشنائی کی تمہید ہوتی ہے۔ نظر بالغ ہو، منزل پیش نظر ہو اور پیش رفت کی ہمت ہو تو منزلیں قریب آجایا کرتی ہیں اور بند دروازے کھل جایا کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اصحاب علم اس جانب پیش قدمی کرتے رہیں گے، مجھے تو اس مختصر تحریر میں مولانا کے شعر کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا ہے کہ یہ آپ کا ایک امتیازی پہلو ہے۔

شعر ایک ذریعہ اظہار ہے جو پُر کیف بھی ہے اور پُر تاثیر

ذاتی مصائب کو شعر کی زبان ملی اور پھر بعد کے ادوار میں اس کو ایک مستحسن مثال کے طور پر قبول کر لیا گیا، استغاثوں میں شدت، پکار میں والہانہ پن اور اظہار درد کی بے ساختگی اسی کا فیضان ہے۔ سیاسی و معاشرتی حالات براہ راست ملی افکار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ شعر ان اثرات سے بھی محفوظ نہیں رہتا، زوال بغداد سے قبل کی شاعری اور اس کے بعد کی شاعری میں فرق اس قدر نمایاں ہے کہ ہر تحریر میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ یہ فطری تقاضا تھا کہ اس کے نتیجے میں استغاثے کی شدت نمایاں ہو جائے۔ امام بو صیری رحمۃ اللہ علیہ اس زوال کے چشم دید گواہ تھے۔ یہ زوال ماحول سے ذات تک متند ہو گیا تھا۔ سماجی اضطراب اُن کے جسم کا فالج بن گیا تھا۔ اسی لیے ذاتی پکار قومی درد میں ڈھل گئی اور قصیدہ بردہ وجود میں آیا۔ برصغیر ہند بھی ایسے ہی حالات سے گزر رہا تھا۔ مسلمان حکومت پسپا ہو رہی تھی۔ استعمار کا حملہ شدت اختیار کر چکا تھا، حتیٰ کہ مرکزیت اور سطوت کا نشان بھی مٹا دیا گیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ایک مفتوح قوم کا ردِ عمل تھی مگر بوجہ کام یاب نہ ہو سکی۔ اس لیے اب ملت کے تحفظ کی ذمہ داری کا سارا بوجھ علما و صوفیہ پر آ گیا تھا، بجز اللہ ان بزرگوں نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا، غلامی کے دور میں نظریات کا اجلا پن قائم رہ سکتے تو قومیں زندہ رہا کرتی ہیں۔ معاشرتی اعمال پر یورپ کی یلغار تھی، رویے بدل رہے تھے، ایسے جاں کاہ حالات میں نظریات سلامت رہ جائیں تو مستقبل محفوظ ہے۔ اس لیے ساری کاوشیں اسی تحفظ و صیانت پر خرچ ہوئیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی تقاضائے وقت کی شدت محسوس کر رہے تھے

صد اقتوں کا علم بردار بن گیا اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔ حضرت حسان اس قافلہ شعر کے امام قرار پائے اور یہ امامت اس قدر مستحکم ہوئی کہ بعد میں آنے والے ہر کسی نے اس کا حوالہ دیا اور اس نسبت پر ناز کیا، فاضل بریلوی کو بھی اسی نسبت پر فخر ہے۔ فرماتے ہیں:

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دل زار حدی خواں بس ہے
رہ بر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
قدم حضرت حسان بس ہے^{☆۳}

عصر اموی اور دور عباسی جو اشاعتِ علم کے حوالے سے معتبر ادوار ہیں، میں بھی شعر کی وہی شوکت قائم رہی۔ مسلمان علماء نے مسندِ علم بچھائی مگر وہ مجلسِ شعر کی اثر آفرینیوں سے بھی غافل نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ تک فقہ و حدیث کے مراکز اپنی تمام تر علمی منزلت اور فقہی جمال کی شعری روایت سے غافل نہیں رہے۔ ان شعری نشستوں میں مدحِ رسالت ایک مرکزی جز کے طور پر ہمیشہ ہی شامل رہی۔ یہ حسین روایت مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ملک اور شہر شہر قائم ہوئی۔ مدحیہ شاعری کے مشتملات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فیض بخشی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا بلکہ نعت کی قبولیت اور اس کی فنی رفعت کو عہد صحابہ کے معیار پر ہی پرکھا گیا، اگرچہ حالات کا تناظر اثر انداز ہوتا رہے مگر یہ احتیاط ضرور کی گئی کہ سابقین کی حدود کی حفاظت کی جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عصری تقاضوں، قومی درد اور

مولانا ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب جنگ آزادی آخری مرحلوں پر آگئی تھی۔ بچپن ایسے گھرانوں میں گزرا جہاں علم و عمل کا حسین امتزاج تھا مگر ریاستی فضا غلامی کے سایوں سے داغ دار ہو چکی تھی۔ علوم کی اُن تمام شاخوں سے آشنا ہوئے جو مروج تھیں مگر ان پر عصری تقاضوں کے حوالے سے خالص علمی و سائنسی علوم کا اضافہ کیا تاکہ کوئی دعویٰ کسی معتبر دریافت سے نہ ٹکرائے اور بے خبری کا طعنہ راستہ نہ کاٹے۔ علما پر یہ اعتراض اکثر حلقوں سے لگایا جا رہا تھا کہ وہ صرف منقولی علم سے آشنا ہوتے ہیں اور ان علوم کی حدود بھی کسی پرانی صدی کے کسی دورانیے پر ٹھہر چکی ہوتی ہیں۔ مگر فاضل بریلوی پر اس الزام کی کوئی صورت نہ نکلی کہ اُنھوں نے اپنی ذہانت کی عظمت اپنوں اور غیروں سے منوائی تھی۔ اس حقیقت کا اظہار رابعہ ازہر کے ڈاکٹر محی الدین الوائلی نے یوں کیا ہے:

قدیماً قیل ان التحقیق العلمی
الاصیل والخیال الذہنی الخصیب لا
یجتمعان فی شخصٍ واحدٍ ولکن مولانا
احمد رضا خان کان قد برهن علی عکس
هذه النظرية التقلیدية کان شاعراً اذا خیال
وتشهدله بذلک دو اوینہ الشعریة
باللغات الفارسیة والاردیة والعربیة
المعروف باسم 'حدائق بخشش' حدائق
المعطیات ومدح الرسول ﷺ مشهور
فی اوساط شعر الہند بجانب المؤلفات
القیمة فی علوم الفلسفة والفلک

اس لیے اُن کے ہاں اس پہلو کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ مولانا دراصل وہی فریضہ انجام دے رہے تھے جو ایک نازک موڑ پر امام غزالی نے انجام دیا تھا کہ عقاید، تسلیمات اور ایمانیات ہر فلسفے کا غبار محیط ہوتا جا رہا تھا، فلسفے کے لوازمات کو اسی خوبی اور پامردی سے پیش کیا کہ نہ عقلی تقاضے رد ہوئے نہ دین کی مسلمات سے اعراض ہوا۔ برصغیر میں یہی فریضہ حضرت مجدد الف ثانی بھی ادا کر چکے تھے صیانتِ عقاید کے حوالے سے آپ کی مساعی ہی کا نتیجہ تھا کہ نظریات پر غبار نہ آیا۔ مولانا بریلوی کو بھی ایسا ہی مرحلہ پیش تھا، مشکلات فزوں تر تھیں کہ غلامی کا روح فرسا گھیرا تھا، ایسے دور میں صلاحیتیں نئی مثل نہیں ہوتیں۔ مقاومت کا جذبہ بھی سرد پڑ جاتا ہے، نظریاتی نبرد آزمائی برسر میدانِ معرکہ آرائی سے زیادہ گمبھیر ہوتی ہے کہ مقابل پر دہ نشین ہوتا ہے۔ ایسے حالات بہت سے کوتاہ نظریوں کو جنم دیتے ہیں مگر جسے دُور تک دیکھنے کی توفیق حاصل ہو اور جسے کسی کے سامنے چندھیا جانے کی عادت نہ ہو، وہ دھندلکوں میں بھی بالغ نظری کا ثبوت دیتا ہے۔ مولانا کو اس کا احساس تھا اس لیے انھوں نے بار بار اسی پر اہانتا بھی کیا اور علمی وجاہت اور ایمانی قوت سے اس کا تجزیہ بھی کیا تاکہ ابہام کی ہر صورت بے نقاب ہو جائے، اُنھوں نے متنبہ کرتے ہوئے کہا تھا:

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کا جل صاف چڑالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے☆

نہ ملے دین تو اُن کے صدقے میں ملے۔^{☆۶}

اس سے مولانا کی ذہنی ساخت اور قلبی میلان کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تاثر ہر اُس شخص کا ہے جس نے کسی حوالے سے بھی مولانا کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہی مترشح ہوا ہے کہ آپ کے ہاں مطلوب و مقصود محبت رسول ﷺ ہی ہے کہ آپ اس محبت کو ہی اساس دین سمجھتے تھے۔ برصغیر کے حالات تو اس کے زیادہ ہی متقاضی تھے کہ اس پہلو کو نمایاں تر کیا جائے۔ اس حوالے سے اُن کے ہاں جذبات کی شدت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، ہو سکتا ہے ادب کے بعض قاری اس کو ادب کے مروّجہ زاویوں سے قدرے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھیں مگر ایک نظریاتی قاری اس کی افادیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مولانا تو اس وابستگی کو حاصل ایمان سمجھتے ہیں اسی لیے وہ ادب کو جو ایک انسانی رویہ ہے اس سے مستثنیٰ نہیں جانتے۔ حیرت ہوتی ہے جب اُن کی احتیاط اور عقیدت اس حد تک آجاتی کہ:

آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی
دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوال
رسول ﷺ کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس
درمیان کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر
ہوتے۔^{☆۷}

یہ رویہ ہر حوالے سے موجود رہا۔ کسی نے نعت کا مصرع
یوں ترتیب دیا کہ سب باغ جہاں کے مالی، تو برداشت نہ ہوا
مالک سے بدل دیا کہ مولیٰ کریم ﷺ کو مالی کہنا خلاف
ادب ہے۔ اس عقیدت کا اظہار بار بار اور کئی بار ہوا۔ اس کا

والریاضیۃ والدين والادب۔

یعنی یہ قدیم خیال ہے: کہا گیا کہ خالص
علمی تحقیق اور زرخیر، نازک خیالی ایک شخص میں
اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں کی
ذات میں اس تقلیدی نظریے کا عکس نمایاں ہے۔
آپ نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر اُن کے
شعری دیوان جو 'حدائق بخشش' یعنی 'حدائق
المعطیات' کے نام سے موسوم ہیں جن میں فارسی،
اُردو اور عربی زبانوں میں کہے گئے اشعار ہیں،
مدح رسالت تو ہند کے حلقوں میں مشہور ہیں۔
اس کے علاوہ اُن کی فلسفہ، فلکیات، ریاضی اور
دین و ادب میں تالیفات بھی ہیں۔^{☆۵}

اس وسعت علمی کے ساتھ اُنھوں نے سرور
دو جہاں ﷺ سے بیان و فاباندھا تھا جس سے علم کو روحانی
قوت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ آپ جاننے کی صلاحیتوں سے بڑھ
کر مشاہدے کے اعتبار تک رسائی پا گئے تھے اور علم جب
مشاہدہ بن جائے تو پھر معلومات کی دروبست سے گزر کر
واردات کے ایقان میں ڈھل جاتا ہے جس سے اعتماد بھی آتا
ہے اور یقین کی بالیدگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ خود فرماتے ہیں
اور نصیحت افروزی کا حق ادا کرتے ہیں۔

تبدیل احکام الرحمن اور اختراع احکام
الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو۔
مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول ﷺ کا
دامن پاک تمہیں اپنے سایے میں لے لے۔ دنیا

جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔^{☆۸}

دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی عقیدت

اور محبت سے بھرپور ہے کہ ایک دین دار اگر اسے

اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں۔^{☆۹}

سید محمد مرغوب اختر الحامدی نے افتخارِ اعظمی کا یہ تبصرہ نقل

کیا ہے۔ اعظمی صاحب فرماتے ہیں کہ

مولانا احمد رضا خاں عالم دین کی حیثیت

سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اس لیے اُن کی شاعرانہ

تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی حالانکہ

اُن کا کلام اس پائے کا ہے کہ اُنھیں طبقہ اولیٰ کے

نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیے۔ اُنھیں

زبان اور فن پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُن

کے ہاں تکلف و تصنع بالکل نہیں بلکہ بے ساختگی

ہے۔ چوں کہ رسولِ پاک ﷺ سے اُنھیں

بے پناہ محبت ہے۔ اس لیے اُن کا نعتیہ کلام

شدتِ احساس کے ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ

دار ہے۔^{☆۱۰}

نیاز فتح پوری سے محمود احمد قادری رضوی کی مولانا کے

حوالے سے گفتگو ہوئی۔ نیاز فتح پوری کا کہنا تھا:

میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو دیکھ چکا

ہوں۔ وہ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے، ان

کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور گہرا بھی تھا، ان کا نورِ علم

ان کے چہرے بشرے سے بھی ہویدا تھا، فروتنی و

مربوط اور منضبط اظہار مولانا احمد بخش کے عربی قصیدے کی

اصلاح میں ہوا جس کا ہم بعد میں تذکرہ کریں گے۔ مولانا

کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ تصنیفات کی نوعیت بھی مختلف

ہے کہ بیسیوں اطراف کو محیط ہیں۔ موضوعات کا تنوع بھی ہے

اور اسلوب نگارش کی بولمونی بھی۔ ہر پہلو مستقل جائزے کا

حق رکھتا ہے۔ اس مختصر تحریر میں صرف شعر کا حوالہ ہے۔ آپ

عربی شعر پر اہل زبان کی سی دسترس رکھتے ہیں، عربی شعر کے

حوالے سے اُن پر رابعہ ازہر میں تحقیقی مقالہ بھی لکھا گیا۔ یہ

سعادت محترم مولانا عبدالکحیم شرف قادری صاحب کے

صاحب زادے ممتاز احمد سدیدی کو حاصل ہوئی۔ میرا ایک

مقالہ 'فاضل بریلوی کی عربی نعتیہ شاعری' معارفِ رضا میں

چھپ چکا ہے۔ اس لیے یہ گفتگو زیادہ تر اُردو شعر کے حوالے

سے پیش کی جا رہی ہے۔ مولانا فارسی شعر بھی کہتے تھے اگرچہ

ان کی تعداد کم ہے مگر جو کچھ لکھا گیا لائق توجہ ہے، اُردو شعر

نعت میں ہر جہت سے محققین نے اپنی نگارشات پیش کی

ہیں۔ عقیدت مندانہ جائزہ بھی لیا گیا اور خالص علمی رویوں

سے بھی محققانہ تبصرے ہوئے، مستقل کتب بھی لکھی گئیں اور

عمومی جائزوں میں بھی تفصیلی تذکرے ہوئے۔ اُردو کی نعتیہ

شاعری کے موضوع پر پی ایچ ڈی سطح کے مقالوں میں آپ کا

ذکر پورے احترام سے ہوا، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کا

تبصرہ اور ڈاکٹر ریاض مجید کا بھرپور جائزہ اُردو ادب کے تحقیق

نگاروں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے تو

یہاں تک کہا:

یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان

خاک ساری کے باوجود اُن کے روئے زیبا سے
حیرت انگیز حد تک رعب ظاہر ہوتا تھا۔

مزید کہا:

شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے۔
میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب
پڑھا ہے۔ اُن کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے
والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی
رسولِ عربی ﷺ ہے۔ اُن کے کلام سے اُن
کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی
بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ اعتراف بھی کیا کہ:

یہ حق ہے کہ مولانا کی نگاہ عروض محاورات،
نکات فن پر بھی گہری تھی^{۱۱}۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے پی ایچ ڈی ڈگری کے لیے
لکھے گئے مقالے میں

مولانا کی نعتیہ شاعری کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا
ہے۔ اُن کے نزدیک مولانا اُردو نعت کے حوالے سے محسن
کا کوری کے بعد ایک عظیم تر اور صاحبِ کمال شاعر ہیں۔ ایک
طویل تبصرہ جس میں اختیار کلمات، ضم مفردات اور ترکیب کلام
کے ساتھ معانی و افکار کی عظمت کو سراہا گیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

اُردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے
شعراے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتب کیے
ہوں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا خاں کی ذات ہے۔^{۱۲}

مزید لکھتے ہیں:

تبحر علمی، زورِ بیان اور وابستگی و عقیدت
کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ
بس گئے ہیں کہ اُردو نعت میں ایسا خوش گووار
امتنزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔^{۱۳} اور
آخر یہ فیصلہ دیا کہ اُردو نعت کی ترویج و اشاعت
میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک
شاعر نے اُردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو
مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ اُنھوں
نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ
ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی
تشکیل ہوئی^{۱۴}۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے ذوق نعت اور قدرت کلام کی
ہر صاحبِ فن نے تعریف کی اُن کی (کہی) نعت کے کمالات
کا ذکر کیا گیا، حرف و معنی کے حسن پر داد دی گئی، محبت و
عقیدت کی پرجوش مگر محتاط فضا کا ذکر ہوا، ان کی (کہی) نعتیں
محافل کی زینت اور مجالس کا وقار بنیں۔ اُن کے افکار سے
روشنی حاصل کی گئی اور اُن کے جذبوں کو اپنانے کی کوشش کی
گئی۔ بہتر ہوگا کہ حدائقِ بخشش کے گلستانِ کرم کا مختصر سا جائزہ
لے لیا جائے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ انتخاب
خالص ذاتی ذوق کا غماز ہوتا ہے، اگرچہ بعض انتخاب، تخلیقی
عمل سے بھی برتر مقام پالیتے ہیں۔ کتاب ”الحماسہ“ ایک
انتخاب ہے مگر یہ کہا گیا کہ ابو تمام اس اختیار شعر میں اپنے
اشعار سے بھی بڑا نظر آتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مولانا کے
دواوین کا ایسا انتخاب ہو جائے جو اُن کے نظریہ شعر کا عکاس

روایت، مجلسی منزلت یا اظہار کرامت نہ تھی۔ خواہش صرف یہ تھی کہ جنت کی بار بار بشارت پانے والے مدارح رسول ﷺ کی قدم بوسی کا شرف مل جائے۔

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دُور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانِ کُھربِ ۱۸

عقیدت کی یہی فضا تھی کہ جس میں فاضل بریلوی نثر و نظم کے موتی بکھیر رہے تھے۔ محبت کرنے والے ان موتیوں کو چن رہے تھے مگر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ عقیدت مندانہ فضا سب کے لیے خوش گوار جذبوں کو جنم دے، اختلاف علمی وقار کے ساتھ ہو تو فائدہ مند ہوتا ہے کہ اس سے تحقیقی پیش رفت کی راہیں کھلتی ہیں مگر جب اس کے سوتے معاندت سے جڑنے لگیں تو وحدتِ اُمت میں شکاف پڑتے ہیں، بہتر ہوگا کہ مضامین شعر کا جائزہ لینے سے پہلے اُن اوہام کو دور کر لیا جائے جن کی بنیاد پر اعتراضات اُٹھ رہے ہیں۔

بعض حلقوں سے یہ سوال اُٹھایا جا رہا ہے کہ نعت میں ایسے خیالات لائے جا رہے ہیں جو دین کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔ اس اعتراض کو نہ مجموعی شکل میں قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کلیتاً رد کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگ جنھیں صلاحیتِ شعر حاصل ہے اور وہ عروض و قوافی کے قوانین سے آشنا ہیں مگر انھیں تعلیماتِ اسلام کی حدود سے لایق اعتماد شناسائی نہیں ہے۔ وہ دانستہ یا نادانستہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو مناسب نہیں بلکہ غیر مناسب ہے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ ایسا اُن لوگوں سے سرزد ہو رہا ہے جو شریعت کے ضابطوں کو نہیں جانتے، یہ کوتاہی اور نارسائی ہی بعض اوقات

بھی ہو اور عام قاری کو طویل مطالعہ کی محنت سے آسانیاں مہیا کرے۔ اگرچہ بالاستیعاب مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ مولانا جن قصاید میں جو زیادہ طویل بھی لکھ گئے ہیں وہاں بھی معیارِ شعر اپنی بلندیوں پر ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ علمی مرتبہ کی سطوت بھی مسلسل قائم ہے اور جذبوں کی صداقت بھی بلا استثنا قائم ہے۔ مولانا مرحوم کے موضوعات شعر کا جائزہ واضح کرتا ہے کہ اُن کے ہاں انتخابِ موضوع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تتبع کیا گیا ہے اور یہ وجدانی مگر شعوری کوشش ہے کہ آداب شریعت میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ یہ پابندی راستے کی دشواریوں کا پتا تو دیتی ہے مگر مولانا کی ذات اپنے تمام اعمال و کوائف میں اس قدر پابند شریعت ہے کہ اُسے اس پابندی میں اپنا پین ہی محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے تو آپ اپنا نظریہ شعریوں بتاتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بے جا سے ہے المنة اللہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت محفوظ ۱۵

مزید کہا:

مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف
لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو ۱۶
ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوں نہ ہر واروی تھی کیا کیسے قافیے تھے ۱۷
شعر مقصود نہ تھا، شعری صلاحیت کو بھی نذر کرنا تھا کہ
ایمان یہ تھا کہ سب کچھ قربان ہو جائے شعر گوئی کسی ادبی

جوشِ محبت، حدود شکنی کا محرک ہوا کرتا ہے مگر اتباعِ شریعت کی قوت کا اندازہ کیجیے۔ مثلاً فرماتے ہیں:

اے شوقِ دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو^{۲۰}☆

پاسداریِ شریعت اور وارفتگیِ محبت کا کس قدر حسین امتزاج ہے۔ ایک اور مثال:

پیشِ نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے^{۲۱}☆

غور فرمائیے جو اپنے آپ کو امتحانِ گاہ میں محسوس کر لے اُن کے ہاں نتائج مرتب کرنے کی کوتاہی کیسے ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے ہاں شریعت کی پابندی، عشق و محبت کی وارفتگی میں بھی راہ نما ہے۔ ایسے ادب شناس لڑکھڑایا نہیں کرتے۔

ایک اور رویہ جو بعض اہلِ قلم کے ہاں انگشت نمائی کا باعث بنتا ہے وہ یہ کہ مولانا سخت طبیعت رکھتے ہیں۔ جلد فتویٰ لگا دیتے ہیں، شعر میں بھی اُن کی کاٹ شدید ہے، اُسی قسم کے خیالات کا اظہار اُن افراد نے کیا ہے جو اُن سے بعض مسائل میں اختلاف رکھتے تھے مگر علمی وجاہت کے قائل تھے۔ علامہ اقبال سے بھی اسی قسم کا اظہار خیال روایت ہے کہ:

اگر اُن کے مزاج میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے
زمانے کے ابو حنیفہ مانے جاتے۔^{۲۲}☆

ان تمام خیالات اور آراء میں یہ مرکزی نکتہ ملحوظ رہا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ رائے صائب ہی کا اثر ہے اگرچہ پیش کش کا انداز سخت ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے، بات درست ہو

ایسی لغزشوں کا سبب بنتی ہے، اس تسلیم کے باوجود یہ واضح رہنا چاہیے کہ فاضل بریلوی اس حوالے سے کسی نکتہ چینی کا ہدف نہیں ہیں کہ اُن کی شرکتِ علمی اور تحقیقی و فقہی شعور کا سب کو اعتراف ہے۔ شریعت کے رموز سے آشنا وجود جو اپنے فنِ نعت کو بھی احکامِ قرآن اور اتباعِ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے وابستہ رکھے اور لفظ لفظ پر تقدیس کی چادر کا سایہ رکھے اُس سے کسی شعر یا مصرع میں بے ربط ہو جانا کیسے متوقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں خواہ نثر میں ہوں یا نظم میں، اُس میں اُن کے عقائد کا پر تو ہے۔ پوری شعوری کوشش اور علمی مجاہدے کے بعد جو کچھ وہ تسلیم کر چکے ہیں اُسی کے اظہار میں پوری قوت خرچ کرتے ہیں۔ نہ نثر میں اُن کا قلم اُن کے قائم کیے گئے ضابطوں سے ہٹا ہے اور نہ نظم میں شعری ضرورت یا تقاضاے ردیف و قافیہ نے اُنہیں حدود سے تجاوز کرنے پر مجبور کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ معترضین کو اُن کے عقائد و نظریات سے اختلاف ہے۔ اس اختلاف پر اُن کی بھی نظر تھی اس لیے انھوں نے ترجمہ قرآن سے لے کر فتاویٰ نویسی تک اس اختلاف کا رد کیا ہے اور اپنے نظریات جو اُن کے نزدیک اسلافِ اُمت کا ورثہ ہے۔ پر مضبوطی سے جے رہنے کو ترجیح دی ہے، انھوں نے جو شعر میں کہا باقی تحریروں میں بھی اُسی پر قائم رہے۔ اس لیے یہ اعتراض اُن کی نعت کے حوالے سے نہیں ہے۔ یہ بے خبری کا شاخسانہ ہے اور کبھی تنقید برائے تنقید کا نتیجہ، مولانا کا اپنا موقف یہ ہے:

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سدّ ذرائعِ داب ہے اپنی شریعت کا^{۱۹}☆

بلکہ ذاتِ الہ کے بارے میں انسانی حوالوں سے کم تر سوچ کا سبب تھا، وہ ذاتِ پاک اپنی منزہ حیثیت کی حامل رہے تو کسی بے جا قرب کا وسوسہ پیدا نہیں ہوتا۔ فاضل بریلوی ذاتِ رسالت پناہ ﷺ کی بے پناہ عظمتوں کے قائل تھے، ہر حسن جو متصور ہے اُس ذات میں دیکھتے تھے مگر اُن کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہ آیا کہ ذاتِ الہ میں شرکت کا باعث ہوگا، اس لیے کہ وہ خالق اور مخلوق کے فرق کو پوری شعوری قوت سے تسلیم کرتے تھے اور التباسِ ذات کے کسی واہمہ کے شکار نہ تھے، محبت، عقیدت حتیٰ کہ عشق و سرمستی کی کیفیات میں بھی وہ حکیم فرزانہ تھے اور مقام کی رفعتوں سے آشنا تھے، اُن کے فتاوے اس حقیقت میں اس قدر واضح نہیں کہ ایسا کوئی خیال اُن کی ذات پر چسپاں نہیں ہوتا استغاثہ اور توسل کے سوال پر کہ کیا یہ رسولِ اکرم ﷺ اور اولیاءِ کرام سے جائز ہے! کے جواب میں جواز کا تحریر کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا:

انھیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انھیں باذنِ الہی والمدبراتِ امرآ سے مانے اور اعتقاد کر لے کہ بے حکم خدا ذرہ نہیں بل سکتا اور اللہ عزوجل کے دیے بغیر کوئی ایک حبیہ نہیں دے سکتا، ایک حرف نہیں بن سکتا، پلک نہیں ہلا سکتا۔^{۲۴}

سوچے جو سجدہ تعظیمی پر حرمت کا فتویٰ دے اور قرآن و حدیث اور نصوص فقہ سے اس حرمت پر قطعی دلائل قائم کر لے^{۲۵} اُس سے تجاوز عن الشریعہ کی کیسے توقع ہو سکتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ اُن کی نعتوں میں بعض مقامات پر اشارہ اور کبھی صراحتہً اُن افراد کا رد موجود ہے جن کے نظریات کو وہ

اور کہنے والے کو اس کی حقانیت پر وجدان کی حد تک یقین ہو تو وہ پوری قوت سے اسی کا اظہار کرتا ہے اور اگر اس اظہار کی مخالفت میں نامناسب رویہ اپنایا جائے تو شدت کا میلان پیدا کرتا ہے۔ فاضل بریلوی عقاید میں سختی کے قائل تھے اور یہ برصغیر کے تناظر میں اور بھی چھلکنے لگا تھا، مبالغہ ایضاً معنی میں معاون ہوتا ہے کہ تصور یہی رہا تھا کہ مدح رسالت کا حق ادا نہیں ہوتا، اس حوالے سے مبالغہ بھی کمی کا ہی احساس دیتا ہے۔ علامہ ابن فارض نے کہا تھا:

اری کل مدح فی النبی مقصراً وان بالغ
المثنیٰ علیہ واکثر ☆ ۲۳

برصغیر کے سیاسی و مجلسی پس منظر کا جائزہ لیا جائے اور ہندو اکثریت کے قرب کو ذہن میں رکھا جائے اور پھر ہندومت کے تصورِ الہ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ہندو مذہب میں 'خدا' کا تصور مادی آلائشوں میں اسیر ہو گیا تھا، دیوتا شادی کرتے تھے، اولاد بھی تھی، جنسی بے راہ روی بھی اُن کا استحقاق تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے اوتار اور دیوتا کا فرق کم سے کم تر ہو گیا تھا حتیٰ کہ بعض معاملات میں ایک سے ایک رویے اپنائے گئے تھے۔ خالق جو برتر اور لافانی وجود تھا۔ بعض خوارق کے باوجود انسان کے قریب آ گیا تھا، مجلسی قرب نے غیر شعوری طور پر بعض اذہان میں تصورِ الہ کو بھی اس کوتاہ خیالی کا اسیر بنا دیا تھا، اس لیے جب بھی ذاتِ رسالت ﷺ کی عظمت، برتر حیثیت اور بے مثال رفعت کا ذکر ہوتا، خدا بنا دینے کا واہمہ پیدا ہوتا، یہ درحقیقت ذاتِ رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے سے مبالغہ آمیزی کا اثر نہ تھا

معروکوں کے باوجود انھوں نے ملت کے افراد کے درمیان کسی معرکہ آرائی کی دعوت کبھی نہ دی۔ محسوس ہوتا ہے کہ اُن نظریات سے بچنے کی دعوت دے رہے ہیں جو اُن کے نزدیک غیر صالح تھے۔ اسی لیے تو اپنوں کو ان نظریات سے قلبی وابستگی کی دعوت بھی دیتے تھے۔ مثلاً کہتے ہیں:

حاکم حکیم داد و دوا دیں نہ کچھ یہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے ^{☆۳۲}

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط، یہ ہوں بے بصر کی ہے ^{☆۳۳}

بے خودی میں سجدہ در یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا ^{☆۳۴}

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا ^{☆۳۵}

کچھ وہ اہل محبت کو انتباہ بھی کرتے ہیں کہ

خشک ہے خون کہ دشمن ظالم
سخت خوں خوار ہے کیا ہونا ہے ^{☆۳۶}

اور کبھی برملا لکارتے ہیں:

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے ^{☆۳۷}

یہ شعر پڑھتے ہی حضرت حسان کا قصیدہ یاد آجاتا ہے۔
اُن کے ہاں دفاع رسالت کی شدت بڑی اثر آفریں ہے۔
تردید میں حجاب نہیں رہا 'ابوسفیان' کا نام لے کر مخاطب کیا اور
صرف متوجہ ہی نہیں کیا۔ تین صفات ذمیرہ کا ذکر کر دیا اور آخر
میں اپنے شعروں کی کاٹ کا اعلان بھی کیا۔ مثلاً:

بارگاہ رسالت میں نامناسب، غیر محتاط اور بعض اوقات لائق
گرفت سمجھتے تھے۔ ایسے خیالات پر اُن کا جوش عقیدت کسی
مداہنت کا قائل نہیں ہے۔ اگرچہ فتویٰ لگانے میں اُن کی
احتیاط بھی دیدنی ہے، اکثر یوں ہی ہوا کہ خیالات کا رد کیا،
نظریات کو دین سے انحراف اور کفر کہا، نظریات کی تردید اُن
کے سارے کلام بلکہ نثری نگارشات میں بہت واضح ہے۔ یہ
اُن کا ذوق ایمان اور تحفظ عقیدہ کا مسلک تھا، کوئی ذاتی پر خاش
یا مفادات کا ٹکراؤ نہ تھا، یہ نظریاتی مبارزت تھی جو پُر جوش بھی
تھی اور بلا کسی حجاب کے بھی تھی۔ اُن کا یہ اعلان بڑا برملا تھا:

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے ^{☆۳۸}

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر، کرے فیض و جود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر، ترے دل میں کس سے بخارے ^{☆۳۹}

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے ^{☆۳۸}

کلک رضا ہے خنجرِ خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں ^{☆۳۹}

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں! ارے ہاں نہیں! ^{☆۳۰}

ذکر رو کے فضل کاٹے نقص کا جو یاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں اُمت رسول اللہ کی ^{☆۳۱}

شعروں کا آہنگ اور انتخاب کلمات کا تیور بتا رہا ہے کہ
یہ صرف باہمی مبارزت نہیں، یہ تو عقیدے کی پختگی اور نظریے
کی صلابت کا اظہار ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان تمام دفاعی

الا ابلغ ابا سفیان غنی
فانت مجوف نخب هواء
لسانی صارم لا عیب فیہ
وبحری لا نکدرہ الدلاء☆ ۳۸

فاضل بریلوی کی اردو نعتیہ شاعری 'حدائق بخشش' کے تین حصوں میں موجود ہے۔ جب کہ عربی شعر بسائین الغفران میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ مولانا مرحوم کی اردو نعت کا مختلف عنوانات کے تحت مختصر جائز لیا جائے تاکہ اس حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو کہ آپ ایک قادر الکلام شاعر تھے جن کے شعروں میں بلا کا گداز ہے اور شعری حسن کا بے پناہ اظہار بھی ہے۔

موضوعات کے حوالے سے پہلے ذکر کر دیا گیا کہ مدح سے مبارزت تک، خصائص سے اوصاف تک، معجزات سے استغاثوں تک اُن کا اندازِ تحریر منفرد بھی ہے اور جاذبِ نظر بھی۔ اُن کی ذات کی خوبیاں اُن کے کلام میں نمایاں ہیں۔ حالات کا تناظر بھی پیش نظر ہے اور اسلاف کی روایات کی بھی پاس داری ہے۔ نعت چوں کہ 'مدح نگاری' ہے اس لیے مدح کا تعامل پیش نظر رہا ہے مگر اُن کو یہ احساس بھی ہے کہ یہ مدح اُس وجودِ گرامی کی ہے جو بے عیب اور بے مثال ہے۔ محبوب کائنات بھی ہے اور محبوب رب العالمین بھی اُن کا دیوان گواہ ہے کہ خصائصِ شمائل کے شمار میں قرآن و حدیث کے ارشادات اُن کے پیش نظر ہیں۔ اگر کوئی محقق ہر شعر کی سند قرآن و حدیث سے تلاش کرنے کی کوشش کرے تو یہ بہت ہی چشم کشا حقیقت ہوگی۔ ہم موضوعاتِ شعر کے حوالے سے

گزارشات پیش کر رہے ہیں۔

نعت کا مرکزی مضمون 'مدح' ہے۔ مدح کی روایت یہی رہی ہے کہ اس میں ذاتِ ممدوح کے اوصاف کا ہر وہ پہلو ذکر کیا جاتا ہے جو لائقِ مدح ہو، عمومی مدح نگاری اسی حوالے سے ہوتی رہی ہے، مگر نعت ایک پاکیزہ مدح ہے جس میں ذاتِ ممدوح ہمہ پہلو معزز و محترم ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں بے مثل، معاشرتی رویوں میں بے عدیل اور انسانی حوالوں میں بے نظیر اور سب سے بڑھ کر رسولانِ گرامی کا امام، اس ہمہ جہت سرفرازی نے نعت کہنے والوں کو سہولت عطا کی ہے کہ مضامینِ مدح بے حد و حساب ہیں، اگرچہ یہ سہولت ایک انتباہ بھی ہے کہ اس کثرت سے انتخاب کیسے ہوگا۔ یہ شاعر کی افتادِ طبع کا امتحان ہے۔ فاضل بریلوی کی کہی نعت، کسی مجلسی ضرورت یا ادبی احتیاج کی اسیر نہیں ہے، اُن کے ہاں وہ ذات، باعثِ تکلون جہاں ہے اور وہ خود اس جہان کا ایک حصہ ہے اس لیے اُن کے نزدیک اُن کے وجود کی تعبیر ہی یہی ہے کہ وہ ہر لمحہ مدح سراسر ہے۔ کائنات کا کوئی مظہر نظر نواز ہو تو مرکز کائنات تک نظر ضرور اُٹھے کہ وہاں تک رسائی میں کوتاہی شہرہ چشتی ہے، اگرچہ اُن کو یہ احساس ہے کہ محدود علم و بصیرت اس مدح کا حق ادا نہیں کر سکتے مثلاً اُن کا یہ اعتراف کس قدر حقیقت آشنا ہے، ان اشعار میں دیکھیے:

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا☆ ۳۹
کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروں جہاں نہیں☆ ۴۰

ہونا، سر تا بقدم شانِ حق ہونا، جانِ ایمان ہونا اور کائناتِ ہست و بود کی رونق و جلا ہونا اور مرکز عقیدت و محبت ہونا بہت نمایاں ہیں۔ یہ خصائص اُن کے ایمان کا حصہ رہے اسی لیے ردیف و قافیے کے تنوع کے باوجود تذکرہ انہی کا ہوتا رہا مثلاً وجہ تخلیق ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
 ☆ ۴۷
 جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے
 شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فردا مکاں میں
 ☆ ۴۸
 کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے
 سب سے اوّل سب سے آخر
 ابتدا ہو انتہا ہو
 سب بشارت کی اذیاں تھے
 تم اذیاں کا مدعا ہو
 سب تمھاری ہی خبر تھے
 ☆ ۴۹
 تم مؤخر مبتدا ہو

عربی کا طالب علم مبتدا کا مؤخر ہونا سمجھتا ہے کہ ترتیبِ ظاہر کی تاخیر تقدیم کے منافی نہیں ہوتی۔

نور انیت مصطفیٰ ﷺ کا ذکر مولانا کی شاعری کا اساسی وصف ہے۔ قصیدہ نور کا حرف نور افشاں ہے۔ کس طرح سراپا صدا بن کر دربارِ نور میں حاضر ہوئے ہیں۔

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
 بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا
 تیرے ہی ماتھے رہا اے جانِ سہرا نور کا

بلبل نے گل اُن کو کہا، قمری نے سروِ جاں فزا
 حیرت نے جھنجھلا کر کہا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
 ادائی حق مدح تو ممکنات میں نہیں اس لیے اُن کو یہ دعویٰ
 ہی نہیں ہے مگر شعور و آگہی کا خراج تو ادا کرنا ہے اس لیے
 اوصاف شماری کا مقصد مسلسل جاری رہا۔ اس کی چند صورتیں
 دیکھیے:

وہی نورِ حق وہی ظنِ رب، ہے انھی کا سب، ہے انھی سے سب
 نہیں اُن کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں!
 سر تا بہ قدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
 ☆ ۴۳
 لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
 مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
 ☆ ۴۴
 دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں
 مدح سرائی کا نقطہ کمال یہی ہے کہ اعترافِ عجز کر لیا
 جائے:

ہے بلبل رنگیں رضا یا طوطی نغمہ سرا
 حق یہ کہ واصف ہے تیرا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں
 اسی لیے اُنھوں نے اس مومنانہ ایقان پر مدح کے سلسلے
 کو ختم کر دیا:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
 خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں جھے
 ☆ ۴۶

نعت کے مشتملات میں خصائص و شمائل کا ذکر ہر نعت گو
 کے ہاں مرغوب رہا ہے، اس لیے کہ ان کا شمار ہی عظمت کا
 احساس دلاتا ہے۔ فاضل بریلوی کے ہاں خصائص میں وجہ
 تخلیق ہونا، سراپا نور ہونا، قاسم عطایا ہونا، سب سے افضل

اصالتِ کُل، امامتِ کُل، سیادتِ کُل، امارتِ کُل حکومتِ کُل، ولایتِ کُل، خدا کے یہاں تمہارے لیے عطائے ارب، جلائے کرب، فیوضِ عجب، بغیر طلب یہ رحمتِ رب، ہے کس کے سبب، بہ رب جہاں تمہارے لیے لہجہ بدل کر وہی بات مگر اسلوب نیا:

نہ دل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے، وہی اصل عالم و دہر ہے وہی بحر ہے وہی لہر ہے، وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا، وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا وہ ہے جان، جان سے ہے بقا، وہی بُن ہے، بن سے ہی بار ہے نعت، وصف محمود کے ساتھ ساتھ طلبِ خیر کا ذریعہ بھی ہے۔ اوصاف شماری میں بھی جو دو کرم کو اولیت حاصل ہے کہ عطا و بخشش کا شمار در حقیقت خیراتِ طلی کی تمہید ہی ہے۔ مولانا مرحوم چوں کہ سراپا دستِ سوال ہیں اس لیے عظمتوں کے حوالوں میں اُن رفعتوں کا زیادہ تذکرہ کرتے ہیں جو زیادہ فیض بار ہیں۔ اسی حوالے سے چند شعر:

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
تعالیٰ اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا
لا ورت العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا
بٹی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اس رحمتِ بے پایاں کا اظہار کئی رن اختیار کرتا ہے، اگر

بخت جاگا نُور کا چمکا ستارہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الہی بول بالا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نُور تیرا سب گھرانہ نور کا
نُور کی سرکار سے پایا دوشالا نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا
اور پھراک حاصل قصیدہ دعا:

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نُور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا
'جہاں آب و گل کی رونق' کا ذکر آئے تو یوں لب کشا
ہوئے:

انہیں کی بو مایہِ ثمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن سے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے
حُسنِ ظاہر کے بیان کا لہجہ دیکھیے:

اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں! میں جانِ تجلا کہوں تجھے
مدح کے طویل سفر کے بعد یہ اعترافِ عرفانِ عظمت کا
غماز ہے:

تیرے تو وصفِ عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
یہی عرفانِ اُن سے ایک طویل مدحیہ قصیدے لکھوانے کا
محرک ہے۔ پورے قصیدے پر وارفتگی کا سماں طاری ہے۔
دیکھیے:

کبھی اس کا اظہار بیان واقعہ کے طور پر ہے کہ:

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں^{☆۵۸}
تو کبھی مستقبل میں اس کرم کی حتمی کیفیت پر اُن کو بیان
واقعہ کی طرح یقین ہے مثلاً:

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ^{☆۵۹}
یا یہ اعتماد کہ:

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلم صدائے محمد^{☆۶۰}
خواہش کرم کی ہماہمی میں بھی آداب کی حد بندی قائم
رہتی ہے اور یہ نعت کہنے والے کا امتحان ہوتا ہے، آپ کے
ہاں محبت کا ولولہ بے پایاں ہے مگر حدودِ آشنائی کی پاس داری
بھی مثالی ہے، مثلاً یہ اشعار پڑھیے:

ہم بھکاری، وہ کریم، اُن کا خدا اُن سے فزون
اور 'نا' کہنا نہیں عادت رسول اللہ^{☆۶۱}

اس حوالے سے اُن کا ایقان بڑا برملا ہے:

تمہیں عالم برایا تمہیں قاسم عطا یا
تمہیں دافعِ بلا یا، تمہیں شافعِ خطایا،

کوئی تم سا کون آیا^{☆۶۲}

مگر اس برجستگی میں بھی مقام و مرتبہ کا توازن برقرار ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا، تجھے حمد ہے خدایا^{☆۶۳}

استغاثہ، توسل، استقامت یا طلبِ شفاعت، یہ نعت کا

حاصل اور مرکزی جزو ہوتے ہیں۔ مدح اگر دنیا طلبی اور تکمیل
حوارج کی ہو تو پست تر مقام رکھتی ہے اسی لیے تصاید مدح میں
لاطائل تفصیل، خلاف واقعہ خصائل اور غیر ضروری جذبات کا
اظہار ہوتا ہے۔ اسی قبیل کی مدح کشکول گدائی ہے جو غیر محدود
خیالات سے لبریز ہوتا ہے۔ نعت سچے جذبوں کا فکری اظہار
ہے۔ یہ صنفِ شریف ہمہ تر پوتر ہے اگرچہ کم فہم کوتاہ نظر اور بے
علم افراد جب عروض و قوافی کے سہارے نعت کہنے لگتے ہیں تو
نعت، صداقت کی نقیب نہیں رہتی۔ فاضل بریلویؒ کی نعت ایسی
ہر پستی سے محفوظ ہے کہ ان کے ہاں علم کا اعتماد، جذبوں کا
ایقان اور اظہار کا توازن موجود ہے۔ اُن کا ہر شعر کسی لائق
اعتماد روایت سے جڑا ہوا ہے اسی لیے استغاثہ و استعانت کا
رنگ بھی پُر خلوص سیرت نگاری کا وقار لیے ہوئے ہیں۔ اس
حوالے سے چند اشعار پڑھیے، جذبوں کی شدت دیکھیے اور
آدابِ شریعت کی سطوت پر نظر رکھیے۔ فرماتے ہیں:

عرش سے مژدہ بلقیس شفاعت لاپا
طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب^{☆۶۴}

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے^{☆۶۵}

مجرم ہوں، اپنے عفو کا سماں کروں شہا
یعنی شفیع روزِ جزا کا کہوں مجھے^{☆۶۶}

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے
گر اُن کی رسائی ہے، لوجب تو بن آئی ہے^{☆۶۷}

فریادِ امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو^{☆۶۸}

کا فیصلہ پیدا ہوتا ہے اور ایسی محنتِ قصیدے کو غیر حقیقی روپ عطا کرتی ہے۔ نعت میں مدح نگار کو صرف مطالعہ درکار ہے۔ 'ذاتِ ممدوح' کی سیرت سے آشنائی کی ضرورت ہے۔ مضامینِ مدح اس قدر ہیں کہ صدیوں سے ان گنت مداحین بھی حقِ مدح ادا نہیں کر سکے، ان موجود سہولتوں میں 'معجزات' خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کا دائرہ کار زمینی ہو یا آسمانی۔ یہ بہر حال وہ امتیازات ہیں جن میں دوسرا سہیم و شریک نہیں ہے۔ حضرت فاضل بریلوی کا مطالعہ قابلِ رشک ہے اس لیے ان کے ہاں دیگر اوصاف و کمالات کے جلو میں معجزات کا تذکرہ بہت نمایاں ہے، دیگر نعت گو شعرا بھی معجزات کا ذکر کرتے ہیں مگر حضرت فاضل بریلوی کے ہاں معجزات کوئی تاریخی واقعہ نہیں بلکہ یہ معجزات ان کے اندر کا ایقان ہے جو ہمہ تن واردات ہے، اُن کے معجزات شماری میں ایسا اعتماد ہے جو بصری و سمعی حقیقت کا ہوتا ہے۔ آپ نے معجزات کا ذکر بہت کثرت سے کیا ہے۔ صرف چند ایک کا جو بن دیکھیے اور روایت سے وابستگی ملاحظہ کیجیے:

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اٹلے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے! کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا
کیوں جناب بوہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

انت فیہم نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیشِ جاوید مبارک تجھے شیداِ دوست
ذرا فریاد کی شدت اور کرمِ بخشش کی اُمید کی جلوہ گری
دیکھیے:

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے، ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا
مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ، لے خبر
اہلِ عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ، لے خبر
کریم اپنے کرم کا صدقہ، لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے
اور اس لذتِ پکار کی وارفتگی دیکھیے:

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

نعت نگار کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اسے اوصاف تراشنے نہیں پڑتے جب کہ عام مدح نگار کو یہ محنت بھی کرنا پڑتی ہے۔ ایک دو یا چار امتیازات کسی کم تر سطح پر نظر آئے تو اظہار میں آسانی ہوتی ہے۔ مگر جب سلسلہ طویل ہو جائے تو ذاتی کاوش سے خصائص مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اسی سے مدح اور ممدوح

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں، حسین اور حسن پھول[☆] ۷۹

ایک منفرد نازک خیالی دیکھیے:

نہ جاگ اٹھیں کہیں اہلِ بقیع کچی نبند[☆] ۸۰
چلا یہ نزم نہ نکلی صدائے پائے فلک

متعلقاتِ ذاتِ گرامی میں مدینہ منورہ کا ذکر ہر نعت گو کو
تحریک دیتا ہے، محبت و عقیدت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی راہ
گزر، شہر کے در و دیوار، گرد و نواح کے صحرا و جبل اور شہر کی
ہواؤں اور فضاؤں کے ترانے گائے جائیں تاکہ اُس وادی کا
ذرہ ذرہ یقین کا سرمہ بن کر بصارتوں کو نُور عطا کرے۔
حضرت مولانا کے ہاں اس حوالے سے اس قدر ولولہ ہے کہ
پورے دیوان پر اس کا سایہ ہے۔ سب سے پہلے عظمت کا
حوالہ:

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا[☆] ۸۱
عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزری ہے[☆] ۸۲
ستر ہزار صبح ہیں، ستر ہزار شام
یوں بندگی زلف و رُخ آٹھوں پہر کی ہے
معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار، بار
عاصی پڑے رہیں یہ صلا عمر بھری ہے[☆] ۸۳
اور اللہ اکبر اک شہر شفاعت نگر کی برکات:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے[☆] ۸۴

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں[☆] ۷۴

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینہ مہ میں نشانِ سوختہ[☆] ۷۵

چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدے کریں
بارک اللہ! مرجعِ عالم یہی سرکار ہے[☆] ۷۶
چاند جھک جاتا جدھر اُنکی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا[☆] ۷۷

معجزات میں معراج اُن کی دلچسپیوں کا نقطہ انشراح
ہے۔ بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں جب کہ ایک مکمل قصیدہ
صرف معراج کے لیے وقف ہے۔ اس پر گفتگو کچھ دیر بعد کی
جاتی ہے۔

ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے تمام حواشی نعت
نگاروں کی محبتوں کا مرکز رہے ہیں۔
اہل بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا
ذکر قریباً ہر نعت کا جزو رہا ہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
نے ان حوالوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اور ان کا سرِ عقیدت
ان بارگاہوں میں ہمیشہ جھکا رہا ہے۔ عقیدت کی فراوانی میں
نسبتوں کا توازن ہی وہ معیار ہے جو شاعر کے صاحبِ نظر
ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایک دو شعر پڑھیے:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترتِ رسول اللہ کی[☆] ۷۸

نجم اور ناؤ کام یابی و نجات کے وہ استعارے ہیں جن کا
احادیث میں حوالہ موجود ہے۔

غور سے سُن تو رضا کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کاروضہ دیکھو
۸۶☆
اور آخر میں جاں دادگی کی ایک ایسی کیفیت جو صرف
عشاق کے ہاں متحقق ہے:

رضا کسی سنگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے
۸۷☆
دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچہ دلدار ۸۸☆
ہم پارہٴ دل بھی نہ نکلا، دل سے تحفے میں رضا
۸۹☆
اُن سگانِ گو سے اتنی جانِ پیاری واہ وا

مولانا کی نعتیہ شاعری میں خصائص شہاری کا ہر روپ
پوری قوت کے ساتھ موجود ہے اور ردیف و قافیہ کے تنوع کے
ساتھ پورے دیوان کو محیط ہے۔ یہ اگرچہ معروضی اندازِ کلام کا
حصہ ہے مگر آپ نے جذبات کی آنچ پر اس کو یوں گلنار کیا ہے
کہ موضوع، محرک بن گیا ہے اور تاریخی حقائق، سوزشِ دروں
سے ذاتی حوالہ بن گئے ہیں۔ اس پر مستزاد اُن کا جذبہٴ محبت
جو ہمہ جہت وارفستگی سے مہکنے لگا ہے، شوقِ فروزاں ہو تو
حسرتِ دیدار کی چہن تڑپانے لگتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جو
حضرت عثمان ہارونی کی طرح یوں گھائل کر دیتا ہے کہ پھر تمام
تر علمی وقار، شخصی منزلت اور معاشرتی رکھ رکھاؤ کی قلندرانہ مستی
گھیر لیتی ہے اور پکار کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ زہے تقویٰ کہ من
باجبہ و دستار می رقصم، مگر پھر بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ مگر نام
بایں ذوقے کہ پیش یاری رقصم۔ مولانا اک عالم تھے، فقیہ
تھے، امام عصر تھے اور مجددِ ملت تھے اس لیے اُن کی سرفروشی

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عظمتوں کو سلام کہتے ہوئے
ادب و عقیدت کے ساتھ تقابل بھی مولانا کی شاعری کا حصہ
ہے اور اس تقابل میں بڑے لطیف پہلو سامنے آئے ہیں۔ مثلاً
سبز گنبد اور سیاہ احرام کا ذکر دیکھیے:

سر سبز وصل یہ ہے، سیہ پوش ہجر وہ
چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالتِ جگر کی ہے
۸۵☆
مکہ مکرمہ سے جانبِ مدینہ منورہ روانگی کا منظر بڑا دلکش ہے،
پوری نعت پر یہ فضا طاری ہے:

رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت
اب مدینے کو چلو صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جو دشہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
مہرِ مادر کا مزہ دیتی ہے آغوشِ حطیم
جن پہ ماں باپِ فدا، یاں کرم اُن کا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسہٴ سنگِ اسود
خاکِ بوسیِ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کر چکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں
ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو
جمعہٴ مکہ تھا عید، اہلِ عبادت کے لیے
مجرمو! آؤ یہاں عیدِ دوشنبہ دیکھو

ہو جاتے ہیں۔ اندازہ کیجیے جو وجود درحیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر فروتنی کا اظہار کرے کہ پکار اُٹھے:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں☆ ۹۲
جو دل کے ٹکڑوں کو سگانِ مدینہ کی نذر کرنے کو افتخار
جانے جو خاک گلشن ہونے کو قسمت سکندری خیال کرے وہ
جب قبولیت و قرب کی حلاوت پانے لگے تو اک گونہ ناز کے
احساس سے بھی یوں پکارنے لگے:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں☆ ۹۵
یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناب کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں و اصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبعِ رضا کی قسم☆ ۹۶
اے رضا جانِ عنادل ترے نعموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے☆ ۹۷
یہ افتخار اس اعتماد کا نتیجہ ہے جو حضوری کے لیے نشانِ منزل ہے:
خوف نہ رکھ رضا ذرا، تو تو ہے عبدِ مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے☆ ۹۸
بلبلِ مدینہ کے احساسِ امان میں بھی اپنی نارسائی کا
احساس موجود ہے اسی لیے اُن کا اعتراف بڑا مومنانہ ہے۔

اے رضا خود صاحبِ قرآن ہے مدارِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہی☆ ۹۹
'حدائقِ بخشش' میں شامل نعتوں کا ایک مختصر جائزہ واضح
کردیتا ہے کہ فاضل بریلوی کے ہاں تخلیقِ شعر کا جو ہر بڑا
ثروت مند ہے۔ نہ مضامین کی کمی ہے نہ الفاظ و کلمات کی تنگ

بھی آدابِ آشنا تھی مگر حسرتِ دیدار کے لمحوں کا گداز دیکھیے:

الہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرشِ آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا☆ ۹۰
کاش آویزہٴ قدیلِ مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو☆ ۹۱
برنگِ مستزاد جذبِ دروں کا کیف دیکھیے:

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو، ابھی کیا ہوا خدایا، نہ کوئی گیانہ آیا
ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا، یہ نہ پوچھ کیسا پایا☆ ۹۲
اس بے تابی و اضطراب میں بھی شعورِ ذات کا وقار موجود
ہے اور کبھی راہِ برادر راہِ نما ہونے کے احساس کا بھی حوالہ ملتا
ہے۔ ایسا لمحہ معاشرتی و سماجی اصلاح سے عبارت ہوتا ہے جو
ایک مجددِ وقت کے منصب کا تقاضا ہے۔ یہ خالص مصالح کا
کردار ہے جو بے پناہ جذبوں میں بھی نمایاں ہے۔ مثلاً:
دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
رزقِ خدا کھایا کیا، فرمانِ حقِ ٹالا کیا
شکرِ کرمِ ترس سزا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں☆ ۹۳

اس قدر ہمہ گیر صلاحیتیں کبھی شعوری طمانیت بھی عطا
کردیتی ہیں۔ ہر صاحبِ منزلت کے ہاں عجز و انکسار میں ایک
افتخار کا سماں بھی ہوتا ہے۔ یہ فخر و مباہات کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ
قبولیت کے احساس کا دورانیہ ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کے ہاں
بھی ایسے لمحے آتے ہیں جب وہ نیاز مندی کے وقار میں مست

خیر کا اک وسیلہ بھی تھا۔ فاضل بریلوی کا قصیدہ معراج سرسٹھ (۶۷) اشعار کا مرقع ہے۔ اس میں واقعات معراج کا ذکر ترتیب وقوع کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ سے اودنی، کی منزل تک مولانا کی فکر اپنی تنگ دامنی کے باوجود جو پرواز ہے، جزئیات کا تذکرہ بھی ہے اور دیدہ مشتاق کی آسمان گیری کا ذکر بھی ایک واقعہ، واردات کی صورت، لفظ و معنی کو محیط ہو گیا ہے۔ رواں دواں بحر، دل پر دستک دینے والے مرکبات اور مشکل تر موضوع کو دل نشین کر دینے والا اسلوب پورا قصیدہ غالب کے مصرع کی طرح:

لباس نظم میں بالیدن مضمون عالی ہے

مسلسل پرواز کرتا ہوا اور بلند تر محسوس ہوتا ہے۔ زمینی حوالے سے بات شروع ہوئی کہ سفر کا آغاز مسجد حرام کے محسوس مقام سے ہوا تھا اس لیے:

خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمہ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

یہ سفر کام یابی کی نوید اور قرب دوصال کی تمہید تھا اسی لیے پوری فضا حرم کو مہکا یا گیا تھا۔ وہاں کیا کچھ اہتمام تھا اس کا مؤثر تذکرہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر شعر کے پیراہن میں پورا منظر سمیٹا نہیں جاسکتا اس لیے برملا اعتراف ہوتا ہے:

خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھر مٹ میں لے کے قدسی جنات کا دلہا بنا رہے تھے

اب واقعہ شاعر کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور بے ساختگی میں راہی لامکاں صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اُتارا جاتا ہے۔ جسمانی قرب کے یہ لحات گریز پاتھے، شاعر کی چشم تصور

دامنی ہے۔ رواں دواں قافیے، چمکتی ردیفیں، دلوں میں پیوست ہو جانے والے کلمات اور روح کی تار کو چھیڑنے والے نغمات، اکثر محسوس ہوتا ہے کہ ذخیرہ الفاظ منہ کھولے حاضر ہے۔ مضامین میں پرے باندھے سایہ افکن ہیں۔ حرف و صوت، آہنگ و اسلوب، لفظ و معنی جدھر نظر اٹھتی ہے فصاحت دست بستہ ہے اور بلاغت سر نہادہ ہے۔ اکثر نعتیں طویل ہیں، قوافی کا اڈتا ہوا دریا آزادانہ رواں دواں ہے۔ حاضری دربار کی حکایت شروع کرتے ہیں تو اٹھاون شعر پرے باندھے کھڑے ہیں۔ دوبارہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو تریٹھ مزید اشعار قطار میں لگ جاتے ہیں۔ ایک ایک شعر عقیدت کا حصار باندھے اور محبت کا احرام اوڑھے کھڑا ہے۔ لفظ معطر اور مضمون با وضو ہے۔ اک کیف ہے جو زائر حرم کو اپنی پناہ میں لیے ہوئے ہے۔ ان اشعار کو پڑھتے ہوئے قدرت کلام کا احساس بھی ہوتا ہے اور بے پناہ مطالعہ کا بھی۔

معراج کا حوالہ معجزات کے ذکر میں دیا جا چکا۔ آئیے قصیدہ معراج پر اک نظر ڈال لیں جسے درتہنیت اسری کے زیر عنوان ترتیب دیا گیا ہے۔ معجزات کے بیان میں معراج کا حوالہ حدیث و سیرت کی تقریباً ہر کتاب میں ہے۔ اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور اس سفر عروج کی حکایت کی تمام جزئیات شمار کی گئیں۔ شاعروں نے اس واقعے کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا۔ برصغیر میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے معجزہ معراج پر تیس اشعار کا ایک بھر پور قصیدہ لکھا جس میں عظمتوں اور رفعتوں کا حوالہ بھی دیا گیا مگر زیادہ توجہ ذاتی حوالے کی رہی، یہ دور کے سنگین حالات کا تقاضا تھا اور طلب

یہ کون سی منزل تھی، اُسی مردِ حق نما سے سینے: خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے سراغِ این و متی کہاں تھا نشانِ کیف و الی کہاں تھا نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی، نہ سنگِ منزل، نہ مرحلے تھے

این و متی، کیف و الی کے کلمات بتا رہے ہیں کہ سفر وہاں تک ممتد ہو گیا ہے جہاں مناسب لفظوں کی احتیاج بڑھتی جا رہی ہے۔ اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ کلماتِ الہام ہی کا سہارا لیا جائے۔ قاری کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ بات حد امکان سے گزرتی جا رہی ہے۔ اب دنی، تدلی کی منزل ہے، بحرِ ہوا کا منظر ہے، قصرِ دنیٰ میں دوئی کا گزر نہیں تو حکایتِ سفر کون بیان کرے۔ اس نازک مقام پر فاضل بریلوی کا علم جو عرفان کی منزلوں سے آشنا تھا سہارا بنا ہے اسی لیے وہ قاری کو اس حقیقت کے اعتراف کرنے کی ترغیب دیتے ہیں:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصلِ خطوطِ واصل کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

وہ متنہ کرتے ہیں کہ:

کمانِ امکان کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے اس لیے اس اعتراف میں ہی عافیت ہے:

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر اسی کے جلوے، اسی سے ملنے، اسی سے اُس کی طرف گئے تھے

قصیدہ معراج کا قاری حیران و ششدر ہے کہ فاضل

بھی نارسائی کا اقرار کر رہی تھی۔ محسوس سے غیر محسوس کا سفر حسرتوں کو جنم دے رہا تھا اس لیے اس اعتراف میں ہی عافیت تھی کہ صرف تمنا کر لی جائے اور بس:

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشنِ لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے زمینی سفر کی انتہا مسجدِ اقصیٰ تھی کہ آج دونوں قبلوں کی یک جانی تھی۔ حرم والا اقصیٰ والوں کی امامت کے لیے آ رہا تھا تا کہ قبلہ رضا کی عظمتوں کا یقین آجائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اسی معمورہ عالم پر تشریف لائے تھے۔ یہی ان سب کی دعوتی مساعی کا مرکز تھا، بلند یوں کے شعر سے پہلے زمینی منزلوں کو واضح کر دیا گیا تا کہ کشور رسالت کے تاج دار کا مقام و مرتبہ تسلیم کر لیا جائے۔

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اوّل آخر کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے مسجدِ اقصیٰ کی امامت، زمین پر سرفرازی کا نشان تھی۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام حاضر تھے کہ یہی اُمتوں کے امام تھے۔ اب معراج کا سفر تھا۔ ہر صاحبِ معراج کو اب پھر

آسمانوں پر اعترافِ عظمت کے لیے موجود ہونا ہے کہ مادی حوالہ ہو یا روحانی حوالہ سب پر سبقت ثابت کرنا ہے۔ یہ مقصد پورا ہوا مگر یہ رفعتِ شان کا آخری حوالہ تو نہ تھا اس لیے پیش قدمی جاری تھی۔ عظمتوں کا رمز شناس ایسے لمحے پر قاری کو باور

کرا رہا ہے کہ متوجہ رہنا:

تبارک اللہ شانِ تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی کہیں تو وہ جوشِ لہنِ ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

خصائص کے اشارے اور استغاثہ و توسل کی فریاد قصیدے کے مشتملات ہیں۔ چند شعر پڑھیے جن سے اسلوب کلام کا اندازہ ہو جائے گا:

شافعِ روزِ جزاء، تم پہ کروڑوں درود
دافعِ جملہ بلا، تم پہ کروڑوں درود
اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود
تم سے جہاں کی حیات، تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
خلق تمھاری جمیل، خلق تمھارا جلیل
خلق تمھاری گدا، تم پہ کروڑوں درود
خلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم
تم سے ملا جو ملا، تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجیے، اس میں ضیا دیجیے
جلوہ قریب آگیا، تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجیے، تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نامِ رضا، تم پہ کروڑوں درود

مولانا کا وہ سلام جو برصغیر ہی نہیں اردو زبان سے آشنا ہر خطہ زمین پر یکساں ذوق و شوق اور عقیدت و محبت سے پڑھا جاتا ہے۔ ایک طویل قصیدے کی شکل میں ہے۔ ایک سو سرسٹھ اشعار کا یہ گلدستہ رنگارنگ پھول سے مہک رہا ہے۔ الفاظ میں روانی، لہجے میں مٹھاس کے ساتھ ساتھ جہان معنی کا ایک اثر آفریں مظہر بھی ہے، سلام کی تکرار ایک ایسا سماں پیدا کرتی ہے کہ ہر سطح اور ذوق کا انسان اس کی گرفت محسوس کرتا ہے،

بریلوی نے کس علمی وجاہت، عرفانی منزلت اور حسن کلام کی قدرت کے ساتھ ان نازک مرحلوں کو عبور کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُن کو وہ فکری معراج حاصل تھی جو ان منزلوں کے لیے ضروری تھی۔ اُردو ادب کا قاری ان سرسٹھ اشعار کو رُخ اُردو معلیٰ کا نشانِ عظمت خیال کرتا ہے۔

نعت کے مضامین میں درود و سلام کو نعت تکمیل کا مقام حاصل ہے۔ یہ حکم الہی بھی ہے کہ اس کا ورد تو فرشتوں کے لیے وظيفہ ہے اور پھر پروردگار عالم بھی اپنے حبیب کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ ہر کلام کی ابتدا حمد و صلوة سے ہو۔ مسلم اُمت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر لمحہ اس حکم پر عمل ہوا ہے۔ شعراء کے ہاں بھی زیادہ تر اختتامِ مدح اسی پر ہوا۔ حضرت فاضل بریلوی ایک مداحِ رسول تھے۔ اُن کو درود خوانی کے وجوب کا احساس تھا اس لیے اُن کی ہر تحریر اس فریضے کی ادائیگی سے مزین ہے۔ شعر میں بھی درود و سلام کا حوالہ اُن کا مرغوب میلان ہے۔ اس لیے درود و سلام پر مبنی اشعار مختلف نعتوں کا حصہ ہیں۔ مثلاً

اُن پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
اُن پر سلام جن کو تختِ شجر کی ہے
شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
راحت اُنھیں کے قدموں میں شوریدہ سری ہے
'حدائقِ بخشش' کے حصہ دوم میں آپ کا ایک طویل
قصیدہ درود یہ شامل ہے جو ساٹھ اشعار کا ہے۔ جس میں حرف
ہجا کا التزام فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ پورے قصیدہ پر عقیدت
مندانہ جذبوں کی ہماہمی کا سماں ہے۔ عقاید کا حوالہ، شمائل و

ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
ربّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ دُرود
حق تعالیٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام
امتیا زات ذات رسالت مآب ﷺ کا تذکرہ دیکھیے:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اوپنی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے کھینچی گردنیں جھک گئیں
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے حوالے سے سلام کے متعدد شعر کہے گئے۔ ان میں یہ
رجحان بہت واضح ہے کہ ان صحابہ میں سے ہر ایک کا وہ کون سا
امتیا زی وصف ہے۔ جن کا تذکرہ اثر آفرینی میں شدت پیدا

پڑھنے والا والہانہ جذب میں ڈوب جاتا ہے تو سننے والوں کی
سماعتیں چٹخارے لے لیتی ہیں۔ ایک بھر پور تاثر کا حامل
قصیدہ جس میں ذات سے صفات تک، خصائص و شمائل سے
امتیا زات سیرت تک، مدح سے دُعا تک، وجودِ پاک سے
متعلقات و وجود تک ایک رحمت کا سا سماں تنا محسوس ہوتا ہے۔
اس قدر طویل تاثر کو یکتائی کا اسیر رکھنا صاحب فن کا ہی کمال
ہے۔ ایسا صاحب فن جو لفظوں کی حرمت سے بھی آشنا ہے اور معانی
کے تقدس سے بھی آگاہ ہے، یہ بلاشبہ شعری عظمت کی معراج ہے۔
سلام میں مدح نگاری پیوستگی دیکھیے۔ ابتدا ہی یوں ہوئی:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاجِ دارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائمِ دُرود
نوشہ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی دُرود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
نقطہ سِرِّ وحدت پہ یکتا دُرود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
پرتوِ اسمِ ذاتِ احد پر دُرود
نسخہٴ جامعیت پہ لاکھوں سلام

پھر موضوع کو ذاتی حوالہ دیتے ہوئے اُن کی عقیدت

مندانہ طبیعت کی جولانی دیکھیے:

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد دُرود

کرتا ہے۔ مثلاً

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی
اس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام
جاں نثارانِ بدر و احد پر دُرود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

پھر یہ سلسلہ عقیدت ائمہ اُمت، ائمہ فقہ، صوفیائے کرام تک پھیلتا جاتا ہے۔ مگر آخر پر وحدتِ اُمت کا درس یوں دیتے ہیں:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام
مقطع میں ایک دُعا جو اپنے سلام کی قبولیت سے مربوط ہے۔ سلام کا حرفِ آخر ہے۔

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام^{۱۱۲}

حضرت مولانا کی شعری عظمت کا اعتراف ہر صاحبِ فن نے کیا ہے اور اس پر اُن کی اپنی نگارشات بھی شاہد ہیں۔ ذہنی تحفظات سے دامن بچا لیا جائے اور نعت کی حدود اور وسعت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو پھر اس اعتراف میں کوئی فنی ضرورت یا ادبی منزلت حائل نہیں ہوگی کہ حدائقِ بخشش، نعتیہ ادب میں ایک بیش قیمت کارنامہ ہے۔ مولانا کا سارا کلام نعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔ اس لیے یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اُردو نعت میں مولانا کا مقام و مرتبہ ہر نعت گو شاعر سے

بلند ہے۔ جذبوں کی صداقت کا حوالہ ہو یا اثر آفرینی کا کوئی بھی دوسرا اُن سانہیں ہے۔ یقیناً بہت بلند پایہ نعتیں کہی گئیں اور کہی جا رہی ہیں مگر ابھی تک کسی اور کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی جو مولانا کو حاصل ہے۔ محسن کا کوری کا نام بلاشبہ بڑا ہے۔ اُن کے قصاید میں ایک والہانہ پن ہے مگر نعت کا جو Canvas مولانا نے وسیع کیا ہے وہ بس اُنہی کا حصہ ہے۔

شعر کہنے کی صلاحیت ایک تخلیقی منزلت ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ شعر کہنے والا شعر کے تنقیدی پہلوؤں سے بھی آشنا ہو۔ نقد و تجزیہ ایک فن ہے جو ہر ایک کا حصہ نہیں۔ مولانا باکمال شاعر تھے۔ لائقِ اعتماد عالم تھے اور قابلِ استناد محقق تھے۔ ان تمام صلاحیتوں کے ساتھ آپ ایک صاحبِ بصیرت نقاد بھی تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو نسہ شریف سے مولانا احمد بخش نے ایک سو چودہ اشعار کا عربی قصیدہ برائے اصلاح بھجوایا۔ اصلاح کچھ اس طرح ہوئی کہ ۱۱۴ اشعار میں ۲۶ شعر مکمل بدل دیے گئے جب کہ ۱۰۱ اشعاروں میں ترمیم کی گئی۔ اس ترمیم میں بعض کو بالکل بدل دیا۔ جواب میں جو خط لکھا گیا اُس میں لکھا:

دفعلن ضرب میں بدلنا تو ضرور تھا ہی بوجہ
کثرتِ عروض میں رہنے دیا ہے ورنہ مرے
مذاق پر ثقیل ہے۔ نظم عربی میں دخیل و تاسیس کی
رعایت واجب ہے۔ ہوتا تو سب میں ہوتا
حالاں کہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے انھیں
کو بدل دیا۔^{۱۱۳}

ترمیم کا ہر حرف شعری محاسن و معائب سے مکمل آگہی کا

انافی عطشٍ و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کر کم
برسن ہا رے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
الروح فذاک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
☆ ۱۱۴

حوالہ جات:

☆ ۱-R.A. Nicholson، "A Literary

History of the Arabs" ص ۴۵۵

☆ ۲- مولانا نجم الغنی، 'بحر الفصاحت'

☆ ۳- مولانا احمد رضا خان، 'حدائق بخشش'، مکتبہ المدینہ شہید
مسجد، کھارادر، کراچی، رُباعیات نعتیہ، ص ۳۱۵

☆ ۴- 'حدائق بخشش'، حصہ اول، ص ۱۳۰

☆ ۵- محمد وارث جمال، 'امام شعر و ادب'، حق اکیڈمی، مبارک
پور، اعظم گڑھ، ص ۳۹

☆ ۶- 'الْحجۃ المومنین'، مولانا احمد رضا خان، ص ۱۹۲

☆ ۷- پروفیسر مختار الدین احمد، 'امام احمد رضا کا شخصی جائزہ'،
'المیزان'، امام احمد رضا نمبر، ص ۳۳۴

☆ ۸- ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، 'اردو میں نعتیہ شاعری'،
ص ۳۸۰

☆ ۹- حوالہ مذکورہ ☆ ۱۰- سید محمد مرغوب اختر الحامدی، 'امام
نعت گو یاں'، ص ۱۲۴

☆ ۱۱- علامہ محمود احمد قادری، 'حضرت فاضل بریلوی کے
بارے میں نیاز فتح پوری کے تاثرات'، الاصلاح پبلی
کیشنز، کالونی نمبر ۱، خانیوال، ملتان ☆ ۱۲- ڈاکٹر
ریاض مجید، 'اردو میں نعت گوئی'، اقبال اکادمی پاکستان،
لاہور، ص ۴۰۹

☆ ۱۳- حوالہ مذکورہ ☆ ۱۴- حوالہ مذکورہ، ص ۴۲۰

گواہ ہے۔ وزن، بابِ فصل، ترتیب کلمات اور معانی کی صحت
سب پر تبصرہ کیا اور ثبوت دیے گئے۔ ان تنقیدی آراء سے مولانا
کی فنی مہارت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ غرض کہ آپ شاعر
بھی تھے اور نقاد شعر بھی۔

ہم گفتگو کو مکمل مولانا کی اس نعت پر کر رہے ہیں جو چار
زبانوں کا حسین مرقع ہے۔ مخلوط قسم کی شاعری، فارسی شعراء
کے ہاں موجود رہی، اُردو کے قدیم شاعر جو فارسی، عربی
زبانوں پر دسترس رکھتے تھے ایسی شاعری کرتے رہے ہیں۔
اس سے شاعر کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا رہا ہے مگر مولانا کی
نعت منفرد کاوش ہے۔ کسی ایک زبان کی شاعری میں کسی
دوسری زبان کی پیوند کاری ہوتی رہی ہے۔ مگر ایسا شاید نہ ہوا
کہ نعت ہی چار زبانوں میں ہو، اور یہ زبانیں یوں کندھے
سے کندھا جوڑ کر کھڑی ہو جائیں کہ انقطاع کی کوئی صورت
پیدا نہ ہو، خیال کا تسلسل نہ ٹوٹے اور تاثر کی وحدت کو نقصان
نہ پہنچے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سامعین ہر زبان سے آشنا نہیں
ہوتے۔ مگر اثر پذیری میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔ آئیے اس
بین الاقوامیت کی حامل نعت کے چند شعر پڑھیں اور اسی پر
اس گفتگو کا اختتام کریں۔

لم یاتِ نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سوسو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
البحر علا و الموج طغی من بے کس و طوفاں ہوش ربا
مجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الی لیلیٰ چو بطیبہ سی عرضے کئی
توری جوت کی چھل چھل جگ میں رچی مری شب نے ندن ہونا جانا

- ☆ ۱۵- حدائق بخشش؛ حصہ دوم، ص ۳۰۹
- ☆ ۱۶- حوالہ مذکورہ ☆ ۱۷- حدائق بخشش؛ حصہ اول، ص ۱۶۹
- ☆ ۱۸- حوالہ مذکورہ، ص ۴۴
- ☆ ۱۹- حوالہ مذکورہ، ص ۳۴
- ☆ ۲۰- حوالہ مذکورہ، ص ۹۶
- ☆ ۲۱- حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۶
- ☆ ۲۲- مولانا فیض احمد اویسی، امام احمد رضا اور علم حدیث؛ مرکزی مجلسِ رضای لاہور، ص ۷
- ☆ ۲۳- ابن العباد الحسنبلی، 'شذرات الذهب'، مکتبہ القدسی، القاہرہ، جلد ۵، ص ۱۵۳
- ☆ ۲۴- ڈاکٹر مسعود احمد، 'حیات مولانا احمد رضا خاں'، اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ، ص ۱۳۹
- ☆ ۲۵- حوالہ مذکورہ
- ☆ ۲۶- حدائق بخشش؛ ص ۱۱۴
- ☆ ۲۷- حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۹
- ☆ ۲۸- حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۵
- ☆ ۲۹- حوالہ مذکورہ، ص ۷۴
- ☆ ۳۰- حوالہ مذکورہ، ص ۸۰
- ☆ ۳۱- حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱
- ☆ ۳۲- حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۵
- ☆ ۳۳- حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۶
- ☆ ۳۴- حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۲
- ☆ ۳۵- حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۲
- ☆ ۳۶- حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۸
- ☆ ۳۷- حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۹
- ☆ ۳۸- دیوانِ حسان، شرح البرقوقی، المکتبۃ التجاریۃ، شارع محمد علی مصر، ۱۳۴ھ، ص ۷، ۱۰
- ☆ ۳۹- حدائق بخشش؛ ص ۱۷
- ☆ ۴۰- حوالہ مذکورہ، ص ۸۱
- ☆ ۴۱- حوالہ مذکورہ، ص ۸۲
- ☆ ۴۲- حوالہ مذکورہ، ص ۸۱
- ☆ ۴۳- حوالہ مذکورہ، ص ۶۰
- ☆ ۴۴- حوالہ مذکورہ، ص ۷۷
- ☆ ۴۵- حوالہ مذکورہ، ص ۸۳
- ☆ ۴۶- حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۴
- ☆ ۴۷- حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۶
- ☆ ۴۸- حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۴
- ☆ ۴۹- حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۸
- ☆ ۵۰- حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۱
- ☆ ۵۱- حوالہ مذکورہ، ص ۱۲
- ☆ ۵۲- حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۳
- ☆ ۵۳- حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۴
- ☆ ۵۴- حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۷، ۲۵۸
- ☆ ۵۵- حوالہ مذکورہ، ص ۳۲
- ☆ ۵۶- حوالہ مذکورہ، ص ۹۸
- ☆ ۵۷- حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۰
- ☆ ۵۸- حوالہ مذکورہ، ص ۷۵
- ☆ ۵۹- حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۰
- ☆ ۶۰- حوالہ مذکورہ، ص ۵۱
- ☆ ۶۱- حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱
- ☆ ۶۲- حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۳
- ☆ ۶۳- حوالہ مذکورہ
- ☆ ۶۴- حوالہ مذکورہ، ص ۴۳
- ☆ ۶۵- حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۳

- ☆ ۶۶۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۳
- ☆ ۶۷۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۶
- ☆ ۶۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۹۷
- ☆ ۶۹۔ حوالہ مذکورہ، ص ۴۸
- ☆ ۷۰۔ حوالہ مذکورہ، ص ۴۱
- ☆ ۷۱۔ حوالہ مذکورہ، ص ۵۲
- ☆ ۷۱ (الف)۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۸
- ☆ ۷۲۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱
- ☆ ۷۳۔ حوالہ مذکورہ، ص ۴۱
- ☆ ۷۴۔ حوالہ مذکورہ، ص ۶۶
- ☆ ۷۵۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۰۰
- ☆ ۷۶۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۴
- ☆ ۷۷۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۸۳
- ☆ ۷۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱
- ☆ ۷۹۔ حوالہ مذکورہ، ص ۶۱
- ☆ ۸۰۔ حوالہ مذکورہ، ص ۵۶
- ☆ ۸۱۔ حوالہ مذکورہ، ص ۳۰
- ☆ ۸۲۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۵۹
- ☆ ۸۳۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۵۵، ۱۵۶
- ☆ ۸۴۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۵۷
- ☆ ۸۵۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۵۸
- ☆ ۸۶۔ حوالہ مذکورہ، ص ۹۲، ۹۵، ۹۶
- ☆ ۸۷۔ حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۷
- ☆ ۸۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۶۴
- ☆ ۸۹۔ حوالہ مذکورہ، ص ۹۹
- ☆ ۹۰۔ حوالہ مذکورہ، ص ۳۴
- ☆ ۹۱۔ حوالہ مذکورہ، ص ۹۱
- ☆ ۹۲۔ حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۴
- ☆ ۹۳۔ حوالہ مذکورہ، ص ۸۳
- ☆ ۹۴۔ حوالہ مذکورہ، ص ۷۵
- ☆ ۹۵۔ حوالہ مذکورہ، ص ۷۶
- ☆ ۹۶۔ حوالہ مذکورہ، ص ۶۳
- ☆ ۹۷۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۳
- ☆ ۹۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۶
- ☆ ۹۹۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱
- ☆ ۱۰۰۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۳
- ☆ ۱۰۱۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۳
- ☆ ۱۰۲۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۴
- ☆ ۱۰۳۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۵
- ☆ ۱۰۴۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۷
- ☆ ۱۰۵۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۷
- ☆ ۱۰۶۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۸
- ☆ ۱۰۷۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۸
- ☆ ۱۰۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۸
- ☆ ۱۰۹۔ 'طبقات الشافعیہ الکبریٰ' الجزء الاول، ص ۸۰
- ☆ ۱۱۰۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۴، ۱۳۸
- ☆ ۱۱۱۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۷
- ☆ ۱۱۲۔ حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۱ تا ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۰
- ☆ ۱۱۳۔ قصیدہ مولانا احمد بخش تونسوی مع ترمیم قلمی نسخہ
- ☆ ۱۱۴۔ 'حدائق بخشش'، ص ۳۶، ۳۷
- ☆☆☆

کلام رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل (ساختیاتی جائزہ)

مولانا احمد رضا خان بریلوی اردو کے معروف نعت گو شاعر تھے۔ اُن کی نعتیہ شاعری روایت سے منسلک رہتے ہوئے اپنا ایک علیحدہ، منفرد اور مختلف فکری و معنوی نظام تشکیل دیتی ہے۔ جس کی بنیاد میں عشق رسول ﷺ کی معطر کیفیات تخلیقی کوڈ اور شعری گرامر کی صورت میں موجود نظر آتی ہیں اور پچھلی ایک صدی سے قارئین کے ہر ہر مشام جاں کو عشق رسول ﷺ کی مہک سے معطر کر رہی ہیں۔ کلام رضا میں فکری سطح پر نبی اکرم ﷺ کے عہد سے بیسویں صدی تک کا تاریخی اور تہذیبی پھیلاؤ دیکھا جاسکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان ایک بلند پایہ عالم دین اور مذہبی مبلغ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ تاریخ کے طالب علم بھی تھے لہذا فکری سطح پر وہ اسلام کی تاریخی و تہذیبی اقدار کی ہمہ گیریت کو عشق رسول ﷺ کے تناظر میں پیش کرتے رہے اور فن اور زبان و بیان کی سطح پر ان کے ہاں ہندی، عربی، فارسی اور اردو کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ تخلیقات میں ثقافتی عناصر کی تلاش کے ڈانڈے عرب کی سرزمین سے برصغیر کی مذہبی رسمیات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ فہرست سازی کی جائے تو مولانا کی نعت پر کچھ اس طرح کے اثرات ملتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ تخلیقات میں ثقافتی عناصر کی تلاش کے ڈانڈے عرب کی سرزمین سے برصغیر کی مذہبی رسمیات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ فہرست سازی کی جائے تو مولانا کی نعت پر کچھ اس طرح کے اثرات ملتے ہیں:

(۱) عشق رسول ﷺ (۲) قرآن و حدیث اور سنت
(۳) تاریخی حقائق (۴) تہذیبی اشتراکات (۵) ثقافتی عناصر (۶) زبانوں کے اشتراک اور اختلاف سے پیدا ہونے

مولانا احمد رضا خان بریلوی اردو کے معروف نعت گو شاعر تھے۔ اُن کی نعتیہ شاعری روایت سے منسلک رہتے ہوئے اپنا ایک علیحدہ، منفرد اور مختلف فکری و معنوی نظام تشکیل دیتی ہے۔ جس کی بنیاد میں عشق رسول ﷺ کی معطر کیفیات تخلیقی کوڈ اور شعری گرامر کی صورت میں موجود نظر آتی ہیں اور پچھلی ایک صدی سے قارئین کے ہر ہر مشام جاں کو عشق رسول ﷺ کی مہک سے معطر کر رہی ہیں۔ کلام رضا میں فکری سطح پر نبی اکرم ﷺ کے عہد سے بیسویں صدی تک کا تاریخی اور تہذیبی پھیلاؤ دیکھا جاسکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان ایک بلند پایہ عالم دین اور مذہبی مبلغ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ تاریخ کے طالب علم بھی تھے لہذا فکری سطح پر وہ اسلام کی تاریخی و تہذیبی اقدار کی ہمہ گیریت کو عشق رسول ﷺ کے تناظر میں پیش کرتے رہے اور فن اور زبان و بیان کی سطح پر ان کے ہاں ہندی، عربی، فارسی اور اردو کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔

ساختیاتی کی رُو سے کوئی بھی فن کار اپنے عہد کے اثرات اور زبان کے اجتماعی نظام سے باہر جا کر نہیں سوچ سکتا۔ وہ زبان سے اُس علامتی نظام کو بھی حاصل کرتا ہے جو زبانوں

والے اثرات (۷) مزوجہ ادبی روایت (۸) سپردگی کی کیفیت (۹) مخصوص لفظیات۔

مولانا کے ہاں تاریخ سے دلچسپی بہت نمایاں ہے یہی وجہ ہے کہ مذہبی تمبیحات کا ایک علیحدہ ہی رنگ ان کی شاعری میں نظر آتا ہے

براق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

پانسوسال کی راہ ایسی ہے جیسے دو گام
آس ہم کو بھی لگی ہے تری شنوائی کی
گشتگانِ گرمی محشر کو وہ جانِ مسیح !!
آج دامن کی ہوادے کر جلاتے جائیں گے

(۲)

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ تخلیقات کے فکری و فنی حُسن و جمال پر ناقدانِ فن نعت سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں اگرچہ کچھ وجوہات کے باعث ہمارے عہد کے ممتاز اور اہم ترین نعت گو شاعر کی تخلیقات پر کھل کر ادبی گفتگو نہ ہونے دی۔ مولانا کی شخصیت بہت محبوب ہے۔ اردو کے مذہبی ادب میں آج کے جدید ادبی نظریات کے تناظر میں مولانا کی نعتیہ تخلیقات کی تفہیم نہیں کی گئی تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اس حوالے سے نعت رنگ ۱۸ (احمد رضا خان) کے ادارتی نوٹ میں سید صبیح رحمانی کہتے ہیں۔

”اردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا احمد رضا خان پر موجود ہے لیکن مقالات و مضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی

کا باعث تو ہو سکتی ہے اطمینان کا نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ کسی نہ کسی بہانے ایک عظیم نعت گو کی یاد اور اس کے کام کی خوشبو پھیل رہی ہے اور عدم اطمینان اس بات پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی ایک بڑی تعداد سنجیدہ قارئین کو متاثر کرنے کی بجائے یکسانیت اور

اکتاہٹ کا احساس پیدا کر رہی ہے۔“ (۳)

مولانا کی شاعری میں فکر و فن کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے جس کی تہہ میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع لودیتی ہے۔ زبان و بیان کی باریکیاں اور نعت میں مخصوص لفظیات (ڈکشن) کا استعمال مولانا کی شاعری کا اختصاص ہے۔ جس کے عقب میں اُن کی اپنی نفسیاتی کیفیات کے ساتھ ساتھ ادب کی مروجہ روایت کے اثرات بھی شامل ہیں۔ مولانا کی نعت کا معنوی آہنگ اور شعری تہذیب و تمدن کا تعلق برصغیر کی شعری تہذیبی روایت سے بھی ہے اور عربی شعری روایت (قصائد) سے بھی۔ اُن کی نعتیہ تخلیقات میں طیبہ سے دوری کا حُزن و ملال بھی شامل ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمین کا احساس بھی۔

کسی بھی فن پارے میں ثقافتی عناصر کی تشکیل کو سمجھنے کے لیے ساختیاتی زاویہ نگاہ کو بھی بروئے کار لانا ہوتا ہے۔ یہ کسی حد تک سائنسی اور منطقی اندازِ فکر ہے جس میں تخلیق کے پس پردہ اُس بنیادی مرکز کو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو فن پارے کی تخلیق کی وجہ بنا۔ اسی بنیادی کوڈ شکل اور تخلیقی گرامر کے ذریعے فن پارے کی کلی تفہیم کی جاتی ہے۔ فن ایک وسیع اور پیچیدہ عمل ہے جس میں صرف فن کار کی ذات ہی نہیں پورا

کے ان دیکھے جہان کو صورت پذیر کرنے کی ایک کاوش ہے۔ ان دیکھا اس لیے کہ مرئی شے ہی کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جب شے غیر مرئی ہو، ایک بے خودخال احساس یا تجربے کی صورت میں ہو تو اس کو حسیات کی مدد سے نشان زد کرنا کیسے ممکن ہے؟“ (۴)

فن کبھی بھی سادہ اور اکہرا عمل نہیں رہا۔ یہ پیاز کی پرتوں کی طرح تہہ در تہہ ہے۔ یہ وہ نقطہ اتصال ہے جو فن کار کے اندر کی کائنات اور باہر کی دنیا کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم کرتا ہے جو فکری سطح پر تخلیق کار کو ایک نئی اور ان دیکھی دنیا میں لے جاتا ہے۔ یوں کہیے کہ ہر تخلیق کے دوران فن کار دنیا ہو جاتا ہے۔ نیا اور بدلا ہوا بالکل اُس طرح جیسے عورت ماں بننے کے بعد ہو جاتی ہے۔ نئی اور بدلی ہوئی۔

فن یا تخلیق کی وہ صورت جو کاغذ پر منتقل ہوتی ہے، ضروری نہیں کہ تخلیق کار کے ذہن میں بھی اس کے ابتدائی خودخال ایسے ہی ہوں۔ تخلیق سے قبل تخلیق کار کا سامنا لاشعوری سطح پر اپنے آپ سے ہوتا ہے یوں اُس کی ذات غیر ذات بن کر اُس تخلیق میں ڈھل جاتی ہے۔ اس مقام پر فن کار تنہا نہیں رہتا پورا عہد اور سماج اُس کے ساتھ ہو جاتا ہے یوں فن کار کی سرکردگی میں یہ قافلہ تہذیب و تاریخ کے سمندروں سے گزرتا ہے۔ اس کشتی کے ناخدا (تخلیق کار) کے اپنے نفسی احساسات اور اندر کی کائنات میں موجود شعری کوڈز اور تخلیقی گرامر بھی اس سارے عمل میں حصہ لیتے ہیں۔ تخلیق اُسی خاص لمحے کی کہانی ہے جب فن کار تنہائی میں محفل ہو جاتا ہے۔ اس محفل میں فن کار کا قاری بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہ قاری

عہد شامل ہوتا ہے۔ معاشرتی تغیرات، ادبی روایت، زبانوں کے خودخال اور خود فن کار کے نفسیاتی عوامل ایک فن پارے کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بہت سے دوسرے نادیدہ عوامل بھی ایک فن پارے کی شکل و صورت متعین کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ فن پارے پر اُس کے پس پردہ شعری کوڈ اور تخلیقی گرامر کے ساتھ ساتھ فن کار کی اندرونی تخلیقی سطح اور بیرونی اثرات یکساں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسے عوامل کی فہرست سازی کی جائے تو کچھ ایسی (ادھوری) تصویر بنے گی۔

☆ فن کار کی لاشعوری کیفیات

☆ تاریخی اور تہذیبی بہاؤ

☆ ثقافتی رسمیات

☆ فن کار کی انانیت میں چھپی گریں

☆ نظریات و رجحانات

☆ میلانات و خواہشات

☆ خواب اور آدرش.....

اس فہرست کی تکمیل ممکن نہیں کہ شخصیت پر اثر انداز عوامل کی فہرست تک پہنچنا بھی ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ فن کار کی شخصیت میں موجود چاک (Gaps) تخلیق کا حصہ بن جاتے ہیں اور یہ چاک یا خالی جگہیں قاری یا معاشرہ اپنے اپنے نفسیاتی تغیرات کے تحت بھرتے ہیں اور اپنی مرضی کی تصویریں بناتے ہیں۔ فن کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹروں پر آغا کے ان چند جملوں کو بھی دیکھتے چلیں۔

”فن اپنی طرف لوٹنے کا ایک وظیفہ ہے۔ اندر

جو تخلیق سے قبل ہی تخلیق کار کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں پر آغا پھر یاد آتے ہیں۔

”جب قاری یا ناظر تخلیق کے روبرو آتا ہے تو محض اپنے مختلہ کے زور پر تصویر نہیں بناتا بلکہ تخلیق کے سٹرکچر کے مطابق ایسا کرتا ہے۔۔۔ ایک فنی تخلیق میں تو جا بجا چاک (Gaps) ہوتے ہیں مگر یہ چاک تخلیق کے سٹرکچر کے تابع ہیں۔ ایک اعلیٰ تخلیق اپنے قاری یا ناظر کو حُسن کا دان نہیں دیتی اسے اپنی طرف بلاتی ہے تاکہ وہ اُس کے اندر کے شگافوں کو بھر دے۔“ (۵)

فن کی تخلیق کے دوران یا اُس سے قبل فن کار کے ذہن کے نہاں خانوں میں قاری بھی کہیں موجود ہوتا ہے۔ تخلیق کے سٹرکچر میں رہ جانے والے چاک (Gaps) بتاتے ہیں کہ قاری تخلیق کے روبرو آنے سے پہلے ہی تخلیق کار کے ساتھ تخلیق میں شامل ہوتا ہے ورنہ ابہام تخلیق کا جُز و کبھی نہ بن پاتا۔ میراجی سے کسی نے پوچھا آپ کی نظمیں مبہم ہیں۔ قاری اُن کی تفہیم کر کے اُن سے حظ نہیں اٹھاتا انہوں نے جواب دیا۔ میری نظمیں اُن قارئین کے لیے ہیں جو انہیں سمجھنے کے لیے ضروری محنت کر سکیں ایسے قاری کے لیے نہیں جو انہیں سمجھنا ہی نہ چاہتا ہو۔ میراجی شاید قارئین سے تخلیق کے سٹرکچر میں موجود چاک (Gaps) کو پورا کروانے کی خواہش رکھتے تھے اور یہ کوئی ایسی ناجائز خواہش بھی نہیں گویا میراجی کے ہاں تخلیق سے قبل ہی قاری تخلیقی عمل میں شریک ہو جاتا تھا۔

فن اور وجدان کے درمیان بڑا باریک فرق ہے۔ تخلیق

کار کی فنی سطح جب وجدانی جمال سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو تخلیق وجود میں آتی ہے لیکن اس سارے عمل میں روح کا شریک ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ عمل انسانی سطح پر ہوتے ہوئے بھی فن کار کو کسی بڑے روحانی منطقے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس روحانی عمل کو بینی ڈیٹو کروشنے نے کچھ یوں بیان کیا تھا:

”فن وجدان یا تاثرات کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وجدان اُس وقت فن بنتا ہے جب روح اُس میں غرق رہتی ہے تاکہ مکمل اظہار معرض وجود میں آسکے۔ اس عالم وجدان میں جھوٹ اور سچ کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ (۶)

مذہبی مدحیہ شاعری اسی عالم وجدان کی تخلیق ہوتی ہے لیکن اس کا اطلاق ہر مذہبی مدحیہ تخلیق پر نہیں ہوتا۔ یہ روحانی ترفع اللہ کی دین ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کرم سے بھی اس کا تعلق ہے۔ فن چونکہ شعور اور لاشعور سے مزین ایک صورت حال ہے لہذا اس میں ماورائے منطق عناصر بھی موجود ہوتے ہیں۔ فن پارے کی تفہیم بھی عمومی منطقی رجحانات سے بالا ہو کر ہی کی جاسکتی ہے۔

ہمارے ہاں اردو نعت میں صورت حال گھبیر ہے۔ عمومی سطح پر مذہبی مدحیہ شاعری کی تفہیم و تحسین کے لیے تاثراتی، تحسینی اور تقریظی سطح کی تنقید کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے روایتی نقاد نے تنقید کے اس پامال انداز کے استعمال سے فن پارے کے اکھرے معنی کی دریافت کو کافی جانا۔ مصنف کے تخلیقی جہاں میں اُترنے اور معنی کی نئی نئی جہات کو تلاش کرنے کا رجحان ہماری مروجہ تنقید میں جڑیں نہیں پکڑ سکا۔ اس کی بہت

پورے شعر میں انجینئر ڈ شاعری کے مطابق کوئی ترکیب یا شعری بُنت نہیں ہے لیکن شعور اور لاشعور کی ہم آہنگی نے شعر کو خبر کی سطح سے بلند کر دیا۔ اسلوب کا تعلق لفظ کے سوچے سمجھے اور منطقی استعمال سے نہیں ہے۔ روایتی مدحیہ شاعری اور طرحی شاعری کے سیلاب نے ہمارے شاعر کے ذہن میں آفاقی شاعری کا کوئی تصور ابھرنے ہی نہیں دیا۔ گہرا مطالعہ روحانی ترفع عطا کرتا ہے یوں ایک شعری خیال کے ساتھ دیر تک سفر کرنا اور یکسو ہونا آسان ہوتا ہے۔ ایک خیال کے ساتھ دیر تک رہنے اور فکری سطح پر شعوری کوشش سے عمدہ، اعلیٰ اور آفاقی شاعری کی تشکیل ہو سکتی ہے لیکن یہ محنت طلب کام ہے کہ ایک ہی خیال کو آپ زوایہ بدل بدل کر مختلف شکلوں میں تلاش کریں۔ اس سے کہیں آسان یہ ہے شعری ظروف سازی میں گڑھی گڑھائی تراکیب یا الفاظ کو لگا دیا جائے۔ اس سے بھی آسان یہ ہے کہ گڑھی ہوئی تراکیب کو سامنے رکھ کر الفاظ کو شاعری کی صورت اکٹھا کر لیا جائے مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر ریاض مجید کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد ہمارے روایتی شعراء کا غز اور قلم لے کر تیار ہو چکے ہوں گے بلکہ ان کے عطا کردہ یہ تمام لائحے، سابلے، مرکبات اور تراکیب اب تک استعمال ہو چکے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کو اب اپنے مریضوں کے لیے کسی نئے نسخے کا اہتمام کرنا ہوگا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۳ جون ۱۸۵۶ء ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) ایک مذہبی و مسلکی مبلغ اور عشق رسول ﷺ کے عظیم داعی تھے۔ آپ کی پوری زندگی عشق رسول ﷺ اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کی تبلیغ و ترویج میں گزری

مدد سے شاعری ہوتی۔ فن توفن کار کو اپنی ہی ذات کے روبرو لاکھڑا کرتا ہے اور مذہبی مدحیہ شاعری میں تو احترام کی فضا اپنے سامنے بھی کھڑا نہیں ہونے دیتی۔ تخلیق کار کی ذات جب غیر ذات بنتی ہے توفن تخلیق ہوتا ہے۔ ایسے عالم میں تراکیب کی بُنت کا کیا سوال؟۔ اس لمحے تخلیق کار کے سامنے صرف حُسن کا احساس ہوتا ہے اور وہ اس احساس کی چھتری تلے روشنیوں رنگوں کے جہان دیکھتا ہے۔ اس لمحے میں سچ یا جھوٹ نہیں رہتا۔ منطقی نہیں ہوتی بس ایک روحانی ترفع ہوتا ہے۔ عمومی ادبیات سے مذہبی ادبیات کا سلسلہ ذرا مختلف ہے۔ فن کار کی یہ انفرادیت اُسے اُس کی لاشعوری کیفیات میں اپنے سامنے ہی آئینہ نہیں کرتی بلکہ وہ مالک کائنات اللہ رب العزت کے سامنے اپنی نم آنکھوں اور کانپتے جذبوں کے ساتھ جا کھڑا ہوتا ہے وہ شعور اور لاشعور کے درمیان کی اس منفرد کیفیت میں اپنی جینیاتی (Genetical) کوڈ ڈ حیثیت، تاریخی شعور اور اجتماعی لاشعور اور معاشرتی عوامل کے اثرات کے ساتھ ایک بہ یک حاضر ہو جاتا ہے۔ ایسے میں احترام اور مناجاتی احساسات اُس کی شخصیت کے پیچھے بڑے فکری عناصر کے طور پر موجود ہوتے ہیں۔ تراکیب اور الفاظ کی ایسی بُنت دراصل شعر گڑھنے یا انجینئر ڈ (Engineered) شاعری کی تراکیب ہیں جس میں لاشعور کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور یوں جذبہ کا فقدان شعر کو خبر بنا کر پیش کر دیتا ہے ایسی شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہوتی۔ احمد ندیم قاسمی صاحب کی مشہور نعت کا ایک شعر ہے۔

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ابھرتا ہے جو جسمانی سطح پر تو اپنے شہر میں موجود ہے لیکن اُس کا دل اور روح روضہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اپنی ہر نسبت اُس خطہ زمین سے رکھنا چاہتے ہیں جس کا تعلق آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اُن کا یہ ذہنی سفر ان کی زندگی کا حصہ بن کر نعتوں میں در آیا۔

کنارِ خاکِ مدینہ میں راتیں ملتیں
دلِ حزیں تجھے اشکِ چکیدہ ہونا تھا
مفلسو! ان کی گلی میں جا پڑو
باغِ خلدِ اکرام ہو ہی جائے گا
مدینہ چھوڑ کر ویرانہ ہند کا چھایا!
یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا
جان و دل، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا (۸)

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے اُن کے عہد سے قبل کی نعتیہ شاعری کی روایت کو سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔ مولانا سے قبل کی اردو نعتیہ شاعری میں مَحْسَن کا کوروی اور حالی کا نام نمایاں ہے۔ حالی کے نعتیہ موضوعات میں اجتماعی فکر کا احساس اس طرح نمایاں ہوتا ہے کہ ان کی تہذیبی اساس استغاثہ امت کی صورت میں دلوں پر دستک دیتی ہے۔ یہ آواز اُس دور ابتلاء کی صدا تھی جس کو حالی کے محتاط قلم نے حد درجہ خلوص سے پیش کیا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہاں نعت کا اجتماعی عکس نہیں بنتا۔ اُن کی نعت انفرادی سطح پر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غماز ہے لیکن جذبے اور عقیدت کی سطح پر وہ حالی سے آگے نظر آتے ہیں۔ حالی کے

آپ نے اپنی زندگی میں دینی تبلیغ اور سیرت پاک کی ترویج کے لیے ایک ہزار سے زائد چھوٹی بڑی عربی، فارسی اور اردو کی کتب یادگار چھوڑیں۔ آپ کا سارا علمی کام ہی قابلِ تحسین ہے تاہم آپ کی تین علمی و دینی کاوشوں کو اہم ترین تسلیم کیا جاتا ہے۔

اول: ترجمہ و تفسیر قرآن (کنز الایمان فی ترجمہ القرآن)

دوم: فتاویٰ رضویہ (۱۲ جلدیں)

سوم: حدائقِ بخشش (نعتیہ دیوان)

”حدائقِ بخشش“ مولانا کا نعتیہ دیوان ہے جو دو حصوں

پر مشتمل ہے۔ ان کے کلام میں حمد، نعت اور منقبت شامل ہیں۔ نعتیہ دیوان کے شعر شعر سے خوشبوئے ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھوٹی ہے اور ایک صدی سے زائد سے ایوانِ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معطر کیے ہوئے ہے۔ مولانا نے اپنی ۶۵ سالہ حیات مستعار کے ہر ہر لمحے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فکری وظیفہ بنائے رکھا اور زندگی کا سفر آپ نے اسی چراغ کو ہاتھ میں لے کر طے کیا۔ اُن کے ہاں نعت برائے گفتن یا برائے برکت نہ تھی بلکہ نعت اُن کا طرز زندگی بن گئی تھی۔ ایسا طرز حیات جس کے باہر دیکھنے کی انہیں کبھی حاجت ہی محسوس نہ ہوئی۔ مولانا کے ہاں نعتیہ تخلیقات جن کیفیات سے منصف ہیں انہیں بیان کرتے ہوئے کچھ مخصوص منطقہ فکر پر گفتگو ضروری ہوگی۔ مولانا کی نعت پڑھتے ہوئے جو پہلا احساس میرے دل میں پیدا ہوا وہ ایک ایسے شخص کا ہے جو اپنے اصل سے بچھڑ گیا ہو۔ اُن کے ہاں ہر شعر میں فراق کا جذبہ اور کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔ مولانا کے نعتیہ دیوان کے مطالعے سے برصغیر میں رہنے والے ایک عاشقِ رسول

ہاں احتیاط بعض صورتوں میں مراتب و مدارج کی پہچان سے عاری بھی ہو جاتی ہے۔ حالی کہتے ہیں

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رُتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سرگندہ
اسی طرح میں بھی ہوں اک اُس کا بندہ
بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اُس کا اور اپنی بھی (۹)

اس کے مقابلے میں مولانا احمد رضا خان کے ہاں عشقِ رسول ﷺ کی قلندرانہ کیفیت کا بیان ملتا ہے۔ اُن کے عشقِ رسول ﷺ اور نعتیہ شاعری کی مثال لق و دق صحرا میں قافلے سے علیحدہ ہو کر اکیلے ہی سفر پر نکل پڑنے کے فیصلے جیسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کے ہاں نعتیہ مضامین میں بعض اوقات مسلکی مخالفین کے خلاف تنبیہی اشعار بھی مل جاتے ہیں۔

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے
نجدی اُس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کا فر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی

اف رے منکر یہ بڑھا جوش تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا
اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا (۱۰)

مولانا کے اس رویے کا استدلال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ عشقِ رسول کے جس درجے پر تھے وہاں وہ کسی بھی سطح کا معمولی اختلاف بھی برداشت نہ کر سکتے تھے کہ اُن کے عشقِ رسول پر حرف آتا تھا اور وہ بے چین ہوا ٹھتھے تھے۔ ایسے میں بھی وہ منکرین کو آقا کی رحمت کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ نعت میں قلندرانہ لہجہ نہ مولانا سے قبل دیکھا گیا نہ اُن کے بعد ہی کہیں اس صدا کی گونج سنائی دی کہ یہ شاعری کی فنی گرفت کا معاملہ نہیں تھا یہ فکر اور نظریے سے متصل وہ لکیر تھی جس کا ایک سر مولانا کے دل و روح پر ثبت تھا اور دوسرا مدینہ کی سرزمین پر۔

واہ کیا جو دو کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دل عبث خوف سے پتاسا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا
تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا (۱۱)

حالی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے درمیان تقابل دراصل دو شخصیات کے درمیان تقابل نہیں ہے بلکہ دو رویوں کے درمیان موازنہ ہے۔ حالی کے ہاں عشقِ رسول ﷺ کی دھیمی دھیمی آنچ کا سا انداز ہے جس میں وہ خود بھی

احساس کے حوالے سے ہمیں معلومات تو دیتا ہی ہے ساتھ میں اُس نسبت محمدی پر تقاضا اور تشکر کی کیفیت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ حالی کے ساتھ موازنے نے مولانا کی نعتیہ شاعری کے فکری اور فنی محاسن کو نمایاں کیا انہیں اگر ترتیب دیا جائے تو فہرست کچھ اس طرح کی ہوگی:

نعتیہ شاعری میں ایک قلندرانہ کیفیت کا مسلسل برتاؤ:

مولانا کے نعتیہ دیوان میں پہلی نعت سے آخر تک یہ فکری نشوونما نمایاں ہے۔ وہ اپنی نعت کے آغاز سے ہی ایک خوبصورت مناجاتی ماحول تشکیل دیتے ہیں پھر اُسے کلائمکس تک لے کر جاتے ہیں اور مقطع تک پہنچتے پہنچتے قاری کو وہ اشک اور آہیں نظر آنے لگتے ہیں جو نعت کہنے کے دوران مولانا کی آنکھوں اور دل سے نکلے تھے۔ کسی بھی فن کار کی یہ معراج ہوتی ہے کہ وہ اپنے قارئین کو اُس لمحے تک لے جائے جہاں اُس پر فن کی یہ بارش آغاز ہوئی تھی اور مولانا کی بیشتر نعتوں میں بحیثیت قاری میں اُس لمحہ اتصال تک پہنچ گیا جہاں لفظوں کے دروبست میں نور اور رحمت کے چھینٹے تن من بھگونے لگتے ہیں۔ یقیناً یہ مولانا پر اللہ کی مہربانی اور آقا کی عنایت ہے۔ زیر نظر نعت میں بھی آپ کو وہی قلندرانہ کیفیت اور مکالماتی حسن تحریر ملے گا۔

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلیٰ شیدا کہوں تجھے
اللہ سے تیرے جسمِ منور کی تابشیں

چمکتے رہتے ہیں اور اپنے قاری کو بھی اسی دھیمی مہک سے مسحور کرتے ہیں۔ ان کے ہاں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی حُسن اور ظاہری زندگی کے پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے جبکہ مولانا کے ہاں آقا کریم سرکارِ دو عالم کی رحمت، شفاعت اور امت سے بے پایاں محبت کو انفرادی سطح پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انفرادی سطح پر کسی موضوع کو دیکھتے ہوئے آنکھ اور قلم دونوں پر محذب عدسہ آٹھرتا ہے یوں منظر کی ہر شے اپنی جزئیات کے ساتھ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ ایسی صورت میں اُن کے ہاں بار بار گفتگو اور مکالمے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ گفتگو یا مکالمہ کسی شعوری کوشش کے باعث نہیں بلکہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت اور نسبت کا احساس اُن کو اُس دربار میں درخواست پیش کرنے کا اہل بنا دیتا تھا۔ یہ چیز حالی کے ہاں محسوس نہیں ہوتی۔

غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا !
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا
آقا ! آقا ! سنوار آقا
منجد ہار پہ آ کے ناؤ ڈوبی
دے ہاتھ کہ ہوں میں پار آقا
ٹوٹی جاتی ہے پیٹھ میری
لہدیہ بوجھ اتار آقا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ
بھاری تیر اوقار آقا (۱۲)

پوری نعت میں مکالماتی طرز اُن کے مناجاتی طرز

ایک دوسری نعت میں غزل کی ایمائیت دیکھیے۔ اس نعت میں غزل کی روایتی لفظیات بھی ایک دوسری طرز کا لطف پیدا کر رہی ہیں جو اُس عہد کی روایتی نعت سے ہٹ کر تھا:

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جانِ مراد اب کدھر ہائے ترا مکان ہے
بزمِ ثنائے زلف میں میری عروس فکر کو
ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطر دان ہے
عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طُرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائے تیری ہی داستان ہے
اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی
اُنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہی جان ہے
خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبدِ مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے (۱۵)

نعت کی تشکیل میں زبانوں کے اختلاط کا تجربہ:

مولانا کے ہاں نعتیہ تخلیقات میں عربی اور ہندی کا امتزاج مختلف مقامات پر ہوتا نظر آتا ہے جو نعت میں کسی شاعر کی اولین سعی ہے۔ زبانوں کا یہ اختلاط ایسے دور میں ہوتا ہے جب ایک زبان کے اثرات دوسری زبان پر پڑ رہے ہوں۔ غالب کے عہد میں جیسے فارسی نے اردو (ہندی) کے لیے جگہ خالی کرنا شروع کر دی تھی اور وٹی کے عہد میں ہندی (ہندوی) نے اردو کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیے تھے۔ مولانا احمد رضا خان کے عہد میں زبانوں نے ایک دوسرے کے اثرات لینے شروع کر دیا تھا۔ عربی کی وسعت اور دین کی زبان ہونے کا اثر اردو پر پڑ رہا تھا۔ فارسی اپنا

اے جانِ جاں میں جانِ تجلّا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے (۱۳)

فنی اور لسانی سطح پر غزل کے لحن کا نعت میں استعمال:

مولانا کا عہد یعنی آج سے لگ بھگ سو سال قبل غزل کا روایتی لہجہ اپنی پوری آب و تاب سے جگہ گرا رہا تھا۔ داغ دہلوی، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، سیماب اکبر آبادی اور حفیظ جالندھری جیسے شعراء غزل کے روایتی لحن کی تشکیل میں نئے تجربات کر رہے تھے گویا شاعری میں روایتی غزل بیسویں صدی کے آغاز کی اردو شاعری کو Dominate کر رہی تھی۔ مولانا مذہبی مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نعتیہ شاعر بھی تھے۔ شاعر کی حیثیت سے وہ غزل کی مروجہ روایت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ ایسے میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جب انہوں نے اشعار کہنا شروع کیے تو اسی مروجہ انداز سخن کی طرف ان کی توجہ منعطف ہوئی اور لاشعوری طور پر اُن کی نعت میں غزل کا رنگ در آیا جسے انہوں نے شعوری سطح پر کم کرنے کی کوشش کی غزل کا مخصوص آہنگ چھپا کر بات کرنے کا نام ہے۔ غزل کی ڈکشن (Diction) بھی نعت سے کچھ مختلف ہے۔ غزل کے اسی لہجے پر مشتمل اس نعت کے چند اشعار دیکھیں:

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے	بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے
جگہ گامھی مری گور کی خاک	تیرے قربان چمکنے والے
عاصیو! تھام لو اُن کا دامن	وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
شمعِ یادِ رخِ جاناں نہ بجھے	خاک ہو جائیں بھڑکنے والے
کفِ دہیائے کرم میں ہیں رضا	پانچ فوارے چھلکنے والے (۱۴)

ہیں۔ عربی اور فارسی نے بھی انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسویں صدی کے اوّل ربع تک اردو کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا تھا۔ قرآن کی زبان عربی ہونے کے باعث مذہبی حلقے کی یہ کسی حد تک روزمرہ کی زبان تھی لہذا عربی نے بڑی بہن کی مانند اردو کی آبیاری میں اپنا حصہ ملا یا۔ مولانا اپنے عہد کے اس اہم ترین تغیر پر نظر رکھے ہوئے تھے اور ایسے میں انہوں نے اردو نعت میں عربی اور اردو (ہندی) کے اختلاط کا تجربہ کیا یہ تجربہ نعت کے حوالے سے مولانا کے ہاں اولین تجربے کے طور پر ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمومی شعرائے کرام کے لیے آسان نہیں کہ ہمارا روایتی شاعر زبانوں پر اس طرح دسترس نہیں رکھتا۔ مولانا احمد رضا خان کے ہاں صرف زبانوں کے اختلاط کا معاملہ نہیں تھا بلکہ آقا کریم ﷺ کی زبان سے محبت اور نعت کی صنف کو روایت کی سطح سے اٹھا کر نئی راہوں کا تعین کرنا بھی تھا۔ لاشعوری سطح پر وہ نعت کو اصنافِ ادب میں نمایاں مقام دلوانے کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے۔ مولانا کے ہاں نعت کی صنف کا موازنہ کسی دوسری صنف سخن کے ساتھ کرنے کی کوئی باقاعدہ سعی نہیں ملتی لیکن وہ اپنے عہد میں غزل جیسی طاقت ور صنف سخن کی کارفرمایوں سے آگاہ تھے لہذا نعت میں اُس ڈکشن کا استعمال مولانا کے عہد کی ضرورت تھا کہ ہر عہد اپنی ڈکشن خود مرتب کرتا ہے۔ اُس عہد کی نعت میں عمومی سطح پر اور مولانا کے ہاں خصوصی طور پر غزل کی ایمائیت اور پردہ داری کا رجحان ملتا ہے۔ ان کی ایک نعت میں اسی ایمائیت کے کھلتے ہوئے رنگ دیکھیے۔ اس ایمائیت میں غزل

رُوح کھو چکی تھی لہذا اب ہندی (اردو) کے لیے جگہ خالی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ہر عہد کا بڑا تخلیق کار اس تبدیلی (Transmission) کو محسوس کرتا ہے اور اُس کے ہاں رد عمل بھی سب سے پہلے نظر آتا ہے مثلاً

☆ امیر خسرو کے ہاں فارسی اور ہندی کے اختلاط پر مشتمل غزل
☆ سعدی کا کوروی (عہد اکبری کا ایک شاعر) کے ہاں فارسی اور ہندی کا اختلاط

☆ بابا فرید کے ہاں اردو، فارسی اور پنجابی پر مشتمل کلام
☆ امیر حسن (امیر خسرو کے پیر بھائی) معروف نام حسن دہلوی کے ہاں امیر خسرو کے تتبع میں فارسی اور ہندی کا اختلاط
☆ غالب کے ہاں فارسی کی مشکل پسندی سے اردو کی آسان لحن کی جانب پیش رفت

☆ اقبال کے ہاں مخصوص ڈکشن میں فارسی سے اردو کی طرف پیش رفت

اسی طرح ن۔م راشد کے ہاں بھی فارسی اور اردو کے اختلاط کی مثالیں موجود ہیں تاہم اُن کا انداز زبانوں کے مختلف اور مشترک خواص کے نتیجے میں نہیں تھا بلکہ اپنی نفسیاتی کیفیات کے زیر اثر تھا۔

مولانا احمد رضا خان نعت گو شاعر کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں کے عالم اور مذہبی مبلغ تھے۔ اُن کے ہاں عربی اور فارسی کا رچاؤ موجود تھا۔ ایک بڑے نعت گو اور اپنے عہد کے اہم ترین ماہر لسانیات کی حیثیت سے وہ زبانوں کی تاریخ سے بھی واقف تھے۔ زبانیں اپنے عروج کے بعد کسی خاص عہد یا علاقے میں اپنے اثرات چھوڑ کر دوسری زبانوں کو جگہ دیتی

کی خوبصورتی بھی موجود ہے اور مکالماتی سطح پر مناجاتی کیفیات بھی۔

راہ پُر خار ہے کیا ہونا ہے
پاؤں افکار ہے کیا ہونا ہے
تن کی اب کون خبر لے ہے
دل کا آزار ہے کیا ہونا ہے
پر کٹے تنگ قفس اور بلبلیں
نو گرفتار ہے کیا ہونا ہے
تیرے بیمار کو مرے عیسیٰ
غش لگاتا رہے کیا ہونا ہے
کل تو دیدار کا دن ہے اور یہاں
آنکھ بے کار ہے کیا ہونا ہے
کیوں رضا کڑھتے ہو ہنستے اٹھو
جب وہ غفار ہے کیا ہونا ہے (۱۶)

اس مکمل نعت میں (جو پینتیس ۳۵ اشعار پر مشتمل ہے) میں مولانا نے زبان و بیان اور لہجہ غزل سے مستعار لیا ہے بلکہ کہیں کہیں تو مضامین بھی غزل کی مروجہ روایت کے ہی نظر آتے ہیں۔

"تن کی اب کون خبر لے ہے" میں ہے "ہے" کے الفاظ شمالی ہندوستان کی گھریلو بول چال کا رنگ پیش کرتے ہیں جو مولانا کی مقامی بولیوں اور گھریلو لہجوں پر عبور کی صلاحیت کو بیان کرتا ہے "تیرے بیمار کو مرے عیسیٰ جیسے مصرعے نامیہ جاتی سطح پر غزل کی مروجہ تلمیحات کو نعت رنگ کرنے کی ایک خوبصورت کوشش ہے۔

"پر کٹے تنگ قفس اور بلبلیں" میں سارا استعاراتی ماحول ہی روایتی غزل سے مستعار لیا گیا۔ مولانا کے ہاں نعت میں تشبیہاتی اور استعاراتی سطح سے آگے علامت کی تشکیل کے شواہد بھی موجود ہیں۔ علامت تشبیہ اور استعارہ کے خاندان کا ایک رکن ہونے کے باوجود ان سے ذرا علیحدہ اپنی شناخت قائم کرتی ہے۔ علامت کی تشکیل استعارے کی تیسری چوتھی یا پانچویں کڑی میں جا کر ہوتی ہے گویا علامت تک کا سفر مروجہ شعری تہذیب میں سے گزرنے کا سفر ہے۔

مولانا کے ہاں زبان و بیان کے حوالے سے حُسن تکرار کے ذریعے ایک نیا آہنگ پیدا کرنے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔ میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں !! وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے، جس کا بیاں نہیں کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں زبان و بیان کے حوالے سے حُسن پیدا کرنے کے لیے مولانا نے گفتگو اور مکالمہ سے بھی کام لیا ہے۔ ایک بڑے نعت گو شاعر کی حیثیت سے مولانا لفظوں سے تصویر کاری کرتے نظر آتے ہیں۔

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے
گران کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
یقین سے متصف اس نعت نذرانے میں زبان سادہ اور
رواں استعمال کی گئی ہے جس سے گفتگو اور مکالمہ کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ "لو جب تو بن آئی ہے" میں لفظ "لو" رواں دواں گفتگو کا مزہ پیدا کرتا نظر آتا ہے۔ نعت کے مطلع میں "سنتے

کاوش زبانوں کے اختلاط کا مدحیہ مذہبی شاعری میں اولین تجربہ ہے۔ مولانا سے قبل اردو (ہندوی) اور فارسی کے اختلاط سے غزل کا تجربہ امیر خسرو کے ہاں موجود ہے۔ امیر خسرو کی غزل میں دونوں زبانوں کا سفر ایک ایسی ندی کو دیکھنے کے مترادف ہے جس میں دو مختلف رنگوں کے پانی کو یکجا کر کے ایک ایک جان آمیزہ (Homogenous Mixture) بنا دیا گیا ہو۔

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں کہ تاب ہجران ندارم اے جاں نہ لیہو کا ہے لگائے چھتیاں شبان ہجران دراز چوں زلف و روز و صلت چو عمر کوتاہ سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں (۱۷) خسرو کے ہاں زبان کا یہ اولین تجربہ اس لحاظ سے مکمل کامیاب رہا کہ دونوں زبانوں کی اجنبیت کو انہوں نے اپنے لسانی فلسفے سے مکمل طور پر ختم کر دیا۔ خسرو کے ہاں زبانوں کا یہ اختلاط و اشتراک ایک ادبی قدر اور شعری فلسفے کے طور پر تھا۔ ہمیں خسرو کی غزل کا مولانا کی نعتیہ ادبی کاوش سے تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو ضرور ذہن میں رکھنا چاہیے کہ خسرو کے ہاں دونوں زبانوں (فارسی اور اردو) سے کوئی مذہبی جذباتی وابستگی نہ تھی جبکہ مولانا کے ہاں یہ جذبہ تخلیق میں ایک نیا ادبی حُسن پیدا کر رہا ہے۔

مولانا کی نعت میں اس اختلاط میں دو تہذیبوں کا اشتراک نظر آتا ہے۔ مناجاتی کیفیات اور ہجر طیبہ کے جذبات سے سچی اس نعت میں ہندی گیت کی وہ لے محسوس ہوتی ہے جو محبوب کے ہجر کو لفظوں کا روپ دینے سے پیدا

ہیں" کے لفظوں سے جو وہم اور شک کی کیفیت پیدا ہوئی مقطع تک پہنچتے پہنچتے اُن کے جذبہ عشق رسول ﷺ نے گورانہ کیا کہ یہ احساس اُن کے قارئین تک منتقل ہو لہذا مقطع میں فرماتے ہیں:

مطلع میں یہ شک کیا تھا واللہ رضا واللہ

صرف اُن کی رسائی ہے صرف اُن کی رسائی ہے

برصغیر کا عمومی مزاج، زبان اور انداز حیات عرب کی سرزمین سے مختلف ہے۔ برصغیر اور عرب کے درمیان سب سے بڑا اور اہم نکتہ اشتراک مذہب ہے۔ دین مبین کی محبت نے دونوں خطوں کی زبانوں کے درمیان ایک نئے رشتے کو جنم دیا۔ برصغیر کے مسلمان فرد کے لیے اُس کی اپنی مادری یا قومی زبان سے بھی زیادہ اہمیت عربی زبان کی ہے۔ عربی قرآن پاک اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان ہے۔ دین اسلام کا لافانی پیغام اسی زبان میں انسانوں تک پہنچا۔ یہی وہ زبان تھی جس میں دنیا کو انسانیت، امن، محبت اور اخوت کا درس ملا۔ اس زبان سے محبت دنیا کے ہر مسلمان فرد کی فطرت میں ہے۔ مولانا مبلغ دین اور نعت گو کی حیثیت سے عربی زبان کے عالم بھی تھے اور اس سے محبت بھی رکھتے تھے اور برصغیر کے ایک اردو بولنے والے فرد کی حیثیت سے اردو اور ہندی سے بھی ان کا فطری رشتہ تھا۔ سماجی روابط کی زبان اردو میں دوسری زبانوں سے اختلاط کی فطری گنجائش موجود ہے۔ مولانا بریلوی کے ہاں ایک نعت میں دونوں زبانوں (اردو اور ہندی لہجہ) اور عربی کے اشتراک سے ایک نعت تشکیل دی گئی ہے۔ مولانا کی یہ نعتیہ

ہوتی ہے۔۔

لم یاتِ نظیر ک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کوتاج تورے سرسو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
الجُر علاو الموحّ طغا، من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجد ہا رہیں ہوں بگڑی ہے ہو اموری نیا پار لگا جانا
یا شمسِ نظرتِ الی لیلیٰ چُو بطیبہ رسی عرضے کبھی !!
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے ندن ہونا جانا (۱۸)
مولانا احمد رضا خان کے ہاں محبوب سے فراق کا ہجر اپنی
پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ مولانا کا محبوب
دنیاوی محبوب نہیں بلکہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی
ذاتِ اقدس ہے یوں تناظر وسیع ہونے سے احترام کی کیفیات
کا رنگ بھی منفرد ہو گیا۔ مولانا خود بھی زبانوں کے اس اختلاط
پر مشتمل نعت کی تخلیق کے دوران تلاشِ حُسن کی اسی کیفیت
میں سرگرداں رہے جہاں سچ اور جھوٹ جیسی منطقی جذبات کے
بجائے حُسن و محبت کا احساس اہم ہوتا ہے اور اسی نیم خوابی کی
کیفیت میں ایک جہان حُسن کی تسخیر کرتے چلے گئے۔ وہی
جہان رنگ و بوجھت رسول ﷺ ایک اعلیٰ اخلاقی قدر کے
طور پر جلوہ افروز ہے۔ اُس لمحہ و جد کو جہاں احساس فن کی شکل
اختیار کرتا ہے، مولانا خود بھی سمجھ نہ پائے لہذا مقطع میں اپنی
اس کم مائیگی کو یوں بیان کرتے ہیں۔

بس خامہ خام نوائے رضا، نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا نہ چار اس راہ پڑا جانا
خسرو کے عہد میں زبان ارتقائی مراحل طے کر رہی تھی
اور اُن کا لسانی شعور نئے ادبی تجربات کی راہ ہموار کر رہا تھا

جبکہ مولانا کے عہد میں زبانیں اپنے ارتقائی مراحل طے کر چکی
تھیں اور اجتماعی لسانی شعور تمدن کے مراحل میں داخل ہو چکا
تھا۔ مولانا کے ہاں وہ اجتماعی ادبی اور لسانی شعور مکمل رچاؤ
کے ساتھ نظر آ رہا ہے۔

خسرو سے قبل بھی زبانوں کے اختلاط کے تجربات بھی
ہوتے رہے ہیں۔ بابا فرید گنج شکر (متوفی ۱۲۶۹ء) کے کلام
میں ایسا ہی ایک تجربہ جو فارسی اور ہندی آمیز اردو اور پنجابی پر
مشتمل ہے، ملتا ہے۔

وقت سحر وقتِ مناجات ہے
خیز در آں وقت کہ برکات ہے
بادم خود ہمد م و ہشیار باش
صحبتِ اغیار بُری بات ہے (۱۹)

زبانوں کا یہ اختلاط عام طور پر ایسے عہد میں ہوتا ہے
جب ایک زبان اپنے ارتقائی مراحل طے کر کے کسی خاص
علاقے میں کسی دوسری زبان کے لیے جگہ خالی کر رہی
ہو۔ شہنشاہ اکبر (متوفی ۱۶۰۵ء) کے عہد کے ایک شاعر سعدی
کا کوروی کے ہاں بھی یہ لسانی تجربہ موجود ہے جو فارسی اور
ہندی کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔

قشقہ چو دیدم بر رخس گفتم کہ یہ کا ریت ہے
گفتہ کہ دورے باولے اس ملک کی یہ ریت ہے
سعدی طرح ایچختہ شیرو شکر آمیختہ !!
در ریختہ و ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے (۲۰)

امیر خسرو کے ایک پیر بھائی امیر حسن (معروف نام
حسن دہلوی) متوفی (۱۳۳۷ء) کی ایک غزل بھی اسی ذوق

تیا پارلگا جانا، کو ”میری کشتی پارلگا جانا“ میں تبدیل کر کے آسان کیا جاسکتا تھا لیکن داد دیجیے مولانا کی لسانیاتی تشکیلی قوت کو جنہوں نے ان چار الفاظ پر مشتمل ٹکڑے کے ذریعے ہندی گیت کے بین السطور ہجر کی دھیمی دھیمی لہی کی ساری خوشبو شامل کر دی یوں یہ صرف آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مناجات ہی نہ رہی بلکہ ہندی زبان کی مٹھاس اور خوشبو کو قاری تک پہنچانے کی خدمت بھی انجام دے رہی ہے۔ یہاں ہمیں مولانا احمد رضا خان کے حوالے سے کم از کم دو باتوں کا احساس ہوتا ہے۔

اول: مولانا کے ہاں زبانوں کی ساخت کی تفہیم کا احساس اور کلاسیکی غزل کی ڈکشن کے اثرات

دوم: اردو نعت میں نئے لسانی تجربات کی پہلی باضابطہ کوشش۔ غزل میں وقتاً فوقتاً ایسے لسانی تجربات کیے جاتے رہے۔

مولانا ادب اور ثقافت کی ترسیل میں زبان کی اہمیت سے واقف تھے۔ اردو اور عربی کے درمیان مشترکات بھی اُن کی نظر میں تھے لہذا وہ دونوں زبانوں کے درمیان ایک ایسا اختلاط پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جس میں جذبے کی ترسیل آسان بھی تھی اور پُر تاثیر بھی۔ زبانوں کی ساخت کو سمجھتے ہوئے اس نعت میں مولانا کلاسیکی غزل کے روایتی جذبات کے ذریعے تاثیر پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اردو کی روایتی غزل میں یہ روایت رہی ہے کہ نئی اور مختلف الاوازن محور کا استعمال کیا جاتا رہا ہے یوں زبان و بیان کی سطح پر ایک ندرت کا احساس ہوتا ہے۔ مولانا نے بھی نعت میں کچھ نئی

اختلاط کا نتیجہ ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ غزل امیر خسرو کے شعری اور لسانی تجربے کا نتیجہ ہے

ہر لحظہ آید دردلم دیکھوں اُسے ٹک جائے کر
گویم حکایت ہجر خود با آں صنم جیوں لائے کر (۲۱)

مولانا کے ہاں لسانی تجربات سے محبت کا ذوق موجود تھا۔ وہ خاص وضع کے الفاظ اور تراکیب کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ اردو کی روایتی غزلیہ شاعری اور ہندی گیت میں ناؤ، نیا، کشتی یا اسی قبیل کے الفاظ قسمت کے بگڑنے یا بننے کے مضمون کو ضابطہ تحریر میں لانے کے لیے استعمال کیے جاتے رہے۔ طویل فاصلوں اور ناممکن اور مشکل سفر کے بیان کو بھی سمندر، منجھار، دریا اور کشتی کے ذریعے بیان کرنے کا رجحان موجود رہا۔ ایک زمانے تک طویل فاصلوں کے لیے ذریعہ سفر کشتیاں اور بادبانی جہاز ہی رہے۔ مولانا کے عہد میں برصغیر میں ریل بھی متعارف ہو چکی تھی تاہم حج کا طویل سفر بحری جہازوں کے ذریعے یا پھر ریل کے ذریعے ہوتا تھا۔ خواجہ حسن نظامی حج کے لیے سرزمین حجاز ریل کے ہی ذریعے گئے تھے جس کا ذکر انہوں نے اپنے سفری یادداشتوں پر مشتمل مضمون میں کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کے ہاں استعاراتی سطح پر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناخدائے دین و ملت تسلیم کیے جانے کے بعد غزل کے استعاراتی نظام کے ذریعے مناجات پیش کی گئی ہیں۔

البحر علاوالموج طغی، من بے کس وطوفاں ہوش رُبا
منجھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری تیا پارلگا جانا
شعر کے دوسرے مصرعے کے آخری نصف میں ”موری

بحورِ طبع آزمائی کی ہے

بنتی ہے۔

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روحِ قدس سے ایسی شاخ
ظاہر و باطنِ اول و آخر زیبِ فروع و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گلِ غنچہ جڑ پتی شاخ (۲۲)
مولانا کی نعت میں جو گلہائے عقیدت کھلے ہوئے نظر
آتے ہیں اُن میں ہماری روایتی کلاسیکی شاعری کے مثبت رنگ
جھلکتے نظر آتے ہیں۔ نئی بحروں کے استعمال کی یہ کوشش اُس
نفسیاتی میلان کی جانب اشارہ کرتی ہے جو اردو غزل کی کلاسیکی
روایت کے تحت اُس زمانے کی اجتماعی ادبی روایت کا حصہ بن
چکا تھا۔ مولانا نے اردو کی کلاسیکی غزل کے زبان و بیان اور فکری
فضا کو اجتماعی سطح پر محسوس کیا اور نعت میں نئے لسانی اور فکری
تجربات کی صورت میں قرطاس کے حوالے کیا۔

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رورو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

نعت رسول مقبول تو ہے ہی عشق کی دولت اور عشقِ بغیر
یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ عشقِ نبوت منطق طلب نہیں کرتا۔ یہ
راستے کی مشکلات بھی نہیں دیکھتا اور بے خطر آتشِ نمرود میں
کو دپڑتا ہے۔ مولانا کی نعت میں فکری سطح پر یہی یقین کو ڈڈ
صورت میں موجود ہے جو مولانا کی ساری نعتیہ شاعری میں
جذبے اور فکر کی آمیزش کو معنیاتی سطح پر یقینی بناتا ہے۔ یہی
یقین جب اُن کے سرمایے کو روشن کرتا ہے تو تصویر کچھ ایسی

ہے کلامِ الہی میں شمسِ صبحی تیرے چہرہ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دو تار کی قسم
پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکر یں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں (۲۳)
غالب کی غزل کی مشہور زمین میں نعتِ رضا میں غزل کی
کلاسیکی روایت کی ایمائیت اور پردہ داری کی ساری خوبیاں
نظر آرہی ہیں۔ فکری سطح پر محبوب کے ہجر کی کیفیات کو مجسم
کرنے میں لفظیات بھی غزل کی اُسی روایت سے لی گئی ہیں
جس پر غزل کی کلاسیکی روایت استوار ہے۔

غزل کی روایت سے منسلک ایک اور نعت کارنگ
دیکھیں

لطف اُن کا عام ہو ہی جائے گا
شادہرِ ناکام ہو ہی جائے گا
ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چچہا کھرام ہو ہی جائے گا
اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا (۲۴)

اس نعت کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے
اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی کی اردو غزل کا وہ
لفظیاتی آہنگ نظر آ رہا ہے جو غزل کی روایت نے زبانوں
کے ارتقائی عوامل سے حاصل کیا تھا۔ زبان صاف اور لہجہ رواں

کیا ہے

”روایت کا عمل ارتقائی ہے یعنی یہ کسی تاریخی منظر نامے میں بنائے گئے کسی ادبی منصوبے یا فکری نظریے کا پابند نہیں ہوتا۔ روایت کا تعلق ثقافت کے ساتھ گہرا ہے۔ ادب اور ثقافت کی بنیاد ایک ہی ہے اور روایت اس بنیاد کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔“ (۲۶)

مولانا احمد رضا خان کے ہاں بھی نعت کی شعری روایت ثقافتی عناصر کے ساتھ خلط ملط ہو کر ایک ایسی تصویر پیش کرتی ہے جس میں برصغیر (شمالی ہند) کے ثقافتی پیرہن بھی نظر آتے ہیں اور حجاز کے صحرائی حُسن کی تصویر بھی۔ یہی حُسن فطرت انہیں ہاتھ پکڑ کر اُس حُسنِ ازل کی جانب لے جاتا ہے۔

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

فکری سطح پر تقابلِ ارضِ طیبہ اور ارضِ وطن کے دوران مولانا کی کیفیتِ نفس میں موجود بے بس پرندے جیسی نظر آتی ہے

میں یادِ شہ میں روؤں عنادل کریں ہجوم
ہر اشکِ لالہ فام پہ ہو احتمالِ گل
طیبہ سے ہم آتے ہیں کہیے تو جنناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

مولانا کے ہاں منقبتِ شیخ عبدالقادر جیلانی میں بھی نعت مبارک کی طرح سپردگی کی کیفیت ملتی ہے۔ محبت اور عقیدت

ہے لیکن بڑی خوبی لفظوں کے ذریعے ایک خاص طرح کی فضا کی تشکیل ہے جس میں ہجر اور جدائی کا رنگ نمایاں ہوتا نظر آتا ہے۔

مولانا کے نعتیہ کلام میں مخصوص لفظیات اور ان سے پیدا ہونے والے معنوی اثرات کا تانا بانا انیسویں صدی کی شعری روایت سے منسلک ہوتا نظر آتا ہے۔ منجد ہار، نیا، ناؤ،

سگ، مخراب، ولا، دلہن، دولہا، نوشہ، عروس، نقاب، جلوہ، شادی، بوسہ جیسے الفاظ کو انہوں نے اختصاص کے ساتھ مسلسل استعمال

کیا ہے۔ ان الفاظ میں ہندی الاصل الفاظ زیادہ ہیں کہا جاسکتا ہے کہ فن پارے کی تخلیق پر تخلیق کار کے اثرات اُس کے

گرد و پیش کے تناظر کے ساتھ پڑتے نظر آتے ہیں۔ موضوع اور لفظوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ الفاظ موضوع کے ساتھ

ساتھ ہی تخلیقی کیفیات کو مجسم کرنے کے لیے اترتے ہیں اور ان لفظوں کا نزول ایک خاص لسانی دائرے میں آتا ہے۔ جن پر فن

کار کا شعوری سطح پر حاصل کیا گیا ماضی بھی نظر آتا ہے تخلیق میں لفظ کا استعمال تخلیق کار کے ماضی سے جڑے ہوئے احساس کو بھی

رم کرتا ہے اور حال کی شعری روایت کی تصویر کاری بھی کرتا ہے یوں ایک فن پارہ اپنے تخلیق کار کی مکمل ملفوظاتی تصویر

(Wordic Picture) بن کر سامنے آ جاتا ہے۔

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھو میں اُدھر سے انوار ہنستے آتے اُدھر سے نجات اٹھ رہے تھے

نظر میں دولہا کے پیارے جلوے حیا سے مخراب سر جھکائے سیاہ پردے کے منہ پر آنچل تجلی ذاتِ بخت کے تھے (۲۵)

لفظ کا تخلیق میں استعمال کا تعلق روایت سے بھی ہے۔ میں نے اس بات کو روایت کے تناظر میں کچھ یوں بیان

- ۹- مشمولہ قرآنی شمعیں، حکیم محمد صادق سیالکوٹی، مکتبہ نعمانیہ، گوجرانوالہ
- ۱۰- حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)، احمد رضا خان، مولانا، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء
- ۱۱- ایضاً
- ۱۲- ایضاً
- ۱۳- ایضاً
- ۱۴- ایضاً، صفحہ ۶۳-۶۲
- ۱۵- ایضاً
- ۱۶- ایضاً، ص ۶۳-۶۳
- ۱۷- اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء
- ۱۸- حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)، احمد رضا خان، مولانا، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء
- ۱۹- اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء
- ۲۰- ایضاً
- ۲۱- ایضاً
- ۲۲- حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)، احمد رضا خان، مولانا، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء
- ۲۳- ایضاً
- ۲۴- ایضاً
- ۲۵- ایضاً
- ۲۶- مضمون "نعت نگاری پر مابعد جدیدیت کے اثرات"، کاشف عرفان، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵۔
- ☆☆☆

کے جذبات کی روانی ان کی منقبت کو بھی معاصر شعراء سے منفرد بناتی ہے۔ مولانا کی نعتیہ تخلیقات میں لفظ کا مخصوص استعمال اُس ثقافتی پیرائے کو بیان کرتا ہے جس کے جلو میں تاریخ و تہذیب کا ایک دریا بہتا نظر آتا ہے۔ یہ تاریخی ورثہ دین اسلام کی مرکزیت کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ یوں مولانا کی نعتیہ شاعری میں وطن سے جواز تک کے تمام رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ثقافتی ترسیل کا یہ منبع شعر و ادب اپنی گہری مدحیہ کیفیات میں ایک منفرد رنگ کا حامل ہے۔ نظریے ترسیل اور لفظیاتی ساختوں کے حوالے سے یہاں کچھ نکات پیش کیے گئے ہیں لیکن ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے۔

حوالہ جات:

- ۱- نعت اور جدید تنقیدی رجحانات، کاشف عرفان، (دیباچہ)، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۶ء
- ۲- حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)، احمد رضا خان، مولانا، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء
- ۳- نعت رنگ نمبر ۱۸ (ادارتی نوٹ)، (مرتبہ) سید صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی
- ۴- مضمون "معنی اور تناظر" مشمولہ "معنی اور تناظر"، وزیر علی آغا، مکتبہ نردبان، سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۱۵
- ۵- مضمون "ادراک حُسن کا مسئلہ" مشمولہ "معنی اور تناظر"، وزیر آغا، ڈاکٹر، نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء، ص ۳۸
- ۶- اشارات تنقید، سید عبداللہ، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء
- ۷- مضمون "برسبیل نعت..... الفاظ و تراکیب"، ریاض مجید، ڈاکٹر، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۵ء
- ۸- حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)، احمد رضا خان، مولانا، نذیر سنز

کلامِ رضا کی لسانی تشکیلات اور اس پر مقامی اثرات

آتے ہیں۔ اگر کچھ نمونے موجود بھی ہیں تو وہ برائے بیت ہی ہیں یا نقفن طبع کے طور پر وجود میں لائے گئے ہیں۔ احمد رضا خان بریلوی کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ ان کے یہاں تجربات عالمانہ شان کے ساتھ وجود میں آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کے یہاں شمال مغرب، شمال مشرق، شمال جنوب کی بولیاں جھلکتی ہیں۔ شمال مغرب میں بولیوں کا یہ سلسلہ پنجاب تک ہی نہیں، کشمیر کے نواح تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح شمال مشرق میں بلیا، گورکھپور اور اعظم گڑھ تک یہ سلسلہ جاملتا ہے۔ مولانا کی لسانی قوت اس پورے علاقے کے نوع بنوع لسانی تصورات کا احاطہ کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے تمام ہم عصروں کو اس معاملے میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ (۲)

نعت نبی ﷺ کا وسیع دامن پوری کائنات پر اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ اس کی بیکراں وسعتوں کا قیاس عقل انسانی کے بس کی بات نہیں لیکن مولانا احمد رضا خان نے نعت گوئی میں نئے نئے گوشوں اور نئی نئی یافتوں سے ہمیں روشناس کرایا ہے جس میں سے ایک یہ ہے کہ مقامی زبانوں کا عربی و فارسی کے ساتھ جس طرح ایک مخصوص آمیزہ نعت نبی میں تیار کیا ہے وہ زبانوں کے لیے باعثِ فخر ہے۔ ڈاکٹر سراج بستوی

دُنیا کی تمام زبانوں میں نعت پاک رسول ﷺ کے ذخیرے موجود ہیں اور ساری دُنیا میں مسلمان اور شیعہ رسالت کے پروانے موجود ہیں۔ نعت مسلمانوں کے لیے سرمایہٴ آخرت ہے اور غیر مسلم اس محفل میں شرکت کو اپنے لیے اپنے طور پر باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ کرہٴ ارض پر جہاں بھی ذی رُوح موجود ہے وہاں ذکر پاک رسول ﷺ بھی موجود ہے۔ ہندوپاک کی زبانوں کی تو بات ہی دیگر ہے، دُنیا کی ساری زبانیں اور بولیاں بھی سب نبی ﷺ کی گواہ ہیں۔ اس کی گواہی فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری سے مل سکتی ہے کہ ان کے یہاں بیک وقت کئی زبانوں کا ملاپ نظر آتا ہے۔ مولانا کے علم و فضل سے تو سب واقف ہیں۔ آپ عربی، فارسی، اُردو، ہندی، ترکی زبانوں پر دسترس کے علاوہ شمالی ہندوستان کی مختلف بولیوں اور لہجوں پر بھی محض رسی نہیں بلکہ ماہرانہ قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں عربی، فارسی، ہندی، اودھی، برج، پنجابی اور ہریانی لفظوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ان سب کے اتصال سے ایک نئے لہجے کو جنم دیا ہے۔ یہ اتصال ان کی ماہرانہ قدرت کی دلیل ہے۔ (۱)

احمد رضا خان بریلوی سے پہلے ایسے نمونے شاذ ہی نظر

(حدائق: ۲: ۴)

کشفی صاحب لکھتے ہیں کہ ”شادی کی نسبت سے رسوم اور یہ معراج! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ معراج ہے اور معراج کا واقعہ ”معراج کبریٰ“ ہے۔ اسی معراج کبریٰ سے یہ لفظ دولہا جس طرح ایک نقطہ معراج کی طرح یہاں آتا ہے اس کا جواب نہیں۔ آپ یہ غور فرمائیے کہ آج واقعی اُردو کی لغت مرتب کرنے میں لہر انور کا، اعلیٰ نور کا، اہلا نور کا، توڑا نور کا..... یہ وہ الفاظ ہیں جو اُردو میں متروک ہو جاتے اگر امام احمد رضا خان نے ان کو اپنی نعتوں میں استعمال نہ کیا ہوتا۔“ (۵)

ان الفاظ کی موجودگی اُردو زبان کی اصل پر دلالت کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اُردو خالص برصغیر پاک و ہند کی زبان ہے۔ اس میں مقامی زبانوں کے الفاظ کی تعداد عربی اور فارسی الفاظ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جہاں تک اُردو گرامر (قواعد) کا تعلق ہے وہ ہندی گرامر سے بہت زیادہ قریب ہے کیونکہ اس کے بیشتر افعال و ضمائر دیسی ہیں۔ مزاج اور لہجہ دیسی ہے۔ رُوح دیسی ہے۔ جسم دیسی ہے۔ (۶) گویا یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اُردو نے ہند آریائی زبان کا دودھ پیا ہے..... اُردو زبان ہماری پچھلی کئی صدیوں کی تہذیبی کمائی ہے۔ (۷)

یوں بھی شاعر تو بڑا احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنے جذبات و خیالات ہی کا ترجمان نہیں، اپنے عہد کا بھی ترجمان ہوتا ہے۔ لہذا وہ اپنے ماحول اور اپنے گرد و پیش سے بے خبر کیسے رہ سکتا ہے۔ ان سے بے پروا ہو کر یا ان کی طرف سے آنکھیں موند

کے مطابق مولانا علاقائی اور مقامی بولیوں سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ مقامی بولیوں کے اس لہجے کو ادبی اظہار میں جگہ ملنا چاہیے تھی لیکن حضرت رضا بریلوی کے عہد تک کے شاعروں اور ادیبوں کی فکری جولانگہ بننے سے محروم رہ گئی تھیں۔ یا پھر ارباب سخن نے ان الفاظ کو محض نامانوسیت کی بنا پر نظر انداز کر دیا تھا۔ (۳) جبکہ ادبی تخلیق کار کے لیے انھیں نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ جبکہ کچھ الفاظ سماجی ضروریات کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے متروک قرار دیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک تخلیق کار اپنی صلاحیت سے ان میں جان ڈال سکتا ہے۔ کچھ الفاظ کریمہ، ثقیل اور نامانوس تسلیم کر لیے جاتے ہیں، بڑا شاعر ایسے الفاظ کو بھی غیر تقلیدی انداز پیش کش سے تازگی اور حُسن کا مرقع بنا کر پیش کرتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کی نعتوں میں پہنچ کر الفاظ نئی معنویت حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً:

میل سے کس درجہ ستھرا ہے یہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

(حدائق: ۲: ۳)

ڈاکٹر ابو الخیر کشفی لکھتے ہیں کہ یہ شعر جب میرے سامنے آیا تو میں نے غور کیا کہ یہ لفظ تو ہمارے بچے بھی نہیں جانتے کہ کورا کرتا کسے کہتے ہیں۔ (۴) لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ کورا کرتا ہمیں لباس تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے جو قرآن کی ایک مستقل اصطلاح ہے یعنی جو لباس تقویٰ کا ہے وہی سب سے اچھا لباس ہے۔ مثلاً یہ دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

کیا بنا نام خدا اسریٰ کا دولہا نور کا
سر پہ سہرا نور کا، بر میں شہانا نور کا

میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد

ہند میں ہوں بھی تو دیتا ہوں پہرا تیرا

(حدائق: ۱: ۵)

لفظیات اور مقامی اثرات:

شاعری کے شائقین اور فن شاعری کے رموز سے آگاہ افراد مولانا احمد رضا خان کا کلام پڑھنے کے بعد یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان کی شاعری میں کوئی جز ماورائے شاعری بھی ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس جز کا تعلق ان کے علمی مرتبے، فضل و کمال یا کسی بھی نوع کی ہمہ دانی سے نہیں ہے اس کے باوجود ان کے کلام میں لفظی درو بست اور صوتی و لسانی ہمہ رنگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی انفرادیت کا رنگ بخوبی اُبھر کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے:

وہ سرگرم شفاعت ہیں عرق افشاں ہے پیشانی

کرم کا عطر صندل کی زمیں رحمت کی گھانی ہے

(حدائق: ۱: ۸۶)

”اُردو لغت تاریخی اصول پر“ کی سولہویں جلد میں لفظ ”گھانی“ کے کئی معنی درج ہیں جن میں سے ایک ہے ”تیل یا رس نکالنے کی مشین، کولہو، بیلن، پچکی۔ اور اس لفظ کی اصل سنسکرت ہے۔ اب آپ مذکورہ بالا شعر کی معنویت اور لفظی درو بست ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر سراج احمد کے مطابق ”یہ لفظ مشرقی اُتر پردیش کے مضافاتی علاقوں میں بولا جاتا ہے۔ خصوصاً ان اضلاع کے دیہی علاقوں میں جو سرحدوں سے جا ملتے ہیں، خود اس لفظ کو بارہا اپنی دادی کی زبان سے سنا ہے۔“ (۹)

یاں بھی داغِ سجدہ طیبہ سے تمغا نور کا

کراچھے ادب اور اچھی شاعری کو کیسے وجود میں لاسکتا ہے۔ ایک سچائی یہ بھی ہے کہ جو زبان جس ملک میں آنکھ کھلتی ہے، پلٹی ہے، بڑھتی ہے وہ کسی بیرونی تہذیب سے متاثر ہونے کے باوجود بھی اپنی ملکی تہذیب سے رشتہ نہیں توڑ سکتی۔ اُردو ہندوستان کی سب ہی قوموں اور زبانوں کا ایک مشترک روپ ہے۔ ہندوستانی تہذیب کا کوئی مظہر ایسا نہیں جو اُردو ادب میں نہ ہو۔ اور نعت اُردو کی ایک تو انا صنف جبکہ مولانا احمد رضا خان اُردو کے نمایاں نعت گو شعراء میں باوقار اہمیت کے حامل جنہوں نے رسول کریم کے حسن و جمال، ان کے جاہ و جلال اور ان کی عظمتوں و رفعتوں کے گن گائے ہیں اور مکہ و مدینہ و بغداد کے نغے الاپے ہیں لیکن ان سب کے باوجود آپ کی شاعری میں ہندوستانییت موجود ہے۔ آپ نے ہندی زبان و محاورہ اور ضرب الامثال و رسم و رواج سب ہی کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اور اس حقیقت کو کبھی نہیں بھولتے کہ وہ ہندوستانی شاعر ہیں۔ (۸)

مولانا احمد رضا خان کے یہاں ہندی اور ہندوستانی عناصر کو اس طرح برتا گیا ہے کہ موضوع کے تقدس اور شرعی وقار پر کوئی حرف نہیں آنے پاتا سنا تھ ہی اشعار میں شیفتگی و پاکیزگی کا ایک انبلا و سجیلا انداز اور ایک طرحداری و بانگین رچا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ عقائد کی بنیاد پر مسلک اہلسنت اور سلسلہ قادریہ کے پاسبان ضرور ہیں لیکن وہ اپنی ہندوستانییت کے بھی معترف ہیں جب وہ کہتے ہیں:

احمد ہندی رضا، ابن نقی ابن رضا

از اب وجد بندہ واقف زہر عنوان توئی

(حدائق: ۱: ۸۵)

مشرقی اتر پردیش کے مضافات میں استعمال کیا جاتا ہے اور خصوصاً وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح لفظ کوڑی کا شمار مقامی بولیوں کے زمرے میں ہوتا ہے۔

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروا نہ ہو
لاکھ جلیں ساتوں شمع بارہ کنول نو لگن
میرے خطِ کف سے ہو پرزے کمنہ بلا
کاٹی بندھے دھار سے پہنچے کہ مچھلی ڈگن
(حدائق: ۵۱:۳)

احمد رضا خان نے مذکورہ دونوں اشعار میں لفظ ”لگن“ اور ”ڈگن“ کا استعمال فرمایا ہے۔ لگن ایک مخصوص برتن ہے جو طشت یا ٹب کو کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ ”ڈگن“ اس چھڑی یا آلہ کو کہتے ہیں جس کا استعمال مچھلی کے شکار کے لیے کیا جاتا ہے۔ (۱۱)

ڈالیں ہری ہری ہیں تو بالیں بھری بھری
کشت اٹل پری ہے یہ بارش کدھر کی ہے
سرکار ہم گنواروں میں طرزِ ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے
(حدائق: ۱۰۴/۹۹:۱)

بحر و بر شہر و قرئی سہل و حزن دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا
تجھ سے درد سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
(حدائق: ۵:۱)

اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا

(حدائق: ۴:۲)

تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست

(حدائق: ۲۴:۱)

ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والو ٹھہرو
گٹھریاں توشنہ اُمید کی کس جانے دو

(حدائق: ۵۳:۱)

لفظ ”ٹیکا“ جو تشقہ (اور بندیا) کا ہم معنی ہے، تقریباً

پورے ہندوستان کے شمالی علاقوں میں بولا جاتا ہے جس کو اہل ہندو اپنی عام بول چال زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ لفظ ”ماتھا“ کا استعمال بھی بالکل لفظ ٹیکا کی طرح ہے۔ لفظ ”گٹھری“ بھی مشرقی اضلاع کے سرحدی مضافاتی علاقوں میں بولا جاتا ہے۔

وسطِ گلستاں میں نہر، نہر کے ہر سمت دوب

دوب میں بوٹے ہزار بوٹوں میں در عدن

(حدائق: ۴۴:۳)

جب سے شہہ بلخ نے زک شہہ ایراں کو دی

سکہ زر کے عوض کوڑیوں کا ہے چلن

(حدائق: ۴۴:۳)

رضا بریلوی نے اس شعر میں لفظ ”دوب“ کا استعمال کیا

ہے۔ دوب ایک مخصوص گھاس ہوتی ہے جس کو جانور بہت پسند

کرتے ہیں۔ (۱۰) یہ احمد رضا خان کی اپنی انفرادیت ہے کہ

اس لفظ کو اپنے نعتیہ قصیدے میں استعمال کیا۔ اس لفظ کو بھی

لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں
(حدائق: ۱: ۴۶)

مذکورہ اشعار میں لفظ ”سدھارے“، ”چھک“ اور
”کرے“ کا استعمال کیا ہے۔ ”کرے“ کے معنی کوڑے یا
تغزیانے۔ یہ الفاظ جنوبی اتر پردیش کے مضافاتی علاقوں میں
بولے جاتے ہیں۔ (۱۲) جبکہ ”بوروں“، ”تڑکے“، ”لوٹ
جاؤں“ جیسے الفاظ بھی مقامی اور علاقائی بولیوں میں شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ”حدائقِ بخشش“ میں احمد رضا نے دن،
رات، چاند، سورج، اجالا، گھڑی، شبھ، میل، ماتھا، منجدھار، گما،
بن، دھار، مہانی، بیڑا، پاٹ، دریا، جادو، دہن، کلس، گن،
کھنڈر، بدلی، اترن، دھوون، بوجھ، پاکھ، متیں، لتیں، گتیں،
منگتا، داتا، جگ راج، کنور، سہاگن، جوہن، پت، بہت،
گھنگھور، جوت، چندن، چندر، کنڈل، بھرن، وغیرہ نہ جانے
کتنے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ہندوستانی اور ہندی ہیں۔
آئیے چیدہ چیدہ مقامات سے کلامِ رضا میں ہندی و سنسکرت
کے الفاظ ہندی کہاوتیں محاورے علامتیں اور رسم و رواج کی
جھلکیاں دیکھتے ہیں:

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جو بن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
(حدائق: ۱: ۱۰۸)

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا، مت کیسی متوالی ہے
جگنو چمکے، پتا کھڑکے، مجھ تہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

مندرجہ بالا اشعار میں تین الفاظ ”بال“، ”گنوار“ اور
”بھیک بھر“ استعمال کیے گئے ہیں۔ سراج بستوی صاحب
کے مطابق یہ علاقائی محاورے ہیں۔ اور بھیک بھر کا استعمال
”ذرا سے“ کے مفہوم میں انتہائی حسین طریقے سے محاوراتی
انداز میں ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ”چرنا“، ”چک“، ”ڈورا“،
”جمن“ وغیرہ بھی علاقائی بولیوں کے الفاظ ہیں۔

آبِ تظہیر سے جس میں پودے ججے
اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
(حدائق: ۲: ۳۴)

آخر حجِ غمِ اُمت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو
(حدائق: ۱: ۵۴)

ہائے رے ذوق بے خودی دل جو سنہلنے سا لگا
چھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں
(حدائق: ۱: ۳۸)

تیرے ابرو کے تصدق پیارے
بند کرے ہیں گرفتاروں کے
(حدائق: ۲: ۶۰)

عاقلو ان کی نظر سیدھی رہے
بوروں کا کام ہو ہی جائے گا (حدائق: ۱: ۱۴)
منزل کڑی ہے شانِ تبسم کرم کرے
تاروں کی چھاؤں نور کے تڑکے سفر کریں
(حدائق: ۱: ۴۳)

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا

علا میں اور تشبیہیں ہیں۔ (۱۳) اسی طرح اندھیرا پاکھ دودن کی اُجالی، ”جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے“ اور ”مت کیسی متوالی ہے“ دیسی کہاوتیں ہیں۔ ”بھرن برسانا“ ویسے تو اس سے مراد بارش برسانے کے ہیں لیکن یہ ہندوستانی رسم و رواج کی ایک علامت بھی ہے۔ (۱۴)

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمانی ہے
(حدائق: ۱: ۸۷)

ڈالیاں جھومتی ہیں، رقص خوشی جوش پر ہے
بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
تُو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار
لاتی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا
(حدائق: ۱: ۷۷)

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کارنگ و روغن
جھوں نے دولہا کی پائی اُترن وہ پھول گلزار نور کے تھے
(حدائق: ۱: ۱۰۸)

دھونی رمانا ہندوستانی جوگیوں کا طریقہ ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر دولہا کے ساتھ براتی کا چلنا، سہرا گوندھ کر لانا، دولھے کے تلووں کا دھوون پینا، اس خوشی کے موقع پر خیرات بانٹنا، دولھے کی اُترن کا صدقہ کرنا، یہ سارے ہی خالص ہندوستانی رسم و رواج ہیں اور مولانا احمد رضا خان ان کا ایسے دلکش انداز میں استعمال کرتے ہیں جو ان ہی کا حصہ ہے۔

بار جلال اٹھا لیا، گرچہ کلیجہ شق ہوا
یوں تو یہ ماہ سبز رنگ نظروں میں دھان پان ہے

دُنیا کو تُو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

(حدائق: ۱: ۸۳)

لک بدو فی الوجه الاجمل خط ہالہ مہہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسانا جانا
(حدائق: ۱: ۱۵)

اُنگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

(حدائق: ۱: ۶۰)

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے
ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل
وہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

(حدائق: ۱: ۸۱)

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسانہیں جھالا تیرا

(حدائق: ۱: ۷۷)

متذکرہ بالا اشعار میں پاکھ، بن، سبیلی، پی سہاگن، کنور، بس گانٹھ، پون، جگ راج، سوہنا، تورے، مت، بھرن استعمال ہوئے ہیں اور یہ سارے ہی ہندی کے الفاظ ہیں۔ یہ پوری ترکیب ”چندن چندر پروکنڈل“ خالص سنسکرتی ترکیب ہے۔ انھیں عربی زبان کے میل کے ساتھ کس قدر خوبصورتی سے استعمال کیا گیا ہے۔ بس کی گانٹھ، جگنو، اگیابیتالی، ٹھگ، گلاب، پنجاب وغیرہ سب کے سب ہندوستانی تلازمے،

پڑتی ہے نوری بھرن اُدا ہے دریا نور کا

سر جھکا اے کشت کفر آتا ہے اہلا نور کا

(حدائق: ۲: ۴۰)

لفظ ”بجارج“ ہندی کا لفظ ہے جو ”سانڈ“ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور خاص طور سے روہیل کھنڈ یعنی بریلی کے علاقے میں بولا جاتا ہے۔ (۱۵) لفظ ”اہلا“ بھی دیسی ہے اور سیلاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

صوتی آہنگ اور نغمگی:

اہل علم جانتے ہیں کہ شاعری میں زبان کی صوتیات کو بہت اہمیت ہے۔ شاعری میں الفاظ کی آواز اور اس کی اشاریت بنیادی تاثیر یا شعری تجربے کی ترسیل کا فرض انجام دیتی ہے اور تاثیر کو گہرا کرتی ہے۔ بڑا شاعر اپنے شعری تجربے کے اظہار کے لیے انہی الفاظ کو استعمال کرتا ہے جو صوتیاتی نقطہ نظر سے موزوں اور مناسب ہوں۔ (۱۶)

لیکن یہ بھی درست ہے کہ محض سبک، حسین اور سامعہ نواز الفاظ کے ذریعے شاعری نہیں کی جاسکتی۔ شاعری میں الفاظ جذبات کی مرئی شکلیں ہوتی ہیں اور اپنی جمالیاتی مدافعتوں کو حد آخر تک بروئے کار لاتے ہیں۔ اسی لیے ادبی زبان کو جمالیاتی قرار دیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے قصیدہ معراجیہ میں جمالیاتی احساس، قادر الکلامی کے ساتھ آمیز کر کے ہلکے پھلکے مترنم اور سامعہ نواز، الفاظ کی مدد سے ایسی سحر آفریں کیفیت پیدا کر دی ہے کہ یہ ان کا فنی اسلوب بن گئی ہے:

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا

گندے نلکے کمین مہنگے ہوں کوڑی کے تین

کون ہمیں پالتا تم پہ کروروں درود

(حدائق: ۱: ۸۰)

آنسو بہا کے بہہ گئے کالے گنہہ کے ڈھیر

ہاتھی ڈباؤ جھیل یہاں چشم تر کی ہے

(حدائق: ۱: ۹۷)

ہر جا ہے بلندی فلک کا مذکور

شاید ابھی دیکھے نہیں طیبہ کے قصور

(حدائق: ۲: ۱۰۰)

دھان پان ہونا، کوڑی کے تین، ہاتھی ڈباؤ جھیل، یہ بھی

سب ہندی اور دیسی محاورے اور کہاوتیں ہیں۔ ان کے علاوہ آنکھیں پھیرنا، دور کے ڈھول سہانے اور طوطا اڑنا جیسے محاوروں کا استعمال دیکھیے:

انسان کو انصاف کا بھی پاس رہے

گو دور کے ڈھول ہیں سہانے مشہور

(حدائق: ۲: ۱۰۰)

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی

دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

(حدائق: ۱: ۹)

اسی انداز کے دو شعر اور ملاحظہ فرمائیے:

نفس یہ کوئی چال ہے ظالم

جیسے خاصے بجار پھرتے ہیں

(حدائق: ۱: ۴۴)

خرد کے جنگل میں پھول چمکا، دہرد ہر پیڑ جل رہے تھے
جلو میں جو مرغ عقل اڑے تھے عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدھرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے
طرب کی نازش کہ ہاں لچکے، ادب وہ بندش کہ ہاں نہ سکیے
یہ جوشِ ضدین تھا کہ پودے کشاکش اڑہ کے تلے تھے
(حدائق: ۱: ۱۰۸/۱۱۰/۱۱۱/۱۱۵)

مولانا احمد رضا خان نے سلاستِ زبان کو اس حد
تک ملحوظ رکھا ہے کہ تلمیحات تک سے امکانی گریز کیا ہے اپنے
اس قصیدے میں انھوں نے ریاضی کی اصطلاحوں کو اس طرح
استعمال کیا ہے کہ وضاحتِ مطلب کے ساتھ ساتھ جمالیاتی
احساس بھی برقرار ہے۔ مزید یہ کہ اس کی زبان نہایت سادہ،
شستہ اور بامحاورہ ہے۔ روزمرہ کا بر محل اور مناسب استعمال
قریب قریب ہر شعر میں نظر آتا ہے۔ زبان کی سلاست اس طور
ملحوظ رکھی گئی ہے کہ آیاتِ کریمہ یا احادیث کی تلمیحات تک
سے امکانی طور پر بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ معراج کے
ذکر میں ایسا کرنا بہت دُشوار ہے۔ (۱۷)

ایسا نہیں کہ امام احمد رضا کی فکر نے ان مقامات کو چھوا
تک نہ ہو، جہاں تلمیح کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بلکہ ان مقامات کو
ایسے سلیس انداز میں بیان کرتے ہیں جہاں اس کی ضرورت
ہی ختم ہو جاتی ہے اور مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً قاب
قوسین کی ترجمانی دیکھیے:

محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصلِ خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے
(حدائق: ۱: ۱۱۴)

حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
اٹھی جو گرد رہ متور وہ نور برسسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل، بھرے تھے جل تھل، اُمنڈ کے جنگل اہل رہے تھے
براق کے نقشِ سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے
جباب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے پچھڑے گلے ملے تھے
(حدائق: ۱: ۱۰۶/۱۰۹/۱۱۴)

ایسے الفاظ کو بھی جو سننے میں زیادہ مترنم اور رواں معلوم
نہیں ہوتے مولانا نے اپنے شعری اور لسانی تجربے سے نغمگی کا
حال بنا دیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے لفظ ”بھوں“ کا استعمال
وہ بھی سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں..... یقیناً یہ مولانا رضا
کے غیر معمولی لسانی تجربے اور تخلیقی تحرک کی دلیل ہے:

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
(حدائق: ۲: ۳۰)

اس شعر میں اس لفظ کی کریہہ الصوتی کو حسن میں تبدیل
کر دیا اور سامعہ نواز بنا دیا ہے۔ اس قصیدے میں لفظ باڑا،
کھنگالنا، بھبھوکا پھوٹنا، تیورانا اور اڑا کا استعمال اس طرح کیا
ہے کہ ان کی ثقالت اور غیر سامعہ نوازی نکھار، روانی اور مٹھاس
وچاشنی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک جام و مینا اُجالتے تھے کھنگالتے تھے
روش کی گرمی کو جس نے سوچا، دماغ سے اک بھبھوکا پھوٹا

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل، حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے چراغِ منہ اپنا دیکھتے تھے
(حدائق: ۱/۱۰۸/۱۱۱/۱۱۲)

جھومر، زربفت، اطلس، دھانی، دوپٹہ، دھوپ،
چھاؤں، آبِ رواں، چھڑیاں، پٹکا، تھل، یہ سب ہندوستانی
علامتیں، زیور اور کپڑے ہیں۔ ان کے علاوہ کپڑوں میں لچکے
لگانا، چھڑیاں ڈالنا اور تھل ٹانگنا، یہ سب ہندوستانی طریقے
ہیں۔ مقامی روایتوں کے مطابق دولہا کا صدقہ اُتارا جاتا ہے۔
اس کی اُترن کو خیرات میں دیا جاتا ہے۔ دولھے کے سر پر سہرا
ہوتا ہے۔ ان تمام رسموں کو آپ نے اس قصیدے میں بڑی
خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مزید چند مثالیں ملاحظہ ہوں:
(ان اشعار میں کسی وضاحت کے بغیر قابل ذکر الفاظ و تراکیب
کو خط کشیدہ کیا گیا ہے)

یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئین وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکین
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں نے وہ دکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا، حباب تاباں کے تھل ٹکے تھے
وہ ظلِ رحمت وہ رُخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت، اودی اطلس پہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے
بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن

اس قصیدے میں عربی و فارسی کے ایسے الفاظ جو صوتی
اعتبار سے سماعت پر گراں گزرتے ہیں، بہت کم استعمال
ہوئے ہیں۔ بیشتر خالص اُردو کے مترنم الفاظ مصرعوں میں
لگنے کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

خبر یہ تحویل مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیب تن کی، یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے
(حدائق شاعر: ۱/۱۰۸)

قصیدہ معراجیہ میں حضرت امام احمد رضا کی زبان کی
شستگی اک عجب ترکیب سے سامنے آتی ہے جسے ”مرئی اور
غیر مرئی“ دونوں کہا گیا ہے۔ ”مرئی“ اس اعتبار سے کہ وہ
اپنے زمانے کے تمام لسانی تنوعات اور رُجانات سے خوب
اچھی طرح واقف تھے اور ”غیر مرئی“ اس اعتبار سے ان کے
اس قصیدے میں آرد نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے۔ اس میں فن
کے تمام محاسن موجود ہیں جو ایک اچھے فن پارے میں ضروری
سمجھے جاتے ہیں۔ (۱۸)

صرف اس ایک قصیدے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا
احمد رضا نے اُردو الفاظ و محاورات کے ساتھ ساتھ ہندی الفاظ
اور محاورات کے ایسے موزوں، بر محل اور بھرپور استعمال کی مدد
سے قصیدے میں ارضی فضا کو برقرار رکھا ہے۔ مثلاً ہندی الفاظ
میں جوت، بناؤ، پھوہار، دھانی، جو بن، دھوون، بھبھوکا،
تیورانا، جل تھل، مت، تپ، دوئی، بھنور، سہانی گھڑی، وغیرہ۔
چند محاورات کے استعمال کا انداز دیکھیے:

یہ سن کے بے خود پکار اُٹھا، نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھران کے تلووں کا پاؤں بوسہ، یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

ہے اور اس حسن و خوبی کے ساتھ کہ دوسری زبانوں کو اردو کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا ہے اور ان کا جمالیاتی احساس اور قدریں کہیں بھی مجروح نہیں ہونے پاتیں۔

زبان و اسلوب، طرزِ ادا میں آپ کا ایک اور قصیدہ ”قصیدہ نور“ بھی قابلِ تحسین ہے جس کا موضوع ہے ”مدینہ منورہ کی صبح اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک“۔ اس ایک قصیدے میں آپ نے ایک ہی لفظ ”نور“ کو ساٹھ مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ اور ہر شعر کا لطف جداگانہ اور زبان کی کیفیت منفرد ہے۔ مولانا احمد رضا خان کو زبان پر یہ قدرت ان کے وسیع عالمانہ پس منظر کی بنا پر حاصل تھی۔ عربی و فارسی زبانوں میں تو آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور مختلف علوم کے حوالے سے عربی میں آپ کی کتابیں اہل عرب کے لیے مثالِ ثابت ہوئیں۔ عربی میں شاعری بھی کی، فارسی میں بھی آپ کی شعری کاوشیں موجود ہیں لیکن آپ کی اُردو نعتیہ شاعری میں زبان کے حوالے سے ”مقامیت“ کے اثرات نہایت واضح اور نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مقامی اثرات محض ہندی اور مقامی الفاظ کو اشعار میں جگہ دینے کی بنا پر قائم نہیں ہوئے بلکہ آپ اپنی عالمانہ قادر الکلامی کو بروئے کار لاتے ہوئے عربی و فارسی کے الفاظ کی پیوندکاری مقامی الفاظ و محاورات کے ساتھ ایسے دلکش انداز میں کرتے ہیں کہ اس کی مثال ان کے عہد کے کسی شاعر کے یہاں ملنی مشکل ہے۔ محسن کا کوروی کا مشہور قصیدہ لامیہ ”سمت کاشی سے چلا جانب متھر ابادل“ اُردو نعت گوئی کی تاریخ میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں شاعر نے ہندوستانی اساطیر کی علامتوں

جنہوں نے دولہا کی پائی اُترن وہ پھول گلزار نور کے تھے تجلی حق کا سہرا سر پر صلوة و تسلیم کی نچھاور دو رویہ قدسی پرے جما کر سلامی کے واسطے کھڑے تھے (حدائق: ۱: ۱۰۷/۱۰۸)

مولانا کا قصیدہ معراجیہ تکلیکی اعتبار سے دوسرے معراج ناموں سے مختلف ہے۔ پورے قصیدے پر ایک تاثراتی فضا چھائی ہوئی ہے جس میں مترنم آہنگ کا ارتعاش رُوح کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ قصیدے کا ایک ایک شعر حسین پیکر میں ڈھلا اور ترشا ہوا ہے۔ جمالیات کی اعلیٰ حس ہے اور نغمگی اور موسیقیت ہے کہ لگتا ہے کہ ہر لفظ ہاتھوں میں جل ترنگ لیے دُور دُور تک فضاؤں میں نغمگی اور رس بکھیرنے اور پھیلانے میں مصروف ہے۔ بلاشبہ شادی اسری کا یہ تہنیت نامہ شہرستان قصیدہ میں ایک حسین تاج کی طرح کھڑا ہر طرف جمال بکھیر رہا ہے۔ (۱۹)

یوں تو شاعر اپنے جذبات و خیالات کی ترجمانی اپنے عہد کی زبان کے توسط سے کرتا ہے۔ البتہ اندازِ بیان میں ندرت پیدا کرنے کے لیے قوتِ مختیلہ سے کام لے کر مضمون آفرینی کرتا ہے اور اس عمل کے لیے وہ اپنے علم و آگہی کی توانائی سے اپنے اشعار میں نیا پن پیدا کرتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے بھی مضامین و موضوعات کی وسعت و رفعت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے علمی تجر سے کام لیا ہے اور مضمون و معنی آفرینی کے جلوے دکھاتے ہوئے اپنے عہد کی زبان کو برتنے کے ساتھ ساتھ اسے مختلف شکلوں میں بھی ڈھالا ہے۔ عربی و فارسی یہاں تک کہ ہندی و سنسکرت کے الفاظ کو بھی برتا

دینا، ٹکسال باہر کرنا، قسمت پھوڑنا، چھاؤنی چھانا، خون رلانا، خار کھانا، کھنکا ہونا، دل کی کلی کھلنا، دام سے چھڑانا، منت اٹھانا، سر پہ بلا اٹھانا، سر پہ ہاتھ دھرنا، ہوا بتانا، سر کو پیٹنا، سخن ہونا، دم میں دم آنا، تارے کھلنا، بگڑی بننا، دل ہرا ہونا، گل کھلنا، دل کی لگی بھجانا، دل برا کرنا، جی رکھنا، بلا ٹوٹنا، کان لگانا، نیند نکالنا، بنا ڈالنا، دم میں آنا، خاک چھانا، دل میں ٹھانا، بن آنا، بات بنانا، تمہید اٹھانا، دھونی رمانا، نظر میں کھونا۔

اب ”قصیدہ نور“ کی چند شعری مثالیں ملاحظہ کیجیے کہ مولانا احمد رضا نے کس کس طرح سے الفاظ و ترکیب کو موضوع کی مناسبت سے استعمال کیا۔ کہیں خالصتاً مقامیت اُجاگر ہے تو کہیں پورا یا آدھا ٹکڑا عربی یا فارسی کا ہے یا ان زبانوں کی کوئی نمایاں ترکیب نظر آ رہی ہے اور فوراً روزمرہ اور مقامی محاورہ ایسا جڑتا ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد، تفاوت، بے ترتیبی نہیں محسوس ہوتی۔

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا
ہیبت عارض سے تھراتا ہے شعلہ نور کا
کفش پا پر گر کے بن جاتا ہے گپھا نور کا
ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا، ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا
جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
(حدائق: ۲: ۲/۳/۴)

بزم وحدت میں مزا ہوگا دوبالا نور کا
ملنے شمع نور سے جاتا ہے اکہ نور کا

اور مقامات کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش کیا ہے اور نئی معنویت عطا کی۔ مولانا احمد رضا خان کے یہاں اس سے بالکل مختلف انداز ہے۔ انھوں نے مفرد و مرکب الفاظ کی نئی نئی تشکیلات کیں اور استعارات و کنایات کو مختلف جہتوں سے پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ مقامی الفاظ و محاورات کا انتہائی وسیع ذخیرہ ہمیں ان کے کلام میں نظر آتا ہے۔

مقامی الفاظ و محاورات کی کثیر تعداد اور ان کے فنکارانہ استعمال کی بنا پر وہ اردو کے مایہ ناز شعراء نظیر اکبر آبادی، انیس اور جوش سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ محاورات کا استعمال اگر دیکھا جائے تو کثیر تعداد میں محاورات دکھائی دیتے ہیں۔ قصیدہ معراجیہ اور نوریہ سے کچھ محاورے دیکھیے:

باڑا بٹنا، توڑا ہونا، توڑا لینا، کلمہ پڑھنا، صدقہ لینا، سونا چڑھنا، سہرا ماتھے پر رہنا، بخت جاگنا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، کلیجا ٹھنڈا ہونا، مچکا لکھ دینا، لولگانا، ذراسا منہ نکل آنا، چھینٹا پینا، آنکھیں مانگنا، آئینہ اندھا کرنا، گرمی کا جھلکا لانا، دل کے کنول کھلنا، قدموں پھرنا، اشاروں پر چلنا، بے حکم پر مارنا، دو ورقہ لکھنا، کچا کر لینا، دھڑکا ہونا، کوڑا کھانا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہونا، نظروں پہ چڑھنا، کلیجا بھجانا، جگر تازہ ہونا، پتاسا اڑنا، پلہ ہلکا ہونا، ٹکڑوں پہ پلنا، ٹھوکر پہ ڈالنا، کڑوا ہونا، دل چاک ہونا، خاک کرنا، خاک سمجھنا، خاک اڑانا، کھیل بگڑنا، کالے کوسوں رہ جانا، نمک چھڑکنا، مرہم کا نور ہاتھ آنا، رام ہونا، دامن تھامنا، جان کا نیلام ہونا، دام نقد ہونا، نظر سیدھی رہنا، نہال کرنا، کلیجا چرنا، بیڑا پار ہونا، در پر پڑے رہنا، پھولنا پھلنا، دامن کھینچنا، آنکھ میں کھٹکنا، جان پھیر دینا، نکالا

(حدائق: ۱: ۲/۳)

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنویں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجا میرا چھینٹا تیرا
آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اُجالا تیرا
دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
تُو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

(حدائق: ۱: ۲/۵)

حروفِ تاسف، تعجب اور مسرت کے استعمال کی مختلف
صورتیں:

ہرزبان میں انسان کی مختلف کیفیات و حالات کو ظاہر
کرنے کے لیے کچھ الفاظ مخصوص ہوتے ہیں۔ اور ہر لفظ کی
اپنی ایک اشاریت ہوتی ہے اور شاعر اپنی تخلیقی توانائی کو
بروئے کار لا کر ان کی اشاریت سے اشعار کے جاندار پیکر
تراشا ہے۔ لفظ ”اے“ اور ”ارے“ ”ندا“ اور خطابیہ ہیں لیکن
شاعر ان کے مناسب استعمال سے ان کے ذریعے حیرت و
استعجاب اور ایک طرح کا لوچ پیدا کر دیتا ہے۔ ”ہائے، اف،
آہ“ سے رنج اور حسرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ”واہ واہ“ سے محبت
اور سرشاری وغیرہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ احمد رضا خان صاحب
نے بھی ان الفاظ کو مختلف اشعار میں برت کر بے ساختگی، طرح

صبح کردی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا
شام ہی سے تھا شب تیرہ کو دھڑکا نور کا
نسخ ادیاں کر کے خود قبضہ بٹھایا نور کا
تاجور نے کر لیا کچا علاقہ نور کا
دیکھ ان کے ہوتے نازیبا ہے دعویٰ نور کا
مہر لکھ دے یاں کے ذروں کو مچکا نور کا
تاب مہر حشر سے چونکے نہ کشتہ نور کا
بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا

(حدائق: ۲: ۲/۵)

مندرجہ بالا اشعار میں سے آخری شعر میں لفظ ”توڑا“

دونوں مصرعوں میں دوا لگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

آپ نے اس کثرت سے محاورات اور استعارات
استعمال کیے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک لغت تیار
ہو سکتی ہے۔ (۲۰) اس سے قبل قصیدہ نوریہ و معراجیہ سے
محاوروں کی ایک فہرست دی گئی ہے اب ایک ہی نعت میں
محاوروں کے استعمال کی صورت دیکھیے۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
میری تقدیر بُری ہو تو بھلی کردے کہ ہے
نفی و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا

داری، سوز اور حسن کے عجیب انداز پیدا کیے ہیں۔ مثال کے طور پر:

اے شافعِ اُمّ شہبہ ذی جاہ لے خبر
لِلّٰہ لے خبر مری لِلّٰہ لے خبر
وہ سختیاں سوال کی وہ صورتیں مہیب
اے غمزدوں کے حال سے آگاہ لے خبر

(حدائق: ۱: ۲۶)

ان دونوں اشعار میں ”اے“ کا استعمال خطابیہ ہے اور یہ انداز مولانا کے عقیدے کے اظہار کے ساتھ ساتھ عقیدت کا بھی مظہر ہے:

اے رضا آہ وہ بلبل کہ نظر میں جس کی
جلوہ جیب گل آئے نہ بہار دامن

(حدائق: ۱: ۳۷)

اس شعر میں تاسف کا اظہار ہے۔ طرزِ ادا میں ایک تیکھاپن ہے اور طنز بھی پوشیدہ ہے۔ ساتھ ہی جمالِ محبوب کی جہاں آرائی اور مجوبیت کا اظہار بھی ہے۔

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے! میں فدا! لگا کر اک ٹھوکرا سے بتا کہ یوں

(حدائق: ۱: ۳۹)

یہاں ”اے! میں فدا“ کے ٹکڑے نے برجستگی اور بے ساختگی کا ایسا حسین انداز پیدا کیا ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ یا جب وہ کہتے ہیں:

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

(حدائق: ۱: ۵۹)

اس شعر میں رمزیت میں وضاحت اور روضاحت میں رمزیت ہے اور ”اے“ کا استعمال کسی معمولی لسانی تجربے سے نہیں ہوا بلکہ شاعر کے تخلیقی تحرک کا واضح ثبوت ہے۔

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی، ارے ہاں نہیں، ارے ہاں نہیں

(حدائق: ۱: ۴۷)

مصرعہ ثانی میں سوال و جواب کا عجیب انداز اس پر ”ارے ہاں نہیں! ارے ہاں نہیں!“ کی تکرار سے لطف کی کیفیت قابلِ دید ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(حدائق: ۱: ۷۱)

اس شعر میں لفظ ”ارے“ کے استعمال نے بے ساختگی کے حسن کے ساتھ حیرت و استعجاب کا حسین منظر پیش کیا ہے کہ وہ مقدس سرزمین اور قدم رکھ کے چلنا۔ نہیں نہیں، وہاں تو سر کے بل چلنا بھی بے ادبی ہے۔ ارے یہ تو سردے دینے اور قربان جانے کا موقع ہے۔ ”ارے سر کا موقع ہے او جانے والے“ میں معنی کا ایک جہان پوشیدہ ہے اور اس انداز کی اشاریت پر ہزار وضاحتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ لفظوں کا اس انداز سے استعمال مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مخصوص ڈکشن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
ارے تیرا برا خدا نہ کرے

ہے۔ انھیں عرب سے دُوری منظور نہیں اور اس صدے پر وہ خار عرب کی خلش کو فوقیت دیتے ہیں۔ چوتھے شعر میں لفظ ”ہائے“ سے حسرت کا جو انداز پیش کیا ہے وہ بہت ہی پُر معنی ہے۔ شاعر اس بات کا تمنائی ہے کہ جس طرح پتھر پر سرکارِ مدینہ کے نقوش قدم اُبھر آئے تھے، کاش کہ سینہِ رضا میں بھی وہ قدم مبارک گھر کرتے۔ پانچویں شعر میں نفس کی خود غرضی اور بے مروتی پر اظہارِ تاسف بھی ہے اور اظہارِ تعجب بھی۔ ”رے“ کے ساتھ ”اُف“ کے اضافے نے شعر میں بے ساختگی پیدا کر دی ہے۔ چھٹے شعر میں بھی تاسف اور حسرت کا اظہار ہے۔ کعبہ و عرش کی ترکیب اور اس ترکیب سے معنویت پیدا کر کے رضائے شعر کو طرحِ حداری کا ایک عمدہ انداز عطا کیا ہے۔ ”آہ“ کے استعمال نے اس شعر میں بھی جذبہٴ عشق کو واضح کر دیا ہے۔

واہ کیا جو د و کرم ہے شہمہ بطحا تیرا
نہیں سُننا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

(حدائق: ۱: ۲)

اس شعر میں لفظ ”واہ“ کے استعمال نے مزید حُسن پیدا کر دیا ہے۔ اور سرکارِ مدینہ کے جو دو کرم کو ظاہر کر رہا ہے۔ ”واہ واہ“ کی ردیف میں احمد رضا خان کی ایک نعت ۱۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نعت سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ
خامہٴ قدرت کا حسنِ دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

(حدائق: ۱: ۶۰)

(حدائق: ۱: ۶۴)

ایسے محبت بھرے انداز سے دل کو ٹوکتے ہیں کہ اس کا بُرا بھی نہیں چاہتے۔ ”ارے تیرا بُرا“ اور پھر ”خدا نہ کرے“ دل کو اور ذوق و وجدان کو چھو لینے والا انداز ہے۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں
مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ رہی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

(حدائق: ۱: ۴۴)

ہائے کس وقت لگی پھانسِ الم کی دل میں
کہ بہت دُور رہے خارِ مغیلاںِ عرب

(حدائق: ۱: ۲۳)

ہائے اس پتھر سے اس سینے کی قسمت پھوڑیے
بے تکلف جس کے دل میں یوں کریں گھرا بیڑیاں

(حدائق: ۱: ۳۶)

اُف رے خود کام بے مروت
پڑتا ہے کام آدمی سے

(حدائق: ۱: ۶۶)

کعبہ و عرش میں کہرام ہے ناکامی کا
آہ! کس بزم میں ہے جلوہٴ یکتائی دوست

(حدائق: ۱: ۲۴)

پہلے دونوں شعروں میں تاسف اور رنج و غم کی کیفیت کا اظہار ہے۔ جبکہ تیسرے شعر میں تاسف اور اظہارِ رنج کے ساتھ سرزمینِ عرب اور اس کے خار سے عقیدت کا اظہار بھی

گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی

ڈوبا ، ڈوبا اُتار آقا!

(حدائق: ۱: ۱۱)

زبان کی اس خصوصیت کی ایک مثال مزید دیکھیے:

اللہ! اللہ کے نبی سے

فریاد ہے نفس کی بدی سے

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی

تاروں نے ہزار دانت پیسے

(حدائق: ۱: ۶۵)

الغرض مولانا احمد رضا خان کا نعتیہ کلام اپنی گونا گوں

خوبیوں کی بنا پر قریب قریب ہر مقام سے اہل نظر کی توجہ اپنی

جانب مبذول کرانے کی خوبی رکھتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے کہ

مولانا نے کس انفرادیت سے محاوروں اور لفظوں کے دروبست

میں زبان کا خوبصورت انداز پیش کیا ہے:

گدا بھی منتظر ہے خلد میں نیکیوں کی دعوت کا

خدا دن خیر سے لائے سخی کے گھر ضیافت کا

یہاں چھڑ کا نمک واں مرہم کا فور ہاتھ آیا

دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحظت کا

(حدائق: ۱: ۱۲ / ۱۳)

جان دے دو وعدہ دیدار پر

نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز

چچھا کہرام ہو ہی جائے گا

یاد ابرو کر کے تڑپو بلبلو

”واہ واہ“ سے خوشی اور سرشاری کا جو انداز مولانا

موصوف نے ان شعروں میں پیدا کیا ہے وہی انداز بقیہ اشعار

میں بھی ہے۔ اسی نعت کے دو اشعار مزید دیکھیے کہ یہاں اس

لفظی ترکیب سے بالکل مختلف انداز پیدا کرتے ہیں۔

نفس پہ کیا ظلم ہے جب دیکھو تازہ جرم ہے

ناتواں کے سر پہ اتنا بوجھ بھاری واہ واہ

پارہ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا

اُن سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

(حدائق: ۶۱)

دونوں اشعار میں افسوس اور تعجب کا اظہار ہے۔ مذکورہ

الفاظ کا استعمال ان کی شاعری میں غیر معمولی لسانی تجربے کے

نمونے ہیں اور ان عام فہم الفاظ کے برتاؤ میں احمد رضا بریلوی

کے تخلیقی عمل کا جادو پوری طرح نمایاں ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب، مولانا کی خوبی کلام کا

ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کے شعری محاسن میں زبان و بیان کی

بکثرت خصوصیات ہیں صرف اس قدر عرض کریں گے کہ اعلیٰ

حضرت الفاظ کی تکرار کے ذریعے بات سے بات پیدا

کردیتے ہیں۔“ (۲۲)

مولانا احمد رضا خان بریلوی الفاظ کی تکرار کی مدد سے

بات سے بات پیدا کردیتے ہیں اور اس طرح اشعار میں

شگفتگی، روانی اور صوتی ترنم نمایاں ہو جاتا ہے۔

بگڑا جاتا ہے کھیل میرا

آقا! آقا! سنوار آقا!

ٹکڑے ٹکڑے دام ہو ہی جائے گا
مفلسو ان کی گلی میں جا پڑو
باغِ خلد اکرام ہو ہی جائے گا

(حدائق: ۱: ۱۴)

اس کے علاوہ:

لے طوقِ الم سے اب آزاد ہو اے قمری
چٹھی لیے بخشش کی وہ سرو رواں آیا
ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دُنیا کا تاج
جن کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

(حدائق: ۱: ۳۶)

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہہ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
(حدائق: ۱: ۳۲)

یہاں ”پھولنا“ بمعنی مغرور ہونا۔

منزل کڑی ہے شانِ تبسمِ کرم کرے
تاروں کی چھاؤں نور کے تڑکے سفر کریں

(حدائق: ۱: ۴۳)

چھوڑ کے اس حرم کو آپ بن میں ٹھگوں کے آ بسو
پھر کہو سر پہ دھر کے ہاتھ لٹ گئی سب کمائی کیوں

(حدائق: ۱: ۴۱)

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے؟
اب تو غنی کے در پر بستر لگا دیے ہیں
کی جو بالوں سے ترے روضے کی جاروب کشی
شب کے شبنم نے تبرک کو ہیں دھارے گیسو

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

(حدائق: ۱: ۵۴)

صبا ہے مجھے صرصرِ دشتِ طیبہ
اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے

(حدائق: ۱: ۸۴)

اور یہ غزل ملاحظہ فرمائیے جس کا موضوع نفس کا محاسبہ
ہے جس کے متعلق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کی رائے
ہے: کہ ایک غزل محاسبہ نفس کے لیے..... ایسی مرصع ہے کہ
جدید اردو شاعری بھی اس پر ناز کرے گی۔ (۲۱)۔

سونا جنگلِ رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

(حدائق: ۱: ۸۳)

یا ان اشعار میں:

سُننتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھاوے گی وہ آگ لگائی ہے
طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

(حدائق: ۱: ۸۷)

ترکیب سازی: تشبیہ و استعارہ:

اشعار میں آپ نے حضور اکرم ﷺ کے کمالات و خصائص اور معجزات کا بیان کیا ہے۔ اور بے حد حسین ترکیبیں وضع کی ہیں۔

نوبہارِ شفاعت، زیبِ وزینِ نطافت، یکہ تازِ فضیلت، مرکزِ دورِ کثرت، عطرِ جیبِ نہایت، مطمحِ ہر سعادت، مقطوعِ ہر سیادت، سبزہٴ مہرِ رحمت، زنگسِ باغِ قدرت، ظلہٴ قصرِ رحمت (پلکوں کے لیے)، سلکِ درِ شفاعت (آنسوؤں کی جھڑی کے لیے)۔ آپ نے قصیدہٴ درودِ یہ اور قصیدہٴ معراجیہ میں بھی ترکیب سازی کے نادر نمونے پیش کیے ہیں (طوالت کی بنا پر مثالوں سے گریز کیا جا رہا ہے)

ایک نعت سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

عرش سے مژدہٴ بلقیسِ شفاعت لایا
طاہرِ سدرہ نشین، مرغِ سلیمانِ عرب
 کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قیص
یوسف تاں ہے ہر اک گوشہٴ کنعانِ عرب
 بزمِ قدسی میں ہے یاد لب جاں بخش حضور
 عالمِ نور میں ہے چشمہٴ حیوانِ عرب
 پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسروِ خلیل ملک، خادمِ سلطانِ عرب

(حدائق: ۱: ۲۱/۲۲)

تمام ہی خط کشیدہ تراکیب اور ان کی ترتیب مولانا کی اعلیٰ فنکاری اور مینا کاری کے نمونے ہیں۔

دل شدوں کا یہ ہوا دامنِ اطہر پہ ہجوم
 بے دل آباد ہوا نامِ دیارِ دامن

کم سے کم لفظوں میں مفہوم کی ادائیگی نیز شعر میں بلاغت کا حُسن بھرنے میں تراکیب کی بڑی اہمیت ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو شاعری میں تراکیب سازی کا رُحجان ابتدا سے لے کر اب تک برابر چلا آ رہا ہے۔ شاعران تراکیب کے ذریعے دو چیزوں یا دو خیالوں کے درمیان رشتہ قائم کرتا ہے اور جہاں کہیں اس رشتے میں مماثلت کا پہلو ہوتا ہے وہاں مرکب لفظ ایک نیا استعارہ بن کر ابھرتا ہے۔ عمومی شاعری کی طرح نعتیہ شاعری میں بھی تراکیب کی بڑی اہمیت ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی کتاب میں امیر مینائی کی ترکیب سازی کے خوبصورت اور نادر نمونے پیش کیے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان بھی امیر و محسن کے ہم عصر ہیں۔ دیگر ادبی و فنی خوبیوں کے ساتھ ان کے ہاں ترکیب سازی کے بھی بڑے دلکش اور نادر نمونے ملتے ہیں۔ آپ کا مشہور زمانہ سلام جو ایک سواکتہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں تراکیب کے بہت ہی خوبصورت اور نادر نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کچھ ترکیبیں تو بالکل ہی اچھوتی ہیں۔ اور اس سلام کے قریب قریب ہر شعر میں استعارہ موجود ہے۔ مثلاً مطلع ہی ملاحظہ فرمائیے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
 شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

(حدائق: ج: ۱: ۲)

”جانِ رحمت“ بہت ہی خوبصورت استعارہ ہے اور یہ ترکیب بلاغت کے کتنے ہی جلوے پیش کرتی ہے۔ جو بات جانِ رحمت کہنے میں ہے وہ لفظ ”رحمت“ کو کسی اور لفظ سے جوڑ کر پیدا نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس سلام کے ابتدائی تیس

اسلام الجمعہ (متوفی ۲۳۲ھ) نے تو مقدار کو چھوڑ کر قدر (Quality) کو افضل مانا ہے۔“ (۲۳)

اس خیال کی روشنی میں جب ہم درج ذیل شعر کا تجزیہ کرتے ہیں:

رُخ دن ہے یا مہر سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(حدائق: ۱: ۴۹)

تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شعر میں آپ نے ایک نسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے چونکہ یہ نسبت ایک ایسی محبت کا ردِ عمل ہے جو ماورائے فطرت ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے ہماری عام زبان تراشی نہیں گئی ہے لیکن شاعر اس کیفیت کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کو رائج زبان میں ادا کرے لیکن چونکہ ایسا کرنے سے عاری ہے اس لیے وہ تشبیہات و استعارات کی زبان تراشتا ہے چنانچہ اس شعر میں شاعر حضور ﷺ کے رُخ کو منظم شکل میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہ مشکل ہے جو جذبات اور عقیدت نے ان کے دل میں تراشی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ دن اور مہر سما سے ان کے رُخ کی نمائندگی ہو سکتی ہے اور شب اور مشک ختا ان کی زلف کے لیے بہتر لفظ ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر احساس ہوتا ہے کہ عقیدت کی تراشی ہوئی شکل اس سے اور بھی منفرد ہے چنانچہ ”یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں“ کہہ کر اپنی اس تشنہ تصویر کو قاری کے فیصلے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام بیگی انجم مولانا کے کلام میں فنی کاریگری کے اس طریقہ کار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(حدائق: ۱: ۳۶)

یہ دونوں تراکیب کس قدر اچھوتی ہیں اور اس شعر میں نازک خیالی اور سلاست بیان کا کیسا لطف ہے، اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا کے یہاں تراکیب میں لفظ و خیال کی بڑی مماثلت ہے۔ اگر کلامِ رضا سے تراکیب یکجا کی جائیں تو ایک علیحدہ مضمون کی صورت ہو سکتی ہے۔

اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ کلامِ رضا کا موضوع یکساں ہونے کے باوجود اس کلام میں مولانا احمد رضا خان نے عشقِ رسول ﷺ کو بنیاد بنا کر جذباتِ انسانی کو عمومی طور پر اور ایک عاشقِ صادق کے جذبات کو خصوصیت سے نیرگیوں کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں اُردو زبان اپنے تمام اسالیب اور اندازِ بیان کے ساتھ نظر آتی ہے۔

مولانا احمد رضا خان نے اُردو نعت گوئی میں پہلی مرتبہ اُردو غزل کے استعارات، علامتوں اور تشبیہات کو ایک بالکل مختلف اور اعلیٰ تناظر میں پیش کیا ہے۔ حسنِ محبوب کی جلوہ فرمائی کو جس جس انداز سے آپ نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ آپ سے پہلے نعت گوئی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تغزل کی شاعری میں عشق اور اس کی مختلف کیفیات مثلاً انتظار، دیدار، فراق و ہجر، وصل و ملاقات کے موضوعات کو آپ نے عام انسانی سطح سے اٹھا کر ایک اعلیٰ تر سطحِ بخش دی۔ ڈاکٹر غلام بیگی انجم کے مطابق:

”ابنِ قتیبہ (متوفی ۸۸۹ھ) کے یہاں ایک اچھے شاعر کی پہچان حسنِ الفاظ اور حسنِ معانی کا اختیار ہے اور عوالم کو مد نظر رکھ کر وہ فن کار کو تنقید کی کسوٹی پر کھرا کرتے ہیں۔ ابن

اور ایسا نہیں ہے کہ محض معانی و مفاہیم کو اشعار میں جگہ دی ہو بلکہ اس کے ساتھ قرآنی الفاظ کو بھی انھوں نے اس خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایسا لگتا ہے کہ زبان و بیان میں حد درجہ ہم آہنگی ہے۔ ایسی ہم آہنگی کہ کہیں پر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ دو الگ الگ زبانیں جوڑ دی گئی ہیں۔ مثلاً:

لیلته القدر میں مطلع الفجر حق

مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

(حدائق: ۱۶:۲)

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

(حدائق: ۹:۱)

”حدائق بخشش“ حضرت رضا کی نعتوں کا مجموعہ

ایک ایسی متاع بے بہا ہے جس پر اردو کی نعتیہ شاعری ہمیشہ ناز کرے گی۔ حضرت رضا کی نعتیں سادہ، سہل، عام فہم، سوز و گداز قلب اور عاشقانہ جذبات سے مملو ہیں۔ مخصوص فنی نقطہ نظر سے بھی مشکل اور سخت زمینوں میں آپ کی نعتیں بندش و تراکیب اور قدرت بیان کا سارا حسن رکھتی ہیں۔ اردو کلاسیکی شاعری کے وہ سارے اوصاف جن پر اہل زبان کو ناز ہے حضرت رضا کے کلام میں بھرے پڑے ہیں۔ شوخی طبع کے باوجود آپ نے بہت احتیاط سے عروس سخن کو ان تمام زیورات سے آراستہ کیا ہے جو نعت گوئی کے تقدس و احترام کے ساتھ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ شاعر کو اپنی تخلیقی علویت کا احساس تھا۔

”اب جہاں تک جدیدنا قد کا تعلق ہے تو وہ داخلی فنکاری کی بجائے خارجییت پر زور دیتا ہے اور فنی کاریگری کے لیے تشبیہات و استعارات (Semilies) کو بے حد اہم قرار دیتا ہے۔ اگر فنی کاریگری کے اس طریقہ کار سے مولانا کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ انھیں الفاظ کے بطون پر کامل گرفت حاصل تھی۔ الفاظ جو خوابوں میں تراشی ہوئی تصویروں کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ (۲۴)

سرتابہ قدم ہیں تن سلطان زمن پھول

لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول

(حدائق: ۳۱:۱)

یہ شعر تشبیہات و استعارات کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ حب صادق کی بھرپور نمائندگی بھی کرتا ہے انھوں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عضو کو پھول سے تشبیہ دے کر مکمل پھول بنا دیا ہے۔ (۲۵)

مولانا احمد رضا خان کی شاعری کے سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مکمل قرآن و حدیث کا ترجمہ ہے۔ ان کا کلام، کلام اللہ کے رموز کا مخزن ہے بلاشبہ وہ نامعلوم اور طویل مدت تک زندہ و تابندہ رہے گا۔ اسلامی عقائد، شعائر اور روایات کی وکالت اپنے کلام میں عالمانہ، عارفانہ انداز سے کی ہے اور لفظوں کا دروبست ایسا ہے کہ جیسے لعل و گہر کو حسین لڑی میں پرو دیا ہے۔

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم
(حدائق: ۳۲:۱)

(حدائق: ۱: ۳۲)

اپنے کوچہ سے نکالا تو نہ دو
ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم

(حدائق: ۱: ۳۴)

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں
نامِ مدینہ لے لیا چلنے لگی نسیمِ خلد
سوزِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
غفلتِ شیخ و شاب پر ہنستے ہیں طفلِ شیر خوار
کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہائی کیوں
(حدائق: ۱: ۴۱، ۴۲)

کیا ٹھیک ہو رُخِ نبوی پر مثالِ گل
پامالِ جلوہ کفِ پا ہے جمالِ گل
رنگِ مرثہ سے کر کے نخلِ یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل
(حدائق: ۱: ۳۰)

عارضِ شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
دو قمر، دو پنچہ خور، د و ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنچے، ناخن، پائے اطہر، ایڑیاں
چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی
کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

(حدائق: ۱: ۳۵/۳۶)

مولانا احمد رضا خان نے نہ صرف عربی، فارسی اور اردو

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم
(حدائق: ۱: ۳۳)

انہیں زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا۔ فارسی و عربی میں
مہارت کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا ستھرا شعور رکھتے
تھے۔ کلام کی سنجیدگی، لب و لہجے کی بلند آہنگی، طنز اور زور اس
میدان میں بے مثل استاد کی دلیل ہے۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی
برق، کلامِ رضا پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان کے یہاں کچھ ایسے الفاظ بھی بڑی عمدگی سے ادا
ہوئے ہیں جو لکھنؤ کی خالص بیگماتی اردو کا جزو ہیں۔ روزمرہ،
محاورہ اور لب و لہجہ کا یہ نکھر اور شستہ انداز ان کے کلام کا خاص
جوہر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سخت اور دُشوار زمینوں میں
حضرتِ رضائے جو مضامین باندھے ہیں وہ ان کی قادر الکلامی
کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کی طبیعت مشکل پسند تھی اور یہ
مشکل بھی انہیں اتنی سہل تھی۔ کوئی تکلیف ہی نہیں۔“ (۲۶)

مثلاً:

او شہدِ نمائے زہرِ درِ جام
گم جاؤں کدھر تری بدی سے
(حدائق: ۱: ۶۵)

بندہ ملنے کو قریب حضرتِ قادر گیا
لمعہ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر گیا
(حدائق: ۱: ۱۹)

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے
بیکس کے اٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

وصول کرتی رہے گی۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان کی شاعری فنی نقطہ نگاہ سے معیار و کمال کی حامل اور سرسبز حمد و نعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔

مولانا احمد رضا خان کی شاعری کا جس قدر مطالعہ کرتے جائیے کمالاتِ شعری کے انکشافات کے ساتھ زبانِ دانی کے معاملات بھی عیاں ہوتے ہیں لیکن اس امر کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے کہ مولانا کی شعری لفظیات پر ایک مکمل اور بسیط تحقیقی مطالعہ کا ڈول ڈالا جائے۔ اس تحقیق کے بعد یہ جاننا اور آسان ہو جائے گا کہ اردو زبان میں عربی و فارسی اور مقامی لفظیات کی آمیزش اور ہم آہنگی کے نتیجے میں مولانا احمد رضا خان نے اردو نعت کو کس درجے مقامی ارضی اور سماجی ثروت سے مالا مال کیا ہے۔

☆☆☆

تین زبانوں میں شاعری کی بلکہ بعض نظمیں خصوصی التزام کے ساتھ ہندی بھاشا کی آمیزش سے بھی لکھیں۔ بہر طور مولانا احمد رضا خان کے کلام کا بیشتر حصہ زبان کی لطافت، سلاست، پاکیزگی اور روانی کا آئینہ دار ہے۔ ان کی نعت گوئی، سادگی، زبان، طرزِ ادا کی دلکشی، روزمرہ کی لطافت اور محاورہ بندی سے مملو ہے۔ البتہ جہاں حضور رسول اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور کمالاتِ نبوت کا اظہار کیا ہے وہاں رفعتِ مضامین کی مناسبت سے بلندیِ خیال، شکوہ الفاظ، قرآن و احادیث سے موضوع کا استدلال انھیں ایسی منزل پر لے جاتا ہے کہ زبان کی سادگی اور سلاست پیچھے رہ جاتی ہے لیکن وہاں بھی زبان کے وقار کا منفرد عالم ہوتا ہے۔ جب جب یہ بلند اور وسیع مضامین، موزونیت کا پاکیزہ لباس زیب تن کرتے ہیں تو کلامِ بلاغت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ ایک حقیقت ہے کہ علم و فضل اور زبانِ دانی کے میدان میں مولانا کی ہمہ جہتی خراجِ عقیدت

کلامِ رضا میں سراپائے رسول اکرم ﷺ

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ اب ضرورت ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی شکل و صورت کی تعریف و توصیف کی بجائے ان کی سیرت صادقہ کے مختلف پہلوؤں کو شاعری کا موضوع بنایا جائے (۱)۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہونے کے باوجود بہ ذاتِ خود اس موضوع کی تحدید کرنے کے مترادف ہے۔ آپ جناب سرکار ﷺ کی سیرت کے ساتھ ساتھ صورت میں بھی نور و نکہت کی ہمیشگیوں فی الحقیقت اسی مقدار میں موجود ہیں جسے دوسرے لفظوں میں خیر کثیر کہا جاتا ہے۔ جس طرح زندگی کے جمالیاتی زاویوں کی افادیت سے انکار ممکن نہیں بالکل اسی طرح اس عظیم ہستی کے جمال پر نور کی عظمت سے کیسے انکار ممکن ہے۔ احادیث مبارکہ میں مناقب رسول ﷺ کے ابواب میں اس حسنِ صبیح و لیح کا سراپا نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں محسن رسول حضرت ابوطالب کا ایک نعتیہ قصیدہ ملتا ہے، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو، اس میں صورت و سیرت کے دونوں پہلو بیان ہوئے ہیں:

وہ بیواؤں کا وارث اور یتیموں کا والی، جسے دیکھ کر بادل بھی مینہ برسا دے (۲)

فی الحقیقت عربی، فارسی اور اردو شاعری میں موجود نعتیہ

نعت ایک محبوبہ دل براں صنف ہے۔ اسے دیگر اصناف ادب پر وہی برتری حاصل ہے کہ جو تفوق اس کی موضوع ہستی کو باقی انسانوں پر ہے (یعنی بعد از خدا....)۔ گزشتہ صدیوں میں نعت کا تخلیق کردہ سرمایہ بہت زیادہ ہونے کے باوجود طلب سے کم ہے۔ زمانوں کے تغیر نے کیسے کیسے نامیوں کے نشانات کو بود سے نابود کر دیا۔ دنیا کے فٹ پاتھ سے انسانی نسلوں کے نہ جانے کتنے گروہ بے خیالی میں گزر گئے، ایسی مقدس ہستیاں بہت کم ہیں جنہوں نے جلوس جہاں میں اپنی یادوں کے دستخط ثبت کیے۔ وقت کے بہتے دھارے نے انسانی چہروں پر فراموشی کی دھول جمادی، لیکن چنیدہ لوگوں میں سرفہرست ایک باکمال ذات ایسی بھی ہے کہ وقت کا یہ سیل بے پناہ اس کے جمال پر انوار میں روز بہ روز اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ اس کا ذکر حسب وعدہ بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب اور عقاید میں تصویریں اور بت بنا کر اپنے مشاہیر کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی روایت موجود تھی، اسلام میں اس کی سخت ممانعت کی وجہ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں الفاظ کا نذرانہ بہ ذریعہ نعت پیش کرنے کا آغاز ہوا۔ نعت کی صنف اپنے جلو میں متعدد فکری زاویے رکھتی ہے

☆ ہوئے اشعار، مثل، تمثال، تصویر“ (۵)
 ”وہ نظم جس میں اعضائے جسمانی کی تعریف لکھی
 جائے“ (۶)

☆ اول سے آخر تک جسم کی نظمیں تعریف“ (۷)

☆ The whole body, figure, totally,

from end to end. (8)

سرپا نگاری کی تعریف کرتے ہوئے ابو الاعجاز حفیظ
 صدیقی رقم طراز ہیں: ”ادبیات کی اصطلاح میں محبوب یا
 ممدوح کے بالوں سے لے کر ناخن پا تک ایک ایک کر کے
 مختلف اعضائے بدن کی توصیف سرپا کہلاتی ہے۔“ (۹)

سرپا، پیکر، تمثال یا میج شاعر کے متخیلہ یا تصور سے بہ
 راہ راست تعلق نہیں رکھتا، بل کہ شعری عمل کے دوران ایک
 واضح شبیہ بھرتی ہے جو قرأت کے بعد مجسم شکل اختیار کر لیتی
 ہے۔ سرپا مشاہدے اور تجربے کی معنی خیز صورت میں کسی شخصی
 حالت کا آنکھوں کے سامنے تصویری شکل میں ابھر آنے کا عمل
 ہے۔ سرپا نگاری کے لیے پیکر تراشی، تمثال نگاری، محاکات
 نگاری اور تصویریت وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی
 ہیں۔ یہ لفظوں کے تال میل اور خوب صورت دروبست سے
 ابھرنے والی وہ شبیہیں ہوتی ہیں جو ایک واضح یا قدرے مبہم
 انداز میں قاری تک پہنچتی ہیں۔ ڈاکٹر شائستہ حمید کے مطابق:

”پیکر تراشی، سرپا نگاری، امیجری، تمثال دراصل وہ
 تصویر ہے جو شاعری کے مطالعے سے ذہن میں بنتی

ہے۔ شاعر کے محسوسات اور واردات اپنے اظہار
 کے لیے جب لفظی تصویروں کا روپ دھار لیتے ہیں تو

شاعری میں کثیر تعداد میں سرپا کے اشعار ملتے ہیں۔ اسلام کی
 اشاعت اور زندگی میں بنیادی سطح پر پیا ہونے والے انقلاب
 کے سبب عربی شاعری کے دیگر زاویے متروک ہو گئے۔
 ”مخضرم“ کی اصطلاح سامنے آئی اور حسن و جمال کے بیان کا
 مرکز و محور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی
 قرار پائی اور آپ کے جمال دل نشیں کے تذکرے عام
 ہو گئے۔ عربی نعت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرپا
 مبارک بیان کرنے کی عظیم روایت موجود ہے۔ بنو امیہ کے
 دور میں عربی شاعری کے قدیم عناصر نے از سر نو ظہور کیا۔
 عبدالملک بن مروان نے عربی کو سرکاری زبان قرار دے کر
 اموی عہد کو خالص عربی عہد بنا دیا۔ بنو عباس کی طرف اقتدار
 کی منتقلی کے بعد عربی شاعری پر عجمی تصورات کا غلبہ ہوا، یہ
 دراصل ترجمے کا دور تھا، اس عہد میں فارسی اور سنسکرت سے متعدد
 کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔ اسی دور میں فارسی کے معروف
 شعراء فردوسی، انوری اور سعدی وغیرہ کو پذیرائی ملی۔ مشرقی
 شعریات کے نعتیہ سرمائے میں آپ جناب سرکار صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی سرپا نگاری کی ایک شان دار روایت ملتی ہے۔ مختلف
 لغات میں سرپا نگاری کی درج ذیل تعریفیں موجود ہیں:

☆ ”بمعنی خلقت و بمعنی تمام از اول تا آخر و وصف تمام
 اندام ہائے معشوق“ (۳)

☆ ”اول سے آخر تک تمام، معشوق کے جسم کی اول
 سے آخر تک نظمیں تعریف“ (۴)

☆ سر سے پاؤں تک پورا جسم اور تمام اعضائے
 جسمانی، اعضائے جسمانی کی تعریف میں لکھے

symbolic image which arouses

“(11) a network of associations

شاعری میں سراپا نگاری شعر کو فنی کمال عطا کرنے کا عمل تو ہے ہی، اس میں حقائق کی دریافت کی خواہش کی موجودگی سے بھی انکار ممکن نہیں، درحقیقت یہ حسن و جمال کے خارجی بیان کا ایک موثر اور مبنی برحقیقت ذریعہ بھی ہے۔ یہ کائنات بہ ذات خود حسن کا عظیم شہ کار ہے، اس کی ہر ایک شے بہ شمول انسان ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ اشیاء کے باہمی ارتباط اور تعلق سے ان کے رشتوں اور دیگر لامحسوس تعلقات کا عقدہ کھلتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے بقول ولی دکنی عشق کا عاشقانہ اور صادقانہ اظہار قرار دیا جاسکتا ہے:

حسن تھا پردہ تجرید میں سب سوں آزاد

طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

(ولی دکنی، کلیات ولی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، مرتبہ،

نورالحسن ہاشمی، ۱۹۹۶ء، ص ۷۵)

سراپا نگاری کے ذریعے وضع کردہ زبان یوں بھی اہم ہے کہ اس کا تعلق بہ راہ راست موضوع کے نقطہ ارتکاز یعنی موضوعہ شخصیت سے ہے۔ محبوب کے ”لب لعلیں“ یا ”زلف عنبریں“ کو سرخ اور خوشبودار کی خارجی خصوصیت کے باوجود محبوب سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں چیزوں کے خارج میں ہونے کے باوجود محبوب سے بہ ہر حال ایک ان مٹ رشتہ قائم ہے۔ دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو سراپا نگاری کی آنکھ میں ابھرنے والا سراپا جس ترتیب سے متشکل ہوتا ہے، وہ اس کی آنکھ کا لازمی جزو ہے۔ سراپا نگاری کو اسی سبب غزل سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں

اس کو سراپا، پیکر، تصویر، امیج اور تمثال سے تعبیر کیا جاتا

ہے۔“ (۱۰)

سراپا نگاری کا عمل اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انسانی ذہن ہمہ وقت مختلف تصاویر کا مرکز رہتا ہے۔ شاعر گرد و نواح میں پھیلی ہوئی دیکھی اور ان دیکھی دنیا میں اپنے حواس کے ذریعے مختلف مناظر ترتیب دیتا ہے اور اپنے ذہن میں ان کی جمع آوری کرتا رہتا ہے۔ یہ مناظر مختلف تصویروں اور شبیہوں کی صورت میں شاعر کے لاشعور کا حصہ بنتے ہیں اور بعد ازاں لفظی تصویروں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ غور کیا جائے تو انسانی سراپے کو لفظی پیکر میں ڈھالنے کا عمل سراپا نگاری کہلاتا ہے۔ سراپا نگاری سے مراد کسی محبوب شخصیت کی ایسی لفظی تصویر بنانے کا عمل ہے جس میں اس کے حسن و جمال کو الفاظ کے ساتھ چشم نخیل میں لا کر وجود دیا جاتا ہے۔ یہ عمل شعوری کاوش کا مرہون منت ہے۔ اس میں لاشعور کی کار فرمائی بہت کم ہوتی ہے۔ جان پریس (John Press) سراپا نگاری میں شخصی نقش گری کے حوالے سے کہتے ہیں:

A good poet should be a , but imagery, master of imager

is some thing complex and elaborate that a series of

A .unambisious pictures distiction must between visual

which evokes a clear ,image picture of an object and a

محاکات اور تخیل پر ہے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک چیز بھی موجود ہو تو شعر اصل معنوں میں شعر کہلانے کا حق دار ہے۔

محاکات کا تعلق شاعرانہ مصوری سے ہے۔ عام مصوری میں جو تصویر کھینچی جاتی ہے اس میں بہ تفصیل عارض و رخسار اور خال و خد کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس سراپا نگاری، پیکر تراشی اور محاکات میں شاعر انھی اعضائے بدن کو سخن کا موضوع بناتا ہے جو اس کے جذبات کو تلذذ آمیز ذوق جمال عطا کرتے ہیں یا

اس کے خیال میں قاری یا سامع کے ذوق مشاہدہ کو وسیع یا اس کے جذبہ کو براہیختہ کر سکتے ہیں۔ پیکر تراشی اور محاکات نگاری میں مظاہر فطرت کی عکاسی کو اولیت حاصل ہے۔ جب کہ سراپا نگاری کسی انسان کے اعضائے بدن اور ان کے متعلقات کی تعریف کے ساتھ ساتھ دیگر امور کا تجربہ کرتی ہے۔ سراپا نگاری میں انسانی اعضائے بدن کی شعری عکس بندی اور بھی زیادہ دل چسپی کی حامل محسوس ہوتی ہے۔ اس مرحلے پر شاعر کے ذوق جمال کے ساتھ ساتھ اس تمدن کا اجتماعی لاشعور بھی واضح ہوتا ہے جس میں وہ شاعر رہ رہا ہے۔ سراپا نگاری میں موضوع بننے والے جملہ اعضا میں سر، بال، زلف، جبیں، رخسار، ابرو، آنکھ، چشم، پلک، ناک، عارض، دانت، رخ، منہ، گلا، گردن، دوش، ہاتھ، کہنی اور پاؤں وغیرہ شامل ہیں۔

اردو نعت کے شعراء نے رسول ﷺ کی سراپا نگاری کے بیان میں آپ ﷺ کے اعضاے بدن کی مجرد تعریف کے ساتھ ساتھ علم البیان اور علم البدیع کے پس منظر میں بھی اشعار کہے ہیں۔ نعتیہ سراپا نگاری کے موضوعاتی حدود میں آپ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے ان باتوں کو بھی موضوع

فریقین کے مابین ایک ایسا تعلق پروان چڑھتا ہے جو خارج کے ساتھ ساتھ باطنی سطح پر بھی ایک منفرد کیفیت کو جنم دیتا ہے۔

اردو نعت میں سراپا نگاری سے متعلقہ مواد خاصا وسیع ہے۔ شعراء نے حواس کی پانچوں اقسام کو پیش نظر رکھتے ہوئے رنگوں کی گل کاری کی ہے۔ سراپا نگاری کے موضوعہ کرداروں میں محبوب کے ساتھ ساتھ عاشق کے سراپا کا بیان بھی خاصا وسیع ہے۔

سراپا نگاری اردو نعت کی وہ خصوصیت ہے جسے ایک مکمل اور جامع حقیقت حاصل ہے۔ اس کے خارجی اور داخلی پہلو خاصے وسیع ہیں۔ خارجی پہلوؤں میں بدن کے اعضاء کا سیدھا سادہ بیانیہ اظہار شامل ہے لیکن داخلی پہلوؤں میں وہ جذبات اولیت رکھتے ہیں جو تخلیق کار کے داخل میں حسن کے مشاہدے یا خیالی تصور کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے جلو میں ایک تصور لیے ہوتا ہے، اس لیے اعضائے بدن کے جمال کی اپنی الگ تاثیر ہے۔ اس سے کسی شاعر کے ذاتی اور اجتماعی لاشعور کا ادراک بھی ممکن ہو پاتا ہے۔

سراپا کی سادگی اپنی جگہ لیکن علم بیان و بدیع کے استعمال سے اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ تصویر سازی کی ان رنگا رنگ صورتوں کا تعلق انسانی تخیل سے بہ راہ راست ہونے کے باوجود بعض اوقات تجریدی قسم کی سراپا نگاری بھی وجود میں آتی ہے۔ ان جانی قسم کی تصویر کشی کا سبب شاعر کا اپنے واضح مشاہدے کے ساتھ داخلی کیفیات کو پیچیدہ انداز کے ساتھ شعر گوئی کا عمل بھی ہے۔ شاعری کے خالص عناصر میں محاکات لازمی جزو ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے خیال میں شاعری کی بنیاد

source of information
available to the
perciever."(12)

کسی شخصیت کا عمومی جسمانی انداز، گفت گو، چال ڈھال اور دیگر جسمانی حرکات کم و بیش اس کی ذات کا مستقل حصہ ہوتی ہیں۔ کلاسیکی عہد کے شعراء نے اس پہلو سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ انھوں نے اس زاویے سے موضوع شخصیت کا تجزیہ کر کے اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جیسے الیبلی چال، ماتھے کی شکن، چشم و لب کی مختلف کیفیات، آنکھوں سے ٹپکنے والی نخوت، اور کسی غیرت ناہید کی دیکھ جیسی تان وغیرہ۔ اس سے کسی شخصیت کی ذہنی کیفیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ نفسیات کی دنیا میں اسے بصری متخیلہ سے جوڑا جاتا ہے۔ کسی منظر کو انسان جب ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے تو اس کے متخیلہ میں وہ اپنی اصل حالت کے ساتھ بہت عرصے تک موجود رہتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق سوچ کے عمل میں ذہنی تصاویر یا تمثال، الفاظ اور تعقلات کی مدد سے کسی انسان کی سوچ کو واضح اور اس کے تخیل کو دل پذیر بناتے ہیں۔ اس مرحلے پر سراپا سے متعلق صدیوں پرانے انسانی تصورات

بھی اپنا رنگ جماتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کے مطابق:

”بہت سے ایسے نظریات قائم ہیں۔ جن کے مطابق فرد کی آنکھوں کے رنگ، قد، ہاتھوں کی لکیروں، ناک، کان یا چہرے کی عمومی بناوٹ کی بنیاد پر اسے مخصوص خصوصیات کا حامل قرار دے دیا جاتا ہے۔“ (۱۳)

اس طرح کے وضع کردہ خود ساختہ نظریات کی کوئی

میں داخل کیا گیا ہے۔ جن کا تعلق سراپا سے ہے۔ اس میں نگاہ و نظر، تبسم، انداز گفتار، نجابت و نزاکت، سادگی، خوش خرامی، نشان کف پا اور نکہت زلف و پسینہ وغیرہ شامل ہے۔ سراپا نگاری کے متعلقات تصویروں کا ایک ایسا سلسلہ ترتیب دیتے ہیں جو ہمارے ذہن میں معنویت پیدا کرتا ہے۔ اگر اس عمل میں علم البیان اور علم البدیع کی جہتوں کو استعمال میں لایا جائے تو ہونے والی یہ نقش گری اور بھی واضح اور با معنی ہو جاتی ہے۔ ان خصوصیات کے سبب ایک مصرعے میں معانی کا ایک جہان پنہاں ہوتا ہے۔ ہر لفظ اپنے جلو میں ایک تصور رکھتا ہے، اور ہر تصور کا ایک مخصوص پس منظر ہوتا ہے۔ اس طرح الفاظ کا برموقع اور بحمل استعمال ہمیں ایک ایسی فضا کی سیر کراتا ہے، جہاں ہم ذہنی طور پر آسودگی اور سرشاری محسوس کرتے ہیں۔ نعتیہ سراپا نگاری میں سرکار ہر دو عالم کے چہرہ انور کو مرکزیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کسی انسان کی خوب صورتی کا اولین تاثر اس کے چہرے کا محتاج ہے اور چہرہ حسن و جمال کا مرکزی مقام متصور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Linda a Jackson چہرے کو مرکزی مقام دیتے ہوئے کہتی ہیں:

"It is certainly not surprising that the face has occupied centre stage in the research on physical appearance-after all, the face is usually the first source of information available about a person, and after the most potent

مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ حضرت والا کی نعتیہ شاعری کے پس منظر میں شعور کی وہ سطحیں دکھائی دیتی ہیں جن کا تعلق ایک عظیم روایت سے ہے، ڈاکٹر عبدالغفور عزیز کی مطابق:

امام احمد رضا عقلی اور نقلی علوم و فنون کے جامع اور بہ ذات خود علم و آگہی کا ایک جہان تھے۔ ان کی تبحر علمی کا ان کی شاعری پر اثر انداز ہونا ایک فطری اور لازمی امر ہے۔ امام موصوف کی مضمون و معنی آفرینی اور ان کے فکر و تخیل کی رفعت کے جو نمونے ادبی محاسن کے طور پر دیکھے جاتے ہیں، ایسی مثال کم ملتی ہے (۱۶)

سر اپا نگاری کی مروجہ تعریفیں اپنی جگہ لیکن نعت شریف کا معاملہ جدا ہے۔ نعتیہ شاعری میں سر اپا نگاری کے پس منظر میں صوفیانہ روایات کا جائزہ لیں تو ایک اور جہان معنی کا انکشاف ہوتا ہے۔ حضرت والا نے اکثر سر اپا پے متصوفانہ انداز فکر سے تخلیق کیے ہیں، اس لحاظ سے انھوں نے سر اپا نگاری کو ایک منفرد زاویہ عطا کیا ہے۔ فاضل بریلوی کی نعت میں سر اپا نگاری حسن کی تجلیات حقیقت کو مجاز کے پردے میں مخفی رکھتی ہیں اور کبھی وہ اس مجاز کے ذریعے حقیقت آشکار کرتے ہیں۔ انھوں نے خاص طور پر جہاں زلف و چشم کا ذکر کیا ہے، وہاں ان کی سر اپا نگاری میں بوقلمونی پیدا ہوئی ہے۔ حضرت والا کے ہاں زلف ایک علامت بن کر محبوب حقیقی کے رخ روشن پر تعینات کا پردہ تان لیتی ہے۔ یہ جب سیاہ بادلوں کی طرح محبوب کے مہ تاب نمازلف کا لفظ کا کل یا گیسو سے جدا ہے۔

فاضل بریلوی نے اہتمام کے ساتھ اپنے قصیدہ سلامیہ

سائنسی یا منطقی توجیہ تو پیش نہیں کی گئی، اس کے باوجود عوام الناس کے ذہن پر ان تصورات کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ بشریاتی علوم کے ماہرین نے تو کسی کے جسمانی خدو خال کے پس منظر میں متعلقہ شخصیت کی دقیق نفسیاتی پر توں کو کھولنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ”انیسویں صدی عیسوی کے ایک اطالوی ماہر انسانیات سینیئر لومبروسو (Cesare Lamborso) نے چہرے کے خدو خال اور جسم کی عمومی بناوٹ کی بنیاد پر شخصیت کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے سر کے سائز، آنکھوں کے درمیانی فاصلے، ٹھوڑی کی شکل، اور بالوں اور آنکھوں کے رنگ کو بعض شخصی خصوصیات سے منسلک کیا ہے۔“ (۱۴)

شعراء بھی مشاہدے اور متخیلہ کے ذریعے سے کسی شخصیت کے سر اپا کی تصویر کھینچتے ہیں تو اس سے ان کے حسن و جمال کے تصور کے ساتھ ساتھ اس شعور کی غمازی بھی ہوتی ہے جو صدیوں کے تہذیبی سفر کے بعد مرتب ہوتا ہے۔ اردو نعت کی عظیم الشان روایت میں سر اپا نگاری کے خاص زاویے ہیں۔ حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محسن کا کوروی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی ان چند شخصیات میں سرفہرست ہیں، جنہیں ذات حق نے اس خطے میں فروغ نعت کے لیے منتخب کیں۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی ۱۰ شوال ۱۲ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے (۱۵)، ان کی شخصیت کی متعدد جہتیں ہیں، عشاق رسول میں بلند مقام رکھتے ہیں، ان کی شخصیت کے آفاق بھی اس قدر وسیع اور متنوع ہیں کہ ایک

کی علامت ہے۔ اس ابتلا کا باعث ہونا زلف کی درازی بھی ہے اور سیاہی بھی۔ جس طرح زلف رخ محبوب پر پردہ ڈال لیتی ہے۔ سیاہ تعینات بھی حسن حقیقی یا ذات واحد کو چھپا لیتے ہیں۔ زلف کی بیچ داری معاملات من و تو کا اشکال میں ہونا ظاہر کرتے ہیں، خواجہ میر درد کے ہاں زلف یا گیسو کے حوالے سے جو اشعار ملتے ہیں، ان سے تصوف کی ان اصطلاحات کے معنی اخذ ہو سکتے ہیں، زلف کے ساتھ رخسار کا ذکر بے وجہ نہیں، صوفیاء کے نزدیک رخسار کو بدن کے ساتھ بعینہ وہی نسبت ہے جو سورہ فاتحہ کو قرآن مجید سے ہے جہاں زلف کے ساتھ رخ، رخسار یا رکا ذکر آئے وہاں کفر کے ساتھ ایمان یا مشکل کے ساتھ آسانی کا کنایہ مراد لیا جاتا ہے۔ (۱۷)

زلف اور اس کے متعلقہ اوصاف کی سراپا گری دراصل بصری اور شامی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس میں بصارت کے ساتھ قوت شامہ بھی حظ اٹھاتی ہے۔ محبوب کی عنبریں زلفیں منتشر حواس کی تسکین کرتی ہیں۔ زلف کے ساتھ خوشبو جیسی پر اسرار شے بھی حضرت والا کے ہاں سراپا نگاری میں زلف ایک وسیع استعارہ بن کر سامنے آتی ہے۔ زلف، کا کل اور گیسو معمولی فرق سے ایک ہی ہیں۔ حضرت والا کی شاعری میں ایک غزل ایسی ہے جس کی ردیف ہی گیسو ہے۔ ایک نظر دیکھیے کس خوب صورتی کے ساتھ ردیف کے تقاضے نبھائے گئے ہیں۔

میں رسول کریم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے، اس کے علاوہ ان کی دیگر شاعری میں بھی سرکار ہر دو عالم ﷺ کے مقدس سراپا کا تذکرہ ملتا ہے، یہاں مثال کے طور پر حضرت والا کے اشعار دیکھیں۔ ان کے ہاں سراپا نگاری میں زلف کس طرح ایک وسیع استعارہ بن کر سامنے آتی ہے:

لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہء مہ زلف ابراجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
ہے کلام الہی میں شمس و مٹھی ترے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم
وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا
لکہ ء ابراء فت پہ لاکھوں سلام

تصوف کی دنیا میں زلف ایک ایسا جزو سراپا ہے جو سا لک کو اس کے مقام تک رسائی حاصل کرنے میں رہ نمائی کرتا ہے۔ اگر وہ محبوب کو چھپا دے تو افسردہ دلی پیدا کرتی ہے۔ الجھ جائے تو الجھاؤ کا باعث بنتی ہے اور سنور جائے تو طالب کو بھی سنوار دیتی ہے۔ محبوب اور اس کے اعضائے سراپا کا علامتی پس منظر سمجھنا خاصا دقیق ہے، مثلاً زلف تصوف میں انقباض کی نشانی ہے، اس کا مختلف زاویوں سے شاعری میں استعمال متعدد وجہوں کا حامل ہے، زلف اگر چہرے کو چھپالے تو رابطے کے تعطل کی علامت ہے، اگر زلف کی خوشبو کا ذکر ہو تو اس سے مرشد اور مسترشد کے مابین تعلقات کی بحالی مراد ہے۔ مولانا شاہ خالد میاں فاخری کے مطابق

”زلف سلسلہ تعینات، جذب الہی، مقام راز و اخفا، مظاہر کثرت، پریشانی یا پریشان کن حالات اور ابتلا

اس سے الگ نہیں، صوفیاء کے نزدیک چشم کا ایک مخصوص کردار ہے۔ شاہ سید محمد ذوقی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق:

”تصوف کی شاعری میں لفظ چشم سے کبھی بصارت ازلیہ کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ کبھی شہود حق حسب استعداد سالک کی جانب اور کبھی نظر حق تعالیٰ اور اس نظر کے اثرات کی جانب، دل برکی چشم شوق کا اثر یہ ہے کہ عشاق کے دلوں میں بعد و فراق و پندار خودی سے بیماری کا احساس پیدا ہوتا ہے، کبھی خمار غم سے جسم ٹوٹتا ہے، کبھی محبوب کی نظر کو اپنی جانب ملتفت پا کر ایک مستی پیدا ہوتی ہے۔“ (۱۹)

چشم کے مختلف غمزے ہیں، کبھی یہ چشم مست ہوتی ہے اور کبھی چشم شونخ، بیماری چشم، خمار چشم اور کرشمہ چشم بھی اس کی مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ خانہ چشم ہے یہ خانہ خمار نہیں۔ حضرت والا کی شاعری سرکار ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم عنایت کی منتظر رہتی ہے۔ کب وہ نگاہ عاصی پر اٹھے اور دنیا و آخرت کے سارے گناہ دھل جائیں

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
زگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
چلتے بچھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں
دل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ
ہم سے پیاسوں کے لیے دریا بہاتے جائیں گے
ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افکن مژہ
ظلاءِ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں سایہ افکن ہوں
ترے پیارے کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو
دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو
سید عابد علی عابد کے مطابق:

”زلف، کا کل اور گیسو کا ذکر شعر میں بالعموم اور غزل میں بالخصوص اس لیے آتا ہے کہ خوشبو اور مہک ان چیزوں سے وابستہ ہے اور ظاہر ہے قانون اسلاف افکار کے ماتحت خوشبو میں یہ پراسرار طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھولی ببری یادیں جو دل کے نہاں خانے میں کہیں سوئی پڑی ہوتی ہیں۔ اس کے ذکر سے جاگ پڑتی ہیں“ (۱۸)

آنکھ انسانی جسم کا سب سے حساس عضو ہے۔ یہ حسن ازل کی مشاہدہ میں ہے۔ چشم، آنکھ یا نظر قلب کو سہلانے اور گرمانے کا کام دیتی ہے، یہ کہیں مردہ جسم میں جان ڈال دیتی ہے اور کہیں بدن سے جان نکال بھی لیتی ہے۔ مجازی محبوب کے عشق میں چہرے کے نقش و نگار بنیادی کردار ادا کرتے ہیں تو جمالِ خداوندی کی زیارت کے طالبوں کی صورت حال بھی

ریشم کی ڈور میں اپنا ہاتھ الجھانے کی بجائے حق الیقین کی بات کرتا ہے، حضرت احمد رضا بریلوی کا عشق رسول مشاہدہ حق کی گفتگو کرتا ہے۔ وہ عشق کے جس سیلاب بلا کی زد میں آئے ہوئے ہیں وہ تیز و تند ہونے کے باوجود ان کے محبوب کا سراپا آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ شاعر کی چشم پینا میں محبوب کا سراپا اس طرح موجود ہے جیسے آندھی کے بطون میں ہی اس کی شدت چھپی ہوتی ہے۔ حضرت والا کے خیال میں عام آنکھ سے انسان کا دیدار تحقیق شدہ اور مسلم ہے لیکن اس کے لیے ماہیت کی کلیت اور ہویت کی جزویت پر تفصیلی نظر ڈالنی ضروری ہے، وہ حسن کے تشبیہی اور تنزیہی مراتب کو الگ کرنے اور روح اور جسم کے مابین فرق روار کھنے کے قائل ہیں۔ یہاں حضرت خواجہ میر درد نقشبندی کی تصنیف 'علم الکتب' سے ایک اقتباس قابل غور ہے:

”تمہارا مقصود وہی عالی مراتب ہو اور کہو کہ میں نے انسان کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھ سکتا ہوں۔ یہ مادی آنکھیں ان غیر مادی چیزوں کے دیدار کی اہلیت ہی نہیں رکھتی تو یہ صحیح اور درست ہے، اور انسان کے ظاہر و باطن پر مجموعی طور پر عرفانی نگاہ ڈالو اور کہو کہ میں نے ایک لحاظ سے انسان کو دیکھا ہے اور ایک لحاظ سے نہیں دیکھا تو یہ بھی درست اور صحیح ہے، اور اگر اپنے ہی ظاہر و باطن کو ملاحظہ کر کے کہہ دو کہ میں انسان کو ظاہراً بھی دیکھتا ہوں اور باطناً بھی تو بھی صحیح و درست ہے۔“ (۲۰)

سبزہ خط صوفیاء کے نزدیک رخ محبوب پر خوبی و لطافت

آنکھیں یہ نہیں سبزہء مرگاں کے قریب چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو سرگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمن نور کا انسانی وجود میں چہرہ سب سے زیادہ افضلیت رکھتا ہے، اہل عشق کے نزدیک اس کی حیثیت وہی ہے جو قرآن مجید میں سورہ یسین کی ہے۔ فاضل بریلوی کی نعت میں سرکار ہر دو عالم کے چہرہ انور کا حسن متعدد زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مرکزی مقام جمال ان کے نزدیک مقصود کائنات ہے، چند مثالیں دیکھیں:

جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا یوں ہی قرآن ہی وظیفہ ہے وقار عارض کیا ٹھیک ہے رخ نبوی پر مثال گل پامال جلوہ کف پا ہے جمال گل وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح و التمس وضحیٰ کرتے ہیں ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر اک بار اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو وہ ظل رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پائے سنہری زربفت، اودی اطلس، یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے ہیں عشق و تصوف کی دنیا میں عارف کا تجربہ سب سے جدا ہے، عارفانہ خصوصیات کے حصول کے بعد ہستی ثانی کسی تجریدی (Abstract) تجربے کی بجائے حسی تجربے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ ایک فلسفی کے برعکس صوفی الجھتے ہوئے

کا مظہر ہے، یہ ایک ایسی حدِ فاصل ہے کہ غیبِ مطلق اور شہودِ دونوں کے درمیان موجود ہے اور یہاں رخِ وحدتِ دن اور خطِ رات ہے، اس تناظر میں صوفیاء کے ہاں سبزہٴ خط کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ سید محمد ذوقی رقم طراز ہیں:

”سبزہٴ خط جامع جمیع دقائق و نکاتِ حسن و جمال بن گیا ہے اور کوئی خوب روئی و ملاحظت اس سے تجاوز نہیں کر سکتی، بہ لحاظ اس کے کہ یہ خط ظہورِ حیات ہے، اسے سبزہ زارِ جہانِ عالم بھی کہتے ہیں کیوں کہ نشوونما کی ابتدا سبزے سے ہوتی ہے اور مراتبِ ظہور میں مرتبہٴ ارواحِ ابتدائی مرتبہ ہے۔“ (۲۱)

حضرت رضا بریلوی کی شاعری میں اس حوالے سے اشعار دیکھیں:

مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا
لوسیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا
ریشِ خوش معتدل مرہم ریشِ دل
ہالہ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام
حضرت والا کے ہاں یہ دونوں اشیاء اس طرح باہم آمیز ہیں کہ ان کی درجہ بندی خاصی مشکل ہو جاتی ہے۔ بعض اشعار میں تو سراپا نگاری میں موجود پاکیزگی سے درد کے قلب و نظر کی روحانی وسعتوں کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں ایرانی تصوف کے غلبے کے سبب اعضاءِ سراپا کا جو علامتی نظام ہے وہ انسانی مزاج کو مہذب بنانے کے کام آ کر اور اس کو حدِ اعتدال پر لاتا ہے، ڈاکٹر وزیر آغا اس علامتی نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:

”صوفی شعراء کے ہاں خواہشات کی تکذیب نہیں ہوتی بل کہ ان کی تہذیب ہوتی ہے اور یہی فن کا مسلک بھی ہے، چنانچہ شراب اور محبوب اور اس کے سراپا کے تمام لوازم جنہیں پہلے صوفیاء نے خوف اور نفرت کی نظروں سے دیکھا تھا، صوفی شعراء کے ہاں علامتی روپ اختیار کر گئے حتیٰ کہ نفسیاتی سطح کی محبت بھی ایک ارفع جذبہٴ عشق میں مبدل ہو گئی“ (۲۲)

صوفیاء کے نزدیک مجازی لباس میں محبوب کو پانے کی خواہش فطری ہے، کیوں کہ عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق ”درد چوں کہ باطنی حسن کے متلاشی ہیں۔ جو ظاہر میں نہیں دیکھا جاسکتا، سچ پوچھو تو وہ اس کے لیے مجبور بھی تھے کہ حقیقت کے اظہار کے لیے مجاز کا سہارا تلاش کرتے۔“ (۲۳)

یہاں خواجہ میر درد کی اس مجبوری کو غزل ”تنگ نائے“ سے بھی جوڑا جاسکتا ہے جہاں بہ ہر حال اس کے مفاہیم و معنی کے حدود سے تجاوز کرنا زیادہ مناسب نہیں۔ صوفیاء کے ہاں محبوب اور اس کے سراپا کا مطالعہ مخصوص صوفیانہ اصطلاحات کے پس منظر میں خاصا منفرد اور دل چسپ ہے۔ چند مثالیں دیکھیں:

ابرو:

ہے جلوہ گہ نورِ الہی وہ رو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

جنبش ہوئی کس مہر کی انگلی کو رضا
بجلی سی گری شیشہ مہ ٹوٹ گیا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
صوفیانہ تفہیم: انگشت گرہ کشائی کرتی ہے، اس لیے حل
المشکلات ہیں۔ نیک روحیں عالم برزخ میں بھی عقدہ کشائی
کرتی ہیں۔

دہن:

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھین
سبزہ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام
صوفیانہ تفہیم: صفت تکلم، جس کا ادراک آسان نہیں
تبسم:

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
اے ملیح عربی کردے نمک داں ہم کو
صوفیانہ تفہیم: ایک نظر عنایت جس کا تعلق عطا سے ہے۔
چال:

کمان امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
الہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
تعالیٰ اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا

صوفیانہ تفہیم: جس طرح قاب قوسین کو ذات حق کا
قرب حاصل ہے اسی طرح ابرو کو چشم کی ہم راہی میسر ہے۔
قد/قامت:

تراقد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں
ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر جس کے بلبل ہیں
ترا سرو سہی اس گل بن خوبی کی ڈالی ہے
سرو ناز قدم مغز راز حکم
یہ تازہ فضیلت پہ لاکھوں سلام
صوفیانہ تفہیم: وجوب و امکان کی درمیانی جگہ، وہ بزرخ
جو اجتماعِ ضدیں یا جانین یا طرفین ہے کیوں کہ قد و قامت
میں بھی یہی صورت حال ہوتی ہے۔

لب:

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے
ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
صوفیانہ تفہیم: شاعر کے نزدیک محبوب کے لب حیات
بخش ہیں۔ کلام معشوق نیستی کو ہستی میں لاتا ہے، درد مند دل کو
ہونٹوں کے ذریعے مژدہ طرب سنایا جاتا ہے۔ شاعر ابھی تک
اس خوش خبری کو سننے سے محروم ہے۔

انگشت:

چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا! تیری توانائی کی

سر تا بقدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذن پھول، بدن پھول
حضرت احمد رضا بریلوی صاحب کی نعتیہ شاعری اپنے
جلو میں ایک خاص رنگ رکھتی ہے، وہ اپنے عہد کے شعراء سے
منفرد اور جدا دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی نعت میں علم
بیان و بدلیج کی مہارتوں کے ساتھ ساتھ، محاوروں اور ضرب
الامثال کا جس خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے اس کی
مثال مفقود ہے۔

حوالہ جات:

- ۱۔ حیرت دہلوی، مرزا، بہ حوالہ شاہ چراغ الدین
تونسوی، جمال لولاک، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۸۸ء
ص ۲۳
- ۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مضمون، مضمون، نقوش رسول نمبر، بحوالہ
سیرت طیبہ کے شعری نقوش، ص ۱۲
- ۳۔۔ غیاث اللغات، مرتبہ، مولانا غیاث الدین،
کراچی: ادب منزل، ۱۲۴۲ھ، ص ۲۶۲
- ۴۔ اعجاز اللغات جدید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،
۱۹۹۲ء، ص ۴۴۶
- ۵۔ فرہنگ تلفظ، مرتبہ، شان الحق حقی، اسلام آباد:
مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۲ء، ص ۶۱۷
- ۶۔ جامع نسیم اللغات اردو، مرتبہ، نسیم امرہوی، سید
مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز
پرائیویٹ لمیٹڈ، سن، ص ۶۹۵
- ۷۔ فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، مرتبہ، مولوی سعید احمد

صوفیانہ تفہیم: مطلوب و مقصود کا منطق الطیر کے
پرندوں کی طرح سے مرغ کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہونا۔
ظاہری اور باطنی آنکھ سے کسی بھی شے کا سراپا دیکھنا اہل
تصوف کے نزدیک دراصل انسان کے قلبی افعال میں سے
ایک فعل ہے۔ اس سے شاید بصارت سے زیادہ بصیرت کا
تعلق ہے۔ عرفانی علوم سے وابستہ شخص اپنی آنکھ کے روزن
سے مخفی اور ظاہر، حسن کی دونوں جہتوں کا دیدار کرتا
ہے۔ حضرت والا کے ہاں اس کی چند مثالیں یوں ملتی ہیں:

ایک سینے تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سببین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا
میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا
ایسی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں
دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے
میرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں
کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشہء کنعان عرب
نقاب الٹے وہ مہر انور جلال رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے
گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا

- ۱۶۔ عبدالنعیم عزیز، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، کراچی: ادارہ تحقیقات امام رضا، ۲۰۰۸ء، ص ۵۹۳
- ۱۷۔ خالد میاں، فاخری، مولانا، اصطلاحات تصوف، کراچی: دائرۃ المصنفین، سن، ۲۳
- ۱۸۔ عابد، علی عابد، پروفیسر، تنقیدی مضامین، دہلی: ہندستان پبلشنگ ہاؤس، سن، ۶۵
- ۱۹۔ محمد ذوقی، سید، سردل بران، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۵ء
- ۲۰۔ درد، میر، خواجہ، علم الکتاب، مترجم، ڈاکٹر عبداللطیف، ص ۶۸۹
- ۲۱۔ محمد ذوقی، سید، سردل بران، ص ۲۳۱
- ۲۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تصورات عشق و خرد اقبال کی نظر میں، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۷۵
- ۲۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تحقیق و تنقید، کراچی: ماڈرن پبلشرز، ۱۹۶۳ء، ص ۴۸
- ☆ ☆ ☆
- دہلوی، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۶ء، ص ۲۹۹
- ۸۔ Dictionary Urdu and English, By Duncan forhas, Lahore: Sang-e-Meal Publications, 2002, P 463
- ۹۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، تفہیم و تحسین شعر، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۴
- ۱۰۔ شائستہ حمید، ڈاکٹر، ”اردو غزل میں پیکر تراشی“، ماہ نامہ، اخبار اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۳
- ۱۱۔ John Press, The First and Fountain, the University of Chicago: 1927, P144
Linda, A Jackson and Physical Appearance and gender London: Barly House.12, 1988, P 177
- ۱۳۔ حمیر ہاشمی، و دیگر، مرتبین، نفسیات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۷ء، ص ۴۹۵
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۴۹۹
- ۱۵۔ فخر الدین چشتی، سیرت رضا، لاہور: مکتبہ فریدیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۷۹

کلام رضا۔ آئینہ رسول مرکزیت

اس روایت کے غالباً آخری نمائندے تھے اور میرے خیال کے مطابق تا حال یقیناً کہ جس نے اپنے علوم اور اپنے احوال میں مکمل اہلیت پیدا کر کے دکھا دی تھی۔ شاید سننے میں کچھ مشکل اور اجنبی لگے یعنی وہ اپنے علوم سے بنے ہوئے آدمی تھے تو یہ جو خوبی ہے یہ بہت کم ہوتی ہے یہ خوبی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آدمی یہ معرفت نہ رکھتا ہو کہ ہمارا دین، دراصل رسول مرکز ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ربانی حکمت دین کے اس سر کو اس سر اکبر کو نہ صرف دریافت کیا بلکہ اُس کو پھیلانے کا موثر ترین ذریعہ بنے۔ برصغیر میں اس سر کو اس بھید کو اس معرفت کو کہ دین اسلام رسول ﷺ مرکز ہے یعنی کہ جو چیز منتہا ہے۔ ترتیب کا خیال نہیں رکھوں گا اپنے جذبے کی روشنی میں ہی بات کروں گا دماغ کا پیچھا نہ کروں گا۔ جو چیز منتہا ہے بندگی ہے، منتہا ہے بندگی یعنی جہاں بندگی مکمل ہو جاتی ہے جہاں بندگی کسی گمان اور کسی سوال کا ہدف بننے سے بلند ہو جاتی ہے وہ بندگی ہماری روایتی اصطلاح میں دوام حضور کا نام ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کا مستقلاً استحضار، اللہ کی یاد کا ایسا تسلسل اور

مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اور اسباب عظمت پہ گو کہ کافی نہیں لیکن خاصا علمی کام ہو چکا ہے۔ آپ کی ذات گرامی کے تعارف کی بہت ساری بنیادیں معروف حالت میں ہمارے اندر موجود ہیں اور ان پہ کام مسلسل جاری رہتا ہے لیکن آپ کی عظیم شخصیت کا یہ گوشہ، آپ کے فضائل کی یہ جہت جو آپ کی نعتیہ شاعری میں قائم اور اس سے ظاہر ہے اس پر میرے علم کے مطابق وقیع کاموں کی روایت نہیں پڑ سکی ہے۔ اس کا سبب اعلیٰ حضرت کی فکر سے وابستہ لوگوں کی غفلت یا نااہلی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اُن ادبی تصورات کی تحصیل اور تشکیل سے محروم ہو گئے ہیں جو ہمیں شاعری کے ان نمونوں کی تحسین کے قابل بنا سکتا ہے تو ہمارے اندر ابھی وہ ادبی تھیوری شاید موجود نہیں ہے۔ شاید پنپ نہیں سکی ہے کہ جو ہمیں ”حدائق بخشش“ کی فنی تحسین اور جمالیاتی تفہیم کے قابل بنا سکے لیکن بہر حال یہ کام ہونا چاہیے کیونکہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی شخصیت کا جو جو ہر ہے وہ ان کے فتاوے میں نہیں ہے حدائق بخشش میں ہے انشاء اللہ اس کی تفصیل پیش کروں گا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب ہمارے اسلاف علماء کی

رسول اللہ ﷺ کی طلب فرمودہ محبت کا محصل نہیں ہوگا، طالب نہیں ہوگا۔ تو جیسے جو یہاں نہیں وہ وہاں نہیں، وہ ابھی پڑھ رہے تھے او ایس صاحب۔ ماشا اللہ یہ وہ اصول اعظم ہے جو خواص صوفیاء کے حلقوں میں لائق اعتبار حالات میں موجود رہا ہمیشہ سے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے خواص میں کارفرما اس اصول کو اپنی قوم کی نفسیات کی سب سے بڑی طاقت اپنی زندگی میں بنا کے دکھا دیا یعنی کہ ایک ایسی دولت جو خواص اور انحصار کے تصرف سے باہر نہیں نکل رہی تھی باہر نظر نہیں آرہی تھی اس دولت خاصہ کو تحویل عوام تک پہنچا دیا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کے سامنے قانونی تجدید مجددیت کا قانونی تناظر کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ان کے مجدد ہونے کی میری نظر میں سب سے بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے بندگی کے آخری مطالبے کی تکمیل کے وسائل ہم ایسے لوگوں کے لیے بھی فراہم کر دیے ہیں تو خیر آج میں سعادت حاصل کروں گا کہ آپ کے مشہور مجموعہ نعت کے فنی محاسن پر گفتگو کروں۔ فنی محاسن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم رعایت لفظی تک محدود رہیں۔ فنی حسن کہتے ہیں حسن اظہار کو۔ حسن اظہار کی ایک تکنیک (Technique) ہوتی ہے جو بعض مکینیکس (Mechanics) پہ استوار ہوتی ہے جو صنائع بدائع اور تصورات پہ کھڑی ہوتی ہیں جو لفظ اور معنی کے متعلقات ہوتے ہیں۔ ہم ان دونوں جہتوں سے آپ کی فنی اور جمالیاتی حیثیت کا جائزہ لینے کی اپنی سی کوشش کریں گے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو نعت کے تقاضے ہمارے بھائی انوار احمد زئی صاحب نے بہت خوبصورتی اور اختصار سے مکمل طور پر بیان کر دیئے ان

غلبہ جو خیالات اور احساسات پہ حاکم ہو کہ ہمارے باطن کا تزکیہ کرتا رہے اور ارادے اور عمل پر غالب آ کر ہمارے اعمال اور ظاہری رویوں کی اصلاح کا کام کرتا رہے۔ یہ منتہائے بندگی ہے، یہ دوام حضور انسان اپنے اندر موجود کسی ملکہ یادداشت سے حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنا یا ہی نہیں ہے کہ وہ غیب مطلق کو مستحضر رکھنے میں اپنے اندر موجود قوتوں کے ذریعے سے کامیابی حاصل کرے۔ یہ استحضار ہے یعنی جس کو حضور دائم کہیں یادوام حضور۔ یہ استحضار ممکن ہی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ سے عارفانہ نسبت اور عاشقانہ تعلق کے بغیر۔

رسول اللہ ﷺ کے تعلق میں اللہ کی رحمت سے وہ اثر موجود ہے کہ آپ کا عاشق آپ ﷺ کی محبت دل کو میسر آجانے کے بعد ایک مستقل انداز تاثر رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سچے امتیوں کو کبھی بھولتے نہیں ہیں۔ ہماری ایک اختیاری یادداشت ہے وہ کہیں ادھر ادھر نکل جاتی ہے لیکن ہمارا ایک وجودی حافظہ ہوتا ہے جس کو ہم جب چاہیں محسوس کرتے رہتے ہیں وہ وجودی حافظہ اگر کسی چیز سے ہم وقت معمور ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ دوام حضور کہتے ہی اسے ہیں کہ میری وجودی یادداشت میں اللہ کے ساتھ میری نسبت بندگی زندہ اور موثر حالت میں موجود رہے۔ جب چاہوں اسے محسوس کر لوں اور جب چاہوں اس کو اپنے عمل خیال پر حاکم کر لوں۔ یہ درجہ کسی بھی صورت سے کسی بھی ذریعے سے ذہن کی کسی بھی صلاحیت سے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ عدم امکان اس وقت تک رہے گا جب تک آدمی

معنوں میں نہیں ہوتا جن معنوں میں ہم ہوتے ہیں۔ شریعت شارع کے فضائل کا رکن اعظم ہے لیکن شارع کے فضائل کا کل نہیں ہے۔ اس بات کو نہ جاننے سے بہت سارے معارف، بہت سارے مقامات جو اعلیٰ حضرت کی شاعری میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں وہ لوگوں کی گرفت میں نہیں آتے۔

میں نے ایک انتخاب ”حدائق بخشش“ کا فوری طور پر تیار کیا اس نیت سے ایک یا کچھ اشعار ایک رو میں پڑھوں اور ان پر اس طرح کی گفتگو کرنے کی کوشش کروں کہ اس سے ایک تو آپ کی شانِ نعت گوئی پر کچھ روشنی پڑ سکے اور دوسرے یہ کہ آپ کے ممدوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم پر جوئی معرفت اور نئی جہتِ محبت کھلتی ہیں ان کی طرف کچھ اشارہ ہو سکے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے، یہ بات اصرار کے ساتھ کہنے کی ہے کہ ایسی شخصیت ایسے کام ہماری پوری روایت میں بہت کم ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر جن سے مستفیض ہو کر ہم یہ کہنے کے قابل ہو سکیں یا یہ دعویٰ کرنے میں صادق ہو سکیں کہ اس کام کی وجہ سے اس شخصیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ترقی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت اس طرح فطرت میں راسخ ہے جس طرح توحید پر ایمان فطرت میں راسخ ہے اور فطریات میں اضافہ کر دینا یہ بہت ہی بڑے آدمی کا کام ہوتا ہے۔ کوئی شخص یا کسی آدمی نے میرے اندر میری والدہ کی محبت میں اضافہ کر دیا تو یہ جملہ مہمل ہے اس آدمی نے اپنی کسی بات سے میرے دل میں میرے سب سے بڑے محبوب کی الفت میں زیادتی کر دی یہ جملہ مہمل ہے۔ اس جملے کے کوئی معنی نہیں ہیں یہ جملہ کسی دماغ کی خرابی پر دلالت کرتا

کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جو میں نعت کے ادب کا تقاضا بتانے جا رہا تھا وہ دوسرے پہلو سے تھا دوسرا پہلو جو نعت کے بنیادی ترین تقاضے کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہم عشق کو جمالِ مصطفوی سے وابستہ کریں اور معرفت کو کمالِ مصطفوی کے قدم پہ ڈالیں۔ یعنی معرفت اور محبت یہ دونوں لوازم تعارف بالرسالت کس طرح سے اعلیٰ حضرت نے اپنی نعتوں میں ملحوظ اور محفوظ رکھے ہیں اور ان میں سے بعض روایتوں کی بنیاد ڈالی ہے اس کی طرف بھی کچھ اشارے اگر ہم سے ممکن ہو سکے تو ہم کریں گے۔ نعت کا ادب نعت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ محبت کا سرچشمہ محبت کا ماخذ و مرجع یعنی جمالِ نبوی اگر صاحب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حسنِ اظہار کے ساتھ ظاہر ہو۔ معرفتِ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حسنِ اظہار بہت بلند حقائق کا کنٹینر (Container) ہو۔ احمد رضا خاں صاحب نے نعت کے یہ دو بنیادی لوازم بہت خوبصورتی سے بہت کمال سے پورے فرمائے اور یہ اب ہم لوگوں کا کام ہے کہ اس میں چھپے ہوئے خزانے کو اپنی اپنی بساط پر دریافت کرنے کی کوششوں کو جاری کریں۔ ایک بات جو مجھے یہاں آتے آتے سوچھی تھی معرفت کی، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں گویا اس مجلس کی برکت سے وارد ہونے والی ایک بات آپ کے ساتھ شیئر کروں۔ عارف اور عالم یہ دونوں ایک ہی روایت کے دو نمائندے ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک فرق یہ ہوتا ہے کہ عالم صورت کا منتہی ہوتا ہے۔ عارف معرفت معنوی کو حاصل کرنے میں عالم شریعت پر مدار رکھتا ہے۔ عارف شارع کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوتا ہے اور شارع شریعت کا تابع ان

کوئی شاعری اپنی مجموعی شکل میں اگر ایک مدار اور ایک موضوع کے گرد گھوم رہی ہو تو اُس میں پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا بیسک تھیم (Basic Theme) کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری نعت کی شاعری ہے، مناقب کی شاعری ہے، ہم فی الحال نعت تک محدود ہیں۔ نعت کی شاعری کے ان کے مجموعے کو ہم مجموعہ نعت سمجھ کر اس کی تحسین کے مختلف مراحل طے کرنے کے لیے کھڑے ہیں تو اس میں جب ہم ”حدائق بخشش“ کو مجموعہ نعت کی حیثیت سے ادبی نقطہ نظر سے دیکھیں گے تو ایک معیاری اور مردّج معتدل نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کے بیسک تھیم یا میجر تھیمز دریافت کیے جائیں۔ یعنی کہ اس موضوع کے کچھ مستقل مکمل دوائر ہیں جن سے جڑ کر، جن سے مل کر یہ کتاب ایک بڑے دائرے کے طور پر وجود میں آئی یعنی یہ کل جو ہے اپنے بہتیرے اجزا کا اخراج گوارا کر سکتا ہے، بہت سے اجزا جو کل سے خارج ہو جائیں تو کل کی کلیت پر اثر نہیں پڑتا لیکن بعض اجزا ایسے ہوتے ہیں جو خارج ہو جائیں تو کل کی کلیت متاثر ہوتی ہے۔ آپ لوگ ماشاء اللہ جانتے ہیں کہ وہ کس شان کی علمی گفتگو فرماتے تھے کتابوں اور گفتگو میں کہ وہ ذوقیات رکھنا چاہیے بڑے آدمیوں سے وابستگی لفظ اور کان کی وابستگی نہیں ہے، آواز اور گوش کی وابستگی تھوڑی ہوتی ہے، یعنی صرف اتنی نہیں ہوتی، یہ بھی ہوتی ہے، آنکھ اور لکھے ہوئے لفظ کا تعلق تھوڑی ہوتا ہے کہ آپ نے کچھ چیزیں یاد کر لیں کچھ چیزوں کے بالکل ظاہری اور ابتدائی معنی جان لیے اور ان پر اپنا کلی موقف تشکیل دے دیا۔ یہ نہیں ہوتا کوئی بڑا موقف عامیانا

ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ ہوتے ہیں، مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں یہ جملہ پوری طرح با معنی ہے اور آپ اگر اس جملے تک نہیں پہنچیں گے تو تعلق کبھی مکمل نہیں ہوگا۔ آپ انہیں سمجھے ہی نہیں۔ آپ نے ان کے صرف فتوے رٹ رکھے ہیں۔ آپ ان تک پہنچے ہی نہیں ابھی۔ یہ ان کا کمال ہے یا پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے وہ ذات پیدا کی، عشق مصطفوی نے اپنا وہ کامل مظہر ہمارے درمیان بھیجا جس کو دیکھ کر، جس کو سن کر، ہمارے حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ یعنی ہماری فطرت کے بنیادی جوہر میں شدت اور زیادتی ہوگئی۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ معجزات کی ایک کڑی ہے کہ جب آپ کہیں گے کہ فلاں عالم ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے تو اس کے ریاضی کے دقائق آپ کو بتا کے اس کے علم کا ثبوت دینا ہے تو وہ سلسلہ اس آدمی کے سامنے عرض نہیں کیا جاسکتا جو ریاضی کے مبادی سے واقف نہ ہو۔ اسی طرح اگر ہم یہ دریافت کرنے نکلیں کہ اعلیٰ حضرت فنی اور جمالیاتی معیارات پر نعت گوئی فرماتے رہے تو اس کے لیے وہ کچھ ادبی تصورات، کچھ شعری معیارات، کچھ ان کی اصطلاحات ان کا ذکر آنا ناگزیر ہے تو اگر ایسا ذکر آئے تو مجھے اس کے لیے معذور سمجھے گا اور یہ کہ میرے اوپر گویا فرض ہے کہ میں آپ کی اس تحسین کو ادبیات میں قابل قبول طریقے سے بیان کروں نہ کہ اُس طریقے سے جس سے ادبیات سے ناواقف لوگ مانوس ہیں۔ ناواقف کی تحسین کوئی تحسین نہیں ہوتی، ادبیات میں کچھ اصول ہیں کہ موضوعاتی فن پارے ہوں یعنی یوں کہہ لیں کہ

آگے تمہاری حیثیت صرف بدن اور لباس جیسی ہے محبت بدن ہے تو تم اس کے جسم پر پڑے ہوئے بوسیدہ کپڑے ہو تو اس کو سمجھیں یعنی کہ اعلیٰ حضرت کی یہ شان عشق اُن کی شان علم کی مکمک پر ہے اگر ان کا ذہن اتنا بڑا نہ ہوتا تو اُن کی محبت بھی اتنی بڑی نہ ہوتی یہ یاد رکھیے گا کیوں کہ آدمی اپنے جذبات ادھر ادھر اڑائے پھر سکتا ہے اپنا ذہن حب غلامی میں دو گے نا تو اُس پر تم غلام ہو کیونکہ جھوٹا آدمی جو ہے نہ وہ واہ واہ اور آہ آہ اور سبحان اللہ بہت کہہ دے گا لیکن کہنا نہیں مانے گا مجاہدے کی دعوت دو گے تو مجاہدہ نہیں کرے گا تو انسان جو سب سے بڑا ایثار کرتا ہے اپنے مالک کو معبود یا اپنے محبوب کے آگے وہ سب سے بڑا ایثار اپنی عقل کا ایثار ہے اپنا ذہن نذر کر و اپنا ذہن اس بلند بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل بناؤ وہ بارگاہ ایسی نہیں ہے کہ جس میں جانے سے پہلے اپنا دماغ سر سے نکال کر اپنے جیب میں رکھ دو گے یا جوتوں کی جگہ پر رکھ دو گے اُس بارگاہ میں تمہیں اپنے دماغ سمیت جانا ہے اُس دماغ کے ساتھ جانا ہے جس دماغ سے تم نے اپنی باقی زندگی کے تمام فیصلے کیے ہیں یعنی کہ تم نے گھوڑا دے دیا گھوڑے کی باگ نہیں دی تو عقل سے آپ نے اپنی ساری زندگی چلائی ہے تو وہ عقل آپ نے محبت کی تحویل میں دینے سے گریز کیوں کیا ہے وہ اس وجہ سے کہ محبت آپ کی صادق نہیں ہے اور جس کی محبت صادق ہوتی ہے اس کے محبوب کی شان کے مطابق اس کے علم و عقل میں تہہ داری اور گہرائی ضرور پیدا ہوتی ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں کسی کا عاشق ہوں اور میری عقل اُس عشق کی روشنی سے مزید گہرائیوں تک پہنچنے کے قابل نہ ہو جائے

ذہن میں موجود تصورات کی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتا اور ہوگا تو جہل اسی کو کہتے ہیں، جہل اس کو کہتے ہیں کہ عامیاناہ ذہن سے Definer کو تشکیل دینا چیزوں کو Define کر دینے کے ذریعے۔ اعلیٰ حضرت سے وابستگی کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اپنے اندر وہ ذوق پیدا کر لیں اپنی استعداد میں اس بلندی کو داخل کرنے کی مسلسل کوشش کریں جو آپ کے کاموں کی ابتدائی اور ضروری تحسین کے لیے لازماً درکار ہے تو اس کے بغیر آپ کا دعویٰ تعلق ایک ضد ہے ایک وہم ہے کیوں کہ آپ تعلق کی اساس کو نظر انداز کر کے تعلق کے ایک نقطے کو پکڑے ہوئے ہیں یعنی آپ ایک شخصیت کی طرف پیٹھ کیے ہوئے ہیں اور اس کا جوتا سر پر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی تعلق نہیں ہے تعلق کا مطلب ہے دل سے دل کا تعلق جو اپنے نتائج میں پہلے ذوق پیدا کرتا ہے پھر تھیم میں ترقی ہوتی ہے تو اعلیٰ حضرت جیسے لوگوں سے تعلق جس شوق ذوق کا موجد ہے یا جس ذوق کا متقاضی ہے اس میں عشق اور عمل اپنے ایک ہی مقصود ہونے کی وجہ سے یکجان ہیں یا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ تو اپنی استعداد علم میں اضافے کی طرف توجہ نہ دینے سے ہم عشق کی قبولیت کے ذرائع کو بھی سکیڑ لیں گے۔ ہماری محبت بھی بڑے ذہن سے لاتعلقی کی وجہ سے ایک عامیاناہ محبت بن کر رہ جائے گی۔

دنیا میں سب سے ذہین لوگ اس دنیا میں ہونے والے عاشق ہوئے ہیں عاشقوں سے بڑے معارف کسی نے بیان نہیں کیے۔ تو تم مرتبہ عشق کو سمجھتے کیا ہو محبت کو تم کسی جذباتی تسکین کا نام سمجھتے ہو محبت تمہاری صورت کا گھر ہے محبت کے

”حدائق بخشش“ بطور مجموعہ نعت اس کا جو میجر تھیم ہے اس کا جو بنیادی ترین تھیم ہے جس پر نظر کیے بغیر ہم اس مجموعے کے کسی جز کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے وہ وہی نقطہ ہے جو میں نے عرض کیا کہ یہ تین عناصر فطرت، انسانیت، کارخانہ ہستی یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرکز ہیں، وہ کیل جس پر ہستی کا پہیہ گھوم رہا ہے وہ کیل جس پر دین کا پاٹ گردش کر رہا ہے وہ کیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس سبک تھیم سے گزرنے کے بعد آپ اس کے اندر اجزا کی شکل میں موجود معانی کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے قابل ہو جائیں گے یا ایک دوسرے سے ذرا گہرائی کی حالت میں جوڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس کا دوسرا تھیم یعنی اس کے دو جو سیکنڈری تھیمز ہیں ان کو میجر تھیمز کہتے ہیں اس کے دو سیکنڈری تھیم ہیں وہ یہ کہ ممدوح کا تصور کیا ہے؟ ماڈے کیا ہیں؟ یعنی ممدوح احمد رضا خاں صاحب کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کن جہتوں پر زیادہ اسٹریس ہے اور خود احمد رضا خاں صاحب اپنی نظر میں کیا ہیں اور کیا احمد رضا خاں صاحب خود کو سمبلائز کر پائے۔ یہ ذرا ٹیکنیکل بات ہے لیکن میری درخواست ہے کہ اس کو غور سے سنیے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا Actual Self یہ کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تفصیلات میں تھے اپنے افعال مبارکہ میں تھے سب چیزوں میں جیسے تھے جیسے اللہ نے بنایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے Actual Self میں ناممکن حد تک کامل اور اکمل ہیں۔ تو جو چیز کامل اور اکمل ہو یعنی Actuality میں اپنی فعلیت میں اُس چیز کو سمبلائز (Symbolize) کرنا بے معنی ہے وہی چیز سمبلائز ہوتی ہے جو اپنی ذات میں ناقص

تو اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ کہیں کوئی مشکل بات آئے تو ہر مشکل بات سمجھنے کے لیے نہیں ہوتی ہر بات سمجھ میں بھی نہیں آتی دنیا میں اس وقت کوئی آدمی ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہہ سکے کہ اُسے ہر بات سمجھ میں آجاتی ہے بلکہ کسی فن کا منتہی بھی آدمی ہو تو اُسی فن کے حوالے سے ایسی باتیں سامنے آسکتی ہیں جو اُس منتہی کی سمجھ میں نہ آئیں تو سمجھ میں آنا مقصود نہیں ہے عظمت سے تعلق کی بنیاد فہم عظمت نہیں ہے۔ عظمت سے تعلق کی بنیاد ذوقِ عظمت ہے کہ میں اس کو بڑا مانتا ہوں اور بڑا جاننے کے بہت سے تقاضے پورا نہیں کر سکتا تو مشکل بات آپ کے لیے پہلا چیلنج یہ دیتی ہے کہ اسے محفوظ رکھا جائے اور اُس سے ایک غیر مفہومی مناسبت پیدا کی جائے۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں میرے استاد ماشاء اللہ اس کا نمونہ کامل تھے میرے بہت سے اساتذہ اس کے بہترین مظاہر تھے کہ جو چیز بڑی ہے اور سمجھ میں نہیں آ رہی اُس کو یاد رکھو اور اُس کو سمجھنے کے عمل میں کچھ وقت بتاؤ تو بعض باتیں ایسی ہو سکتی ہیں بعض اصطلاحات ایسی سامنے آسکتی ہیں جو فی الحال کسی وجہ سے سمجھ میں نہ آئیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ انسانی حافظے میں چیزوں کو زیادہ دیر تک محفوظ رکھنے کی ایک صلاحیت ہے جو اُن چیزوں پر زیادہ صرف ہوتی ہے جو فی الحال سمجھ میں نہ آئے۔ حافظہ اُن چیزوں کو زیادہ گہرائی اور دوام کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے جن کے معنی تک فی الحال ذہن کی رسائی نہ ہو تو اگر اس طرح کا حافظہ ہمارے اندر فنکشنل (Functional) ہے تو انشاء اللہ امید ہے ہم بہت سے مسائل وقت گزرنے پر جان جائیں گے طے کر لیں گے یا سمجھ جائیں گے۔

میں حبیب اللہ ہیں اپنی ہستی کی فعلیت میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت، آپ ﷺ کی حبیبیت کی Manifestation ہے آپ کی حبیبیت اصل ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت اس کے فرد واحد فرد گل ہے تو رسول اللہ سے تعلق رکھنے کا کوئی بھی راستہ بلا غبار نہیں ہو سکتا جب تک تم اس بات کو اپنے وجدان اور اپنے ذوق میں نہ سمجھنے کے قابل ہو جاؤ کہ رسالت رسول اللہ ﷺ کی حبیبیت پر تعمیر ہونے والا Structure ہے آپ کی حبیبیت کی وجہ رسول ہونا نہیں ہے آپ کے رسول آخر و اعظم ہونے کی وجہ آپ کا حبیب اللہ ہونا ہے اگر آپ صرف اس پر فوکس کر کے اب ”حدائق بخشش“ کو دیکھیں تو آپ کو اُس میں موجود تمام معانی میں ایک نیا کرنٹ دوڑتا ہوا نظر آئے گا ایک نیا ربط پیدا ہوتا ہوا دکھائی دے گا اور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی وہ معرفت حاصل ہوگی جو کسی دستیاب ذریعے سے ممکن نہیں ہے اردو خواں طبقے کے لیے یہ وہ ورثہ ہے جو شیخ اکبر محمدی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن لوگوں نے افسوس صد افسوس کہ ہمارے اسلاف کی روایت کے پیچھے ہم نے اپنے ہاتھوں سے پتھر کر دیئے ہیں ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ابن عربی کون تھے؟ مجدد الف ثانی کون تھے؟ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں جو آدمی جس نے حقیقت محمدی ﷺ کا ذکر سنا ہو اور اس میں اترنے کے درپے ہو گیا ہو کون ہے ایسا آدمی؟ تو یہ ہماری بڑی بد قسمتی ہے خود کردہ ہے تو خیر وہ حقیقت محمدی جو پہلے اخص الخواص عارفوں کا موضوع تھا اس حقیقت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دائرہ فیضان کو احمد رضا خاں صاحب

ہو اور سمبل بن کر وہ کسی اور کے کمالات پر دلالت کرے تو رسول اللہ ﷺ کا Actual Self کمال سے زیادہ مکمل ہے تو اُس کو سمبلائزیشن کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ واضح رہے یہ بات ہمارے صوفیاء کی بصیرت تھی وہ خیر موضوع نہیں ہے ورنہ میں بتاتا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصل مادے ہمارے صوفیاء تھے خیر اب مادے کا جو Actual Self ہے اُس کو سمبلائز ہونے کی ضرورت ہے تو احمد رضا خاں صاحب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے تمام بڑے شاعروں کی طرح اپنے Actual اور Conceptual دونوں سلفز کو سمبلائز کر کے واحد سے مرکب بنایا جز سے گل بنایا یعنی کبھی اپنی ذات کو اپنی ذات کے معنی میں لیا، کبھی اپنی ذات کو ذات کے معنی میں لیا، کبھی اپنی ذات کو ذات انسانیت کے معنی میں لیا تو احمد رضا خاں صاحب اپنا ذکر ان تین مرحلوں میں کرتے ہیں فرد واحد، ذات ابدیت کا مجسمہ، ذات انسانیت کا نمونہ۔ یہ اُس کا دوسرا سیکنڈری تھیم ہے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ”حدائق بخشش“ سے فراہم ہونے والی معرفت کیا ہے یہ ایک اتنا قیمتی نقطہ ہے کہ اگر ”حدائق بخشش“ ظہور میں نہ آتی تو اردو خواں حضرات کی تحویل سے ہمیشہ کے لیے باہر رہتی۔ جو نقطہ میں عرض کرنے جا رہا ہوں کہ ”حدائق بخشش“ کے اردو میں ہونے کی وجہ سے ہمارے علم بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے تجربے میں آیا۔ وہ نقطہ ہے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں اصالت (Principality) اصل کی حیثیت آپ ﷺ کی حبیبیت کو حاصل ہے آپ ﷺ اپنے جو ہر ہستی

نے مجھ ایسے عامیوں اور ناقصوں، کابلوں تک پھیلا دیا۔

یہ بہت بڑا کام ہے کہ کوئی شخص اپنی روایت کے جوہر اپنی روایت کے مینار کے برج کو اُس زمین پر کھڑے تمام آدمیوں کے دائرہ بصارت میں لے آئے وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے جتنا بڑا آدمی اس برج پر کھڑے ہونے والے لوگ ہیں تو اس چیز سے بچیں کہ ”حدائق بخشش“ سے کسی قانونی ذہن میں پیدا ہونے والے دلائل کو رد یا قبول کیا جائے یہ مجموعہ اس سے بہت بلند ہے اس سے بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے پورے وجود کے ساتھ متعلق ہونے کا پورا ہو جانے کا ادب اور وہ کیفیت قانونی اصطلاحات میں بیان نہیں ہو سکتی اس سے نکلیں اور اس میں سیر کریں اس کو اپنا مدار اسلوب بنائیں اس کو تعلق بالرسالت کے ذوق اور فہم کی سنجیدہ بنیاد بنا کر کچھ مہینے اس کے ساتھ چل کر تو دیکھیں، اس کا ہاتھ پکڑ کے کم از کم دو چار ہفتے ہی گزار کر دیکھیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر وہ ذوق محبت بھی پیدا ہو جائے گا اور وہ استعداد معرفت بھی نصیب ہو جائے گی جو رسول اللہ ﷺ کے اس مطالبے میں قیامت تک کے لیے مضمحل ہے کہ تم اُس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتے جب تک میری محبت ماں باپ، اولاد یعنی تمام محبوبوں سے بڑھ کر نہ ہو جائے۔ یہ کیا فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے۔ محبت کس چیز کا نام ہے محبت جھوم لینے کا نام ہے اور تمہارا محبوب ہے کون۔ تمہارا محبوب وہ ہے جس کے آگے تسلیم و فنا کے علاوہ کوئی اور اسلوب عشق نہیں ہے سوائے تسلیم اور فنا۔ اس کے علاوہ کوئی اور اسلوب عشق نہیں ہے تمہارا محبوب شارع

ہے، تمہارا محبوب مدار نجات ہے، تمہارا محبوب جنت و دوزخ کا فیصلہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ محبوب جتنا بڑا ہوگا محب کی کیفیت میں ہیبت میں غلبہ ہوتا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت نفس کے معمول کے میلانات کی تسکین کا نام نہیں ہے۔ یہ بدترین اہانت ہے رسول اللہ کی۔ رسول اللہ کی محبت کامل تسلیم امتیاز اطاعت اور فنا ہو جانے کا نام ہے یعنی رسول اللہ کی محبت جس فنا کو میری منزل آخر بناتی ہے وہ فنا سب سے پہلے قدم کے طور پر مجھ سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اس راستے پر اُن کی دی ہوئی بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر آؤ۔ تم نے اُن کی دی ہوئی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈالی ہیں؟ یہی اعلیٰ حضرت کا منشاء ہے ابھی جو دو شعر برادر اولیس رضا قادری صاحب نے سنائے ہیں کہ یہ اصلاحی شعر ہیں:

شرمِ نبی خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

شرمِ نبی ایک معجزانہ لفظ ہے پر شرم محبوب سے آتی ہے خوف مالک سے ہوتا ہے یہ ادبیت میں ان کی بتا رہا ہوں محبوب سچے عاشق کے لیے جمال سے زیادہ جلال ہوتا ہے اس بات کو تم نہیں سمجھتے تو تمہیں کیا معلوم کہ رسول اللہ کون تھے

نفسِ گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ابھی میں نے ان کا نام لیا بعد میں لینا تھا لیکن جذبات میں یاد آ گیا کہ ہماری روایت کے سب سے بڑے عارف و عاشق یعنی ہماری ہزار سالہ روایت کے سب سے بڑے عارف و عاشق کون تھے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا روم کی مثنوی معرفت کا پہاڑ ہیں معرفت کی سب سے اونچی چوٹی تک لے جانے والا اگر کوئی ذریعہ ہمارے پاس امتیوں کا تصنیف کردہ

ہے تو وہ مثنوی ہے اور عاشقانہ طغیانی منتہا تک بہا جانے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ دیوان شمس ہے وہ عشق کا کارخانہ ہے دیوان شمس۔ یہ جو فرماتے ہیں کہ محبت محبوب کے جلال پر نگاہ رکھنے کا نام ہے۔ تو تم کس محبت کی بات کرتے ہو وہ انہوں نے کیا کہا:

جامہ سیاہ کرد کفر نور محمد رسید

طبل بقا کو فتن ملک مخلص رسید

کہ کفر نے سوگ کا لباس پہن لیا کہ نور محمدی ﷺ کا جسمانی ظہور ہو گیا ہے۔ دیوان شمس میں نعت ہے اور شاید نعتیہ تاریخ کی روایت میں سب سے بڑی نعت ہے۔ ’طبل بقا کو فتن ملک مخلص رسید‘ آپ ﷺ کی آمد مبارکہ کے ساتھ ہی بقا کا طبل کائنات نے پہلی مرتبہ بجایا اور نہ کائنات حرف موت اور فنا کے ترانے کی عادی تھی آپ تشریف لائے تو اس کائنات میں بقا کا طبل گونجا کہ ملک مخلص تو اب آیا ہے ہمیشہ رہنے والا ملک اب آیا ہے۔ ارے تم کوئی اندازہ لگا سکتے ہو یہاں ملک مخلص نہیں کہا ملک مخلص کہا ہے۔ ملک مخلص کا مطلب ہے کہ اللہ کے ملک کے دو حصے ہیں ایک غیر مخلص ہے یعنی کل کائنات جس کو فنا ہونا ہے ایک مخلص ہے یعنی ذات رسول جس کو فنا نہیں ہونا تو ہمارے احمد رضا خاں صاحب میرے تاثر میں رومی ثانی ہیں۔ یعنی رومی کی روایت جس شخصیت نے جو اپنا پہلا مظہر اور آخری بھی یہی ہیں۔ آپ دیکھ لیں وہی بلندی معرفت، وہی شدت عشق، وہی گہرائی، وہی التہام اور پھر ویسا ہی ادب اور اس جملے کو اگر سمجھنا ہو اس پر عمل کو دیکھنا ہو کہ سچی محبت محبوب کے جلال پر نظر رکھنے کا نام ہے تو ’حدائق بخشش‘ پڑھ لو۔ اس سے بے پروا نہ ہو کر اس سے بے پروا ہو کر جب وہ کہتے ہیں

کہ گناہ کی طلب نیک کرنے لگتے ہیں آپ کی شان مغفرت کو دیکھ کر۔ تو وہ گناہ احمد رضا خاں کے مفروضہ گناہ ہیں وہ میرے آپ کے گناہ نہیں ہیں نہ وہ گناہ کا لائسنس آپ کو تھما رہے ہیں کہ بے پروا رہو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنے فرضی گناہوں کو اپنی حقیقت بتا کر اس پر اظہار کر رہے ہیں مطلب سچا بندہ کون ہے سچا عاشق کون ہے؟ سچا امتی کون ہے؟ جس کے واقعی حسنات اس کی نظر میں ناقابل اعتبار ہوں جس کے غیر موجود گناہ اس کے گناہ میں حقیقی ہیں تو یہ اس آدمی کے گناہ کا ذکر ہے جس کے لیے گناہ ایک مفروضہ ہے کوئی عمل اور لائحہ عمل نہیں ہے۔ یہ احمد رضا خاں صاحب اپنے گناہ کا تذکرہ کر رہے ہیں یہ زید و بکر کے گناہوں کا تذکرہ اور اس پر شفاعت کی بشارت نہیں پیش کر رہے۔ اس بات کو سمجھنا چاہیے حضرات صوفیا میں جو مرہبی ہیں اعلیٰ حضرت کے۔ آپ جانتے ہیں کہ صوفیوں کی تعظیم اور عقیدت اور محبت کا جو عالم ان کے یہاں ہے وہ واقعتاً ناقابل تصور ہے۔ یعنی اپنے بزرگوں کا اپنے بڑوں کا جیسا ادب ہے وہ واقعتاً وہم و گمان سے ہم ایسوں کو باہر لگتا ہے تو ان کا قول ہے سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ امام طائفہ کہلاتے ہیں صوفیاء کی جماعت کے امام وہ فرماتے ہیں کہ بقا بقدر فنا ہوتی ہے۔ صوفیوں کا مشہور تھیم ہے بقا باللہ فنا فی اللہ۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ بقا باللہ اتنی ہی حاصل ہوگی جس قدر تم نے فنا فی اللہ حاصل کر لی۔

اب آپ دیکھئے کہ اصول کو اعلیٰ حضرت نے کس کس طرح اپلائی کیا۔ فنا پہلا نقطہ اب میں جیسے نمبر ۱، ۲ اس طرح کر کے بیان کر رہا ہوں پہلا نقطہ فنا فی اللہ کیا ہے فنا فی اللہ مفسر

بن جانا ہے فنا فی اللہ عالم بن جانا ہے فنا فی اللہ کوئی تحریک چلا دینا ہے فنا فی اللہ کہیں جنگ میں جا کے مرجانا ہے۔ نہیں فنا فی اللہ یہ نہیں ہے فنا فی اللہ ہے ذات کو اس کے صادرات پر حتمی ترجیح دے کر اس کے آگے خود کو فنا کر دینا جو آدمی حکم کی آڑ لے کر حاکم سے بھاگتا ہے وہ باغی ہے وہ باغی تو ہے ہی مکاری کے ساتھ باغی ہے۔ جو آدمی شرع کو شارع پر نافذ کرتا ہے وہ باغی ہے جو آدمی وصف کو موصوف پر غالب رکھتا ہے وہ باغی ہے وہ بے ادب ہے پہلا نقطہ انہوں نے بتایا کہ فنا فی اللہ ممکن نہیں کہ لائق اعتبار نہیں ہے فنا فی الرسول ہوئے بغیر۔ صرف اتنا نہیں بتایا یہ تو بہت پہلے سے سب جانتے ہیں سب کہہ سکتے ہیں اس میں جو نقطہ بتایا ہے وہ یہ کہ فنا فی الرسول ہی کا دوسرا نام فنا فی اللہ ہے فنا فی الرسول کی حقیقت فنا فی اللہ ہے فنا فی اللہ وہ حقیقت ہے جو اپنی حقیقی وحدت کا واحد مظہر رکھتی ہے جو وحدت حقیقی ہوگی اس کا مظہر بھی واحد ہوگا تو فنا فی اللہ حقیقت ہے اور فنا فی الرسول اس کی واحد صورت ہے۔

یہ سارا کام احمد رضا خاں صاحب کی ”حدائق بخشش“ سے لے کر فتاویٰ اور فتاویٰ سے لے کر ریاضی اور ادھر ادھر جتنے علوم میں انہوں نے کام کیا ہے وہ تمام کام اس بنیادی نقطے کی تفسیریں ہیں کہ فنا فی اللہ دوسرا نام عالم حقیقت میں نام ہے فنا فی الرسول کا۔ یہ بات واضح رہے کہ انسان کو تین چیزیں دی گئی ہیں۔ انسانی نفس تین چیزوں کا مجموعہ ہے عقل یعنی ذہن، طبیعت اور ارادہ۔ کبھی آپ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سوانح اور آثار کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کیجیے کہ آپ نے اپنے ذہن، طبیعت اور ارادے کو یک اصل کیسے کیا ہے۔ یعنی آپ کی

شاعری آپ کے فتاویٰ سے کسی بھی طرح کا کوئی تضاد اور تصادم نہیں رکھتی۔ یہ چیز انہوں نے حاصل کیسے کی او ر حدائق بخشش“ میں ایک بڑے فقہی ذہن کی شمولیت کے بغیر وہ مادیانہ بلندی حاصل ہی نہیں ہو سکتی تھی جو اس میں جا بجا بکھری نظر آتی ہیں تو جو میں کہنے جا رہا ہوں ادبی نقطہ نظر سے ناممکن بات ہے۔ یعنی ناممکن کیا تقریباً ناممکن بات ہے وہ یہ کہ قانون کو جمالیاتی معنویت دیتے ہیں چیزوں کی ظاہری اسکیم کو جمالیاتی معنویت دیتے ہیں۔ چیزوں کی ظاہری اسکیم میں کوئی خلل ڈالے بغیر ان میں ایک جمالیاتی کلیت اور بلندی اور وقعت پیدا کرتے ہیں تو قانونی ذہن جمالیاتی ان معنوں میں ہوتا ہے کہ وہ قانون کے جبر کے بلٹن (Built-in) تاثر کو زائل کر کے ہمیں اس کے لیے آمادہ کر دیتا ہے۔ اگر تمہیں چاہیے کہ بندگی تم پر جبر نہ بنے۔ یہ یاد رکھنا حکم میں جبر جو ہر کے طور پر موجود ہے جس طرح پانی میں نمی ہوتی ہے آگ میں گرمی ہوتی ہے اسی طرح حکم میں جبر ہوتا ہے وہ حکم چاہے اللہ ہی کا کیوں نہ ہو۔ حکم کی تعمیل احساس جبر کے بغیر ہونے نہیں سکتی اللہ ہی ذات جبار ہے تو اس جبر کو اگر اپنے اندر تم منتہائے رغبت بنانا چاہتے ہو تو اس کا واحد ذریعہ کیا ہے وہ آپ ان کے یہاں دیکھ لیجیے گا اور جس شخص کو قانون کا منتہائے رغبت بن جانا میسر آجائے وہ کیسا ہوتا ہے وہ آپ چاہیں تو فقیر احمد رضا کو دیکھ لیں چاہیں تو شاعر احمد رضا کو دیکھ لیں ان کے فتاویٰ میں بھی ایک جمالیاتی شان ہے ان کی شاعری میں بھی ایک قانونی بصیرت ہے تو خیر وہ باتیں تو بہت ہیں یہ چاہتا ہوں آپ کو شکر کر دوں اپنے کچھ پسندیدہ اشعار اور تھوڑا سا اس میں

دکھاؤں کہ اس میں ادبی نقطہ کیا ہے کوئی عارفانہ نقطہ کیا ہے وہ جو سرنامہ ہے غالباً ”حدائق بخشش“ کا مطلع دیوان غالباً یہی ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہہ بطحا تیرا

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہاں نہیں سنتا جو ہے وہ ایک معنی میں نہیں ہے ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حضور میں کچھ عرض کرنے والا انکار نہیں سنتا۔ یہ تو ظاہر ہے ایک واضح مطلب ہے۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کی شان عطا اپنے مانگنے والے کو ایسا بنا دیتی ہے کہ وہ اس دینے والے سے بھی نہیں سنتا یعنی خدا سے بھی نہیں سنتا۔ نہیں سنتا ہی نہیں، میں جو حصر ہے اس حصر میں خدا بھی شامل ہے مطلب کہ اعلیٰ درجہ کی زباں دانی کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس نعت میں ایک اور مشکل شعر ہے جس نے بہت سوں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے وہ شعر ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اب اس میں میرا تیرا یہ کہ کائنات میں تصرف میں دوئی نہیں ہے یعنی کائنات میں جو قوت تصرف ہے اس کا ماخذ خدا ہے مظہر رسول اللہ ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ جہاں میں نہیں ہوں یعنی جہاں رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں وہاں اللہ محض ایک تصور ہے رسول اللہ ﷺ کو واسطہ بنائے بغیر اللہ کوئی حقیقی وجود نہیں ہے محض تصور ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کو واسطہ بنائے بغیر مجھ تک پہنچے گا وہ مجھ تک نہیں پہنچے گا اپنے کسی خیال تک پہنچے گا۔ وہ اپنے خالق خدا تک نہیں پہنچے گا اپنے مخلوق خدا تک پہنچے گا۔ جہاں تک وہ پہنچے گا وہ خدا اس

کا خالق نہیں ہے اس کا مخلوق ہے۔

پھر منہ نہ پڑے کبھی خزاں کا

دے دے ایسی بہار آقا

آپ سمجھے یہ کیا کہا ہے یہ ختم نبوت کی موثر ترین ترجمانی ہے۔ اس ختم نبوت میں ذات رسالت مآب ﷺ کا جو وجودی اور ذاتی فیضان پوشیدہ ہے اس کی بلند ترین ترجمانی ہے اس ختم نبوت کو محض ایک تاریخی واقعے سے بلند کر کے رسول اللہ ﷺ کے مجمع اوصاف میں سے ایک وصف بتانا ہے وہ اس شعر میں موجود ہے۔ ختم نبوت سے خاتم المرسلین نہیں بڑھا ہے خاتم المرسلین کی ذات سے ختم نبوت کے معنی پیدا ہوئے ہیں۔ ختم نبوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے یعنی آپ کا فیضان غیر مکانی یعنی محدود فیضان المکان نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت کی تاثیر محدود فیضان نہیں ہے۔ یہ ہے کہ پھر منہ نہ پڑے کبھی خزاں کا، خزاں کس کو کہتے ہیں خزاں کہتے ہیں زمانے کے غلبے کو خزاں زمانے کا غلبہ ہے۔ زمانہ جو سیف قاطع ہے۔ امام شافعی کے قول مبارکہ زماں زمانہ فنا کی قوت کا نام ہے تو خزاں اسی پھول پہ آئے گی جو زمانے کے قانون کا تابع ہو جو پھول زمانے کی حد سے نکل جائے اس پہ خزاں کہاں سے آئے گی تو آپ جس پر فیضان فرمادیں آپ کے فیضان کو جو چیز بھی قبول کر لے وہ زمانے سے ماورایت حاصل کر لیتی ہے۔

دے دے ایسی بہار آقا

یعنی وہ بہار اپنے لیے مانگ رہے ہیں۔ خیر بہت بہت شعر ہیں۔ بہر حال کہنے کا مطلب بہت سارے مسائل رہ گئے بہت سارے موضوعات رہ گئے ہیں وہ انشاء اللہ یار زند صحبت

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اس ذوق کا حامل بنائے جس ذوق کے وہ نمائندے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے ذہن کو وہ عارفانہ بلندیاں عطا فرمائے جو ان کے یہاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے اندر وہ استقامت فی العمل پیدا فرمائے جو ان کی شخصیت کا دوسرا نام ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ وہ محبت اس کا ایک ذرہ ہمیں نصیب فرما کر ہمیں اس میں فنا ہونا سکھا دے جو صحرا ”حدائق بخشش“ میں ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا ایک ذرہ ہی ہمیں نصیب فرمائے اور اس کو ہماری گل متاع بنائے۔ آمین!



باقی، تو کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کوئی آپ سے داد لینے نہیں آئے تھے کوئی بڑا آدمی چھوٹوں سے داد نہیں لیتا چھوٹوں سے داد ملتی ہے تو ناراض ہوتا ہے شرماتا ہے وہ کوئی امام کہلانے کے لیے نہیں آئے تھے وہ امام بننے نہیں آئے تھے وہ تمہیں تمہاری حقیقت پر از سر نو استوار کرنے کے لیے آئے تھے خود کو اس حقیقت پر استوار دکھا کر۔ تو اس بات کو سمجھو اور اعلیٰ حضرت کے تعلق کے جو مروج اسالیب ہیں ان کو اپنے لیے کافی نہ سمجھو وہ تمہارے لیے ان کے راستے میں رکاوٹوں کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں تمہارے لیے معاون نہیں بن رہے۔ معاونت پیدا کرنی ہے تو وہ رنگ پیدا کرو، اس کی کوئی چھینٹ اپنے اوپر ڈال لو وہ چھینٹ اگر تمہارے اوپر نظر نہیں آئے گی تو کیا تمہاری مداحی اور کیا تمہاری عقیدت مندی۔

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری

عیش جاوید مبارک تجھے شیرائی دوست
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم
مجرم بلائے آئے ہیں جاء وک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے
مومن ہوں مومنوں پہ رؤف الرحیم ہو
سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نہر کی ہے
سوف يعطیک ربک ترضی
حق نمودت چه پاسدار یہا
لیلة القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
معنی قَدْرَای مقصد ماطعی
نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
فاذا فرغت فانصب یہ ملا ہے تم کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقت بخشش آیا کرو قسمت عطایا
غنچے ماوجی کے جو چٹکے دنی کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ
اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و
کمالات، ذہانت و فطانت، طباعی اور دراکی کے سامنے
بڑے بڑے علماء فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور
مستشرقین نظروں میں نہیں جھٹتے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ کون سا علم
ہے جو انہیں نہیں آتا تھا وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف
نہیں تھے، شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور میرا تو
ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر صرف محاورات و مصطلحات،
ضرب الامثال میں بھی اور بیان و بدیع کے متعلق تمام الفاظ
ان کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت
تیار ہو سکتی ہے ہم یہاں اجمالی طور پر ان کی اردو شاعری کا ذکر
کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت چونکہ عالم تبخر اور فاضل کامل و مکمل تھے اس
لئے ان کی اردو شاعری میں بکثرت قرآنی آیات کے حوالے
آتے ہیں مثلاً۔

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا ترا
انت فہیم نے عدو کو بھی لیا دامن میں

ایسا امی کس لئے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اسکو اقراء ربک الاکرم نہیں
اب ایک ہی زمین کے اشعار میں احادیث مبارکہ کا
استعمال دیکھئے مثلاً۔

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوں بے بصر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے
یہ پیاری پیاری کیاری تیرے خانہ باغ کی
سرداس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے
کہنا نہ کہنے والے تھے جب سے تو اطلاع
مولیٰ کو قول و قائل و ہر خشک و تر کی ہے
ان پر کتاب اتری بَيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ
تفصیل جس میں مَا عَبَّزَ وَ مَا عَبَّزَ کی ہے
ہم گرد کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے
ماؤ شما تو کیا کہ خلیل و جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے
اعلیٰ حضرت نے تمہیجات بھی بہت استعمال کی ہیں مثلاً
ایک ہی غزل میں یہ تمہیجات ملاحظہ ہوں۔

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر گیا
تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اٹھے قدم

تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا
بندھ گئی تیری ہوا سادہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیاء آتش پہ پانی پھر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجزا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعۃً منہ بھر گیا
کیوں جناب بو ہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

پھر اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ وہ کوئی
ایسی نعت لکھتے جو بے مثل ہوتی چنانچہ ایک نعت انہوں نے
صنعت ملمع میں لکھی۔ دراصل ملمع اس صنعت کو کہتے ہیں کہ ایک
مصرع یا شعر عربی کا ہو اور دوسرا مصرع یا دوسرا شعر فارسی کا
ہو۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بیس اشعار ہوا کرتے ہیں اس کی
دو قسمیں ہیں۔

لمع مکشوف یعنی جب ایک مصرع عربی میں اور ایک
فارسی میں۔ ملمع مجوب یعنی جب ایک شعر عربی میں ہو اور دوسرا
فارسی میں لیکن اعلیٰ حضرت نے ایسے ملمع اشعار لکھے ہیں جن
میں عربی، فارسی، ہندی (بھاشا) اور اردو چار زبانوں کے
الفاظ ہیں۔

لم یات نظیر ک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے
پھر ایک قصیدہ مرصع بھی ہے جس کے ہر پہلے مصرع
کے آخر میں بالترتیب حروف تہجی آتے ہیں مطلع یہ ہے۔

کعبے کے بدرالدجی تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
یعنی یہاں پہلے مصرع میں ردیف سے پہلے الف ہے۔
چند اشعار کے بعد پہلے مصرع کا آخری حرف ”ب“ آتا ہے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود
ایسے دو شعر ہیں پھر ”ت“ آخری حرف پہلے مصرع میں
آتا ہے۔

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
اس ترتیب سے اشعار آخر تک آتے ہیں۔

ان کے علاوہ صنعت اتصال ترتیبی صنعت سوال و
جواب وغیرہ کا استعمال بھی ہے اور فارسی کی رباعیوں کے قوانین
میں بھی حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے شعری محاسن میں زبان و بیان کی
بکثرت خصوصیات ہیں یہاں چند خصوصیات اجمالاً عرض کی
جاتی ہیں دوسرے مجموعہ کلام میں تجنیس مماثل ”تجنیس مستوفی“
تجنیس زائد وغیرہ کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں ہم آسانی
کے لئے ان مصطلحات کو ترک کر کے صرف اس قدر عرض
کریں گے کہ اعلیٰ حضرت الفاظ کی تکرار سے بات سے بات

البحر علا والموج طفی من بیکس و طوفاں ہوش ربا
مجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الی لیلیٰ چوبطیہ رسی عرضے کبئی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے ندن ہونا جانا
انافی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
سجان اللہ کیسے پیارے اشعار ہیں کہ پڑھنے والا
جھومنے لگتا ہے یہ کل دس اشعار ہیں اور مقطع یہ ہے۔

بس خامہ خام نوائے رضانہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا
اس شعر سے ظاہر ہے کہ عقیدت مندوں کی درخواست
پر اعلیٰ حضرت نے یہ مطلع لکھا ہوگا پھر ایک غزل محاسبہ نفس کے
لئے ہے اور ایسی مرصع ہے کہ جدید اردو شاعری بھی اس پر ناز
کرے گی اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرائیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
بادل گر جے بجلی تڑپے دھک سے کلیجہ ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

پیدا کر دیتے ہیں مثلاً۔

یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا
دل زنجی نمک پر وردہ ہے کس کی ملاحظت کا
سوناپاس ہے سونابن ہے سونازہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
پھر ایک جگہ تو لفظ کی رعایت سے کتنے مضامین تیار کئے
ہیں فرماتے ہیں۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا
اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمنغہ ہے ہمارا
جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا
اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدر کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا
اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفون شہِ بطحا ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا
حسن تعلیل کی بڑی نادر مثالیں ملتی ہیں مثلاً۔

ڈوبا ہوا ہے شوق میں زمزم اور آنکھ سے
جھالے برس رہے ہیں یہ حسرت کدھر کی ہے
دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے مطلعِ فجر

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
”نہیں“ سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ ”جناب“ ہوں
طور پر کوئی کوئی چرخ پہ یہ عرش سے پار
سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست
محمد صلی اللہ علیہ وسلم برائے جناب الہی
جناب الہی برائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دمِ نزاع جاری ہو میری زبان پر
محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنے جائے کیوں
ہے تو رضا نراستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

☆☆

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا

یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست
اس قسم کی عمدہ مثالیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً۔

دندان و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی
ہیں و رعدن لعل یمن مشکِ ختن پھول
آپ نے اس کثرت سے محاورات اور
استعارات استعمال کئے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا
جائے تو ایک لغت تیار ہو سکتی ہے۔ دیکھئے صرف
قصیدے کے اشعار میں کتنے محاورات ہیں۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسر و عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آراء ہے اجالا تیرا
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا
تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا
تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا
کس کا منہ تیلے کہاں جائے کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا
حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا
اس کے بعد اور مشہور قصیدہ ہے جس میں بکثرت
محاورات ہیں کچھ اشعار یہ ہیں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چکا ستارہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الہی بول بالا نور کا
پینی پر نور پر رخشاں ہے بکھ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

ان کی تعلیم اور ان کا پیام بھی صرف یہی ہے۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
 قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا
 پھر کس بے قراری سے یہ شعر صفحہ قرطاس پر آیا۔
 جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
 تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا
 ❖❖❖

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
 سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
 محاورات کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔
 اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اٹھ
 دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمانی ہے
 اعلیٰ حضرت کی شاعری کی یہ چند خصوصیات عرض کی گئیں
 اگر مزید غور کیا جائے تو اور بھی محاسن نظر آئیں گے لیکن ان تمام
 محاسن پر غالب ایک چیز ہے اور وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

”الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد“ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا مجموعہ کلام

مقالہ ”مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری“ میں ان میں سے کچھ موضوعات کی نشان دہی کی ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے اپنے اس مجموعہ کلام کو مکمل طور پر نعتیہ افکار و خیالات کی روشنی میں قلم بند فرمایا ہے۔ اور نعت گوئی میں رہبر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا ہے۔ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں۔

”نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبر بنایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ وہ مداح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود منبر بچھایا اور ان کو بٹھایا۔۔۔ دعاؤں سے نوازا۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کشف
برداری، در کی در بانی اور جاروب کشی کو حضرت رضا بریلوی نے
اپنے لیے سعادت سمجھا، فرماتے ہیں۔
کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں

حسان الہند حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ مجموعہ کلام ”الاستمداد“ پر آج تک کوئی تسلی بخش کام نہیں ہو سکا جس کا ارحہ افسوس ہے۔ نیز اسی طرح بہت سارے موضوعات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں۔

”حضرت رضا بریلوی عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ وہ ان زبانوں کے نبض شناس اور ماہر تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں ان کے دواوین موجود تھے۔ اب اردو دیوان حدائق بخشش (جس میں کچھ فارسی کلام بھی ہے) موجود ہے۔ باقی عربی، فارسی کلام منتشر صورت میں ملتا ہے اور اپنی مثال آپ ہے، خصوصاً عربی قصائد۔۔۔ ان کے فارسی اور اردو منظوم فتاویٰ کا ایک ذخیرہ ہے جو ابھی تک مرتب نہ ہو سکا۔ کچھ اردو کلام بھی باقی ہے۔“

غالباً ڈاکٹر صاحب کا اشارہ مجموعہ کلام ”الاستمداد“ کی جانب ہے۔ اسی طرح دیگر موضوعات بھی ہیں جن پر کام کیے جانے کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے

شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ساتھ حسان کی تائید کرتا ہے۔ جب تک وہ میری طرف سے فخر و مباہات کی باتیں کریں یا میری طرف سے دشمنوں کی نازیبا اور شرارت آمیز باتوں کا دفاع کرتے رہیں۔“

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ”عربی میں نعتیہ کلام“ میں ڈاکٹر شوقی ضیف کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

”تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ کے اشعار تعداد میں زیادہ ہیں لیکن خاص نعت کے اشعار بہت کم ہیں زیادہ تر اسلام کی عظمت کا مضمون ہے یا پھر وہ قصیدے ہیں جو کفار و مشرکین اور یہود کی ہجو میں کہے گئے ہیں۔ حضرت حسان اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہجو میں فرق یہ ہے کہ حضرت حسان مشرکین مکہ کے انساب پر حملہ کرتے تھے اور ان کی تاریخ کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کرتے تھے، جنہیں سن کر وہ تلملا کر رہ جاتے اور سمجھتے تھے کہ یہ باتیں حضرت حسان کو حضرت ابو بکر کے ذریعے معلوم ہوئی، مگر عبداللہ بن رواحہ بد زبان کفار کی ہجو دوسرے انداز سے فرماتے تھے۔ وہ کفر و شرک کی گمراہی اور بے دینی کا طعنہ دیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تھے جیسے ابوسفیان، ہندہ اور وحشی وغیرہ ان کو عبداللہ بن رواحہ کی کہی ہوئی ہجو زیادہ بری لگتی تھی کیونکہ وقت گزرنے کے بعد سب باتیں

الصلوة والسلام نے بھری مجلس میں صحابہ گرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا، ”مخالف شعراً کی ہرزہ سرائیاں حد سے زیادہ بڑھی جا رہی ہیں۔ تم لوگوں نے تلوار سے میری مدد کی کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے؟“ اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اس خدمت کے لیے یہ ناچیز حاضر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے جذبہ مخلص سے خوش ہو کر ارشاد فرمایا ”ان میں سے کچھ لوگ میرے اپنے قبیلے قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے عزیز ہیں مثلاً“ ابوسفیان میرا عم زاد ہے۔ اس کے خلاف بھلا تم کس انداز سے کہو گے؟“ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، حضور! میں آپ کو ان کے بیچ میں سے یوں الگ کر لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔“

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مسجد میں منبر بچھاتے تھے جس پر حضرت حسان کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے فخر و مباہات کی باتیں بیان کرتے تھے۔ اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی کرتے تھے یا حضور کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔ کسی نے کچھ ناشائستہ کلمات کہے تو اس کا جواب دیتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے تھے کہ بے

نعت کے ایک مرکزی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ کی ہجو اور گستاخی رسول کے جواب میں مسلمان شاعروں نے موثر طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربار رسالت کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسب و نسب اور کردار و صفات کی توصیف و ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھی انہیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔“ ۱۰۰

مذکورہ حوالاجات کی روشنی میں یہ بات ایمان و ایقان سے کہی جاسکتی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا، ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت، کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائی، ہجو اور ذم کا جواب آج کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہی لسانی جہاد نعت کی خشت اول ہے اور اس کے معمار وہ مقدس صحابہ گرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کی اتباع سراپا رشد و ہدایت ہے۔ جن کی پذیرائی خود اللہ اور اس کے رسول نے فرمائی۔ نعت گوئی میں انہیں مقدس صحابہ گرام کے نقش قدم کی اتباع حضرت رضا بریلوی نے کی اور اسی لیے واضح لفظوں میں فرمایا۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے
نعت کا یہ اساسی پہلو نعت گو شعرا کے دل و دماغ سے محو
ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت فاضل بریلوی نے زیر نظر نعتیہ مجموعہ

بھولی بسری ہو جاتی ہیں۔ مگر جن باتوں کو کسی کامیاب شاعر نے اپنی نظموں میں کہ دیا ہو تو وہ ختم نہیں ہوتیں اور لوگ اس کو دہرایا کرتے ہیں۔“ ۸۰
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

”حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شعراے گرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر کو اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کافروں کی ہجو اور مذمت کرتے تھے وہ تین اشخاص شمار کیے گئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم“ روضۃ الاحباب“ میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام شعرا مردوں میں سے ایک سوساٹھ اور عورتوں میں بارہ تھیں۔“ ۹۰

ڈاکٹر ریاض مجید نے جو یہ شاعری کے سلسلے میں بڑے پتے کی بات تحریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

”بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی، فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ”مدح نعت کا اہم موضوع ہے اور صنف نعت کے آغاز ہی سے اسے

ہے۔ اگرچہ نظم کے نشتر بعض سادہ لوح اور نو آموز دیوبندی حضرات کے لیے باعثِ تکلیف ضرور ہوں گے مگر ان کے پُرانے اور محروم صلاحیت حضرات تو جانتے ہیں کہ۔

یہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے وہ عام مسلمانوں کے سامنے اپنے زخم دکھاتے پھریں گے اور کہتے پھریں گے کہ لوگو! دیکھو ہمیں کیا ہو گیا ہے مگر زخم دیکھنے والے ان کی دشمن زبانی سے واقف ہیں۔ انہیں شاید یاد دلانے کی ضرورت نہ ہو کہ ان لوگوں کی زبان درازیوں نے عصمتِ مصطفویٰ اور کمالاتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ پاک پر جو زخم لگائے ہیں وہ صدیوں تک ہرے رہیں گے۔“ ۱۱۔

انوارِ رضا میں اس نعتیہ مجموعہ کلام کا ذکر کچھ اس طرح ہے۔
”امام اہل سنت کا ایک منظوم رسالہ بھی ہے جس میں جملہ فرقہ باطلہ کا رد ہے جو بالکل ہی چھوٹی بجز میں ہے جس کا نام ”الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد“ ہے تقریباً ڈھائی تین سو اشعار ہیں اس میں اغیار دین کا بھی تذکرہ ہے اور احباب و خلفاء کے لیے دعائیں بھی ہیں۔“ ۱۲۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مجموعہ کلام ”الاستمداد“ کی رقم طرازی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”جب ۱۹۱۹ء میں امام احمد رضا اپنے خلفاءِ عید الاسلام حضرت علامہ عبد السلام اور ان کے صاحبزادے برہان ملت مفتی برہان الحق صاحب

کلام ”الاستمداد“ قلم بند فرما کر نعت گو شعرا کی فکر کو ہمیز لگائی ہے اور نعت کے اس بنیادی پہلو یا موضوع پر شعر گوئی کی دعوت دی ہے جس سے کہ نعت کے اس بنیادی موضوع کا احیاء ہو سکے۔ چونکہ مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ درجہِ مجددیت پر بھی فائز تھے اور ایک مجدد کی ذمہ داری ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ کرام کے ان نقوش کو زندہ و تابندہ فرمائے جو حوادثِ زمانہ کے باعث پڑمردہ ہو گئے ہیں۔

چنانچہ ماہرِ رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مذکورہ نعتیہ مجموعہ کلام کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

”اندریں حالات ۱۳۳۷ھ میں فاضل بریلوی نے ایک دردناک فریاد، ایک پُر آشوب استغاثہ اور ایک خوں چکاں نظم بہ عنوان ”الاستمداد“ (زیرِ نظر) شائع کی۔ جس میں ان لوگوں کے ظلم و ستم، بارگاہِ خداوندی میں زبان درازیاں، بارگاہِ رسالت میں گستاخیاں اور مسلمانوں کے پاکیزہ نظریات پر جارحانہ حملوں کی داستان مرتب کر دی۔ فاضل بریلوی کی یہ کوشش آسان نظم میں اہل دل کو خون کے آنسو رلائے گی، اعتقادی سفر کے قافلہ والوں کے ڈگ مگاتے قدموں کے لیے سہارا بنے گی اور پھر ان نقاب پوشوں کے سیاہ عزائم کو بے نقاب کر دے گی جو اہل سنت کے ایمان و ایقان کی دولت کے خلاف نقب زنی کر رہے ہیں۔ یہ اشعار چھوٹی بجز میں ہیں مگر ایک ایک مصرع دیوبندیوں کے پُر فریب عقیدے کی مکمل تصویر

- (۸) گنگوہی صاحب کے نظریات
 (۹) نانوتوی صاحب کے نظریات
 (۱۰) تھانوی صاحب کے نظریات
 (۱۱) ذکر احباب و دعائے احباب

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اس نعتیہ مجموعہ کلام کا آغاز خطبہ مسنونہ کے بعد نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ نیز جس بحر کا انتخاب فرمایا ہے وہ بہت ہی چھوٹی بحر ہے اور اس نعت پاک کی خوبی یہ ہے کہ اس کو اتنے آسان اور دلنشین انداز میں قلم بند فرمایا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ پڑھتے رہیں۔ اور وجد میں آ کر گنگناتے رہیں۔ اس کے چند ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سچی بات سکھاتے یہ ہیں
 سیدھی راہ دکھاتے یہ ہیں
 ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں
 ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں
 ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں
 چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں ۱۴۔
 فیض جلیل خلیل سے پوچھو
 آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں
 ان کے نام کے صدقے جس سے
 جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں ۱۵۔

چونکہ اس نعتیہ مجموعے کا دوسرا موضوع ”استمداد از شاہ رسالت بر کبرائے کفر و ردّت“ ہے جو اس مجموعہ کلام کے نام کا ایک جزو ہے اس لیے اس موضوع یا عنوان کے تحت استمداد کا

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے زبردست اصرار و التجا پر جبل پور تشریف لے گئے تو حاجی کفایت اللہ صاحب بحیثیت خادم ساتھ میں تھے۔ ٹرین میں انہوں نے خیال کیا کہ امام احمد رضا تو مجدد ہیں اور مجدد کا کوئی بھی وقت خدمت دین سے خالی نہیں جاتا۔ آج اس طویل سفر میں امام سے کون سی دین کی خدمت ہوئی۔ جب جبل پور پہنچے تو حاجی صاحب سے امام احمد رضا نے فرمایا کہ فقیر نے راستے میں ۳۶۰ اشعار کہے ہیں جن میں ۳۵ اشعار نعت پاک کے ہیں باقی وہابیہ، دیوبندیہ کے رد میں ہیں انہیں قلم بند کر دیجیے۔ یہ قصیدہ دیکھ کر حاجی صاحب کو اپنے دل کے وسوسے پر سخت ملامت ہوئی۔ یہی وہ قصیدہ ہے جس کا تاریخی نام ”الاستمداد علی اجیاد الارتراد“ ہے اس میں امام احمد رضا نے اپنے ۱۴ خصوصی خلفائے کرام کا ذکر بھی کیا ہے۔“ ۱۳۔

حضرت رضا بریلوی نے اپنے اس مجموعہ کلام میں جن موضوعات پر روشنی ڈالی ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

- (۱) نعت انور سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- (۲) استمداد از شاہ رسالت بر کبرائے کفر و ردّت
- (۳) اسماعیل دہلوی، وہابیہ اور دیوبندیہ
- (۴) ائمہ محمدیہ علمائے دیوبندی کی نظر میں
- (۵) شرکستان
- (۶) اللہ تعالیٰ کے متعلق دیوبندی علماء کا عقیدہ
- (۷) دیوبندی عقائد کے اضافے

استمداد و استغاثہ نعت کا موضوع قدیم رہا ہے۔ اس موضوع پر عہد رسول سے لے کر اس وقت تک سخن وری کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”نعت کا ایک اہم اور مشہور انداز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں اپنے حالات اور درپیش مسائل اور مصائب و آلام اور مشکلات کا اظہار کر کے ان سے مدد طلب کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ اور استمداد اور آپ کے حضور فریاد اور مشکل کشائی و حاجت روائی کے لیے آپ کی بارگاہِ رحمت میں سوال، آغاز نعت ہی سے نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے۔ ہر عہد، ملک اور زبان کے شعرا نے رفع مشکلات، شفا، امراض، حصول مقاصد اور مصائب و مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے سید کو نبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی عرض داشت پیش کی ہے۔“ ۱۸۔

تیسرا موضوع ”اسماعیل دہلوی و ہابیہ اور دیوبندی“ کے رد پر مشتمل ہے جس میں اسماعیل دہلوی کے وہابی اور دیوبندی عقیدے کو حضرت رضا بریلوی نے بڑی ہی چابک دستی سے واضح کیا ہے، فرماتے ہیں۔

شہ کو رسل کو ملک جو مانے
اس کو خدا سے چھڑاتے یہ ہیں ۱۹
شہ کو رسل کو اہل خدا کو
چو ہڑے چہار سناتے یہ ہیں ۲۰۔

ایک جدید اسلوب اور پیرایہ استعمال کیا گیا ہے جس سے مجموعہ کلام اسمِ بسمعی ہو گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں چند اشعار۔
مولیٰ دین مٹاتے یہ ہیں
کفر اسلام میں لاتے یہ ہیں
تیری شان گھٹاتے یہ ہیں
رب کو عیب لگاتے یہ ہیں
رب سے اُلجھیں نبی سے اُلجھیں
کس ابلیس کے کاتے یہ ہیں
بلکہ کفن میں ان کا گرگا
پھر مسلم کہلاتے یہ ہیں
ابن عقبہ سے ہے مسلم
حاشا اس کو لجاتے یہ ہیں
اس کے ظلم کی حد تھی حرم پر
شاہ حرم تک جاتے یہ ہیں
کتنے مذہب ردت ٹھہرے
فقہ و کلام میں آتے یہ ہیں ۱۶۔
سب سے مضر تر ہیں یہ وہابی
سنی بن کے رجھاتے یہ ہیں
سنی و حنفی و قادری و چشتی
بن بن کر بہکاتے یہ ہیں
حق سے باطل شاہ سے ذاہل
کیسی مد کے ماتے یہ ہیں
پیارے دفع کر اعدا کیونکر
تیرے ہوتے ستاتے یہ ہیں ۱۷۔

ان کے منہ پہ خاک ہو کس کو
مٹی میں مر کے سلاتے یہ ہیں ۲۱۔
اتنا جلتے ہیں یہ نام شہ سے
کلے سے کنیا تے یہ ہیں ۲۲۔
بیٹی تک کے نہ کام آیں گے
بے قدری یہ مناتے یہ ہیں
ان کے کام نہ آئیں گے بیشک
جب تو جہنم میں جاتے ہیں ۲۳۔
یاد محمد یادِ خدا ہے
کس کو خر سے گھٹاتے یہ ہیں
ان کو گدھے کا ذکر ہی روزی
جس کی شان بڑھاتے یہ ہیں
ہم کو ذکر حبیب جسے یوں
آگ سمجھ کے بجاتے یہ ہیں ۲۴۔

چوتھا موضوع ”امت محمدیہ علمائے دیوبند کی نظر میں“
ہے۔ اس موضوع کے تحت کل تین ہی شعر کہے گئے ہیں۔ مگر یہ
تین اشعار قول فیصل یا حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ کسی طویل
موضوع کو اس پیرائے میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے
کہ موضوع بھی سمٹ جائے اور بات بھی پوری ہو جائے یہ
انتہائی فصاحت و بلاغت کی دلیل ہے، ملاحظہ فرمائیں حضرت
رضاً بریلوی کی طلاقِ لسانی۔

شہ کی امت کافر مانی
آپ کہاں بچے جاتے یہ ہیں
روے زمیں سے الگ کیا کوئی

گوہ بھٹہ بساتے یہ ہیں
اپنی آگ میں جل گئے آپ ہی
اچھی دیکھ گاتے یہ ہیں ۲۵۔
پانچواں موضوع ”شرکتان و ہابیہ“ ہے اس موضوع کے
تحت حضرت رضاً بریلوی نے وہابیہ کے ان تمام امور کی
وضاحت کر دی ہے جو ان کے نزدیک شرک کے دائرے میں
آتے ہیں، فرماتے ہیں۔

شرک کی ایسی تند چڑھی ہے
شرک ہی شرک بلا تے یہ ہیں
شرک کی تسبیح ان کا وظیفہ
شرک ہی چپتے چپاتے یہ ہیں
ساون کے اندھے کا ہرا ہے
شرک جو گاتے گواتے یہ ہیں ۲۶۔
لاکھوں مسلمان کر دیئے مشرک
گھر کی خبر بسر اتے یہ ہیں
جیسی کرنی ویسی بھرنی
کاٹیں جیسی بواتے یہ ہیں
جدّ عزیز و ولی اللہ کو
شرک کی دلی دکھاتے یہ ہیں
شیخ مجدد صاحب پر تو
سب سے سوا غڑاتے یہ ہیں
آپ پہ ڈھالیں باپ پہ ڈھالیں
کون ہے جس کو بچاتے یہ ہیں
حاجی امداد اللہ کو بھی

شرک مدد پہنچاتے یہ ہیں
تھانوی قاسم گنگوہی کو
شرک کے تھان بندھاتے یہ ہیں ۲۷۔

چھٹا موضوع ”اللہ کے متعلق دیوبندی علماء کا عقیدہ“

ہے۔ اس موضوع کے تحت فرماتے ہیں۔

سارا علم غیبِ الہی
پانچ میں ختم کراتے یہ ہیں ۲۸۔
کذبِ الہی ممکن کہ کر
دین و یقین سب ڈھاتے یہ ہیں ۲۹۔
کذب کا کیا غم ہاں کوئی کاذب
سمجھے اس سے ڈراتے یہ ہیں
بالفعل ان کا خدا ہے عیبی
پھر امکان تو گاتے یہ ہیں
سوئے اُونگھے بہکے بھولے
کیا کیا گت بنواتے یہ ہیں ۳۰۔
اپنے خدا کو محفل محفل
کوڑی نانچ نچاتے یہ ہیں
دیو کے آگے گھنٹی بجا کر
بم اس سے بلواتے یہ ہیں
زانی مزنی اُچکا ڈاکو
سارے جھولے جھلاتے یہ ہیں
کون سی خواری باقی چھوڑی
سب اس سے کرداتے یہ ہیں ۳۱۔

ساتواں موضوع ”دیوبندی عقائد کے اضافے ہے۔

اس موضوع کے تحت فرماتے ہیں۔

بیٹے گائے یہود و نصاریٰ
جورو اور ملاتے یہ ہیں
عقل فرنگ سے باغِ خرد میں
تین خدا لہکاتے یہ ہیں ۳۲۔
اب تو اُلوہیت بھی سُدھاری
ڈھول سے کھال گنواتے یہ ہیں
جب ہے کمال خلاف قرآن
اب کیا پلہ بچاتے یہ ہیں
یا تو خدا ہے کمال سے خالی
یا قرآن جھلاتے یہ ہیں
رب کا غضب ہو وحی سے پہلے
کس کو ضال بتاتے یہ ہیں
مرسل لاثانی کا ثانی
گنگوہی کو بناتے یہ ہیں ۳۳۔

آٹھواں موضوع ”گنگوہی صاحب کے نظریات“

ہے۔ اس موضوع میں حضرت رضا بریلوی نے رشید احمد گنگوہی
کے نظریات کا انکشاف کر کے اس کی تشریح و توضیح فرمائی ہے،
ملاحظہ فرمائیں۔

علم اپنے مرشد شیطان کا
علمِ شہ سے بڑھاتے یہ ہیں
علمِ غیبِ ابلیس کو مانیں
شہ کو کہو جل جاتے یہ ہیں ۳۴۔
مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا

دسواں اور آخری موضوع ”تھانوی صاحب کے نظریات ہیں، اس کے بعد حضرت رضا بریلوی نے اپنے احباب و خلفاء کا ذکر کیا ہے اس کے تحت جناب اشرف علی تھانوی صاحب کے نظریات کی وضاحت کی ہے، فرماتے ہیں۔

شہ سا ہر کس و ناکس جانے
غیب یہ عیب دکھاتے یہ ہیں
علم غیب میں بچے پگلے
گل چوپائے بھڑاتے یہ ہیں ۳۹۔
یعنی اپنے نبی جنے کو
تسکین بخش بناتے یہ ہیں
اپنے نام پر استقلالاً
صلی علیٰ بھنواتے یہ ہیں
بہکی زباں اور دن بھر بہکی
اف اف کیا بہکاتے یہ ہیں
اُن کی ثنا تھی نبی کی ذم تھی
یوں یہ عذر مناتے یہ ہیں ۴۰۔
واقعہ ڈھالیں ماں کا آنا
زن کا ذہن لڑاتے یہ ہیں
جن پر لاکھوں مائیں تصدق
تعبیر ان کی بناتے یہ ہیں
کو کبہ میں ستر ہی تھے جن پر
قاروں گنج بساتے یہ ہیں
یہ تو دو سوتیں ہیں اب کس
تحتِ ثریٰ کو جاتے یہ ہیں ۴۱۔

ایک ہے یوں چندراتے یہ ہیں
مجلس مولد شہ ہے خرافات
ایسی خرافات لاتے یہ ہیں ۳۵۔
عبد عزیز تک ایماں کب تھا
اسلام آج پھلاتے یہ ہیں
دیوبند والوں کے ملنے سے
اردو شہ کو سکھاتے یہ ہیں
ان کے نبی کی استاذی کا
حق امت پہ جتاتے یہ ہیں
اُف بے باکی شاہ سے اپنی
روٹی تک پکواتے یہ ہیں ۳۶۔

نواں موضوع ”نانوتوی صاحب کے نظریات“ ہیں اس موضوع کے تحت جناب قاسم نانوتوی صاحب کے نظریات کی عقدہ کشائی فرمائی ہے۔

شہ کے پچھلے نبی ہونے کو
فضل سے خالی گاتے یہ ہیں ۳۷۔
شہ کے بعد نبوت تازہ
پاک خلل سے بتاتے یہ ہیں
آپ ہی کافر آپ ہی مکفر
اپنی آپ ہی ڈھاتے یہ ہیں
اوّل کافر آخر کافر
ہر پھر کفر پہ چھاتے یہ ہیں
اُن کے کفر کا اٹھتا جوبن
ناحق اس کو چھپاتے یہ ہیں ۳۸۔

”الاستمداد (۱۳۳۷ھ) علیٰ اجیاد الالاستمداد“

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت مجدد مائتہ حاضرہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ، حواشی و تکمیلات: حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ، قادری بک ڈپو، نومحلہ مسجد بریلی شریف۔

الحاصل کتاب کے آخر میں جو تکملہ ہے اس کے بارے میں ایک جگہ لکھا جا رہا ہے کہ حواشی و تکملہ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ۔ اور دوسری جگہ لکھا جا رہا ہے تالیف حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی دامت برکاتہ مفتی اعظم ہند۔ ایک ہی چیز کو ایک جگہ حضور مفتی اعظم ہند کا تکملہ قرار دیا جا رہا ہے اور اسی کو دوسری جگہ حضور مفتی اعظم ہند کی تالیف۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تکملہ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ہے۔ ہاں اس تکملہ کو حضور مفتی اعظم ہند کی تالیف تو قرار دیا جاسکتا ہے لیکن بذات خود اس تکملہ کی نسبت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی جانب تخلیقی حیثیت سے کرنا غیر مناسب ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس تکملہ کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ۔ اس مجموعہ کلام میں حضرت رضا بریلوی نے اپنی فکر کا موضوع جن موضوعات کو بنایا ہے وہ تفصیل طلب ہیں اس لیے کہ شعر گوئی کا دامن خود ہی تنگ ہوا کرتا ہے اور پھر اُس میں ایمان و عقائد کا بیان ہر کس و ناکس کے فہم و ادراک سے بالاتر چیز ہے۔ اسی لیے باقاعدہ طور پر آپ نے ان اشعار کی تشریح و توضیح خود اپنے قلم سے فرمائی اور اس کو مجموعہ کلام کا تکملہ قرار دیا جس

اس پورے مجموعہ کلام میں ۱۳۶۱ اشعار ہیں۔ ۱۳۳۷ اشعار نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عقائد باطلہ کے رد پر مشتمل ہیں۔ اور ۲۴ اشعار حضرت رضا بریلوی نے اپنے احباب و خلفاء کے فضائل و مناقب میں قلم بند فرمائے ہیں جس میں انہوں نے اپنے ۱۴ خلفاء کا ذکر اختصا صی طور پر فرمایا ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ:

حضرت رضا بریلوی کے اس مجموعہ کلام ”الاستمداد“ میں ترتیب و تدوین کے لحاظ سے مقالہ نگار کو ایک اہم اشتباہ محسوس ہوا جس کا ازالہ لازم و ملزوم ہے۔ اس نعتیہ مجموعے میں دو حواشی ہیں اور ایک تکملہ ہے۔ پہلا حاشیہ پیر و مرشد حضور سیدی الشاہ مصطفیٰ رضا المعروف مفتی اعظم ہند نوری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ یہ حاشیہ ۱۳۳۷ اشعار کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حاشیہ ماہر لسانیات معروف ادیب و صحافی حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی علیہ الرحمہ ایم۔ اے، سابق مہتمم مرکزی مجلس رضا، لاہور کا ہے۔ یہ حاشیہ ۲۴ اشعار کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے جس میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے مقتدر خلفاء کا ذکر فخر و مباحات کے طور پر فرمایا ہے۔ مجموعہ کلام کے آخر میں ایک تکملہ ہے جس کا عنوان ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ”

الاستمداد“ پر

”تکمیلات“ تالیف: حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی دامت برکاتہ مفتی اعظم ہند اور کتاب کے صفحہ اول پر جو عنوان ہے وہ بایں طور ہے۔

امانت ہو اور ان سے گم ہو جائے تو یہ کہا جائے گا کہ لٹھا ان سے غائب ہو گیا۔ یا یہ کہ لٹھا ان میں غائب ہو گیا۔ آپ کے نزدیک دونوں طرح کہ لاتا ہے کچھ اعتراض نہیں اننا للہ و اننا الیہ راجعون ☆ ان کے یہاں یہ وقعت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کہ ان کی شان میں گالی کو کیسے چھل پیچ سے ٹھیک کیا جاتا ہے اور پھر دعویٰ ایمانی ہے سبحان اللہ یہ منہ اور دعویٰ! ۴۲۔

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگ پوری اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ ”اردو میں نعتیہ شاعری“ میں علمائے دیوبند کے نظریات اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کی گئی اہانتوں کے حوالے سے حضرت رضا بریلوی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”مولانا احمد رضا خان بریلوی المتوفی ۱۳۰۰ھ ۱۹۲۱ء بڑے زبردست عالم اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ تقریباً نصف صدی تک جس قدر انہوں نے غیر مقلدین کے خلاف لکھا ہے یا لکھوایا ہے۔ شاید دنیا کے اسلام میں کسی ایک خاص دبستان خیال کے خلاف کبھی اتنا نہیں لکھا گیا۔ جناب اسماعیل دہلوی کی ”تقویت الایمان“ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق جو اہانت آمیز فقرے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان کی توجیہ بھی کر لی جائے تب بھی ان کی بُرائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے کے مکتب خیال کے خلاف مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین نے بڑی سختی سے لکھا ہے۔ بہر حال جن

سے کہ لوگ بات کو مکمل سمجھ سکیں۔ اس تکملہ کے بغیر اس مجموعہ کلام کو مکمل قرار نہیں دیا جاسکتا، چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا
ایک ہے یوں چندارتے یہ ہیں
پیٹھے رسول اللہ کو دے کر
کیسی اوندھی گاتے یہ ہیں

”تکمیل ۶۲، اقوال اسماعیل کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے کو کیسی صریح بے ایمانی کی کہ مٹی سے متصل ہو جانا مٹی میں ملنا کہلاتا ہے۔ حاشا محض جھوٹ اولاً ہر مکان کی دیواریں مٹی سے متصل بلکہ بنیاد تک مٹی کے اندر داخل ہوتی ہیں۔ پھر جب سلطانی قلعہ بن کر تیار ہو کوئی مجنوں ہی کہے گا کہ سارا قلعہ مٹی میں مل گیا۔

ثانیاً روپیہ زمین پر رکھیے تو کوئی نہ کہے گا کہ روپیہ مٹی میں مل گیا اور چاندی کا برادہ خاک میں گر کر خلط ہو جائے اسے کہیں گے کہ چاندی مٹی میں مل گئی۔

ثالثاً گنگوہی صاحب زمین پر بیٹھتے ہوں گے تو اس وقت ان کے نیچے مٹی سے جسدمع پا جامہ ملاحق ہوتا تھا مگر کوئی نہ کہتا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گے نہ مرنے کے بعد چند روز تک یہ کہا جاتا۔ ہاں اب کہ ایک جگ بیت گیا اور ان کا بند گل کر مٹی میں خلط ملط ہو گیا، اب کہا جائے گا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گے۔

رابعاً ”سے“ اور ”میں“ میں فرق کرنا کیا مطلب کے لیے بھولا بن جانا ہے۔ اگر کسی کا لٹھا گنگوہی صاحب کے پاس

فرمایا۔ بات یہاں آ کر کافی الجھ گئی علمائے اہل سنت کا کہنا تھا کہ یہاں تشریح و توضیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت واضح ہے مگر علمائے دیوبند بضد تھے کہ نہیں یہاں ”میں“ بہ معنی ”سے“ ہی ہے۔ حضرت شیر پیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے ہر طرح سے علمائے دیوبند کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہر جواب کے جواب میں یہی کہتے کہ مولانا یہاں ”میں“ بہ معنی ”سے“ ہی ہے۔ انتظامیہ اور عوام بھی اس ”میں“ اور ”سے“ کی گفتگو سے عاجز آ چکی تھی مجمع سے آواز آئی آپ حضرات کام کی بات کیجیے اور اس ”میں“ اور ”سے“ کی گفتگو کو چھوڑیے وقت نہ برباد کیجیے۔ مناظر اہل سنت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے جب دیکھا کہ اس طرح بات نہیں بننے والی ہے اور یہ ضدی علمائے دیوبند حق کو اتنی آسانی سے قبول کرنے والے نہیں تو وہ انتظامیہ اور مجمع سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں ابھی ابھی اس مناظرے کا فیصلہ کر دوں سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ مولانا جلدی کیجیے۔ مناظر اہل سنت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں اس سے بات بخوبی آپ لوگوں کی سمجھ میں آجائے گی۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی مذکورہ عبارت ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی ہے۔ لیکن علمائے دیوبند اس کی توضیح ”لفظ ”سے“ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ عبارت میں کوئی گستاخی کا پہلو نہیں ہے تو میں ایک مثال دیتا ہوں اور آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ بتائیے اس قول میں آپ گستاخی کا

لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے۔ وہ اگر چہ ان کے عقائد سے مطابقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ تب بھی ان کی قوت حافظہ، طریق استدلال اور اجتہاد کے قائل تھے۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔“ ۴۶۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے مکملہ میں جن امثال اور تشریح و توضیح کا ذکر فرمایا ہے وہ ساری کی ساری مثالیں یا وضاحتیں اتنی کارآمد ہیں کہ کچھ مت پوچھے ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر آج ہم ان اقوال و نظریات، افکار و خیالات کے پابند ہو جائیں تو بہت کچھ کر اور سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک بار میں ایک مناظرے کی روداد پڑھ رہا تھا جس میں مناظرے کا موضوع رشید احمد گنگوہی صاحب کی یہی عبارت تھی کہ ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے“ اس مناظرے کے مناظر علمائے اہل سنت کی جانب سے مظہر اعلیٰ حضرت شیر پیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ تھے۔ اور دوسری جانب سے علمائے دیوبند۔ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب نے فرمایا کہ جناب رشید احمد گنگوہی کی مذکورہ عبارت حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی ہے اس لیے کہ مٹی میں ملنے کا مطلب یہی ہوا یا یہی ہوتا ہے ”اپنے وجود کو کھود دینا“ اس پر علمائے دیوبند کی جانب سے ان کے مناظر نے عبارت کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں پر ”میں“ بہ معنی ”سے“ ہے اس لیے جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت کا وہ مطلب نہیں ہوا جو آپ نے

گستاخی ہے اس بات کو وہ کسی بھی طرح ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے اور اس کی تشریح و توضیح کر رہے تھے۔ آپ لوگ خود فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ عبارت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عصمت سے بڑھ کر علمائے دیوبند کی عزت و عصمت ہے۔ سارے مجمع نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں تڑپ کر فرمایا ہرگز نہیں اور حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا۔

میری فہم و فراست میں عالم اسلام کے لیے حضرت رضا بریلوی کا ایک ایک قول لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی پیش کی ہوئی ایک مثال یا قول سے مناظرے کو فتح کیا جاسکتا ہے تو اگر ان کے سیکڑوں یا ہزاروں اقوال جو ان کی کتابوں میں جلوہ افروز ہیں اگر آج ہم ان کو اپنا لیں پھر تو اسلام کا بول بالا ہو جائے اور اس کی عروج و ارتقاء کے ایسے ایسے راستے ہموار ہو جائیں کہ جن کو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے بالخصوص حضرت رضا بریلوی کی سیاسی اور اقتصادی افکار کو اپنا کر بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا رہبر بنایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی شاعرانہ صلاحیت کو نہ صرف یہ کہ اپنے آقا و مولیٰ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی اور ان کے شمائل و فضائل کے بیان و ابلاغ میں بروئے کار لائے بلکہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی موقع ملا آپ نے دشمنان رسول اور شاتمان حبیب خدا کی بدگوئیوں اور گستاخیوں کا مجاہدانہ شان سے رد کیا اور شاندار اور پُر شکوہ انداز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و توقیر اور

پہلو مانتے ہیں کہ نہیں اور پھر فکرِ رضا سے کام لیتے ہوئے اسی مثال کو اختیار فرمایا جس کا ذکر تکرملہ میں ہے۔

فرمایا کہ حضرات! علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت میں ”میں“ بہ معنی ”سے“ ہے اور ہمارا یہ کہنا کہ رشید احمد گنگوہی کی عبارت کی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ کفریہ عبارت ہے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ لوگ رشید احمد صاحب کی عبارت کا مفہوم اس مثال کے ذریعے سمجھیں۔ یہ دیکھئے میرے ہاتھ میں کیا ہے پہلے مجمع سے پوچھا اور پھر علمائے دیوبند سے سب نے بیک زبان ہو کر کہا آپ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ حضرات! اگر میں اس لاٹھی کو مناظر دیوبند کے پاس امانت رکھ دوں اور بالفرض مناظر دیوبند سے میری یہ لاٹھی کہیں گم ہو جائے تو آپ لوگ کیا کہیں گے سب نے بلند آواز میں یک زبان ہو کر کہا کہ یہی کہا جائے گا کہ مولانا حشمت علی خاں صاحب کی لاٹھی مناظر دیوبند سے کہیں گم ہو گئی۔ اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا کہ نہیں حضرات! اگر میں اس عبارت کی توضیح کر کے اس طرح کہوں کہ میری لاٹھی مولانا سے گم نہیں بلکہ مولانا میں گم ہو گئی تو آپ لوگ کیا سمجھیں گے اس پر مجمع نے قہقہہ لگایا اور مناظر دیوبند نے کہا حضرات! دیکھئے مناظر اہل سنت ہم کو گالی دے رہے ہیں۔ اس پر شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے تڑپ کر گرجتے ہوئے فرمایا کہ حضرات جس چیز کو یہ اپنے لیے گالی مان رہے ہیں ہم اسی بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ رشید احمد گنگوہی کی مذکورہ عبارت ہمارے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں

- ۵- عصمت و عظمت کے دفاع کا فریضہ ادا کر کے اللہ جل جلالہ کے حبیب لیبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکتوں سے بھی مستفیض ہوئے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کی تھی کہ:
- ۶- اے میرے رب تو روح القدس سے حسان کی مدد فرما اس لیے کہ یہ میرے دشمنوں اور بدگوئیوں سے میرا دفاع کرتا ہے
- ۷- امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ”گستاخان رسول“ کو ”سب سے مضرت“ قرار دے کر اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے۔ ان کا یہ شعر قیامت تک دشمنان رسول کے لیے لاکار بن کر ہوش و خرد پر شبخوں مارتا رہے گا۔
- ۸- کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار اعدا سے کہ دو خیر منائیں نہ شر کریں
- ۹- کتابیات:
- ۱۰- انتخاب حدائق بخشش - پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سرہند پبلی کیشنز، کراچی صفحہ ۲۸۱
- ۱۱- انتخاب حدائق بخشش - پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سرہند پبلی کیشنز، کراچی صفحہ ۲۹۳
- ۱۲- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۱۳- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۱۴- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۱۵- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۱۶- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۱۷- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۱۸- نقوش رسول نمبر جلد دہم، ادارہ فروغ اردو، لاہور
- ۱- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۸۰
- ۲- مجلہ اوج نعت نمبر جلد اول - ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
- ۳- نعتیہ روایت کا عروج و ارتقاء - ڈاکٹر سراج احمد قادری، رضوی کتاب گھر، دہلی ۵۳ / ۵۴
- ۴- عربی میں نعتیہ کلام - ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مکتبہ اسلام گون روڈ، لکھنؤ صفحہ ۷۷
- ۵- مدارج النبوة جلد (دوم) اردو ترجمہ - حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ادبی دنیا، دہلی صفحہ ۱۰۰۸
- ۶- اردو میں نعت گوئی - ڈاکٹر ریاض مجید، اقبال اکادمی، لاہور صفحہ ۱۲ / ۱۳
- ۷- الاستمداد - امام احمد رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۲۸
- ۸- انوار رضا - تحفہ تحفہ، لاہور صفحہ ۶۰۶ (صدا القرآن پبلی کیشن، لاہور صفحہ ۶۳۶)
- ۹- جہان رضا شمارہ جون جولائی ۱۹۹۷ء - اقبال احمد فاروقی، مرکزی مجلس رضا، لاہور صفحہ ۳۸ / ۳۹
- ۱۰- الاستمداد - امام اٹمڈ رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۲۹
- ۱۱- الاستمداد - امام اٹمڈ رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۰
- ۱۲- الاستمداد - امام اٹمڈ رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۷
- ۱۳- الاستمداد - امام اٹمڈ رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۸
- ۱۴- نقوش رسول نمبر جلد دہم، ادارہ فروغ اردو، لاہور

- صفحہ ۴۸
- ۱۹۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۹
- ۲۰۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۹
- ۲۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۰
- ۲۲۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۳
- ۲۳۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۴
- ۲۴۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۸
- ۲۵۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۱
- ۲۶۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۱
- ۲۷۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۳
- ۲۸۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۴
- ۲۹۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۷
- ۳۰۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۸
- ۳۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۰
- ۳۲۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۱
- ۳۳۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۲
- ۳۴۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۵
- ۳۵۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۹
- ۳۶۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۷۶
- ۳۷۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۷۷
- ۳۸۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۷۹
- ۳۹۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۸۱
- ۴۰۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۸۴
- ۴۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۸۵
- ۴۲۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۱۶۱
- ۴۳۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری، سندھ اردو اکیڈمی، کراچی صفحہ ۳۸۰



مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا فنی و لسانی تجزیہ

مترادف ہے کیوں کہ جو الفاظ یا القاب خدا کے لیے خاص ہیں وہ کہیں نبی کی ذات سے منسلک نہ ہو جائیں اور جو الفاظ نبی کی ذات کے لیے خاص ہیں کہیں وہ ذات باری تعالیٰ سے منسلک نہ ہو جائیں گویا دونوں کی سرحدوں میں غایت و مغیا کا سا معاملہ ہے۔

ہماری اس بات کو مزید تقویت ملی ماہنامہ قاری دہلی سے ”نعت گوئی معبود اور عبد کے فرق کا لحاظ رکھنا ہے رسول کی خواہ کتنی ہی تعریف و توصیف کی جائے لیکن اس کا مقام مقام عبدیت ہی ہے رسول اکرم کی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں“

اس بارے میں مولانا احمد رضا کہتے ہیں:

”حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے“

رضانا نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق مصطفیٰ ﷺ

مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا دورانیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے ربع آخر تک ہے۔ ان سے قبل میر کی ندرت، سودا کا فن، غالب کی بلند پروازی کا بول بالا تھا۔ کچھ برسوں کے بعد داغ دہلوی کی لالہ کاری اور اقبال کی انفرادیت مقبول رہی۔ ان شعرا کا موضوع سخن مائل بہ غزل تھا اس لئے ان کے کلام میں عشق مجازی کی کثرت ہے۔ اس کے بعد رضا نے نعتیہ شاعری کے میدان کا انتخاب کیا اور عشق حقیقی کی جانب ملتفت رہے۔ ان کے ایک ایک شعر سے عشق حقیقی کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ حالانکہ میر و سودا، غالب اور داغ دہلوی نے بھی نعتیں لکھیں ہیں مگر اس فن کو مشکل سمجھ کر صنف غزل کی جانب راغب ہو گئے۔

شاعری کرنا ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں کیوں کہ شاعری کا فن کسی نہیں بلکہ وہی ہے۔ حالانکہ شاعری کے حسن کو دو بالا کرنے میں زبان و ادب اور فن کا اہم کاردار ہوتا ہے مگر ان کے ذریعے شاعری کرنا آجائے محال ہے۔ نسبتاً حمد و غزل لکھنا آسان ہے کیوں کہ غزل میں من چاہے مضامین قلم بند کر سکتے ہیں۔ حمد میں خدائے تعالیٰ کی تعریف میں جو کچھ کہا جائے کوئی دقت نہیں۔ مگر نعت گوئی پل صراط سے گزرنے کے

کے لیے وقف کر دیا تھا یہی نہیں بلکہ جان اور دل سب کچھ عشق رسول ﷺ پر قربان کر دیا۔

دل بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
نعت ۳۔

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اس شعر پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک لفظ دل

نعت تعداد طویل مصوتے اوسط

۱ ۱۷ ۳۵۵ ۲۰/۸

۲ ۸ ۱۶۴ ۲۰/۵

۳ ۱۵ ۳۱۸ ۲۱/۵

ہے جس کو اس شعر سے الگ کرنے پر 'دل' لفظ میں کوئی سر ظاہر

نہیں ہوگا اور جب دل کو دوسرے لفظوں سے منسلک کر دیا

جائے تو اس میں سر پیدا ہو جائے گا یعنی دل ہے وہ دل جو اس

سر میں طویل سلسلہ دل ل ل ل کا پیدا ہو جائے گا اس کے بعد

تیری یاد سے معمور رہا جوڑنے سے ہم آہنگی پیدا ہوگی اس

طرح سے ایک لفظ دوسرے لفظ کے آہنگ کی تکمیل کرتا ہے۔

رضانے اپنے کلام میں طویل مصوتوں اور انفیائی مصوتوں کا

استعمال اس کثرت سے کیا ہے کہ کلام کا آہنگ بلند سے بلند تر

ہو گیا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ طویل مصوتہ گہرے اور سنجیدہ

جذبات و احساسات، حزن و کیفیات اور غم و اندوہ کے مفہوم کی

ترجمانی کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ کلام کو مترنم اور شیریں

بنانے کے لیے بھی طویل مصوتوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ہم نے رضا کی تین نعتوں کا تجزیہ طویل مصوتوں کے

استعمال سے متعلق کیا جس کا نتیجہ درج ذیل ہے۔

نعت ۱۔

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرح و الشمس الضحا کرتے ہیں

ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں، جن کو محمود کہا کرتے ہیں

نعت ۲۔

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے

اس تجربے سے رضا کے کلام میں طویل مصوتوں کا اوسط

۲۰/۵ سے اوپر کا ہے جبکہ میر، غالب اور اقبال کا اوسط بقول

گوپی چند نارنگ کے درج ذیل ہیں۔

”اب ان تینوں شاعروں کے یہاں طویل مصوتوں کے

استعمال کی جو تصویر مرتب ہوتی ہے وہ یوں ہے۔“

میر ۱۶ طویل مصوتے فی شعر

غالب ۱۱ ””””

اقبال ۱۶ ””””

میر اور اقبال طویل مصوتوں کے استعمال میں مساوی

ہیں جب کہ غالب کا اوسط ۱۱/۱ کا ہے جو کہ سب سے کم ہے

۔ ان سب سے زیادہ امام احمد رضا کا ہے جس سے اندازہ لگایا

جاسکتا ہے کہ رضا کے کلام میں کس قدر نغمگی موجود ہے۔ رضا

نے ”حدائق بخشش“ میں مصوتہ واؤ کا استعمال فراخ دلی سے کیا

ہے حالانکہ واؤ دو لفظوں کے جوڑنے کا بھی کام کرتا ہے اور

مصوتے کی صورت میں شعر کے آہنگ کو بھی متاثر کرتا ہے۔

اس کی مثالیں اس طرح ہیں۔

ارب، کرب، عجب، طلب، رحمت رب کس کے سبب، ذنوب فنا، عیوب ہبا، قلوب صفا، خطوط روا، یہ خوب عطا کرو ب زوا، جن و بشر، آٹھوں پہر، ملائکہ در بستہ کمر، جبہ و سر، قلب و جگر، روح امیں، عرش بریں، لوح میں، کوئی بھی نہیں، یہ بے خبری، خلق پھری، بندھا، اٹھا، جھکا، سماں، یہ مرتبتیں، لتیں، گتیں، کریں، پھریں، بدرت، بہرت، وجہت، سرت مرکزیت، صفت، چلے، پھلے، بھلے، تلے، کھلے وغیرہ۔

مطلع کے بعد مقطع کا شعر ملاحظہ کریں:

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہو بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لیے
اس نعت میں ہم قافیہ اور انقائی الفاظ اور ہم آہنگ آواز اور لفظوں کا یکساں بالترتیب ہونا اور با تکرار ہونا ہی اس کے آہنگ کو متاثر کر رہا ہے۔ یہ نعت ۲۵ اشعار پر مشتمل ہے جس میں معکوسی آوازیں نہیں ہیں تھکد ار آوازیں صرف ایک مرتبہ آئی ہے (نہ چھوڑی لتیں) ہکاری آوازیں ۶۲ ہیں پہلوئی آوازیں ۲۸ اور تعاشی آوازیں ۱۱۳ ہیں صغیری آوازیں ۲۲۲ ہیں ان میں کثیر الاستعمال انفی اصوات ۲۹۱ ہیں یہ نعت نغمگی، ترنم اور موسیقیت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ کلام کے حسن و زیبائش، ترنم اور نغمگی کو دوبالا کرنے کے لیے ردیف و قافیہ کا تناسب اہم ہوتا ہے مذکورہ بالا نعت میں قوافی کی بھرمار ہے وہ بھی مترنم قوافی۔ ایک ایک شعر میں ۳، ۴، ۵، ۶ اور ۷ قوافی قلم بند کئے گئے ہیں ردیف و قافیہ کے درمیان بہترین تناسب ہے۔ الفاظ کی روانی سے پروئے ہوئے موتی کا گمان ہوتا ہے۔

ع خوار و بیمار و خطا دار و گنہگار ہوں میں
ع رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا
ع بحر و بر شہر و قری سہل و حزن و دشت چمن
ع دندان و لب و زلف و شہہ رخ کے فدائی
ع رؤف و رحیم علیم علی ہے

ماہرین اسلوبیات کے نزدیک کلام میں نغمگی، ترنم اور موسیقیا نہ آہنگ ہوگا تو یقیناً اس کلام میں انفی مصمتوں اور انفیائے گئے مصوتوں کا استعمال کثرت سے ہوگا۔ چونکہ ناک کے راستے سے گزرنے والی آوازیں ترنم، گونج، گنگناہٹ اور جھنکار پیدا کرتی ہے رضا بریلوی کے یہاں انفی اصوات کی بہتات ہے جیسے

چنین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے
زمیں و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
در اصل اس نعت پاک میں الفاظ زمین و زماں، مکین و مکاں، چنین و چناں، دو جہاں، زماں، یہاں، وہاں، عیاں، زباں، نشاں، نہاں، مکاں، جناں، سماں، مہاں، شہاں، رواں، بداں، کشاں، اماں، حساں، کہاں، فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم، غلام کرم، وجود و عدم، حدوث و قدم، کلیم و نجی، مسیح و صغی، خلیل و رضی، رسول و نبی، عتیق و وصی، غنی و علی، اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل، حکومت کل، ولایت کل، تمہاری چمک، دمک، جھلک، مہک، زمین و فلک، سماک و سمک، شمس و قمر، شام و سحر، برگ و شجر، باغ و شمر، تیغ و سپر، تاج و کمر، فیض دیے، جو دیکے، نام لیے، زمانہ جیے، جہاں نے لیے، تمہارے لیے، سحاب کرم، آب نعم، رکھتے تھے ہم،

مطلع ۱۵ / انبیاء کو بھی اجل آتی ہے
مگر ایسی کہ فقط آتی ہے
مذکورہ بحر سے بھی چھوٹی بحر میں نعت ملاحظہ کریں۔ اس
بحر کا نام ہے بحر مل مربع سالم جس کا وزن ہے (فاعلاتن
فاعلاتن) اس بحر میں رضانا نے ۴۵ اشعار پر مشتمل دو نعتیں
لکھی ہیں۔ دونوں کے مطلع ملاحظہ کریں۔

مطلع ۱ / مصطفیٰ خیر الموریٰ ہو
سرور ہر دوسرا ہو
مطلع ۲ / ملک خاص کی کبریا ہو
مالک ہر ماسوا ہو

رضا کی نعتیہ شاعری میں جس کثرت سے بحر اور ان کے
اوزان کا استعمال ہوا وہ دیگر شعرا سے کہیں زیادہ ہے۔ رضا
کے اوزان و بحر کے متعلق ڈاکٹر صابر سنبھلی ادبیات رضا میں
رقطراز ہیں:

”رضانا نے ۱۱ گیارہ بحروں کے ۲۹ اوزان میں طبع
آزمائی کی ہے۔ یہ تعداد کم نہیں ہے“
آگے پروفیسر عنوان چشتی کے حوالے سے غالب کے
اوزان و بحر کا ذکر کرتے ہیں غالب دہلوی نے جن کا کام
شاعری کرنا ہی تھا کہ مطابق ۸ بحروں کے ۱۹ اوزان میں ہی
شاعری کے جوہر دکھائیں ہیں“
آگے میر تقی میر نے ۱۰ بحروں کے صرف ۲۴ اوزان
کو برتا ہے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا کہ رضا اوزان و بحر
کے استعمال میں اپنے معاصر شعرا پر سبقت رکھتے ہیں، اس کی

یہ نعت بحر وافر سالم مضمن کی ہے جس کا وزن ہے
(مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن) یہ بحر عربی زبان میں
راج تھی اردو میں نہیں۔ اردو اور فارسی شاعری میں اس بحر کو
مشکل جان کر ترک کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اس بحر میں کلام لکھنا
آسان نہیں تھا اور اردو شعرا کی بے رغبتی اس کی سنگلاخ زمین
ہی ہے اس صنعت کو نئی زندگی بلکہ حیات جاوید عطا کرنا رضا کا
ہی کام ہے۔ اگر آپ اس بحر میں طبع آزمائی نہ کرتے تو یہ بہت
پہلے ہی داعی اجل کو لبیک کہہ دیتی لیکن رضانا نے اس بحر میں
نعت لکھ کر آنے والے شعرا کے لیے راہ آسان کر دی۔

رضانا نے سنگلاخ زمین کے ساتھ ساتھ چھوٹی بحروں میں
بھی نعتیں لکھی ہیں۔ ہمارے اس قول کو تقویت ان کے
اشعار سے ملی ہے بحر مل مسدس سالم مخبون مخدوف مسکن جس کا
وزن ہے۔

(فاعلاتن فعاتن فعلن) اس بحر میں رضانا نے
۱۸۹ اشعار پر مبنی پانچ نعتیں قلم بند کی ہیں۔ ان نعتوں کے
صرف مطلع ملاحظہ کریں۔

مطلع ۱۔ آنکھیں رو رو کے سجانے والے

جانے والے نہیں آنے والے

مطلع ۲ / کیا مہکتے ہیں مہکتے والے

بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

مطلع ۳ / راہ پر خار ہے کیا ہونا ہے

پاؤں افگار ہے کیا ہونا ہے

مطلع ۴ / ذرے جھڑ کر تیری پیزاروں کے

تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

رضا:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب:

دیر نہیں ، حرم نہیں ، در نہیں ، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

رضا:

رخصتِ قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

غالب:

قید حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں

رضا:

یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

غالب:

ہاں وہ نہیں خدا پرست ، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہودین و دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں

رضا:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روزِ فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نا، دوا اٹھائے کیوں

رضانے قافیہ بدل کر ایک اور نعت لکھی ہے۔ جس کا مطلع

درج ذیل ہے۔

وجہ یہ ہے کہ ان کو علمِ عروض پر مکمل دسترس تھی۔

رضانے دوسروں کی زمین میں بھی نعت لکھنے میں کوئی
عارض محسوس نہیں کی۔ انہوں نے مشکل سے مشکل زمینوں میں طبع
آزمائی ہے اور دوسروں کی زمینوں میں بھی۔ کیوں کہ کسی کی
بھی زمین میں نعت لکھی جاسکتی ہے اس میں کوئی پابندی نہیں
ہے اگر وہ عارض محسوس کرتے تو غالب کی زمین میں ہرگز طبع
آزمائی نہ کرتے۔ رضانے غالب کی زمین میں ایک نہیں دو
نہیں بلکہ تین نعتیں قلم بند کی ہیں۔ غالب کے ’کہ یوں‘ والی
ردیف ’’غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں‘‘ اس پر شعرا
لاکھ کوششوں کے بعد بھی کلام نہ لکھ سکے غالب اور رضا کے
اشعار ملاحظہ کریں۔

غالب : غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

رضا: پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں

کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

غالب: جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشکِ فارسی؟

گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

رضا: جو کہے شعر و پاسِ شرعِ دونوں کا حسن کیوں کر آئے

لا اسے پیشِ جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں

غالب کی ایک اور غزل کی زمین پر رضانے بہترین نعت

قلم بند کی ہے۔ غالب کی غزل کے اور رضا کی نعت کے چند

اشعار پیش ہیں:

غالب:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

رضا کا مطلع:

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں
رضا کی نعتوں میں غزل کا رنگ ہے ان کی زیادہ تر نعتیں
غزلیہ اسلوب میں ہیں۔ غالب کا مصرع ہے:

جس کو ہودین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں
رضا کا مصرع ہے:

دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
مذکورہ مصرعوں میں لفظ 'میں' کو 'سے' سے بدل کر رضانا
غزل کا رنگ بھر دیا ہے۔ انہوں نے نعتیہ شاعری غزل کے رنگ
میں کی ایک شعر میں خود فرماتے ہیں:

آکھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاقِ طبعِ لذتِ سوزِ جگر کی ہے
ان کی غزلیہ شاعری کے متعلق کالی داس گیتا
رضاقطر از ہیں:

”ان کی نعتیہ غزلیں مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ
ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ کے اشعار اکر دیے جائیں
تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کی حامل ہوں گے۔“
رضا صوت و آہنگ۔ ردیف و قافیہ کی موسیقیت سے
اچھی طرح واقف تھے اسی لیے انہوں نے مصوتوں پر ختم
ہونے والی قافیہ کا زیادہ استعمال کیا ہے۔ مصوت قافیہ یا
ردیف کے اختتام پر ہو تو کلام کا صوتی آہنگ بڑھ جاتا ہے۔
ردیف کی تکرار اور پابندی سے کلام میں لطف و تاثیر اور
موسیقیت بڑھ جاتی ہے۔ رضانا بڑی کامیابی کے ساتھ ان

کو اپنے کلام میں برتا ہے۔

صوتیاتی نقطہ نظر سے رضا کے کلام کا آہنگ بلند و بالا
ہے۔ انقیائے آواز حروف و الفاظ کی تکرار، قافیہ و ردیف کی
تکرار اور قوافی کے آخر میں مصوتوں کا استعمال انہیں انفرادیت
عطا کرتا ہے۔

کلام رضا میں فارسی اضافت ”زیر“ کا استعمال اس
چابک دستی سے ہوا ہے کہ کلام کی روانی برقرار اور کلام میں
تناسب ہے، تناظر کا نام بھی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر یہ مصرع ملاحظہ کریں:

ع فیض ہے یا شبہہ تسنیم نزالا تیرا

ع ابن زہرہ کو مبارک ہو عروسِ قدررت

ع بڑھایہ سلسلہ رحمت کا دور زلف والا میں

ع حضرت آلِ رسولِ مقتدا کے واسطے

ع پیشِ ذراتِ مزارِ بیدلان سوختہ

اردو شاعری میں بعض لفظوں کی تکرار سے معنی میں فرق

پیدا کیا جاسکتا ہے جیسے اسم عام کی تکرار سے ایک ایک اور ہر
ایک کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ رضانا اپنے کلام میں مذکورہ
اسلوب کو خوب استعمال کیا ہے۔ اس سے ان کے کلام کی
معنوی وسعت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ ان کے کلام میں
افعال کی تکرار کم اور اسما کی تکرار زیادہ ہے جیسے گلی یعنی ہر گلی
میں، قدم قدم یعنی ہر قدم پر، گونج گونج، چمن چمن، بوند
بوند، ہری ہری، بھری بھری، مرمر، مکر مکر، بچہ بچہ، شاخ شاخ،
داغ داغ، باغ باغ، وغیرہ مذکورہ بالا لفظوں کی تکرار کی جھلک
کلام رضا سے ملاحظہ کریں۔

زبان ہونے یا متروک الفاظ ہونے یا علاقائی بولی ہونے کی بدولت کوئی نقص عائد نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے اشعار کے حسن میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ آج یہ الفاظ اردو کے بہترین سرمایہ بن گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اردو کے ہی ہو گئے ہیں متروک الفاظ کے متعلق ڈاکٹر عبدالنعیم عریزی اپنے مقالہ ”اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی“ میں تحریر کرتے ہیں:

”سہرا نور کا، توڑا نور کا، اہلا نور کا، اعلیٰ نور کا، یہ وہ الفاظ ہیں جو اردو میں متروک ہو جاتے اگر امام احمد رضا نے ان کو اپنی نعتوں میں استعمال نہ کیا ہوتا“

اب عربی، فارسی، ہندی سنسکرت اور اردو زبان کے الفاظ اس نعت میں ملاحظہ کریں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کوتاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابر کرم
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برساجانا
انافی عطش وسخاک اتم لے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتي زیدی اجلک رحم برحسرت تشہ لبک
مورا جبر الہرے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
یہ صنعت مطلع کی ہے حالانکہ صنعت مطلع میں صرف دو
زبانوں کا استعمال ہوتا ہے مگر رضا نے اس سے آگے بڑھ کر
چار زبانوں پر مشتمل ۹ اشعار قلم بند کیے ہیں۔ پوری اردو

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھو کریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جان نو
یہ راہ جاں فزاں میرے مولیٰ کے در کی ہے
گونج گونج اٹھے ہیں نعمت رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے
رضانے افعال کی تکرار سے کثرت اور تواثر کا مفہوم پیدا
کیا ہے جیسے دے دے، جھک جھک، ڈوبا ڈوبا، بڑھتے
بڑھتے، مٹتے مٹتے، ابھی ابھی، گلے گلے، ہاں ہاں، لے لے،
وغیرہ ان کی مثال میں اشعار ملاحظہ کریں۔

قسمیں دے دے کر کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ تیرا چاہنے والا تیرا
بے نشانوں کا نشان مٹا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا
اب تو لائی ہے شفاعت عفو پر
بڑھتے بڑھتے عام ہو ہی جائے گا
رضاکے کلام میں اردو، عربی، فارسی، زبانوں کے علاوہ
ہندی، سنسکرت، علاقائی اور مقامی بولیوں کے بے شمار الفاظ
استعمال ہوئے ہیں۔ مختلف زبانوں کے الفاظ جو معنوی اعتبار
سے ادب میں جگہ پانے کے حقدار تھے مگر اباب سخن کی عدم
توجہی کی بنیاد پر ادب میں جگہ پانے میں ناکام رہے۔ رضا
نے اپنے کلام میں ان متروک الفاظ و دیگر زبانوں کے الفاظ
اور علاقائی بولیوں کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے
کہ شعر کی روانی، تسلسل، تناسب، فصاحت و بلاغت میں دیگر

رہنی چاہیے کہ کون سی ضمیر کس ذات کے لیے مناسب ہے لہذا ضمیر کے انتخاب میں سلیقے سے کام کیا جاتا ہے ورنہ معانی و مفاہیم کہیں کا کہیں پہنچ جائیں گے۔ رضا کے کلام میں ضمائر کا استعمال کثرت سے ہوا ہے لیکن ضمیر کے استعمال میں جس حسن و خوبی، سلیقہ اور خوش اسلوبی درکار تھی سب کو مد نظر رکھ کر کیا ہے۔
ضمیر شخصی:

خدا تیرا خدا ہے تو خدا کا پاک بندہ ہے
خدا تو تو نہیں نورِ خدا ظلِ خدا تو ہے
تیری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھ کو شایاں ہے
فقط اک نارواں یہ ہے کہ یوں کہیے خدا تو ہے
تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیرے خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن ادا کی قسم
تیرا مسند ناز ہے عرش بریں تیرا محرم راز ہے روح امیں
ضمیر اشارہ:

رخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
یہ وہی ہیں جو بخش دیتے ہیں
کون ان جرموں پہ سزا نہ کرے
ضمیر موصولہ:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روزِ فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں
جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خار پھرتے ہیں

شاعری میں اس طرح کا کلام کہیں نہیں ملتا ہے جو چار زبانوں پر مشتمل ہو۔ عموماً دو زبانوں کے اشعار گاہ بگاہ مل جاتے ہیں مگر چار زبانوں میں اشعار کسی بھی شاعر کے یہاں نہیں ملتے۔ اس نعت کو مضمون آفرینی، عشق و محبت کا جذبہ الفت کی وارفتگی، زبان کی چاشنی، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت زبانوں کے الفاظ اور تراکیب و ترتیب نے نہ صرف نعتیہ شاعری بلکہ اردو شاعری کا شاہکار بنا دیا ہے۔ چندن چندر پروکٹڈ سنسکرت کی ترکیب ہے۔ جیرا رجبے پوربی زبان کے الفاظ ہیں، تن، دھن، پت، پت، ہندی زبان کے الفاظ ہیں۔ بھر ہندی رواج سے متعلق لفظ ہے مصوتوں کا بکثرت استعمال مسلسل اور صغیری آوازوں کی بہتات، ردیف و قافیہ کا صوتی اجتماع، آوازوں کے جوڑے رم جھم رم جھم، راج تاج وغیرہ الفاظ نے موسیقیت کا سماں باندھ دیا ہے۔

اردو، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور بھوجپوری وغیرہ زبانوں کے الفاظ درج ذیل منقبت میں ملاحظہ کریں۔
تورے دیکھن کو تر سے جیرا یا عبد القادر جیلانی
کا ہو بد سو ہے سنے میں درس دکھایا عبد القادر جیلانی
تن من دھن سب وارت ہوں اب ساروں سہاگ اوتارت ہوں
شیاء اللہ کی چوں مالایا عبد القادر جیلانی
۱۱۳ اشعار پر مشتمل اس منقبت میں اردو، ہندی، عربی، فارسی، سنسکرت، بھوجپوری زبانوں کے الفاظ رضا کی لسانی خصوصیات کی گواہی دیتے ہیں۔

نعت میں ضمائر کا استعمال غایت درجہ سلیقے کا متقاضی ہوتا ہے اس لیے ضمیر کے استعمال کے وقت یہ بات زیر غور

ضمیر تکبیر:

اعتلائے محمد، عرش حق، زیر پائے، مکاں، فلک، فرش، فلک،
خادمان، خدا، دو عالم، عجب رحم، فرما، خدائے محمد، جناب،
الہی، عطر محبوبی کبریاء، عبد وصل وغیرہ۔

رضانے اپنے کلام میں فارسی تراکیب کا کثرت سے
استعمال کیا ہے یہ ایسی ترکیبیں ہیں جس کا استعمال رضا سے
پہلے کم تھا۔

نئی نئی تراکیب ان کے کلام کا مخصوص حصہ ہیں یہ
تراکیب دو لفظی بھی ہیں سہ لفظی اور چار لفظی بھی ہیں:

ع اشک برساؤں چلے کوچہ جاناں سے نسیم
ع دل شدوں کا یہ ہوا دامن اطہر پہ ہجوم
ع بیدل آباد ہوا نام دیار دامن
ع عشق مولیٰ میں ہو خو بار کنار دامن
ع تجھ سے اے گل میں ستم دیدہ دشت حرماں
ع عکس افکن ہے بلال لب شہ حبیب نہیں
رضانے کی نعتیہ شاعری میں نحو یاتی نقطہ نظر سے پانچ قسم
کے اشعار ملتے ہیں پہلی قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں ہر مصرع
اپنی جگہ ایک جملہ ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ تیرے شمار آقا
دوسری قسم کے وہ اشعار ہیں کہ جن میں ایک جملہ ایک
سے زائد اشعار میں مکمل ہوتا ہے:

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں
مصرعوں یا جملوں میں لفظی تکرار سے ربط پیدا کیا جاسکتا
ہے۔ یہ صفت ضمیر، فعل، حرف وغیرہ کی ہو سکتی ہے، اس تکرار
میں دونوں مصرعوں میں ایک ہی لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے اس
سے کلام میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال ملاحظہ کریں۔
ضمیر کی تکرار:

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا
خاکی وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا
فعل کی تکرار:

لحد میں عشقِ رخ شہہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
حرف عطف:

عرض احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر
آنکھیں اے ابر کرم کھتی ہیں رستہ تیرا
تمیز کی تکرار:

جس کو للکار دے آتا ہو تو الٹا پھر جائے
جس کو چکار لے پر پھر کے وہ تیرا تیرا
حرف کی تکرار:

مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے
تم کو تو ہے اختیار آقا
رضانے کی نعتیہ شاعری میں اسمیت کا پہلہ بھاری ہے فعل کا
ہلکا ہے۔ جن اسما کا ذکر رضا کے ہاں ملتا ہے وہ ہیں عزت و

شعر میں کہیں کوئی جھول یا سکتہ نظر نہیں آتا۔

رضانے اپنے کلام میں عربی و فارسی کے فقروں کا استعمال اس طرح سے کیا ہے کہ اب یہ فقرے اردو ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان کی جگہ دوسرے فقرے لائے جاسکتے ہیں۔ ان کے کلام سے عربی و فارسی کے فقرے ملاحظہ کریں۔

ع و رفعتا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر

ع کیا کفایت اس کو اقرار بک الا کرم نہیں

ع لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا

ع نہ لطف اذن یا احمد نصیب لن ترانی ہے

ع اے رضا چیت غم از جملہ جہاں دشمن تست

ع سایہ دیوار و خاک در ہو یارب اور رضا

ع آتش گلہائے طیبہ کے جلانے کے لیے

ع شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال

رضا کے کلام میں ایک یہ بھی لسانی خصوصیت ہے کہ وہ

فقروں کی تکرار سے پورا مصرع مکمل کرتے ہیں۔

ع کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

ع تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

ع صرف ان کی رسائی ہے صرف ان کی رسائی ہے

رضا کی نعتیہ شاعری میں غزل کارنگ بھرا ہوا ہے ان کی

نعتوں میں جذبے کی شدت و پاکیزگی اور عشق کے جلوے نظر

آتے ہیں ان کی نعتیہ شاعری کی داد داغ دہلوی بھی دی ہے

ان کی نعت کا یہ مطلع۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

حسنِ سبطن ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خطِ تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا
تیسری قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں پورا جملہ ایک شعر
میں مکمل ہوتا ہے۔ مثال درج ذیل ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کفِ پا چاند سا

سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

چوتھی قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں ایک مصرعہ میں دو

فقرے مل کر ایک جملہ مکمل کرتے ہیں۔

زمین و زماں تمہارے لیے مکیں و مکاں تمہارے لیے

چین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے

نظراک چمن سے دو چار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے

عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے

پانچویں قسم کے وہ اشعار ہیں جہاں ایک مصرع میں چار

چار فقرے نظر آتے ہیں:

ع فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم

ع تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری جھلک تمہاری مہک

ع یہ فیض دے وہ جو دیکھے کہ نام لیے زمانہ جیے

ع نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح میں کوئی بھی کہیں

چوتھی اور پانچویں قسم کے مصرعوں میں قافیہ کی صفت پائی

جاتی ہے رضا کے اشعار کے جملوں و فقروں کی ترتیب نحوی

قواعد سے وابستہ ہے۔ قوافی کی کثرت کے بعد بھی مصرع یا

۱۳	۲۴۷	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۵	۱۰۷	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۶	۱۰۸	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۷	۱۰۹	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۸	۲۵۲	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۹	۲۵۸	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۰	۲۳۷	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۱	۲۳۹	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۲	۱۳۳	ادبیات رضا ایک جائزہ	ڈاکٹر صابر سنجدی	اشرفی کتاب گھر سنجدی	۱۹۹۷
۲۳	۱۳۳	ادبیات رضا ایک جائزہ	ڈاکٹر صابر سنجدی	اشرفی کتاب گھر سنجدی	۱۹۹۷
۲۴	۱۳۳	ادبیات رضا ایک جائزہ	ڈاکٹر صابر سنجدی	اشرفی کتاب گھر سنجدی	۱۹۹۷
۲۵	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۲۶	۱۶۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۷	۱۱۲	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۲۸	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۹	۱۱۰	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۰	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۱	۱۱۰	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۲	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۳	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۴	۶۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۵	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۶	۶۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۷	۶۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۸	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۹	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۰	۱۳۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۱	۴۷۴	ماہنامہ امیر ان		امام احمد رضا نمبر ممبئی	
۴۲	۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۳	۱۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۴	۲۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۵	۱۰۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۶	۹۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۷	۲۴	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۸	۶۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۹	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵۰	۱۳۴	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
داغ دہلوی نے سناتو بے ساختہ پکارا ٹھے کہ ”مولوی
ہو کر ایسا اچھا شعر کہتا ہے“

(معارف رضا شمارہ ۱۹۸۲ کراچی کے حوالے سے -
مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی مطالعہ)

رضا کے کلام میں شیریں و مترنم آوازوں، الفاظ کی تکرار
انہی مصوتوں اور مصمتوں کا بر محل استعمال، ہم قافیہ الفاظ کی
بہتات، مترنم و سنگلاخ اوزان و محور کا استعمال مصوتوں پر ختم
ہونے والے قوافی، حرف کی تکرار، واؤ اور فارسی اضافت کا بر
محل استعمال، ضمائر کا کثرت استعمال، افعال کی تکرار، متروک
الفاظ کی تجدید، معاشرتی رسم و رواج والے الفاظ، عربی، فارسی
، ہندی اور اردو زبانوں میں نعت، اسما کی تکرار مختلف ترتیب
میں نعت، فارسی تراکیب، فقروں اور جملوں کا بر محل استعمال
ان کے کلام کو بلند تر بنا دیتے ہیں۔

حواشی: امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا لسانی تجزیہ

نمبر صفحہ	کتاب کا نام	مصنف کا نام	شائع کردہ	سنہ
۱	ماہنامہ قاری	اہیران کلام احمد رضا نمبر	شیاکل، دہلی	۱۹۸۹
۲	المفروض	امام احمد رضا بریلوی	مطبوعہ کا پور	۱۹۸۹
۳	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۶	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۷	ادبی تنقید اور اسلوبیات	گوبی چند نارنگ	ایجوکیشنل پبلیشنگ	۱۹۸۹
۸	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۹	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۰	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۱	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۲	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۳	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۴	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷

رؤبد مذہبیاں حدائق بخشش کی روشنی میں

اثبات و انکار پر قلم اٹھایا، دلائل کے انبار لگا دیئے، جزئیات کا خزانہ لٹا دیا، اس فن کے ماہرین دست بستہ نظر آئے، آپ کی ذات ستودہ صفات میں یوں تو بیشمار اوصاف حمیدہ اور محاسن جمیلہ پائے جاتے ہیں لیکن وہ اوصاف جن کی پہچان امام بن گئے یا جن کی بنا پر امام احمد رضا پہچانے گئے ان میں سے ایک آپ کا عشق رسول ہے، دوسرا نمایاں وصف احقاق حق و ابطال باطل اور تیسرا کمال تفقہ دینی ہے، فاضل بریلوی کی حیات مبارکہ ان تین اوصاف کے محور پر گردش کرتی ہے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار اور احقاق حق و ابطال باطل میں فاروقی تیور سے آراستہ اور فقہ و افتا تو جیسے ان کا آبائی ورثہ تھا، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا عشق کہ جان و مال سب ان کے نام پر نثار، وہ فرماتے ہیں

کروں تیرے نام پر جان فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا

دو جہاں سے بھی نہیں، جی بھرا کروں کیا کروں جہاں نہیں

اسی لئے ہر وہ شخص اعلیٰ حضرت کو محبوب تھا اور ہر وہ شئی پیاری تھی جس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور اسی طرح جس کسی کو محبوب خدا کی بارگاہ کا ادنیٰ

اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی (۱۲۷۲ / ۱۳۴۰ھ) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ادھر چالیس پچاس سالوں میں امام احمد رضا پہ جتنا لکھا گیا، شاید ہی کسی مذہبی شخص پہ اتنا لکھا گیا ہو، امام احمد رضا کی شخصیت کا تنوع اور آپ کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ بہت مشکل ہے، چونکہ امام موصوف کے مواہب و کمالات اکتسابی نہیں بلکہ عطائی و موهوبی تھے، اپنی محنت اور مطالعہ سے آدمی اس مقام تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔

جس جہت اور زاویہ سے دیکھیں فاضل بریلوی یکتا و تنہا نظر آتے ہیں، اسی لئے علمائے عصر اور فقہائے دہرنے انہیں اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا، بہت سے وہ حضرات جو بظاہر کوئی نسبت نہیں رکھتے مثلاً وہ تلامذہ میں سے تھے نہ اساتذہ کی جماعت سے نہ سلسلہ بیعت کے اعتبار سے کوئی تعلق پھر بھی علمی اور تحقیقی لحاظ سے امام موصوف کے مداح اور ثنا خوان ہیں، بالخصوص فقہ و افتا اور رد و ہابیہ میں تو زمانہ بھر کے اہل علم ان کے خوان فضل و کمال سے امیدوار، فقہ و فتاویٰ کے جزئیات اور اصول کے بحر ناپیدا کنار، علمائے عصر کی کیا وقعت، اگلوں میں نمایاں حیثیت کے حامل، جس حکم شرعی کے

دنیا بھر کے وہابیوں، نجدیوں، قادیانوں، دیوبندیوں، شیعہ نیازیوں، رافضیوں، تبرائیوں اور صلح کلکیوں کی جماعت میں اگر تہلکہ چتا ہے، بھگدڑ ہوتی ہے، ان کی شیطانی سلطنت کا پایہ لرزتا ہے تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے۔

اس لئے کہ آپ محبوب کے گستاخوں کو مارتے ہیں، پانی نہیں دیتے، انہیں ایک لمحہ کی مہلت نہیں دیتے، مرتد جماعتوں اور ان کے بھی خواہوں پر آپ ترس نہیں کھاتے، چوپٹہ حملہ کرتے ہیں اور ان کی بد اعتقادی و بد مذہبی کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں، دنیائے کفر و ارتداد کل بھی امام احمد رضا کے نام سے گھبراتی تھی اور آج بھی ہر اسماں ہے، امام کا ہر فتویٰ، ہر تصنیف، ہر تحریر، ہر سطر ردّ و ہابیہ و دیاہنہ سے مملو ہے، یہاں تک کہ آپ نے حمد و نعت کہی وہاں بھی دشمنوں کو موقع نہ دیا، آپ کا نعتیہ دیوان ”حدائق بخشش“ کو شروع سے اخیر تک پڑھ جائیے شاید ہی کوئی کلام ہو جس میں آپ نے اہل سنت کے معتقدات کا اثبات، نجدیوں و ہابیوں اور شیعوں کی تردید و مذمت نہ کی ہو، آپ کی اور کوئی کتاب آدمی نہ پڑھے صرف حدائق بخشش ہی پڑھ لے تو ضرور وہ پکارا ٹھے گا

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سگئے بٹھا دیئے ہیں

آج کل اہل سنت کے مدارس کے بہت سے فارغین اور مفاد پرست مولوی یہ کہتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ کیا ضروری ہے کہ ہم بار بار وہابیوں دیوبندیوں کو بُرا کہیں اور ان کی تردید و مذمت کریں، یہ نظریہ اہل سنت کے لئے کتنا مضر

گستاخ پایا اس سے جانی دشمن سے زیادہ عداوت فرمایا اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہمارے آقا علیہ السلام کا فرمان والا نشان اظہر و اوضح طریقے پر مذکور ہے، الحب فی اللہ و البغض فی اللہ

اسی بنیاد پر علمائے زمانہ نے آپ کو مجدد کے لقب سے یاد کیا اور بالکل یہ آپ کا حق تھا، اس لئے کہ ابطال باطل کے لئے جس سرفروشانہ انداز میں آپ میدان میں اترے وہ آپ ہی کا حصہ تھا، گالیاں دی گئیں، مطعون کیا گیا، نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ کے قدم پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ ہر لمحہ لٹکارتے رہے اور کہتے رہے

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہد و خیر منائیں نہ شر کریں
آپ کے گوہر آبدار قلم کی برکتیں ہزار ہا صفحات پر
بکھری ہوئی ہیں۔ سیکڑوں کتب و رسائل، تصنیف و تالیف اور
حواشی و افادات کی شکل میں منصفہ شہود پر آچکے ہیں،

جس صفحہ پر نظر ڈالئے ایک طرف محبوب کی بارگاہ میں والہانہ اور غلامانہ انداز وہیں دوسری طرف آقا کے غداروں، دین کے نام پر یہود و ہنود کے آلہ کاروں کے خلاف شمشیر برہنہ نظر آتے ہیں، خدا و رسول کے دشمنوں کے لئے امام موصوف قہر الہی اور برق آسمانی بن جاتے ہیں، خدا کے محبوب کی بارگاہ میں اہانت کرنے والوں کو امام احمد رضا نے ایسا کرارہ جواب دیا، ایسی ضرب لگائی کہ دنیا بھر کی وہابیت اس درد کا احساس قیامت تک کرتی رہے گی، امام احمد رضا فرماتے ہیں:

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

علیہ وسلم کسی چیز کے مالک و مختار نہیں جیسا کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی بدنام زمانہ فسادی کتاب تفویۃ الایمان میں لکھا ہے اس کا رد فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

وہابیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اور بعض دریدہ دہنوں نے اس جرم کی صفائی دیتے دیتے یہاں تک کہہ دیا کہ امکان کذب باری تعالیٰ مسلمات اہل سنت سے ہے معاذ اللہ رب العالمین وہابی مولویوں کی لادینیت کو سمجھنے کے لئے پڑھیں، رسالہ یک روزی مصنفہ اسماعیل دہلوی، فتاویٰ رشیدیہ از مولوی رشید احمد گنگوہی، الجہد المقل فی المعز والمہذل مؤلفہ محمود حسن دیوبندی، اعلیٰ حضرت نے ان ظالموں کی خوب خبر لی، فرماتے ہیں:

مگر خدا پہ جو دھبہ دروغ کا تھوپا
یہ کس لعین کی غلامی کا داغ لے کے چلے
وقوع کذب کے معنی درست اور قدوس
ہئے کی پھوٹے عجب سبز باغ لے کے چلے
جہاں میں کوئی بھی کافر سا کافر ایسا ہے
کہ اپنے رب پہ سفاہت کا داغ لے کے چلے
فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے زاغ معروفہ (کالا کوا)
کھانے والے کو ثواب ملے گا

اعلیٰ حضرت خبر لیتے ہیں اور فرماتے ہیں

پڑی ہے اندھے کو عادت کے شور بے ہی سے کھائے
بٹیر ہاتھ نہ آئی تو زاغ لے کے چلے

ہے، حق میں نظروں سے پوشیدہ نہیں، درحقیقت یہ فکر صلح کلیت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، لیکن اہل سنت کے امام نے آج سے سو سال پہلے ہی صلح کلی مولویوں کا جنازہ نکال دیا تھا، اس نظر یہ کہ امام عشق و محبت نے یکسر مسترد فرما کر اہل حق، اہل ایمان کو یہ پیغام دیا کہ

ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں

چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے

اس شعر کا یہی مفہوم ہے کہ باطل فرقوں کا رد ہمیشہ کرتے رہیں، ان کی بد اعتقادی کے پردے چاک کرتے رہیں، بد مذہبوں سے یارانہ، ان کے ساتھ میٹنگ اور جلسہ، ان کی نگرانی میں مدرسہ یا اسکول کھولنا سنیت کی خدمت نہیں بلکہ اہل سنت کیساتھ دھوکہ اور فریب ہے،

اعلیٰ حضرت نبی کی نعت پڑھتے ہیں، وہاں بھی نبی

کے دشمنوں کی توہین آمیز تحریروں اور عقائد کا رد کرتے ہیں

فرماتے ہیں

گلہ نہیں ہے مرید رشید شیطان سے

کہ اس کی وسعت علمی کا لاغ لے کے چلے

ہر ایک اپنے بڑے کی بڑائی کرتا ہے

ہر ایک مغیچہ مغ کا ایان لے کے چلے

یہاں مرید رشید شیطان سے مرد مولوی رشید احمق

گنگوہی ہے جس نے اپنی ناپاک کتاب البراہین القاطعہ میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو شیطان کے علم سے

کمتر بتایا ہے

وہابیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ

خبیث بہر خبیثہ خبیثہ بہر خبیث
 کہ ساتھ جنس کو باز وکلاغ لے کے چلے
 جو دین کوؤں کو دے بیٹھے ان کو یکساں ہے
 کلاغ لے کے چلے یا الاغ لے کے چلے
 اعلیٰ حضرت نے اگر ایک طرف اپنے آقا و مولیٰ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری بیان فرمائی ہے، اپنے نظریات
 کے اثبات میں دلائل پیش کیے ہیں وہیں دشمنان خدا و رسول
 کی خوب خوب دھجیاں اڑائی ہیں
 بعض نادان یہ کہہ کر جاہلوں سے داد و تحسین حاصل
 کرتے ہیں کہ وہابی نجدی کہہ ہم اپنی زبان کیوں خراب
 کریں، رد کریں لیکن نام نہ لیں تاکہ سب خوش رہیں لاجول
 ولاقوۃ الا بال اللہ العظیم

دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
 ان کے نام پاک پر دل جان و مال
 نجدیا سب سچ دیا پھر تجھ کو کیا
 دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
 تو نہ ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا
 نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
 یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا
 دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض
 ہم ہیں عبد المصطفیٰ پھر تجھ کو کیا
 تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
 خلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا
 ان تمام اشعار میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کے گستاخ و ہابیہ کو نجدی، نجدیا، دیو کے بندوں کہہ کر
 مخاطب کیا ہے، ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں:
 ستم کوری وہابی رافضی کی
 کہ ہندو تک تر اقاتل ہے یا غوث
 وہ کیا جانے گا فضل مرتضیٰ کو
 جو تیرے فضل کا جاہل ہے یا غوث
 درج بالا اشعار میں امام اہل سنت نے وہابی اور
 شیعہ فرقہ کا نام لیکر مذمت کی، فرمایا کہ وہابیوں اور رافضیوں کی
 بے وفائی ہے کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال
 کے منکر ہیں حالانکہ کافر و مشرک ہندو بھی غوث اعظم کی قدرت
 و کرامت کے قائل ہیں،

وہابی اولیاء اللہ کے دشمن تو ہیں ہی، رافضی حضرت

اعلیٰ حضرت پر اعتماد رکھنے والوں کے لئے یہ بہانہ
 زہر بلاہل ہے، افسوس جو لوگ اپنے کو مناظر اور نہ جانے کن
 کن القابات کے حامل سمجھتے ہیں وہ اگر یہ کہیں کہ ہر بات میں
 رد و ابطال یا اہل باطل کا نام لیکر تردید کرنا ضروری نہیں انہیں
 اعلیٰ حضرت کا نام لینے کا یا تو حق نہیں یا پھر وہ حضرات اعلیٰ
 حضرت کی تعلیمات سے غافل ہیں، اور اگر یہ دونوں وجہیں
 نہیں ہیں تو پھر ضرور ضرور ایسے لوگ لالچی، ضمیر فروش اور
 مذہب و مسلک کے سوا گر ہیں، آدمی پیر سے لنگڑا ہو یہ بہت بڑا
 عیب نہیں، عیب تو یہ ہے کہ آدمی کا ذہن و دماغ لنگڑا ہو جائے،
 صحیح العقیدہ سنیوں سنو! اعلیٰ حضرت کیا کہتے ہیں اور کس طرح
 نام لے لے کر رد و ابطال فرما رہے ہیں

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا

غوث اعظم کے دشمن ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں حضرت علی کی محبت کا، حالانکہ جو غوث اعظم کے فضل سے بے بہرہ ہے وہ مولیٰ علی کے مقام کو کیا سمجھ پائے گا۔

بد ہیں مگر انہیں کے ہیں باغی نہیں ہیں ہم نجدی نہ آئے اس کو یہ منزل خطر کی ہے تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف کافر ادھر کی ہے نہ ادھر کی ادھر کی ہے نجدی اپنی بد اعتقادی کے سبب مسلمان نہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، حالانکہ یہ بیچ میں اٹکے ہوئے ہیں۔

انہی میں اعلیٰ حضرت کے فارسی کلام سے تردید بد مذہب کی چند مثالوں کیساتھ اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں ملاحظہ ہو بلا بارید حُب شیخ نجدی بر وہابیہ کہ عشق آساں نمود اول و لے افتاد مشکلمہا وہابی گرچہ اخفا میں کند بغض نبی لیکن

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا تو ہب گاہ ملک ہند اقامت رانمی شاید جرس فریادی دارد کہ بر بندید مہملہا

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں دوسری طرف خدا و خدا کے محبوبوں کی شان میں نازیبا الفاظ لکھتے اور بولتے ہیں، باوجود تنبیہ و ہدایت کے اپنی فاش غلطیوں پر نادم ہو کر رجوع و توبہ کرنے کی بجائے حیلہ بہانہ کرتے ہیں ایسے لوگوں کے غلط افکار و نظریات کا رد نام لیکر کرنا جرم نہیں بلکہ ایمان اور محبت کی دلیل ہے۔

ہاں! جو مولوی، مقرر، شاعر، مدرس اور نام نہاد دانشور بد مذہب جماعتوں کے ذکر و رد سے منع کرتے ہیں اور ان خبیث و بد باطن لوگوں کے لئے نرم رویہ اختیار کرتے ہیں وہ صلح کلی ہیں ان سے اہل سنت کے افراد کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔



مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک موازناتی مطالعہ

الہندسہ نے ایک کے (عدد) کی تعریف - احد الاثنین سے کی ہے۔ یعنی دو کا ادھا ایک - جس کا واضح مفہوم یہی ہوگا کہ بغیر دو کے ایک کا تصور ممکن ہی نہیں اور دو کا وجود بغیر ایک کے ممکن نہیں۔ گویا کہ ایک اور دو عدد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر کسی شاعر یا نثر نگار کو کسی مقام پر اپنے ہم فکر شاعر یا نثر نگار پر اولیت کا شرف حاصل ہے تو اس کے ثانی کی وجہ سے ہے نہ کہ بذات خود۔ گویا کہ ثانی کی منظوم یا منثور تخلیقات نے اس کو اولیت کا شرف عطا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

جب ہم اس موضوع پر اردو ادب میں تحریر کی جانے والی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں علامہ شبلی نعمانی کی ”موازنہ انیس و دبیر“ انفرادی طور پر نظر آتی ہے۔ علامہ نے اس کتاب میں بڑی چابکدستی سے میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں کا موازنہ کیا ہے۔ مگر کہیں کہیں ان کے ہاتھ سے اعتدال کا دامن چھوٹتا ہوا نظر آتا ہے، وہ موازنے کے بجائے کڑی تنقید کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ کہیں تو وہ مرزا دبیر پر کڑی چوٹ کرتے ہوئے انکی شاعری میں جملہ خوبیوں کے منکر نظر آتے ہیں اور کہیں انکی شاعری میں بلاغت کے معترف

موازنہ لغت میں ہم وزن ہونا۔ دو چیزوں کا باہم وزن ہونا کہتے ہیں۔ اردو ادب میں موازنہ کی روش بہت قدیم ہے۔ جب ہم طالب علم تھے تو اکثر ہم سے امتحانات میں ایک ہی موضوع پر دو ہم عصر شاعروں یا نثر نگاروں کی تخلیقات کے حوالے سے انکی شاعرانہ خوبیوں یا نثر نگاری کی عظمت کے بارے میں موازناتی سوالات کئے جاتے تھے۔ اور ہم انکے اشعار یا نثری تخلیقات کا باہم موازنہ کر کے انکے مقام و مرتبے کا تعین کرتے تھے کہ اس شاعر یا نثر نگار کی فکری پرواز اس مقام پر کا مزن ہے۔

موازنے کا مقصد و مطلب صرف اور صرف اس صنف میں شاعر یا نثر نگار کے مقام و مرتبے کا تعین یا اسکی فکری سر بلندی کی زیبائش کو نمایاں کرنا ہے، نہ کہ کسی کی تضحیک یا کسی کو کم تر ثابت کرنا۔ موازنے میں ایک دوسرے کی شخصیت لازم و ملزوم کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کو ایک مثال کے ذریعے باہم طور سمجھا جاسکتا ہے۔ جیسے علم الاعداد میں ایک اور دو کا ہندسہ۔ علم الاعداد میں ایک اور دو الگ الگ ہندسے ہیں۔ اور دونوں کا الگ الگ مقام و مرتبہ اور معنی و مفہوم ہے۔ مگر بغیر ایک دوسرے کے، ایک دوسرے کو سمجھنا ممکن نہیں۔ ماہرین علم

ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباسات کے مطالعے سے قارئین کرام پر خود ہی واضح ہو جائیگا۔ اس طرح انکی اس کتاب میں تناقض کی غمازی بھی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے یہ میری کورنہی یا کم فہمی ہو مگر جس چیز کو میں نے محسوس کیا ہے اسکا اظہار میں نے کر دیا۔ اس سے اگرچہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے مگر اپنی اصلاح بھی غلط نظر ہے۔ چنانچہ وہ میرا نہیں اور مرزا دبیر کے موازنے میں فرماتے ہیں۔

”یہ وہ چیز ہے جہاں انیس اور دبیر کی شاعری کی سرحدیں بالکل الگ ہو جاتی ہیں، مرزا صاحب کی شاعری میں بالفرض گواہ تمام اوصاف پائے جاتے ہیں، لیکن بلاغت کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔“ ۲۔

اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

”میرا انیس اور مرزا دبیر کے موازنے میں عموماً میرا انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کئیے میں مستثنا ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے، میرا انیس سے نہیں ہو سکا۔“ ۳۔

درحقیقت فصاحت و بلاغت زبان و بیان کی وہ خوبی ہے جو سبکو عطا نہیں ہوتی اور شاعری کی روح فصاحت و بلاغت ہی ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب کے منہ میں زبان دی ہے۔ مگر زبان و بیان کا سلیقہ سبکو میسر نہیں۔ زبان و بیان میں وہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سامنے والے انسان کو اپنی گرفت میں ایسے ہی لے لیتی ہے جیسے کہ لوگ ”زلفوں کے اسیر ہو جایا کرتے ہیں“ یا ”اک نگہ میں غلام ہو جایا کرتے ہیں“۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اسی لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر بنانے کیلئے دعاء کی تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبان پر قدرت عطا فرمائی تھی۔ جس سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اپنی قوم تک اچھی طرح پہنچا سکیں

”شاعری کس چیز کا نام ہے کسی چیز، کسی واقعہ، کسی حالت، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جائے کہ اسکی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولوں کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی، گرمی کی تپش، جاڑوں کی ٹھنڈ، صبح کی شکفتگی، شام کی دل آویزی، یارنج و غم، غیظ و غضب، جوش و محبت، افسوس و حسرت، عیش و طرب، استعجاب و حیرت، ان چیزوں کا اس طرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلوں پر چھا جائے اسی کا نام شاعری ہے۔

اس کے ساتھ الفاظ میں فصاحت، سلاست، روانی، بندش میں چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی، دل آویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف میں سے کون سی چیز مرزا دبیر میں پائی جاتی ہے۔ فصاحت انکے کلام کو چھو نہیں گئی۔ بندش میں تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، بلاغت نام کو نہیں، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے

کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے ایسے جید عالم دین تھے کہ جنگی ر
سخِ علمی کا اعتراف اپنے اور غیر سبھی نے کیا ہے۔ وہ مصطفیٰ
جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر ڈوبے
ہوئے تھے کہ انہوں نے کسی شاعر کو اپنا استاذ بنانا گوارا ہی
نہیں کیا، انہوں نے صاف صاف اعلان فرمایا کہ نعت گوئی
میں اگر کسی کو اپنا استاذ بنایا جا سکتا ہے تو صرف اور صرف
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اس لیے کہ
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ذات ہے کہ
جنگی پزیرائی کے لیے اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
مسجد نبوی شریف میں ممبر بچھایا انکی ستائش فرمائی۔ اور دعاؤں
سے نوازا کہ حسان جب تک تم میری مدح و ثنا میں لگے رہو گے
حضرت جبریل تمھاری مدد میں لگے رہیں گے، اسی لیے تو فخر و
انبساط کے ساتھ فرماتے ہیں۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو

نقشِ قدمِ حضرتِ حسان بس ہے

نیز فرماتے ہیں کہ نعت گوئی کے آداب قرآن سے بہتر
کون بتا سکتا ہے جو جانِ شریعت ہے۔ قرآن نعت گوئی کی رہ
نمائی کے لیے کافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

استاذِ ذمّن مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی کی شخصیت
و شاعری کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ فصیح الملک
بلبل ہند مرزا داغِ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔
انہوں نے شعر گوئی کا آغاز اولاً غزل گوئی سے کیا۔ لیکن جب

شاید مرزا غالب دہلوی نے اسی لیے اپنے بارے میں فرمایا تھا۔
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا حسن رضا خاں
بریلوی دونوں حقیقی بھائی ہیں اور دونوں اپنے وقت کے مستند
نعت گو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس بات پر دانشوروں کا
اتفاق ہے کہ انکی نعت گوئی مکمل طور پر میزانِ شریعت پر پوری
اترتی ہے۔ یہ دونوں ایسے نعت گو شاعر ہیں جنکا کلام افراط
و تفریط سے پاک و منزہ ہے اور مابعد کے نعت گو شعرا کے لیے
مشعلِ راہ بھی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی شوال المکرم ۱۲۷۲ھ
مطابق ۱۲ جون ۱۸۵۶ء بزنشہ بوقت ظہر شہر بریلی میں پیدا
ہوئے اور ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو شہر بریلی ہی میں محلہ
سودا گران میں وصال فرمایا۔ اور مولانا حسن رضا خاں حسن
بریلوی ۲۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو
محلہ سودا گران، بریلی میں پیدا ہوئے اور ۳ شوال المکرم
۱۳۲۶ھ کو محلہ سودا گراں میں ہی وصال فرمایا۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شاعری کا جب ہم
غائر نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انکی شاعری میں عشق
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں کہ عقل
انگشتِ بدنداں نظر آتی ہے۔ انکی شاعری مدحتِ مصطفیٰ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا خزینہ ہے کہ جسکی نظیر اردو شاعری پیش
کرنے سے قاصر ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے

صفحہ ۳۲۶ تا ۳۳۲ پر کیا ہے۔ مگر یہ ذکر صرف انکے منتخب اشعار پر ہی مبنی ہے اور اپنی اسی تصنیف ”شعر الہند“ جلد اول کے صفحہ ۳۲۰ پر ہی بڑے سلیقے سے معذرت کے ساتھ رقم طراز ہیں۔

”نواب مرزا داغ کے تلامذہ میں بیخود بدایونی، بیخود دہلوی، نسیم بھرت پوری، نوح ناروی، سائل دہلوی، حسن بریلوی، آغا شاعر دہلوی، پیاک، حیرت آزاد، رسا، فیروز شاہ رامپوری، احسن مارہ روی اور اشک وغیرہ مشہور ہیں۔ اور ان میں بعض صاحب دیوان بھی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ میر و جلال کے تلامذہ کی طرح ہم کو ان کے دواوین دستیاب نہ ہو سکے کہ ہم ان کے متعلق تفصیلی رائے قائم کر سکتے۔“ ۳۔

اگر مولانا محترم نے قدرے کوشش کر کے انکے احوال و آثار پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو جب کوئی ادب کا طالب علم انکی اس کتاب کا مطالعہ کرتا تو اسے انکے حوالے سے مایوسی کا احساس نہیں ہوتا۔ منتخب اشعار کے مطالعے سے انکی شعر گوئی کا پہلو تو نمایاں ہو جاتا ہے، مگر انکی شخصیت کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ میں مولانا محترم کے اس تذکرے کو آدھا ادھورا تذکرہ ہی مانتا ہوں اس لیے کہ جس سے کسی کی ذات کا کوئی پہلو مخفی رہ جائے تو وہ اس کا جامع اور مکمل تذکرہ نہیں ہو سکتا۔ جامع اور مکمل تذکرہ تو جہی ہو سکتا ہے کہ جب اسکی شخصیت کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ ہو جائے کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اور جب کوئی مطالعہ کرنے والا یا ادب کا طالب علم اسکا مطالعہ کرے تو وہ مکمل طور پر مطمئن ہو جائے کسی طرح کی اسے تشنگی نہ محسوس ہو۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور استاذ زمن علامہ

انکے بڑے بھائی مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے انکو اسکی بے ثباتی کا احساس دلایا تو وہ غزل گوئی سے منحرف ہو کر نعت گوئی کی جانب متوجہ ہو گئے اور پھر (۴) آخری دم تک مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں رطب السنان رہے۔

غزل گوئی کے زمانے میں انہوں نے فصیح الملک، بلبل ہند مرزا داغ دہلوی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔ اس لیے کہ انکو اردو ادب کی محبوب ترین صنف، صنف غزل سے گہرا شغف تھا۔ وہ اس صنف میں مقام پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جس گھڑی انہوں نے آغاز سخن فرمایا اس وقت مرزا داغ دہلوی کی سخن وری کا شہرہ عام تھا۔ داغ کی شعریت کی دھوم پورے ہندوستان میں مچی ہوئی تھی۔ اسی لیے انہوں نے بھی وقت کی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے مرزا داغ دہلوی سے ہی مشورہ سخن لینا بہتر سمجھا اور پھر داغ کی شاگردی اختیار کر لی۔ کچھ ہی دنوں کی مشق و مزاولت کے بعد استاذ داغ دہلوی کے رنگ میں غزلیں کہنا شروع کر دیں اور سخن وری میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ انکی بعض غزلوں کو دیکھ کر یا پڑھ کر داغ دہلوی کی غزل کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کے مرتبین نے انکے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اور ادب میں انکو جو مقام و مرتبہ ملنا چاہیے تھا وہ آج تک نہیں مل سکا۔ ایسا لوگوں نے کیوں کیا؟ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اور اگر کچھ مصنفین نے انکا ذکر کیا بھی ہے تو بس ایسے ہی سرسری طور پر جس کا کوئی خاص مطلب نہیں نکلتا، جیسا کہ مشہور مورخ مولانا عبد السلام ندوی صاحب نے اپنی کتاب ”شعر الہند“ جلد اول، دار مصنفین شبلی اکیڈمی، عظیم گڈھ ایڈیشن ۲۰۰۹ء کے

ذیل مجموعہ کلام ”وسائل بخشش“ ”صمصام حسن“ ”قند فارسی“ ”قطعات و اشعار حسن“ بھی شامل اشاعت ہیں۔ پیش نظر ہے۔ ”کلیات حسن“ بھی رضا اکیڈمی، ممبئی ہی سے ۲۰۱۲ء میں طبع شدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ دیوان ”حدائق بخشش“ حصہ اول کی شروعات حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درج ذیل نعت پاک سے ہوتی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیر
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نزالہ تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا (۶)
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سولاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تیرے کلڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

حسن رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ کی نعتیہ شاعری کے موازنے پر کئی بار میں نے قلم اٹھانے کی کوشش کی مگر ہر بار میں یہ سوچ کر قلم رکھ دیتا تھا کہ کہیں میری یہ فکر اور میرا یہ عمل انکے معتقدین کی نظر میں کسی جرم کا (۵) ارتکاب نہ قرار پا جائے اور میں ان کے عتاب کی نذر نہ ہو جاؤں۔ جبکہ میری نیت صاف ہے میں خود انکے معتقدین میں سے ہوں لیکن میں بار بار اس خوف و حراس کی منزل سے گزرا ہوں، میرا ماننا ہے کہ ادب کی ہراس صنف یا علم و فن کے ہراس زاوے سے انکی شخصیتوں کو پرکھا جانا چاہیے جس پہلویا گوشے پر بھی انکی شخصیت کو اہل علم کے سامنے بہ سے بہتر انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

جس وقت میں ”مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری“ پر کانپور یونیورسٹی، کانپور سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ قلم بند کر رہا تھا تو ایک بار دوران گفتگو میرے نگران محترم پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ پر انکے معتقدین سے زیادہ کسی نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا وہ کیسے تو انہوں نے فرمایا کہ انکے معتقدین نے ان کی علمی و ادبی شخصیت کو صرف نظر کر کے صرف انکی کرامتوں کی تشہیر کی، جس سے انکی علمی و ادبی حیثیت دب کر رہ گئی، جبکہ کرامتیں تو علم کا پرتو ہیں۔

اس وقت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان ”حدائق بخشش“ حصہ اول دوم طبع شدہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۹۷ء اور استاذ ذمّن علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی ”کلیات حسن“ جس میں انکے نعتیہ مجموعہ ”ذوق نعت“ کے علاوہ درج

افلاک و ارض سب ترے فرماں پزیر ہیں
حاکم ہے تو جہاں کے نشیب و فراز کا
اس بے کسی میں دل کو مرے ٹیک لگ گئی
(۷)

شہرہ سنا جو رحمت بے کس نو از کا
تو بے حساب بخش کہ ہیں بے حساب جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا
بندہ پہ تیرے نفس لعین ہو گیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آرز کا
کیوں کرنے میرے کام بنیں غیب سے حسن
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا ۶۔
اور دوسری حمد پاک کے اشعار اس طرح ہیں
فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا
وصف کیا خاک لکھے خاک کا پتلا تیر
طور پر ہی نہیں موقوف اجالا تیرا
کون سے گھر میں نہیں جلوہ زیا تیرا
ہر جگہ ذکر ہے اے واحد و یکتا تیرا
کون سی بزم میں روشن نہیں اگا تیرا
پھر نمایاں جو سر طور ہو جلوہ تیرا
آگ لینے کو چلے عاشق شیدا تیرا
خیرہ کرتا ہے نگاہوں کو اجالا تیرا
کیجیے کون سی آنکھوں سے نظارہ تیرا
نئے انداز کی خلوت ہے یہ اے پردہ نشین
آنکھیں مشتاق رہیں دل میں ہو جلوہ تیرا

کس کا منہ تیکے کہاں جائیے کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
تیری سرکا میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا ۵

علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ
مجموعہ ”ذوق نعت“ کا آغاز دو حمد پاک سے ہوا ہے۔ دونوں
حمد پاک کے کچھ منتخب اشعار درج کیے جا رہے ہیں۔ جس کے
مطالعے سے آپ کو محسوس ہوگا کہ انکی حمدوں کا معیار کیا ہے؟
میرے اپنے خیال میں آج تک اردو ادب میں اس سے بہتر
انداز میں کوئی حمد نہیں کہی جاسکی۔ اگرچہ آج تک لوگ حمد پاک
لکھ رہے ہیں اور خوب لکھ رہے ہیں۔

مگر عبد و معبود کے مابین جو رشتہ عظیم ہے اسکی ناز کی اور
عظمت پر سبکی نظر نہیں۔ انکے یہاں یہ پیرا یہ بے مثل نظر آتا
ہے۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ جو لفظ جس جگہ پر ہے
وہیں گننے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ بندش و چستی، خیال کی
پاکیزگی، ندرت و تخیل وغیرہ اوصاف انتہائی عروج پر نظر آتے
ہیں۔ اور اس حمد پاک کی سب سے بڑی خوبی جو ہے وہ یہ کہ
عبد و معبود کی سچی تصویر اس میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی
ہے، ملاحظہ ہو پہلی حمد پاک کے کچھ اشعار۔

ہے پاک رتبہ فکر سے اس بے نیاز کا
کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز کا
شہ رگ سے کیوں وصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خرد ہرزہ تاز کا

تو مرا مالک و مولیٰ ہے، میں بندہ تیرا
انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں
(۹)

خلوتِ دل میں عجب شور ہے برپا تیرا
اب جماتا ہے حسنِ آسکی گلی میں بستر
خوب رویوں کا جو محبوب ہے پیارا تیرا ے

یوں تو اردو شاعری کا آغاز ہی حمد و مناجات سے ہوا ہے اور
تقریباً اردو کے تمامی شعرا ے گرام نے اپنی توفیق و بساط کے
مطابق اپنی بندگی کا ثبوت اپنے رب کریم جل و علی کی بارگاہ میں
پیش کیا ہے مگر علامہ حسن رضا بریلوی کی مندرجہ بالا حمد کا یہ شعر ے
انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں
خلوتِ دل میں عجب شور ہے برپا تیرا
اپنی نوعیت کا منفرد المثل شعر ہے جو ایک احساس کا
پیغام ہے۔ جسکی معنویت کا اندازہ علامہ اقبال کے اس شعر کی
روشنی میں کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں ے

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

”یقیناً عشق کے درد مند کا طرز کلام یہی ہے“ کہ جس
کے پڑھنے کے بعد طبیعت پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے
۔ بندہ مومن ایک لمحے کے لیے رب کریم جل و مجدہ کو اس قدر
اپنی رگ جاں سے قریب تر محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس قربت
کو اگر وہ الفاظ میں بیان کرنا چاہے تو بیان نہیں کر سکتا ہے، اس
لیے کہ الفاظ ایسی تعبیر بیان کرنے سے قاصر ہیں صرف محسوس
کیا جاسکتا ہے اور احساس دلایا جاسکتا ہے۔

سات پردوں میں نظر اور نظر میں عالم
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ معما تیرا
وحشی عشق سے کھلتا ہے تو اے پردہ یار
(۸)

کچھ نہ کچھ چاک گریباں سے ہے رشتہ تیرا
سچ ہے انسان کو کچھ کھو کے ملا کرتا ہے
آپ کو کھو کے تجھے پائے گا جو یا تیرا
ہیں ترے نام سے آبادی و صحرا آباد
شہر میں ذکر ترا ، دشت میں چرچا تیرا
آمدِ حشر سے اک عید ہے مشتاقوں کی
اسی پردے میں تو ہے جلوہ زیبا تیرا
طور پر جلوہ دکھا یا ہے تمنائی کو
کون کہتا ہے کہ اپنوں سے ہے پردہ تیرا
کام دیتی ہیں یہاں دیکھے کس کی آنکھیں
دیکھنے کو تو ہے مشتاق زمانہ تیرا
مے کدہ میں ہے ترانہ تو اذال مسجد میں
وصف ہوتا ہے نئے رنگ سے ہر جا تیرا
چاک ہو جائیں گے دل جیب و گریباں کس کے
دے نہ چھپنے کی جگہ راز کو پردہ تیرا
بے نوا مفلس و محتاج و گدا کون کہ میں
صاحبِ جود و کرم ، وصف ہے کس کا تیرا
آفریں اہلِ محبت کے دلوں کو اے دوست
ایک کوزے میں لیے بیٹھے ہیں دریا تیرا
اتنی نسبت بھی مجھے دونوں جہاں میں بس ہے

کیا کہے وصف کوئی دشتِ مدینہ تیرا
پھول کی جان نزاکت میں ہے کاٹا تیرا
کس کے دامن میں چھپے کس کے قدم پر لوٹے
تیرا سگ جائے کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا
پاؤں مجروح ہیں منزل ہے کڑی بوجھ بہت
آہ اگر ایسے میں پایا نہ سہارا تیرا
نیک اچھے ہیں کہ اعمال ہیں انکے اچھے
ہم بدوں کے لیے کافی ہے بھروسہ تیرا
خارِ صحراے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے
آمری جان میرے دل میں ہے رستہ تیرا
کیوں نہ ہو ناز مجھے اپنے مقدر پہ کہ ہوں
سگ ترا ، بندہ ترا ، مانگنے والا تیرا
سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا ۸۔

جب ہم دونوں حضرات کی مذکورہ نعتوں پر موازنے کی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دونوں حضرات کی مذکورہ نعتوں میں فصاحت و بلاغت، مضامین کی سر بلندی، اعلیٰ تخیلات کی ایسی جلوہ باریاں نظر آتی ہیں کہ عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے اور فرق اعتباری کا بھی فرق اٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے کہ الفاظ کی بندش و چستی کو جس چابک دستی کے ساتھ دونوں حضرات نے باندھا ہے نعتیہ ادب میں وہ انہیں کو میسر ہے۔ جسکو میں تمثیلاً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر دونوں حضرات کی ان دونوں نعتوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جائے اور کسی ماہر فن یا ادب شناس (۱۲) سے یہ کہا جائے کہ وہ دونوں حضرات کی نعتوں کو

جب ہم موازنے کی نظر سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ دیوان ”حدائقِ بخشش“ اور علامہ حسن رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان ”ذوقِ نعت“ پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ وقت کے اتنے بڑے عالم و امام ہوتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اردو زبان و ادب میں حمد باری تعالیٰ کے موضوع پر ایک بھی حمد پاک نہیں تحریر فرمائی جبکہ انکے چھوٹے بھائی علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے نعتیہ مجموعہ ”ذوقِ نعت“ میں دو حمدیں تحریر فرمائی ہیں۔ آج بھی یہ سوال بار بار میرے دل و دماغ کو کریڈا کرتا ہے کہ آخر وہ کون سے عوامل تھے جسکی وجہ سے انہوں نے اردو زبان میں کوئی حمد نہیں تحریر فرمائی؟

علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی دونوں حمد پاک کے بعد ایک نعت پاک اپنے بڑے بھائی مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی ہی طرز و آہنگ میں تحریر فرمائی ہے جسکا مطلع ہے۔

جن و انساں و ملک کو ہے بھروسا تیرا
سرورا مرجع کل ہے در والا تیرا
اس نعت پاک کے کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں
واہ اے عطر خدا ساز مہکنا تیرا
خوب رو ملتے ہیں کپڑوں میں پسینہ تیرا
لا مکاں میں نظر آتا ہے اجالا تیرا
دور پہنچایا ترے حسن نے شہرہ تیرا
یہ نہیں ہے کہ فقط ہے یہ مدینہ تیرا
تو ہے مختار، دو عالم پہ ہے قبضہ تیرا

علیہ الرحمہ کا حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں منقبت کا تحریر فرمانا عموماً دواوین اور مجموعہ کلام کی ترتیب و تہذیب کی روش کے خلاف ہے۔ جب ہم دیگر شعراے گرام کے نعتیہ دواوین اور مجموعہ کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اولاً حمد اس کے بعد نعت اور پھر منقبت کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے نعتیہ مجموعہ کلام کی ترتیب و تہذیب عمومی طور پر مرتب ہونے والے نعتیہ مجموعوں کی روش سے ہٹ کر کی ہے۔ اس نئی روش یا جدت کا کیا مطلب ہے؟ اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ ان دونوں حضرات کو اپنے اپنے مدوحین سے غایت درجہ الفت و محبت تھی، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان حضرات نے نعت کے بعد منقبتیں کیوں تحریر فرمائیں؟ اس جدت اور نئی روش کا مقصد کیا ہے؟

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس دوسری منقبت کا عنوان رکھا ہے ”وصل دوم در منقبت آقائے اکرم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ اس کا مطلع ہے۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا (۱۲)
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
اور کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دے جس پہ حمایت کا ہو پنچہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

الگ الگ کر دیجیے تو شاید کہ کوئی بھی ماہر فن یا سخن شناس دونوں حضرات کی نعتوں کو الگ الگ نہ کر سکے اس لیے کہ دونوں حضرات کے یہاں طرز ادا کی نیرنگی بالکل ایک جیسی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ اور علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت گوئی میں تقریباً ایک ہی روش اختیار کی ہے۔ دونوں کی فکری تب و تاب اور ہم آہنگی کا یہ عالم ہے کہ نقش دوئی کے پردے مفقود نظر آتے ہیں۔ جب ہم دونوں حضرات کے نعتیہ دواوین کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح طور پر پاتے ہیں کہ اگر مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت پاک کے بعد تین منقبتیں حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرمائی ہیں تو علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی نعت پاک کے بعد ایک منقبت حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرمائی ہیں۔

اگر مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنی نعت کے مقطع میں تحریر فرماتے ہیں۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اسکو شفیع

جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

تو علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ بھی اپنی نعت

کے مقطع میں تحریر فرماتے ہیں۔

اب حسن منقبت خواجہ اجمیر سنا

طبع پر جوش ہے رکتا نہیں خامہ تیرا

اگرچہ دونوں حضرات نے اور بھی منقبتیں تحریر فرمائی

ہیں، مگر ایک نعت پاک کے بعد مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوہ زیبا تیرا
جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا
تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے جھکونسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا
تیری عزت کے نثار اے مرے غیرت والے
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بروا تیرا
بد سہمی، چور سہمی، مجرم و ناکارہ سہمی
اے وہ کیسا ہی سہمی، ہے تو کریم تیرا
جھکو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یو نہی
کہ وہی نا، وہ رضا بندہ رسوا تیرا
فخر آقا میں رضا اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا ۹۔

اور تیسری منقبت کا عنوان ہے ”وصل سوم در حسن
مفاخرت از سر کار قادریت رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ جس کا مطلع ہے

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا (۱۳)
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیسا تیرا
اور کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افتق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے

سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طوافِ در والا تیرا
اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبہ پہ نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا
ڈالیاں جھومتی ہیں رقصِ خوشی جوش پہ ہے
بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
دلِ اعدا کو رضا تیز نمک کی دُھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا ۱۰۔
اور چوتھی منقبت کا عنوان ہے ”وصل چہارم در منافحت
اعداء و استعانت از آقا رضی اللہ تعالیٰ عنہ“

الاماں قہر ہے اے غوث وہ ٹیکھا تیرا
مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا
اس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے
چاہتے ہیں کہ گھٹا دیں کہیں پایہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے (۱۴)
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
نزع میں، گور میں، میزاں پہ، سر پل پہ کہیں

اگر دونوں حضرات کی منقبت نگاری پر ایک نظر ڈالی جائے تو بخوبی واضح ہوگا کہ ان حضرات نے اپنے ممدوحین کی مدح سرائی میں مناقب کے پہلو کو کتنے احتیاط اور سلیقے سے اپنایا ہے کہ کوئی بھی شعر حمد یا نعت کی حدود میں داخل نہیں ہوا ہے۔ درحقیقت یہ حضرات فن کی نزاتوں اور اسکے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے۔ اسی لیے اس منزل سے بڑی چابک دستی کے ساتھ بے جھجک گزر گئے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ نے حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں جو منقبتیں تحریر فرمائی ہیں جہاں یہ منقبت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں وہیں انہوں نے اس طرح کی منقبتیں تحریر فرما کر اپنے بعد کے شعرا کے کرام کو ایک ذہن اور ایک آئینہ دیا ہے کہ بزرگان دین کی شان میں منقبتیں لکھتے وقت کن کن پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے اور انکے شایان شان کس طرح کی فکر اور کس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا جانا چاہیے کہ منقبت اپنے حدود اور دائرے سے باہر نکلنے نہ پائے۔ اسکے بعد دونوں حضرات نے نعتیں تحریر فرمائی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ نے جو نعت تحریر فرمائی ہے اسکا مطلع ہے۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا

خاک کی تو وہ آدمِ جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ نے اس نعت پاک میں لفظ ”خاک“ سے ایسے ایسے معانی و مفاہیم پیدا کئے

نہ چھٹے ہاتھ سے دامان معلیٰ تیرا
دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر
مطمئن ہوں کہ مرے سر پہ ہے پلا تیرا
اے رضا چست غم از جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامن خود قبلہ حاجاتے را ۱۱۔
علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ نے جو منقبت
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
شان میں تحریر فرمائی ہے اسکا مطلع ہے۔

خواجہ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
مے سر جوش در آغوش ہے شیشہ تیرا
بے خودی چھائے نہ کیوں پی کے پیالہ تیرا
کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغ عالم
تختہ گلشن فردوس ہے روضہ تیرا
پھر مجھے اپنا درِ پاک دکھا دے پیارے
آنکھیں پر نور ہوں پھر دیکھ کے جلوہ تیرا
ظنِ حق غوث پہ، ہے غوث کا سایہ تجھ پر
سایہ گستر سر، خدام پہ سایہ تیرا
تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شانِ رفیع
دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رتبہ تیرا
جب سے تو نے قدمِ غوث لیا ہے سر پر (۱۵)
اولیا سر پہ قدم لیتے ہیں شاہا تیرا
مٹی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدین ہے
اے حسن کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا ۱۲۔

ہیں کہ جن کو پڑھ کر طبعیت وجد میں آجاتی ہے، اس سے انکی جودت طبع کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر پر معنی الفاظ کے استعمال پر قدرت رکھتے تھے۔

۲۰۰۰ء میں میں نے ایک مضمون ”حضرت رضا بریلوی کی مضمون آفرینی“ کے عنوان سے قلم بند کیا تھا۔ جو اس وقت سہ ماہی ”افکار رضا“۔ شماره اپریل تا جون ۲۰۰۰ء ڈیٹم مگر روڈ، ممبئی میں اشاعت پزیر ہوا تھا، جس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ نعت پاک اور شاعر مشرق علامہ اقبال کی فارسی نعت پاک۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبده فرمودہ است

کا موازنہ پیش کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور شاعر مشرق علامہ اقبال دونوں

حضرات شہنشاہ سخن تھے۔ اور دونوں حضرات نے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعتیں تحریر فرمائی ہیں اور خوب خوب (۱۶)

اپنے فکر و فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ جیسے مندرجہ بالا مطالع کہ دونوں حضرات نے ایک ایک لفظ ”لفظ خاک“ اور ”لفظ عبده“ سے خوب خوب مضمون آفرینی کی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ نعت پاک کے چند منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا
نم ہوگئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا
اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفون شہ بطحا ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزار شہ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا ۱۳۔

اور علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو نعت تحریر فرمائی ہے اس کا مطلع ہے۔

آسماں گر ترے تلوؤں کا نظارہ کرتا
روز اک چاند تصدق میں اتارا کرتا

اس نعت پاک کے کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔
چھپ گیا چاند نہ آئی ترے دیدار کی تاب
اور اگر سامنے رہتا بھی تو سجدہ کرتا
یہ وہی ہیں کہ گرو آپ اور ان پر مچلو
اٹی باتوں پہ کہو کون نہ سیدھا کرتا
آہ کیا خوب تھا گر حاضر در ہوتا میں (۱۷)
اُن کے سایہ کے تلے چین سے سویا کرتا
شوق و آداب بہم گرم کشاکش رہتے
عشقِ گم کردہ تو اں عقل سے الجھا کرتا
بے خودانہ کبھی سجدہ میں سوئے در گرتا

بربادی کے مثل فرمایا ہے اور آخر میں اپنے آپکو خود ہی مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے حسن جب آپکا خود ہی مدینہ طیبہ کا قصد نہیں ہے تو پھر کس بات کا گلہ و شکوہ؟ آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازشیں تو ہمیشہ دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔

یہاں پر میں موازناتی حیثیت سے ایک نعت پاک آپکے بڑے بھائی حسان الہند حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں کچھ اسی ناز و ادا سے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازشوں اور کرم فرمائیوں کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدہ حیرت زدہ تکتا کیا ہے
مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں ”نا“ ہے نہ منگتا سے یہ کہنا ”کیا ہے“
پند کڑوی لگے ناصح سے ترش ہواے نفس
زہر عصیاں میں ستنگر تجھے میٹھا کیا ہے
ہم ہیں انکے، وہ ہیں تیرے، تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے
انکی امت میں بنایا انھیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے
صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حساب
بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے
زاہد انکا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پرش اعمال کے وقت

جانپ قبلہ کبھی چونک کے پلٹا کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا بزم ہے کیسی ہے بہار
کبھی اندازِ تجاہل سے میں توبہ کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا جوشِ جنوں ہے ظالم
کبھی پھر گر کے تڑپنے کی تمنا کرتا
ستھری ستھری وہ فضا دیکھ کے میں غرق گناہ
اپنی آنکھوں میں خود اُس بزم میں کھٹکا کرتا
کبھی رحمت کے تصور میں ہنسی آجاتی
پاسِ آداب کبھی ہونٹوں کو بخیہ کرتا
دل اگر رنجِ معاصی سے بگڑنے لگتا
عفو کا ذکر سنا کر میں سنبھالا کرتا
یہ مزے خوبی قسمت سے جو پائے ہوتے
سخت دیوانہ تھا گر خلد کی پروا کرتا
موت اس دن کو جو پھر نام وطن کا لیتا
خاک اس سر پہ جو اس در سے کنارہ کرتا
اے حسن قصدِ مدینہ نہیں رونا ہے یہی
اور میں آپ سے کس بات کا شکوہ کرتا ۱۴۔

اس پوری نعت پاک میں علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن جہاں تاب، انکی کرم فرمایاں، انکے رخِ زیبا، انکے در دولت پر حاضری کے وقت کی کیفیت، در اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاکِ روہی، مدینہ طیبہ کی معطر و صاف ستھری فضا، اور در اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے واپسی کے دن کو موت اور اس در سے کنارہ کشی کے لمحے کو (۱۸) تباہی و

آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
 پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپا لیں سرور
 اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
 بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے درکا (۲۰)
 کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے
 چھوڑ کر مچھکو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
 حکم والا کی نہ تعیل ہو زہرہ کیا ہے
 یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
 چشمِ بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
 صدقے اس رحم کے اس سایہ دامن پہ نثار
 اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
 اے رضا جانِ عنادل ترے نعموں کے نثار
 بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے ۱۵۔

اس نعت پاک کا آغاز مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کی جلوہ تابانیوں سے کیا گیا ہے۔ ایسی روشنی یا ایسا
 اجالا جو تحیر آمیز بھی ہے اور دل و نگاہ کو سرور عطا فرمانے والا
 بھی، وہ روشنی یا نور کوئی اور نہیں بلکہ آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ آگے وہ
 فرماتے ہیں کہ ان کی ذات پاک سے جو بھی مانگنا ہے مانگ لو
 ، یہ وہ ذات پاک ہے کہ تم جو بھی مانگو گے یہ تمہیں اس قدر عطا
 فرمائیں گے کہ تمہارا دامن ہی بھر جائے گا اور یہاں کسی تکلف
 کی ضرورت نہیں یہاں تو مانگنے والے کو منہ مانگی مرادیں ملتی
 ہیں، یہی وہ دربار ہے جہاں نہ تو ”نا“ ہے اور نہ ہی ”کیا ہے“
 اور چوتھے شعر میں رب کریم کی بارگاہ میں وہ کس طرح اپنے

دوستو! کیا کہوں اُس وقت تمنا کیا ہے
 کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور
 ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے
 کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے (۱۹)
 کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے
 کس سے کہتا ہے کہ اللہ خبر لیجیے مری
 کیوں ہے بیتاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے
 اسکی بے چینی سے ہے خاطرِ اقدس پہ ملال
 بے کسی کیسی ہے پوچھو کوئی گزرا کیا ہے
 یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
 اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا، کیا کیا ہے
 سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال ہیں پیش
 ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
 آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل
 بندہ بیکس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
 اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں
 آپ آجائیں تو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے
 سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے
 یوں ملائک کو ہو، ارشاد ٹھہرنا کیا ہے
 کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو
 ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
 انکی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
 اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے
 لو وہ آیا مرا حامی مرا غم خوار آیا

- ۳- اعظم گڑھ صفحہ ۲۷۰
موازنہ انیس و دبیر۔ علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی،
اعظم گڑھ صفحہ ۲۹۱
- ۴- شعر الہند (حصہ اول) مولانا عبدالسلام ندوی، دارالمصنفین
شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ صفحہ ۳۲۰
- ۵- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۲/۱
- ۶- کلیات حسن۔ استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا
اکیڈمی بمبئی صفحہ ۲۲/۲۳
- ۷- کلیات حسن۔ استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا
اکیڈمی بمبئی صفحہ ۲۲/۲۷
- ۸- کلیات حسن۔ استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا
اکیڈمی بمبئی صفحہ ۲۸/۳۰
- ۹- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۴/۷
- ۱۰- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۸/۱۱
- ۱۰- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۸/۱۱
- ۱۱- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۱۱/۱۴
- ۱۲- کلیات حسن۔ استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا
اکیڈمی بمبئی صفحہ ۳۲/۳۳
- ۱۳- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۱۵
- ۱۴- کلیات حسن۔ استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا
اکیڈمی بمبئی صفحہ ۳۴/۳۵
- ۱۵- حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی
صفحہ ۱۰۵/۱۰۷



آپ کو پیش کرتے ہیں کہ طبعیت رشک کرنے لگتی ہے جبکہ وہ اسی
بات کو براہ راست بھی عرض کر سکتے تھے کہ میرے کریم میں
تیرا بندہ ہوں۔ مگر براہ راست نہ فرما کر آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی نسبت سے فرماتے ہیں۔

ہم ہیں انکے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے

اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے

درحقیقت اس نعت پاک میں امام احمد رضا خاں فاضل

بریلوی علیہ الرحمہ نے ایک انوکھے انداز میں آقا و مولیٰ جناب

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرنئی کی ہے۔

اس نعت پاک میں انہوں نے ایک امتی کی حیثیت سے

میدان محشر میں پیش آنے والے حالات کی جو منظر کشی کی ہے

اس سے ہر امتی کے دل میں یہ حسرت ہوتی ہے کہ کل میدان

محشر میں اس کے ساتھ بھی کاش ایسا ہی ہو۔

۱۰- میں یہاں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ان دونوں حضرات

نے نعت گوئی میں جو تقنن پیدا کیا ہے اور آقا و مولیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک کی رقم طرازی میں جو زور کمال

دکھایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اگر علامہ حسن رضا بریلوی

کے یہاں جوش و وارفتگی اور سرمستی ہے تو حضرت امام احمد رضا

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے یہاں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم، زبان کا چٹھارہ پن اور ندرت بیان بھی کم نہیں

۱۲- ہے۔ (۲۱)

حوالہ جات:

۱- موازنہ انیس و دبیر۔ علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی،
اعظم گڑھ صفحہ ۲۷۰

۲- موازنہ انیس و دبیر۔ علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی،
اعظم گڑھ صفحہ ۲۹۱

امام احمد رضا کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات

بات کسی سے پوشیدہ نہیں..... مقالہ نگار کسی مقالہ کی تیاری میں کتنی محنت کرتے ہیں؟ اور کہاں کہاں سے اس کے لئے مواد کی فراہمی کرتے ہیں؟ کانٹوں پر چلنا آسان ہوتا ہے..... تپتی ہوئی زمین پر قدم رکھنا بھی کوئی زیادہ مشکل نہیں ہوتا ہے اور مواد کو اس طرح چنا جاتا ہے جیسے کوئی پلکوں سے دانہ چن رہا ہو..... اس کے باوجود عوام کی تو کوئی بات ہی نہ کیجئے خواص کی بے رخی بھی مقالہ نگار کے لئے کسی قیامت سے کم نہیں..... عوام میں شاعری کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ لوگ شاعروں کو ہر طرح سے نوازتے ہیں..... داد و تحسین سے..... انعام و اکرام سے اور اگر یہ بات کہی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ شاعری کی چوٹ براہ راست دلوں پر پڑتی ہے اس کے علاوہ ذہن و فکر پر بھی اس کے اثرات پائے جاتے ہیں..... نثری ادب میں اس طرح کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں اس کی اہمیت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں باوجود اس کے شاعری ادب ایک دوسری چیز ہے اسی لئے اس کی زیادہ اہمیت ہے.....

شاعری کیا ہوتی ہے؟ اور ادب کی دنیا میں اسے کس حیثیت سے برتا جاتا ہے؟..... یہ بات سب کو معلوم ہے ایسا کوئی نہیں ملتا جو یہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اسے تو جانتا ہی

ادب کی دنیا میں شاعری کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے..... اور اگر یہ بات کہی جائے تو کوئی غلط بات نہ ہوگی کہ زبان و ادب کے فروغ و ارتقاء میں جس قدر حصہ شاعری کا رہا ہے..... نثری ادب اس کے مقابلہ میں نہیں آتا..... ایسا نہیں ہے کہ زبان و ادب کے فروغ میں نثری ادب کا کوئی رول نہیں ہے..... اس کا بھی رول رہا ہے اور یقیناً رہا ہے مگر شاعری ادب کے مقابلہ میں بہت کم رہا ہے..... میں نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی ہے بلکہ تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں کہی ہے..... دور حاضر علمی، فنی انحطاط کا دور ہے..... زوال پذیر تہذیب کا دور ہے..... قدریں مٹ چکی ہیں اور آئے دن علمی اقدار گھٹتے جا رہے ہیں باوجود اس کے اس دور میں بھی شاعری کی محفل خوب جمتی ہے..... شعراء حضرات بھی اپنی شاعری کے پیش کرنے میں کسی سے کم نہیں دکھائی دیتے..... اور سننے والے بھی اپنے ذوق و شوق کا خوب خوب مظاہرہ کر رہے ہیں..... اس کے مقابلہ میں سیمیناروں کی جو اہمیت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں..... کون ہے؟ اور کتنے ہیں؟ جو سیمیناروں میں آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ کتنے غور سے مقالہ جات کو سنتے ہیں اور ان کی پذیرائی کے بارے میں کون کیا کہتا ہے؟ یہ

ہے عشق و محبت..... پیار و وفا..... خلوص و للہیت اور بے لوث جذبوں کا وہ سنگم ہے..... داخلیت ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے کیفیات اور واردات کے دریا جاری ہوتے ہیں اور جب جاری ہو جاتے ہیں تو رکنے کا نام نہیں لیتے..... داخلیت کا محل دل ہوا کرتا ہے..... دل گوشت و پوست کا ایک چھوٹا سا تھڑا ہوا کرتا ہے اور اس کی معنویت کا یہ حال ہے کہ کسی نے اس کے بارے میں جس طرح جاننے کا حق ہے اب تک جانا ہی نہیں..... حیات و زیست اسی سے جاری ہوا کرتے ہیں..... دل زندہ ہے تو سب کچھ زندہ ہے اور اگر دل مرجاتا ہے تو کچھ بھی زندہ نہیں رہ سکتا ہے سب کچھ مرجاتا ہے..... اسی لئے کہا جاتا ہے ”زندگی زندہ دلی کا نام ہے“ دل ہے تو سارا جہاں اپنا ہے اور دل ہی نہیں ہے تو سارے جہاں پر اپنی حکومت جمانے کی بات تو بہت دور کی بات ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنا ہے وہ بھی اپنا نہیں ہے..... روح کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے عقل اور نفس بھی اسی قلب کا محتاج ہوا کرتا ہے..... اسی لئے قلب کی حفاظت و صیانت امور ضروریہ میں سے ایک امر ضروری ہے..... قلب و روح اور نفس و عقل یہ چاروں کے چاروں داخلیت کے دائرہ میں آیا کرتے ہیں..... اور جب ہم فن تصوف کی بات کرتے ہیں تو ہمارے صوفیائے کرام نے انہیں چاروں کو اپنا یا ہے اور صرف اپنا یا ہی نہیں ہے بلکہ چاروں سے انہوں نے وہ کام لیا ہے جو ان سے لینا چاہتے تھے..... ان سے کیا کام لیا ہے اور کیا نہیں لیا ہے ان تمام امور کا تعلق فن تصوف سے ہے جو میرے موضوع سے الگ ہے..... مجھے اس مقام پر صرف یہ دیکھنا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت

ہے..... کیا اسے جانے بغیر کچھ آسکتا نہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں؟..... شاعری کے دواہم پہلو ہوا کرتے ہیں..... پہلے والے پہلو کو ”خارجیت“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے پہلو کو ”داخلیت“ کا نام دیا گیا ہے..... خارجیت..... سے مراد وہ امور لئے جاتے ہیں جو اپنے وجود میں کسی نہ کسی مادہ کا ضرور انتظار کرتے ہیں..... برسات کا موسم..... لالہ زاروں کا خوبصورت منظر..... باغ و بہار..... سبزہ زار..... سبز و شادابی کا خوشگوار ماحول..... نسیم سحر کے آغوش میں پرورش پانے والے غنچے اور کلیاں وغیرہ..... اسی خارجیت کے مقابلہ میں داخلیت کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے..... داخلیت خارجیت سے کم نہیں ہوتی یہ سیر ہے تو وہ سوا سیر ہے..... خارجیت میں اگر کشادگی پائی جاتی ہے تو داخلیت میں اس سے کہیں زیادہ وسعت پائی جاتی ہے..... خارجیت اس وقت کامیاب ہوتی ہے جب اس کا رشتہ داخلیت سے جڑ جاتا ہے..... جوں جوں یہ رشتہ کمزور ہوتا جاتا ہے توں، توں خارجیت بے اثر ہوتی جاتی ہے..... مگر داخلیت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے.....

داخلیت ایک پر جوش سمندر کا نام ہے..... اس کی گہرائی کا یہ عالم؟ کہ آج تک اسے کسی نے جانا نہیں..... اور اگر اس کی پہنائیوں کا کوئی ذکر کیا جائے تو اس بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ایسا وہ کون ہے؟ جو اس بارے میں کچھ جانتا ہے؟ ظاہر ہے ایسا کوئی نہیں ہے..... اگر داخلیت کے تعلق سے کچھ کہا جاسکتا ہے تو صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بے پناہ جذبے، بے پناہ کیفیات اور ان گنت ولولے اور حوصلے پائے جاتے ہیں اور اس بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا

..... الفاظ کے ذخیروں کی اس میں کمی نہیں ہے اس کی وسعت و کشادگی کا یہ عالم ہے کہ جس مضمون اور جس جذبے کے الفاظ چاہیے اس میں آسانی مل جاتے ہیں..... قدیم جملے اور نئے جملے بنانے کی پوری صلاحیت اس میں بدرجہ اتم ہے..... صرف یہی نہیں بلکہ اس میں شعری کیفیات کے سارے لوازم بھی تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں..... فصیح و بلیغ الفاظ اور جملوں کی فراوانی جس انداز میں فارسی زبان میں پائی جاتی ہے کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی ہیں..... اسی طرح فارسی زبان و ادب کے ماہرین نے شاعری کے تمام اصناف پر نہایت ہی کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے..... کسی بھی صنف کو اس زبان کے شاعروں نے کامیاب تجربے کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے..... اس زبان میں کیسے کیسے شاعر ہوئے ہیں اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو گفتگو بہت زیادہ طویل ہو سکتی ہے..... ایران کی مادری زبان فارسی ہے اور ایران ہندوستان سے زیادہ دور نہیں ہے اسی لئے وہاں کی زبان و ادب اور شعر و سخن کے اثرات ہندوستان میں پائے جاتے ہیں..... ایران سے دانشوروں کا آنا جانا بھی رہا ہے اسی وجہ سے ہندوستان میں فارسی زبان کے اثرات نہایت ہی گہرے ہیں..... بلکہ بہت سے شاعروں نے فارسی میں شاعری کر کے اس زبان کو فروغ دینے میں زبردست کوششیں کی ہیں..... اور برسہا برس ہمارے ملک کی سرکاری زبان فارسی رہی ہے..... ہمارے اکابر اور مشائخ نے فارسی میں کتابیں لکھی ہیں اور شاعری بھی کی ہے..... حضرت امیر خسرو کی فارسی شاعری نہایت ہی باکمال رہی ہے انہوں نے اس زبان میں غزلیں بھی کہی ہیں

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات کس حد تک پائے جاتے ہیں؟ اس بات کو آپ اپنے ذہن میں یقیناً پیوست کر لیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اس عظیم اور عالی مرتبت شخصیت کا نام ہے جو نثری ادب میں بھی بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور شاعری میں بھی آپ کی حیثیت کسی بڑے سلطان سے کم نہیں ہے..... خود فرماتے ہیں:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکتے بٹھا دیئے ہیں

فارسی شاعری امکانات و رجحانات

دور حاضر میں خاص طور سے ہندوستان میں اگرچہ فارسی شاعری میں انجمادی کیفیت پائی جاتی ہے بہت ہی کم ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو فارسی زبان و ادب میں شاعری کرتے ہوں اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں اب کوئی فارسی میں شاعری کرنے والا موجود نہیں ہے..... مگر درس و تدریس کے اعتبار سے آج بھی مدارس اسلامیہ میں فارسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں..... نثر کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں اور شاعری کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں..... مثلاً حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی کتاب ”گلستاں“ اور ”بوستاں“ پڑھائی جاتی ہے کتاب ”گلستاں“ نثری ادب سے تعلق رکھتی ہے اور ”بوستاں“ شعری ادب میں ہے اس کے علاوہ بھی فارسی کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں..... فارسی زبان و ادب خواہ نثری ادب ہو یا شعری ادب ہو اس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے..... اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی ادب انواع و اقسام کی لازوال دولتوں سے مالا مال ہے

ہیں یا زیادہ جانتے ہیں بحث اس جاننے اور نہیں جاننے سے نہیں ہے بلکہ میرا مقصد صرف تصوف جاننے سے ہے غرض یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں جو جانتا ہے اور جو کچھ بھی جانتا ہے تو وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ تصوف کے فن میں داخلیت اور باطن کا ہی کرشمہ پایا جاتا ہے کیوں کہ عشق اس کے یہاں بھی محترم ہے..... محبت پر اس نے بھی زور دیا ہے..... اور بے لوث جذبوں کے تعلق سے کیا کہا جائے؟ یہ تو فن تصوف کی جان ہے..... علم و معرفت اور سوز و گداز تو اس کا جو ہر لطیف ہے..... جب تصوف میں یہ ساری چیزیں پائی جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف داخلیت کا پیکر اور امور داخلیت کا نمائندہ ہے..... اس اعتبار سے دیکھا جائے تو شاعری تصوف سے بہت ہی قریب ہے اور تصوف شاعری سے قریب ہے اسی لئے تو شاعری اور تصوف میں طبعی اور فطری مناسبت پائی جاتی ہے..... اسی مناسبت کا نتیجہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے مافی الضمیر کے اظہار و ترسیل کے لئے شاعری کے آہنگ کا استعمال کرتے ہیں اور اسی رنگ میں اپنے رنگ کو پیش کرتے ہیں..... ایسا قطعاً نہیں ہے کہ صوفیائے کرام نے صرف شاعری ہی کو اپنے اظہار ذریعہ بنایا ہے بلکہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ شاعری کے ساتھ ساتھ اس نے نثری ادب کو بھی اظہار کا ذریعہ قرار دیا ہے..... ہمارے مشائخ نے اپنے مکتوبات اپنے ملفوظات جو فارسی زبان میں پائے جاتے ہیں ان میں بھی تصوف کے مسائل اور اس کے مضامین تحریر کئے ہیں..... یہاں تک کہ ان بزرگوں نے تصوف کو فن کی حیثیت سے دیکھا ہے اور اس کے اسرار و رموز سے اپنے مریدین، معتقدین اور پیروکاروں

..... قصائد تصنیف کئے ہیں، مثنویاں اور رباعیات بھی تحریر کی ہیں..... غالب کا فارسی کلام کیا کسی سے کم ہے اور اس میں وہ کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی ہے..... اقبال نے بھی اس راہ میں قدم رکھا اور کامیاب تجربے کئے ہیں ان کی فارسی شاعری ہی ان کی عظیم شخصیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور ان کی اردو شاعری اس پر زیادہ ہے..... مشائخ نے بھی فارسی زبان میں فن تصوف پر کتابیں لکھی ہیں..... ہمارے بدایوں میں حضرت ضیاء الدین نخشبی نام سے ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا عہد آٹھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے یوں تو اپنے فارسی میں شاعری بھی کیا کرتے تھے اور نثری ادب میں کتابیں بھی لکھا کرتے تھے..... فارسی زبان میں جو قطعات پائے جاتے ہیں بہت خوب ہیں اور مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتے ہیں..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فارسی زبان میں شاعری کی ہے..... ان کے اشعار لاجواب اور باکمال ہوا کرتے ہیں..... حدائق بحشش کی دونوں جلدوں میں جہاں اردو کے اشعار پائے جاتے ہیں وہیں ان کے فارسی کلام بھی پیش کئے جاتے ہیں ان کا یہ کلام بھی مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے..... اگر کوئی نظر انداز کرنا چاہے جب بھی نظر انداز نہیں کر سکتا ہے..... کیوں کہ اس میں جذب و کشش کا ایک جہان تازہ آباد ہے..... ایک ایسا گلشن ہرا بھرا ہے جس کی خوشبوئیں بہت دور سے محسوس ہوا کرتی ہیں اور مہشام جاں کو معطر کر جاتی ہیں.....

شاعری اور صوفیائے کرام

جو لوگ تصوف کے بارے میں جانتے ہیں: کم جانتے

کے بہت لوگ مل جائیں گے..... ہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس کا قدم شریعت کے دائرہ میں اٹھتا ہے تو وہ صوفی ہے اور اگر شریعت کے دائرہ سے اس کا کوئی قدم باہر نکلتا ہے تو وہ کسی قیمت پر صوفی نہیں..... صوفی کبھی شیشہ میں بند ہو کر نہیں رہتا ہے اور جو شیشہ میں بند ہو کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے وہ صوفی نہیں ہو سکتا ہے..... کیونکہ صوفی اس ”مشک و عنبر“ کا نام ہے جس کا پتہ کسی سے نہیں پوچھا جا سکتا ہے بلکہ اس کی شخصیت سے نکلنے والی خوشبو عین بتا دیتی ہے کہ صوفی کہاں جلوہ بار ہے؟ حضرت سیدنا غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ دوران سفر آپ جہاں بھی ٹھرتے تو آپ کی شخصیت کی خوشبو ہر چہار جانب پھیل جاتی اور زبان حال سے بتا دیتی کہ ہمارا منبع و سرچشمہ کہاں ہے؟..... تصوف کی بنیاد پر کسی کی ذات و شخصیت اور اس کے عمل و کردار و نیز اس کے سماج و معاشرہ پر کیا کیا اثرات مرتب ہو کر تے ہیں؟

ذیل میں انہیں اثرات کی وضاحت کی جا رہی ہے

پہلا اثر..... تصوف کے حامل افراد کی زندگی پر سب سے پہلے یہ اثر ہوا کرتا ہے کہ اس کی زندگی اسلاف کی یادگار اور اخلاف کے لئے نمونہ عمل بن جاتی ہے..... شریعت اور اس کے اصول و نظریات پر کار بند ہونے کے سبب اس کی حیات کا ایک لمحہ ابدی سعادتوں اور فیروز بختیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے..... نہ کبھی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہی واجبات و سنن کو کبھی ترک کرتا ہے اور جب کہیں تبلیغ دین کی بات آتی ہے تو اس کے لئے کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے اور تنہا میدان عمل میں اتر جاتا ہے..... ہندوستان میں دین اسلام کی

کو ان سے آشنا کیا ہے..... فن تصوف بزبان فارسی میں کوئی ایک کتاب نہیں بلکہ بہت ساری کتابیں پائی جاتی ہیں..... ہندوستان میں بھی لکھی گئی ہیں اور ہندوستان سے باہر بھی..... ”سلک السلوک“ فن تصوف کی ماہیہ ناز کتاب ہے جو حضرت ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے اس کتاب میں فن تصوف پر بحیثیت فن بحث کی گئی ہے..... اسی طرح ”سبع سنابل شریف“ بھی فن تصوف کی معرکہ الآرا کتاب ہے جو ہم اہل سنت و جماعت کے علماء میں مقبول اور مستند ہے یہ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی کی تصنیف ہے..... بہر حال اس بات سے انکار نہیں کیا جاتا کہ شاعری اور تصوف کے مزاجوں میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے آپ الگ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے.....

تصوف کے اثرات

تصوف کیا ہے اور اس کے اثرات کیا ہیں؟ تصوف کا تعارف مختلف صوفیائے کرام نے مختلف انداز میں کیا ہے! کسی نے کچھ کہا ہے اور کسی نے اس بارے میں اپنا نظریہ کچھ اور بتایا ہے..... کس نے کیا کہا ہے؟ یہاں اس کی تفصیلات پیش کرنے کی ضرورت نہیں..... ہاں! اس مقام پر بس یہ سمجھ لیا جائے کہ اصول شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا نام تصوف ہے..... اگر کوئی اپنے آپ کو صوفی بتاتا ہے..... کوئی اپنے آپ کو صوفیانہ لباس میں پیش کرتا ہے..... یا زبردستی صوفی بننے کی کوشش کرتا ہے تو آپ اس کے قول و عمل پر نہ جائیے..... کہ انسانوں کے اس بھیڑ میں نہ جائیں اس طرح

پانچوے مقام تک ”و غیر ذالک من المقامات الآخر“ ان مقامات میں سے کسی ایک مقام پر وقفہ اس کے آداب و لوازمات کے سیکھنے تک ہی محدود رہا کرتا ہے..... اس سے زیادہ نہیں..... اور کرامت سلسلہ مقامات میں ستر ہواں مقام رکھتی ہے اسی لئے سالک کو حکم دیا جاتا ہے اس مقام پر زیادہ ٹہر کر کسی کو کرامت دکھانے کی ضرورت نہیں ہاں جہاں ضرورت ہو..... وہاں ضرورت کی حد تک دکھانے کی اجازت ہے..... مگر آج کیا ہو رہا ہے کہیں زبردستی کرامت دکھائی جاتی ہے اور کہیں گڑھی ہوئی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں..... کرامت بیان کرنے والے صاحب کرامت کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں کہ وہ کرامت بیان کر کے لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرا پیر یا وہ جس کی کرامت بیان کی جا رہی ہے ناقص ہے..... اس لئے سالک کے لئے سفر ہی بہتر ہے..... اقبال نے بڑی اچھی بات کہی ہے اور میں کہتا ہوں اقبال نے نظریاتی طور پر تصوف کو تلاش و جستجو سے موسوم کیا ہے.....

منزل سے آگے برہ کر منزل تلاش کر
مل جائے تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
ہر شیشہ ٹوٹ جاتا ہے پتھر کی چوٹ سے
پتھر ہی ٹوٹ جائے وہ شیشہ تلاش کر

ان اشعار پر غور کریں ان سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے تصوف نام ہے تلاش کا..... جستجو کا..... اور ہمہ وقت آگے کی طرف پیش قدمی کرنے کا..... اور صحیح معنوں میں تصوف کا مزاج بھی یہی ہے..... ایک منزل سے دوسری منزل کی جانب رواں ہونے کو سفر اور سیر سے تعبیر کیا جاتا ہے سفر ایک طرح کا

تبلیغ کے لئے ایک نہیں ہزاروں بزرگان دین تشریف لائے..... ان کے ساتھ کون تھا؟ اور کس نے ان کا ساتھ دیا؟ اور اگر کسی نے ان کا ساتھ دیا تو وہ بھی انہیں کی مانند تھا اس لئے اس نے ان کا ساتھ دیا.....

دوسرا اثر..... تصوف کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی تصوف کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے تو اس کا باطن آئینہ کی مثل صاف اور شفاف ہو جاتا ہے اس میں کہیں بھی اور کسی طرح کی کدورت نہیں پائی جاتی ہے..... اس کا جذبہ بے لوث ہو جاتا ہے..... ایسا انسان خود کسی سے نہیں ڈرتا ہے..... ہاں اتنا انقلاب ضرور نمایاں ہو جاتا ہے..... وہ صرف اور صرف اپنے خدا سے ڈرتا ہے کیا مجال کہ کوئی آئے اور اسے آنکھ دکھا جائے..... اور جو خدا سے نہیں ڈرتا یہ حقیقت ہے کہ وہ سب سے ڈرتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اس میں نہ خوف کا مادہ ہوتا ہے اور نہ ہی شرم و حیا کا جذبہ پایا جاتا ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
تیسرا اثر..... تصوف کسی بھی انسان کو کسی مقام پر ٹہرنے نہیں دیتا ہے بلکہ ہمیشہ آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے..... ہاں کسی کا کسی مقام پر ٹہرنا اسی حد تک ہوتا ہے جس حد تک کوئی چیز اپنی دو متضاد حرکتوں کے بیچ ساکن ہوا کرتی ہے..... سلوک میں سو مقامات ہوا کرتے ہیں۔ سالک ایک مقام کے بعد دوسرے مقام کی جانب سفر کرتا ہے اور پھر تیسرے مقام کی جانب روانہ ہو جاتا ہے پھر چوتھے اور

وليا ليها فما فوقها بسير الابل ومشي
الاقدام... والسفر عند الحقيقة عبارة عن
سير القلب عند اخذه في التوجه الى الحق با
الذكر... والسفر اربعة

السفر الاول... هو رفع حجب الكثرة
عن وجه الوحدة وهو السير الى الله من منازل
النفس بازالة التعشق من المظاهر والاعيار
الى ان يصل الى الافق المبين وهو نهاية
مقام القلب

والسفر الثاني... وهو رفع حجاب
الوحدة عن وجوه الكثرة العلمية الباطنية
وهو السير في الله بالاتصاف بصفاته
والتحقق باسمائه وهو السير في الحق
بالحق الى الافق الاعلى وهو نهاية حضرة
الواحدية

والسفر الثالث... وهو زوال التقييد
بالضدين الظاهر الباطن بالحصول في
احدية عين الجمع وهو الترقى الى عين
الجمع والحضرية الاحدية وهو مقام قاب
قوسين وما بقية الاثنية فاذا ارتفعت فهو
مقام اوادنى وهو نهاية الولاية

ولسفر الرابع... عند الرجوع من الحق
الى الخلق في مقام الاستقامة وهو احدية
الجمع والفرق بشهود اندراج الحق في

نہیں ہوتا ہے اس کی مختلف قسمیں ہوا کرتی ہیں ذیل میں اس
کی توضیح کی جا رہی ہے..... تصوف ایک ایسا لطیف شیشہ ہوا
کرتا ہے جس سے متاثر ہو کر پتھر بھی ٹوٹ جاتا ہے
..... ہزاروں پتھر دل انسانوں کو تاریخ نے ایک صوفی اور فقیر
کے قدموں پر جبہ سائی کرتے ہوئے دیکھا ہے..... یہ بات
کسی پرانے زمانہ کی نہیں ہے بلکہ سائنس کے اس نئے دور
میں بھی نہ جانے کتنے کبر و نخوت کے پرستاروں کو دیکھا گیا ہے
جو اپنی جھوٹی شان و شوکت کو چھوڑ کر اللہ والوں کے قدموں
میں بچوں کی طرح روتے اور بلکتے ہیں جو اس بات کی علامت
ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہے سارا زمانہ ان سے ڈرتا ہے..... یہ
بھی تصوف کے اثرات میں سے ایک عظیم الشان اثر ہے جو
دلوں پر پڑتا ہے اور ذہن و فکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے
..... تصوف کی دنیا میں کسی کو قرار نہیں ملتا ہے وہ چلتا ہے تو پھر
چلتا ہی رہتا ہے اور جدھر کو اس کی معرفت کے اسرار و رموز ہوا
کرتے ہیں تصوف کی راہ چلنے والے ادھر ہی کو مائل بہ سفر
ہو جاتے ہیں.....

سفر کی تشریح اور اس کے اقسام چہ جائیکہ اس بارے میں
، میں اپنی طرف سے کچھ کہوں..... کیا یہ مناسب نہیں کہ میں
اس تعلق سے علامہ شریف جرجانی نے جو بات کہی ہے اسی
بات کو پیش کر دوں؟ یہ مناسب ہی نہیں بلکہ انبہ ہے..... لفظ
سفر کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے علامہ موصوف
تحریر کرتے ہیں

۷۸۳... السفر في اللغة قطع المسافة
وشرعاً فهو الخروج على قصد سير ثلاثة ايام

واحدیت کی نہایت ہے

سفر سوم..... اس سفر میں بندہ ظاہر و باطن کے تضاد میں پڑنے سے آزاد ہو جاتا ہے اور عین جمع کے حصول میں مشغول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ عین جمع اور حضرت الہی تک جا پہنچتا ہے اور یہی ”مقام قاب قوسین“ ہے اس مقام پر روئی کا تصور باقی نہیں بلکہ ختم ہو جاتا ہے اسی کو مقام قاب قوسین اور ادنیٰ کہا جاتا ہے..... جو ولایت کی آخری منزل ہے

سفر چہارم..... اس سفر میں بندہ ولایت کی آخری منزل سے مخلوق کی جانب رجوع کرتا ہے اور مخلوق کے مابین آکر مقام استقامت پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر ”جمع اور فرق“ کے درمیان فرق مٹ جاتا ہے..... اس مقام پر فائز ہونے کے بعد عالم خلق میں ”حق“ دکھائی دیتا ہے اور مخلوق کا یہ حال ہوتا کہ وہ حصول اللہ میں اپنے آپ کو مضحک کر دیتا ہے اور پھر کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت دکھائی دیتی ہے..... اسی کو ”سیر باللہ عن اللہ برائے تکمیل کہا جاتا ہے اور یہی مقام بقا ہے فنا کے بعد الخ

میں نے علامہ شریف جرجانی کے حوالے سے جو بات کہی ہے گو کہ ہماری اور آپ کی سمجھ سے باہر ہے مگر اس مقام پر بتانا یہ ہے کہ تصوف میں سیر ہی سیر اور تلاش ہی تلاش ہے..... تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے اہل اللہ معرفت الہی کے حصول میں آبادی سے باہر نکل گئے اور صحراؤں کو اپنا مسکن بنا لیا..... تا زندگی وہیں رہے اور وہیں رہ کر انہیں جو حاصل کرنا تھا انہوں نے حاصل کیا..... علامہ جرجانی نے فن تصوف کی کچھ

الخلق واضمحلال الخلق فی الحق حتی یرى عين الوحدة فی صورة الکثرة وصوره الکثرة فی عين الوحدة وهو السیر باللہ عن اللہ للتکمیل وهو مقام البقاء بعد الفناء والفرق بعد الجمع (التعريفات ص ۵۱ پی ڈی ایف فائل)

ترجمہ..... لغت میں مسافت کے طے کرنے کو ”سفر“ کہا جاتا ہے۔ اور شریعت میں تین دن اور تین رات کی مسافت طے کرنے کے ارادہ سے نکلنے کو ”سفر“ کہا جاتا ہے اونٹ پر سوار ہو کر چلے یا پیدل چلے..... اور فن حقیقت میں ”سیر قلبی“ کا نام ”سفر“ ہے اور اس کی شروعات اس وقت ہوتی ہے جب کوئی ذکر و اذکار کے ذریعہ حق کی جانب متوجہ ہوتا ہے..... سفر کی چار قسمیں ہیں

سفر اول..... وحدت سے حجاب کثرت کو اٹھادینے کا نام ہے اسی کو ”سیر الی اللہ“ کہا جاتا ہے جو منازل نفس سے شروع ہوتا ہے اس سفر میں مظاہر کائنات اور اغیار سے اظہار عشق کو زائل کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بندہ اس سفر میں ”انف مبین“ تک پہنچ جاتا ہے اور ”انف مبین“ مقام قلب کا آخری درجہ ہے سفر دوم..... اس سفر میں ”کثرت علمیہ اور باطنیہ“ کے چہرہ سے حجاب وحدت کو اٹھانا پڑتا ہے اسی سفر کو ”سیر فی اللہ“ کا نام دیا جاتا ہے اس کی شروعات صفات الہی سے متصف اور اسمائے الہی سے متحقق ہونے کے بعد سے شروعات ہوتی ہے اس میں بندہ حق میں سیر کرتا ہے اور حق کے ذریعہ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ”انف اعلیٰ“ تک پہنچ جاتا ہے جو حضرت

سفر کی پہلی تین قسموں کو پورا کر دیتا ہے..... اور چوتھے سفر میں اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان کی حیات و زیست کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے..... یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم اور آپ اعلیٰ حضرت کی زندگی کو دیکھ سکتے ہیں..... پھر بھی آپ کو کہیں شک و تردد ہو تو اس واقعہ کو دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں.....

سرزمین ہند میں اور بھی صاحب علم و فن، ارباب فکر و دانش پیدا ہوئے ایک سے بڑھکر ایک دانشور نمود پزیر ہوا امام احمد رضا سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔۔۔۔۔ مگر امام احمد رضا جیسا کوئی نہ ہوا۔۔۔ یہ انفرادیت، یہ امتیاز اور شانِ زیبائی یقینی طور پر کرشمہ قدرت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انوکھا معجزہ ہے امام احمد رضا کی اس قبولیت عامہ اور دوامی شہرت کو عقل و خرد کی کسوٹی پر کسا نہیں جاسکتا ہے جن افراد نے اسے کسوٹی پر کسنے کی کوشش کی وہ بلاوجہ بغض و عناد کے اندھیروں میں جا گرے اور کدورتوں کو اپنے سینوں میں پناہ دیدی کہ۔۔۔ عجب بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث۔۔۔۔۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسے وہ بڑھاتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں گھٹا سکتی ہے اور جسے وہ ترقی کی راہ دکھاتا ہے اسے کوئی بھی زوال پذیر نہیں کر سکتا ہے کہ یہ قدرت کا انوکھا فیصلہ ہے کاش اگر اس طرح کا فیصلہ بندوں کے ہاتھ میں ہوتا تو کسی کو بھی عزت کے ساتھ وہ جینے نہیں دیتا جس طرح یہاں کے نوابوں اور راجاؤں نے اپنے علاقوں کو تعلیم و تربیت سے نا آشنا رکھا ہے یہی کچھ حال یہاں بھی ہوتا۔۔ امام احمد رضا نہ صرف عالم دین اور مفکر ملت تھے بلکہ ان کا دل صاف

اصطلاحوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً جمع۔ فرق۔ افرق مبین اور افرق اعلیٰ اسی طرح قاب تو سین اودانی کا بھی ذکر کیا ہے..... یہ وہ اصطلاحیں ہیں جن کی تشریح تو کی جاسکتی ہے مگر انہیں مکافحہ ہم بیان نہیں کر سکتے کہ وہ کیا ہیں ہاں صرف اتنا بتا سکتے ہیں..... صوفیائے کرام کو صرف چلنا ہوتا ہے اور وہ پوری زندگی چلتے رہتے ہیں..... تصوف کا یہ وہ اثر و نتیجہ ہے جو مسلسل برقرار رہتا ہے کسی بھی منزل پر پہنچنے کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا ہے.....

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور فن تصوف

سیدی اعلیٰ حضرت کو ہم نے صرف ان کی عالمانہ حیثیت سے دیکھا ہے اور ان کی تحقیقات یا ان کی تدقیقات یا ان کی تنقیدات کے تناظر میں انہیں جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے..... ان کا دل کیسا تھا؟ ان کے قلب مبارک میں کیا کیا جذبات تھے؟ اور ان جذبات میں کیا کیا موجیں اٹھتی تھیں؟ اس تعلق سے ہم نے انہیں دیکھنے کی کوشش نہیں کی..... اور صحیح بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فن تصوف کے بھی امام تھے..... سلوک کے مقامات کو انہوں نے کس حد تک طے کیا ہے؟ کبھی اس بارے میں کسی نے نہیں سوچا ہے..... ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ مخلوق کے مابین جلوہ فرماتے تھے..... انہوں نے جس طرح مخلوق کی خدمات انجام دیا ہے؟ یہ سب پر روشن ہے انہوں نے اپنے فرمودات اور ارشادات کے ذریعہ ”سیرالی اللہ“ میں مشغول بندوں کے لئے راہ ہموار فرمائی اور انہیں معرفت ربانی کے اسرار و رموز بتا دیئے..... آپ مقام استقامت پر فائز تھے اور کوئی اسی وقت مقام استقامت پر فائز ہوتا ہے جب نہایت ہی کامیابی کے ساتھ

اور فرمایا،، میرے خیال میں اس سے سرکارِ غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے،، اس خواب کو بیان کرتے ہوئے اس کے تناظر میں مولانا بدرالدین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ درج تبصرہ کرتے ہیں کہ:

اللہ جل مجدہ نے اپنے برگزیدہ بندہ احمد رضا کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایت کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے اعلیٰ حضرت کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چنانچہ اگر ایک طرف آپ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظہر بھی ہیں آپ نے جس شان سے احیائے دین و تجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے کہ آپ کی ذات گرامی حضور غوث اعظم شہنشاہ بغداد کی تجلی گاہ تھی۔

(حیات اعلیٰ حضرت)

میں اپنے قارئین سے گزارش کروں گا،، المملفوظ،، کی اس عبارت اور مولانا بدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ کے اس تبصرہ کو اپنے پیش نظر رکھیں اور پھر غور کریں۔۔۔ میرا اذعان بول رہا ہے کہ آپ بھی یہی محسوس کریں گے کہ ”گیارہویں درجہ تک رسائی“ سے مراد صرف اور صرف ”سرکارِ غوثیت کی غلامی“ ہی ہو سکتی ہے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟،، المملفوظ،، کی اس عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس غلامی کے حصول میں آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد

شفاف آئینہ تھا اور اپنے مبارک سینہ میں معرفت ربانی اور نور یزدانی بھی رکھتے تھے اور عشق و ولا اور محبت رسول میں ہمہ وقت محور ہا کرتے تھے استغراق و انہماک کا یہ عالم تھا کہ جب آنکھیں بند کرتے تو عالم بالا کی سیر کرتے اور اسرار و رموز کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہوتے اور جب آنکھیں وا ہوتیں تو ان میں شگفتہ تفکرات کی لکیریں ابھری ہوتیں اور جین ناز سے نور کی کرنیں پھوٹی ہوئی محسوس ہوتیں۔۔۔۔۔ یہ تمام خوبیاں آپ کی ذات میں اس لئے پائی جاتی تھیں کہ آپ صحیح معنی میں غوث پاک کے سچے غلام تھے۔ امام احمد رضا نے خود اسے بیان فرمایا آپ تحریر کرتے ہیں

”ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے،، حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا گیا رہ درجہ تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے،، اللہ مالک ہے میرے خیال میں اس سے سرکارِ غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے۔۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے اس خواب کا بیان،، المملفوظ حصہ سوم،، میں کیا ہے اسے خواب تصور کر کے نظر انداز نہ کیا جائے کہ یہ خواب کسی ایرے غیرے نھو خیرے کا نہیں ہے یہ امام احمد رضا کا خواب ہے ایک عالم دین اور فقیہ اعظم کا خواب ہے ایک مومن اور صاحب دل کا خواب ہے ایسوں کا خواب حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اس سے صداقت کا اظہار ہوتا ہے اسی لئے میں اس خواب کو حقیقت پر مبنی تصور کرتا ہوں خود امام احمد رضا نے اس خواب کی حقیقت کا اعتراف کیا

مالک ہے، بہت ہی زیادہ معنی خیز اور لائق مطالعہ ہے کہ اس سے بہت سے اسرار و رموز منکشف ہوتے نظر آ رہے ہیں۔۔

میں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بیان کردہ خواب اور اس میں جو اسرار و رموز پائے جاتے تھے بیان کر دیا ہے اس کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنے دل سے فیصلہ کریں کہ فن تصوف کی رو سے آپ کی شخصیت میں نکھار کس انداز کا پایا جاتا ہے ہے..... اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا جب وصال ہوا تو حضور اشرفی میں علیہ الرحمۃ نے عالم بیداری میں دیکھا کہ فرشتے ان کے جنازے کو اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے ہیں..... ایک شامی بزرگ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ کی نورانی مجلس میں کسی کے آنے کا انتظار ہو رہا ہے اس شامی بزرگ نے پوچھا سرکار کس ذات گرامی کا انتظار ہے؟ ارشاد ہوا! احمد رضا ہندی کا! اس کے علاوہ آپ کی شخصیت سے بہت سی کرامتوں کا ظہور بھی ہوا..... یہ تمام شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں امام احمد رضا نہ صرف علوم شریعت ہی کے عالم و محقق تھے بلکہ علوم باطن میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ نہ صرف آپ علم باطن کے تعلق سے اصول و نظریات ہی رکھتے تھے بلکہ عملی طور پر مقامات سلوک کی سیر میں بھی رہا کرتے تھے..... سیر کی کیا کیفیت ہوا کرتی ہے اس بارے میں کسی کو کیا معلوم؟ اس کا علم تو خود سرکار اعلیٰ حضرت کو تھا یا پھر انہیں تھا جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کو منازل کی سیر کرایا کرتے تھے..... اعلیٰ حضرت کو غوثیت یا ب سے کتنی اور کیسی محبت تھی اس کی تفہیم کے لئے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات سے رجوع ہونا از حد ضروری ہے، ذیل میں

نقی علی علیہ الرحمۃ کی کوشش زیادہ تھی نیز اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خود آپ کے والد گرامی بھی اسی منزل پر فائز تھے کسی اور کو اس منزل پر فائز کرنے کی صلاحیت بھی آپ کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ذرا خود بھی اس بات پر سوچیں کہ جو اس منزل پر خود فائز نہ ہو وہ کسی دوسرے کو اس پر کیسے فائز کر سکتا ہے؟ یہی وہ منزل ہے جس پر فائز ہونے سے سرکار غوثیت کے انوار و تجلیات کی بارش ہونے لگتی ہے اور شخصیتیں نکھرنے لگتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے اس منزل پر فائز ہونے کے بعد آپ تجلی گاہ سرکار غوثیت بن گئے اور شب و روز آپ کی شخصیت نکھرنے اور سنورنے لگی سرکار غوث نے اپنے اس غلام کو کیا دیا؟ اور کتنا دیا؟

یہ کون بتا سکتا ہے؟ لفظوں میں اس قدر طاقت و توانائی کہاں؟ جو اس کا احاطہ کر سکے حالانکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ الفاظ اور جملے ہی معانی و خیالات اور جذبات کے حامل ہوتے ہیں مگر غلام اور مولیٰ کے مابین جو فرط شوق اور ازدیاد اشتیاق ہوتا ہے لفظوں کے پیکر میں اتنی توانائی کہاں؟ جو اسے کشید کر سکے اور خود میں اسے جذب کر سکے۔۔ ہاں صرف اس قدر بتایا جا سکتا ہے کہ سرکار غوث نے اپنے اس غلام کو جو دینا چاہا وہ دیا اور جو دینا چاہے گا وہ دے گا اس سے زیادہ کچھ اور کہنا بہت زیادہ مشکل ہے ارباب شوق اس بات سے غافل نہیں کہ اس خواب نے یہ ثابت کر دیا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا مبارک قلب مثل آئینہ صاف شفاف ہو گیا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اس گیارہویں درجہ تک رسائی کے بعد والد گرامی حضرت مولانا نقی علی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا، آگے اللہ

”حدائق بخشش“ (۱۳۲۵ھ) سے کچھ اشعار ملاحظہ کریں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شاعری

اعلیٰ حضرت نے جہاں اپنے دل کے جذبات اور قلبی واردات کے اظہار کے لئے اردو شاعری کا انتخاب فرمایا وہیں آپ نے فارسی زبان میں بھی شاعری کی ہے گو کہ کلام فارسی بہت کم ہے باوجود اس کے جس قدر ہے بہت خوب ہے..... اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی صفائے باطن اور تزکیہ نفس نیز والد مکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں بارگاہ غوثیت میں اذن باریابی حاصل کر لی تھی..... یہ سیر ”سیر قلبی“ تھی یا یہ کہا جائے کہ یہ سیر ”سیر روحی“ تھی اسی لئے عالم خواب میں یہ منازل طے ہوئے..... اور سرکار غوث کے انتظام و انصرام کے تحت آپ اپنے پیر مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے..... اور لوگ اس بارگاہ میں صاف دل لے کر نہیں آیا کرتے تھے اس لئے ان سے ریاضت کرائی جاتی تھی اور اعلیٰ حضرت جس وقت پہنچے تو آپ کا دل نہایت ہی صاف شفاف تھا اور مثل آئینہ چمکتا تھا اسی لئے مرشد گرامی نے آپ سے ریاضت نہ کرائی..... بلکہ انہیں تو صرف نسبت کی ضرورت تھی اور بیعت و خلافت حاصل ہو جانے کے بعد یہ نسبت حاصل ہو گئی..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے پیر مرشد کے بارے میں جو فرمایا میں اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں..... یہ منظوم خراج عقیدت بڑی طویل ہے جس کا عنوان درج کیا جا رہا ہے۔

”ترنم عند لیب قلم بر شاخسار مدح اکرم حضور پیر مرشد برحق علیہ رضوان الحق“

ترجمہ..... حضور پیر و مرشد برحق کی مدح و توصیف کی بہت سی ڈالیوں پر عند لیب قلم کی نغمہ سرائی
خوشاد لے کہ دہندش ولانے آل رسول
خوشا سرے کہ کندش فدائے آل رسول
وہ دل کس قدر اچھا ہے جسے آل رسول کی محبت نصیب ہو جائے
وہ کس قدر خوش نصیب ہے جو آل رسول پر فدا ہو جائے
گناہ بندہ بخشش اے خدائے آل رسول
برائے آل رسول از برائے آل رسول
اے آل رسول کے خدا اس بندہ کا گناہ بخش دے
ہزار درج سعادت برآرد از صد نے
بہائے ہر گوہر بے بہائے آل رسول
سعادت کی بہت سی موتیاں سیپ سے نکلتے ہیں
آل رسول کے ہر موتی کی قیمت بیش قیمت ہے
سیہ سپید نہ شد گر رشید مصرش داد
سیہ سپید کہ سازد عطائے آل رسول
کوئی سیاہ دل شفاف نہ ہوگا اگرچہ کوئی رشید مصراس کی رہنمائی کرے
ہاں! آل رسول کی عطا اس سیاہ دل کو شفاف کر دیتی ہے
اذا زوا ذکر اللہ معانہ بینی
من و خدائے من آنت اداے آل رسول
تمہیں خدا یاد آجائے گا جب تم دیکھو گے
مجھے اور میرے آقا کو کہ آل رسول کی ادا ہی ایسی ہے
خبر دہز تک لا الہ الا اللہ
فنائے آل رسول و بقائے آل رسول
لا الہ الا اللہ کی ضرب اس بات کی خبر دیتی ہے

آپ سے التجا ہے اور میرے دل کی آواز بھی ہے.....
 پہلی بات..... یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے
 اپنے ”قلم ناز“ کو بطور استعارہ ”عندلیب“ فرمایا..... اور
 ”سرکار آل رسول“ کی مدح سرائی مختلف شاخوں میں پھیلی
 ہوئی ہے اور انہیں شاخوں پر بیٹھ کر ”عندلیب قلم“ نغمہ و ترنم
 میں منہمک ہے..... شاعری کی دنیا میں بلبل کو عشق و محبت
 پیار و خلوص کرب و اضطراب اور بے لوث
 جذبوں کی علامت تصور کی جاتی ہے..... اعلیٰ حضرت فاضل
 بریلوی نے اپنے پیرومرشد کی تعریف و توصیف اور مدح سرائی
 کو ایک پھل دار درخت کے روپ میں دیکھا ہے..... یہ بھی
 ایک استعارہ ہے جو اسلوب بیان کو جمالیاتی بنا رہا ہے اور شگفتہ
 بیانی کو حسیں اور خوبصورت بنا رہا ہے..... ایسی صورت میں
 ترنم ریزی کیا لطف و مزہ دے رہی ہے جو سننے سے نہیں بلکہ
 چکھنے سے تعلق رکھتی ہے..... بلبل کا اس قدر قریب ہونا اور خود
 مدح سرائی کی شاخوں پر براجمان ہونا انتہائی درجہ کی قربت کو
 ثابت کر رہا ہے..... انتہائی قربت ”جمع“ کی علامت ہے اور
 قریب ہونا ”تفرقہ“ کی نشانی ہے..... ارباب فکر سے یہ بات
 پوشیدہ نہیں کہ ”جمع و تفرقہ“ تصوف کی اصطلاحات میں سے
 ایک اصطلاح ہے..... اور اسی کو صوفیانہ اثر کہا جاتا ہے..... یہ
 کمال تو صرف ”عنوان مدح سرائی“ میں پایا جاتا ہے.....
 دوسری بات..... یہ ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت فاضل
 بریلوی قریب ہوئے مگر کس کے قریب ہوئے: اس کے قریب
 ہوئے جو پیر بھی ہے اور مرشد برحق بھی..... اور وہ حق کی رضا
 بھی ہے..... ایسی شان رکھنے والی ذات گرامی سے مخاطب

آل رسول کا فنا ہونا ہی آل رسول کی بقا ہے
 ہزار مہر پرد در ہوئے اوچو ہبا
 بروزنے کہ درخشد ضیائے آل رسول
 ہزاروں سورج اڑتے ہیں ان کی فضا میں جس طرح ذرات
 اس روشن دان میں جس میں آل رسول کی ضیا چمکتی ہے
 نصیب پست نشیناں بلندیت این جا
 تواضع ست در مرتقائے آل رسول
 اس آستانہ پر گردن جھکائے بیٹھنے والوں کے لئے بلندی ہے
 برآ بہ چرخ برین و ہمیں ستائے او
 گراں بہ خاک و بیا برمائے آل رسول
 چرخ بریں سے باہر آ اور ان کے آستانے کو دیکھ
 زمین پر پیش قیمت اور آ، آل رسول کے آسمان کی طرف
 قبائے شہ بگلیم سیاہ خود نخر د
 سیہ گلیم نہ باشد گدائے آل رسول
 بادشاہی قبا گلیم سیاہ کے عوض وہ خود نہیں خریدتا
 اور جو آل رسول کا گدا ہے وہ سیاہ گلیم والا نہیں ہو سکتا
 یہ کل دس اشعار ہیں اور ہر شعر کے نیچے اس کا اردو ترجمہ
 لکھ دیا گیا ہے..... اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان دس اشعار
 میں کہاں کہاں صوفیانہ اثرات پائے جاتے ہیں ویسے تو میرا ہر
 ایک قاری مجھ سے زیادہ جانتا ہے کہ اس فارسی کلام میں
 صوفیانہ اثرات میں سے کیا کیا اثر پایا جاتا ہے؟..... اس
 حوالے سے ذیل میں کچھ باتیں بیان کی جا رہی ہیں..... اگر
 کوئی بات پسند آ جائے تو دعا دیجئے اور اگر کھٹک جائے تو دعا
 فرمائیں کہ وحدہ لا شریک میری اصلاح فرمادے..... بس یہی

کیا کرنا پڑتا تھا..... ایک جگہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا..... مہینوں کی صحبت میں رہنا..... اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنا پڑتا تھا..... تاریخ کے اوراق میں ایسے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کسی کے دل میں پیر و مرشد کی تلاش کرنے کا جذبہ ابھرتا تھا تو وہ اپنے سارے اثاثہ کو بیچ کر خدا کی راہ میں نکل جایا کرتے تھے خود سرکار خواجہ غریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باغ کو بیچ کر سفر پر روانہ ہو گئے تھے اور پھر ہر جگہ سے گھومتے ہوئے خواجہ عثمان ہارونی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے یہ سب کیا ہے؟ کہیں یہ سفر جسمانی طور پر پایا جاتا ہے اور کہیں روحانی طور پر..... کہیں ذہنی سفر اختیار کیا گیا اور کہیں قلبی سفر سے کام لیا گیا اور امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قلمی سفر سے کام لیا کہ آپ کا قلم عندلیب عشق و محبت بن کر اپنے پیر کی صحبت میں رہا اور ہر طرح کے حرص و آرزو سے بے نیاز ہو کر اپنے پیر و مرشد کی نعمہ سرائی میں مشغول ہے کیا یہ صوفیانہ اثر نہیں ہے؟ ہاں ہاں صوفیانہ اثر ہے جو سرکار اعلیٰ حضرت کے کلام فارسی میں پایا جاتا ہے.....

چوتھی بات..... یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں: وہ دل بھی کیا دل ہے جس میں آل رسول کی محبت پائی جاتی ہے اور وہ سر بھی کیا مبارک سر ہے جو ان کے قدموں پر نثار ہے..... ان مذکورہ بالا کلمات سے جو جذبے ابھر کر سامنے آتے ہیں یہ بڑے ہی حسین اور خوبصورت جذبے ہیں جو کسی کسی انسان کو ملا کرتے ہیں ہر ایک انسان میں یہ جذبے کہاں پائے جاتے ہیں اور میں تو یہاں تک کہا کرتا ہوں یہ جذبے اسی دل میں ابھر کر

ہونا اور اس کے مقام قرب میں جگہ پالینا بھی یوں ہی حاصل نہیں ہوتا..... بلکہ اس کا محرک اگر کچھ ہے تو سرکار اعلیٰ حضرت کی صفائے قلب ہے اور تزکیہ نفس ہے..... جو خالص صوفیانہ اثر ہے اس سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے دور میں صوفیانہ تجربات اور مشاہدات سے لبریز رہا کرتے تھے..... لہذا اثابت ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے کلام فارسی میں صوفیانہ اثرات پائے جاتے ہیں..... اور بہت گہرے اثرات پائے جاتے ہیں اور لوگ تو ہلکے پھلکے اثرات کے سبب ہی صوفی کہلائے جاتے ہیں..... اور یہاں گہرے اثرات کے باوجود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں اور نہ ہی ان کے چاہنے والوں نے انہیں ”صوفی“ کے نام و لقب سے موسوم کیا ہے..... آخر ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کے پیچھے بھی بہت سارے راز چھپے ہوئے ہیں..... اس تعلق سے ہمارے قارئین خود ہی فکر کریں..... گہرائی تک پہنچیں اور پھر فیصلہ کریں..... بات خود ہی سمجھ میں آ جائیگی.....

تیسری بات..... حضور آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح و وصف نگاری کے لئے جو عنوان منتخب کیا گیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا اشعار میں جو عمومی فضا تیار ہوتی ہے اس میں قلبی کیفیات اور دل کی واردات پائی جاتی ہیں..... اور اس کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر ان کے قدموں میں نثار ہوتا چلا جا رہا ہے اور اپنی شان طمطراق کو پیچھے چھوڑتا جا رہا ہے..... انہیں تو بس ایک محبوب کی لازوال شخصیت ہی درکار ہے اور یہ شخصیت انہیں مل گئی ہے..... گزشتہ صدیوں میں پیر کی تلاش کے لئے نہ جانے کیا

سا منے آتے ہیں جو صوفیائے کرام کا دل ہوا کرتا ہے ارباب ہوش و خرد کیا جانیں؟ کہ جذبے کیا ہوتے ہیں؟ اور جذبہ لطیف سے سرشار دل کی کیا حیثیت ہوا کرتی ہے؟ انہیں تو بس وہی بات پسند آتی ہے جو ان کی سمجھ میں آتی ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر انسان کو ہر بات پسند آجائے ہر جگہ عقل کام میں نہیں آتی ہے بلکہ کچھ مقامات ایسے بھی ہوا کرتے ہیں جہاں ہوش و خرد کو چھوڑنا پڑتا ہے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے

بے خطر کو د پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشا ئے لب بام ا بھی

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے ان اشعار میں جو باتیں کہی ہیں وہ خالص عشق و محبت کے جذبات ہیں بس ان کے انہیں جذبات نے ان کے کلام فارسی کو خالص صوفیانہ شاعری بنا دیا ہے اور اس میں سوز و گداز کی ہلکی ہلکی آنچ پیدا کردی ہے جو صوفی ازم نظریات کے حامل انسانوں کو ”قرب یار“ کی لذتوں سے آشنا کرتی رہتی ہے سلامت رہیں ایسے لوگ جن کے سہارے زندگی کے ویران صحراؤں میں حیات نو کی چہل پہل برقرار رہتی ہے اگر یہ نہ ہوتے تو پھر کیا ہوتا؟ اور یہ جہاں والے کہاں رہتے؟ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زمیں کے اوپر رہیں یا پھر زمین کے نیچے بہر حال وہ ہمارے درمیان رہتے ہیں اور ان کا یہ رہنا بھی کام کرتا ہے اگر یہ کام کسی کو نظر نہ آئے تو اس میں ہم جیسے آنکھ والوں کا کیا قصور ہے؟ بلکہ یہ قصور ان کا ہے جو آنکھ رکھتے ہوئے بھی بے آنکھ دکھائی دیتا ہے

پانچویں بات یہ بات حقیقت ہے کہ تواضع، اور عجز و

انکساری صوفیوں کے یہاں پسندیدہ مضامین ہیں اسی لئے صوفیائے کرام اپنی تعلیمات میں تواضع اختیار کرنے کی نصیحت کیا کرتے ہیں اسی تواضع کو اپنانے کے لئے نفس اور اس کی خواہشات کو ترک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی ایک اچھوتے انداز میں تواضع، فروتنی اور عجز و انکساری کا ذکر کیا ہے جیسا کہ آپ کے کلام سے نمایاں ہوتا ہے کہ میرے پیر و مرشد کے دربار عالی میں تواضع اختیار کرنے والوں کے لئے بلندی ہی بلندی ہے اور جو عجز و انکساری سے کام لیتا ہے میرے پیر و مرشد اسی کو آگے بڑھاتے ہیں اور اسی کو ترقی دیا کرتے ہیں تواضع اور عجز و انکساری جیسی باتیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری صوفیانہ اثرات سے لبریز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو جو بلندی عطا ہوئی ہے اس کے پیچھے ان کا تواضع ہی تو ہے کہ ان کی شخصیت نکھر کر ایسی ہوئی کہ ان کی جیسی شخصیت نہ ان کے دور میں پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے بعد ایسی کوئی شخصیت اب تک نظر آتی ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یہ بھی فرمایا: میرے پیر و مرشد کا آستانہ زمین پر گراں قیمت ہے تو پھر ان کے آسمان اور بلندی کا کیا عالم ہوگا کوئی مصری طبیب حاذق کسی سیاہ کو سفید نہیں کر سکتا ہاں سیدی آل رسول وہ طبیب حاذق ہیں جو سیاہ دل کو بھی صاف و شفاف دل والا کر دیتا ہے جو انہیں چاہتا ہے کبھی وہ سیاہ پوش گلیم والا نہیں ہو سکتا ہے یہ وہ مضامین ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے یہ معاملہ کسی عقل کا نہیں

شاعری میں سے جن دس اشعار کا انتخاب کیا ہے وہ ابتدائی اشعار ہیں جن میں صوفیانہ اثرات کی کمی نہیں ہے اسی سلسلہ کو دراز کرتے ہوئے کچھ اور اشعار پیش کرنا چاہتے ہیں.....

دوائے تلخ مخور شہد نوش و مزہ نیوش
بیا مریض بدار الشفائے آل رسول
کڑوی دوا نہ پی، شہد پی اور خوش خبری سن
اے مریضو! آل رسول کے ”دار الشفاء“ میں آ
رسول داں شوی از نام او نمی بینی
دو حرف معرفہ در ابتدائے آل رسول
ان کے نام ہی سے رسول داں ہو جائے گا کیا تو نہیں دیکھتا؟
کہ ان کے نام کے دو حرف ہی رسول کی معرفت کرا دیتے ہیں
بخد متش نخر د باج و تاج رنگ و فرنگ
سپید بخت سیاہ سرائے آل رسول
ان کی خدمت گار کونہ ٹیکس چاہیئے نہ تاج اور نہ ہی فرنگی رنگ
آل رسول کی حویلی میں آنے سے سیاہ نصیب والا بھی سپید
ہو جاتا ہے

اگر شب است و خطر سخت ورہ نمی دانی
بند چشم و بیا بر قفائے آل رسول
اگر اندھیری رات ہے سخت خطرے اور راستہ نہیں
جاننے ہو

تو آنکھیں بند کرو اور آل رسول کے پیچھے چل دے
مرو بمیکدہ کانجا سیاہ کاراند
بیا بخانقہ نور زائے آل رسول
اس میکدہ میں ہرگز نہ جا جہاں سیاہ کار لوگ رہا کرتے ہیں

..... بلکہ دل کا معاملہ ہے اور جہاں دل کا معاملہ سامنے آجاتا ہے وہیں سے صوفیانہ اثرات کی شروعات ہوا کرتی ہے..... لہذا اس بات میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے ہوش و خرد اور فلسفہ و منطق کو پورے طور پر اپنے دل کے دائرہ میں لاتے ہوئے اس سے وہی کام لیا جو آپ کا دل کہا کرتا تھا..... اسی کا دوسرا نام ”صوفیانہ اثرات“ ہے چاہے وہ اعلیٰ حضرت کی اردو شاعری ہو چاہے وہ فارسی شاعری ہو ہر جگہ دل کا ہی معاملہ ہے اس لئے ان کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات پائے جاتے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ اثرات سطحی اور سرسری طور پر نہیں پائے جاتے ہیں بلکہ ان میں گہرائی ہے اور زبردست گہرائی ہے.....

تصوف کی دنیا میں فنا کا تصور عام طور پر پایا جاتا ہے اور فنا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بڑی شخصیت کی ضیا پاشیوں میں اپنے آپ کو گم کر دینا ہے..... ارباب طریقت کبھی اپنے آپ کو شیخ کی محبت میں فنا کر دیا کرتے ہیں اور کبھی غوث پاک کی محبت میں..... / کوئی اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے اور پھر اس منزل سے ابھرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیوں میں فنا ہونے کی منزل آتی ہے اور جو اس منزل میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ فنا فی اللہ کی جانب روانہ ہو جاتا ہے..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی اس منزل سے استفادہ کیا ہے..... جہاں تک اردو شاعری میں اس کیفیت کے پائے جانے بات ہے تو اعلیٰ پیمانہ پر پائی جاتی ہے اور جب فارسی شاعری کی بات آتی ہے تو اس میں یہ کیفیت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے..... میں نے اعلیٰ حضرت کی فارسی

سے نہیں بلکہ مختلف جہتوں سے کیا گیا ہے..... اگر صرف ایک ہی جہت سے ذکر کیا جاتا تو اس بات کا شبہ ہو سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ ذکر غیر شعوری طور پر آ گیا ہو..... مختلف جہتوں سے ذکر کئے جانے کے سبب یہ شبہ بھی جاتا رہا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت آل رسول کا ذکر کسی غیر شعوری عمل کا نہیں بلکہ شعوری عمل کا نتیجہ ہے جس میں فطری جذبات اور قلبی واردات کی دنیا آباد ہے..... اور یہ ذکر بھی کوئی خشک ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں لطف بھی پایا جاتا ہے اور لذت شاد کامی بھی..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کہیں اور کسی مقام پر اپنا کوئی ذکر نہیں کیا ہے..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ عملی طور پر ”تصور شیخ اور فنا فی الشیخ“ کی منزل پر فائز تھے..... اور آپ نے اپنی فارسی شاعری میں وہی کیا جو اس منزل کا تقاضا تھا اور اس کے آداب تھے..... اس سے بڑھ کر اور صوفیانہ اثرات کیا ہو سکتے ہیں..... میں نے تصوف کی بہت سی کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس میں ارباب تصوف کا ذکر بڑے مزے مزے سے کیا گیا ہے..... بدایوں کی تاریخ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا حضرت خواجہ عزیز کو تو وال سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور جب ملاقات ہوئی تو حضرت خواجہ عزیز کو تو وال نے بزرگوں اور ان کے واقعات و حالات کا ذکر کیا..... اسی طرح ”اخبار الاخیار“ اور ”تذکرۃ الاولیا“ میں کیا ہے بزرگوں کے حالات ان کے واقعات اور ان کی نصیحتیں پائی جاتی ہیں..... ان کتابوں میں تصوف اور سلوک کے منازل کا کہیں ذکر نہیں ملتا ہے اور پھر بھی ان کتابوں کو تصوف کی کتابوں میں شامل کیا جاتا ہے..... اعلیٰ

آل رسول کی اس خانقاہ میں آجہاں نور ہی نور ہوا کرتا ہے
مر بجلس فسق و فجور شیداں
بیا بانجمن اتقائے آل رسول
فسق و فجور کی مجلس میں نہ جا جہاں مکرو فریب والے رہا
کرتے ہیں۔

آنا ہی ہے تو آل رسول کی انجمن اتقاء میں آ
مرو بدامگہ ایں دروغ بافاں بیچ
بیا بجلوہ گہ دل کشائے آل رسول
جھوٹ گڑھنے والے کی بزم میں ہرگز نہ جا
بلکہ آل رسول کی دلکش جلوہ گاہ میں آ
ازاں بانجمن پاک سبز پوشاں رفت
کہ سبز بود دراں بزم جائے آل رسول
اسی انجمن سے بہت سے سبز پوش گزر چکے ہیں کہ اسی
بزم میں آل رسول کی مسند سبز ہوا کرتی ہے

شکست شیشہ بھر و پری بشیشہ ہنوز
زدل نمی رود جلوہ ہائے آل رسول
ہجر و فراق سے شیشہ دل ٹوٹ گیا اور پری اب تک شیشہ میں ہے
کیونکہ دل سے آل رسول کا جلوہ جاتا ہی نہیں ہے

صبا سلام اسیران بستہ بال رساں
بطائران ہوا و فضائے آل رسول
اے صبا! شکستہ بال و پر اسیروں کا سلام پہونچا دے
آل رسول کی فضا اور ہوا میں اڑنے والے پرندوں تک
مذکور بالا تمام شعروں میں کس بزرگ کا ذکر ہے؟ اس پر
غور کرنے کی ضرورت ہے..... اور یہ ذکر بھی کسی ایک جہت

پاؤں کا بوسہ ملا

منم امیر جہانگیر کج کلہ یعنی
کمینہ بندہ مسکین گدائے آل رسول
میں بھی کج کلاہ بادشاہ کا امیر ہوں یعنی
آل رسول کا گدا، مسکین اور کمینہ غلام ہوں
اگر مثال خلافت دہد فقیرے را
عجب مدار زفیض و عطائے آل رسول
اگر کسی فقیر کی حیثیت کو خلافت سے مثال دی جائے
آل رسول کی عطا و فیض سے بعید نہ سمجھ
مگیر خردہ کہ آں کس نہ اہل ایں کا است
کہ داند اہل نمودن عطائے آل رسول
نکتہ چینوں پر نہ جا کہ وہ اس کام کا اہل نہیں
کہ آل رسول کی عطا دیکھنے والے اس بات کو جانتے ہیں
بہیں تفاوت رہ از۔ کجا تا کجا
تبارک اللہ ما وثنائے آل رسول
راستہ کافرق دیکھ کہ کہاں سے کہاں تک ہے
کہ تبارک اللہ! کہاں ہم اور کہاں ثنائے آل رسول؟
مرا ز نسبت ملک امید آنکہ بہ حشر
ندا کنند بیا رضائے آل رسول
مجھے ایک بادشاہ سے نسبت ہے اور امید کہ میدان حشر میں
پکارنے والے پکاریں اے آل رسول کی رضا آؤ۔ آؤ
نسبت بڑی چیز ہوا کرتی ہے نسبت ہی سے
انسانوں میں خوبی و کمال نمایاں ہوا کرتے ہیں کمال نسبت
کے بارے میں نہ صرف میں نے سنا ہے بلکہ پڑھا بھی ہے

حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فارسی کلام میں بھی اپنے پیرو
مرشد کا ذکر کیا ہے اور اسی ذکر سے ان کی فارسی شاعری میں
صوفیانہ اثرات کے پائے جانے کا ثبوت ملتا ہے اہل علم
اس بات سے واقف ہیں کہ جب کسی فن کا تعارف کیا جاتا ہے
تو اس فن کا پس منظر موضوع اور اس کے مسائل بیان کئے
جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی التزام رہتا ہے
کہ اس فن کے ماہرین کا بھی تذکرہ کیا جائے ماہرین کا
ذکر کئے بغیر صحیح معنی میں فن کا تعارف نہیں ہو پاتا پیران
عظام اور مشائخ کرام ہی فن تصوف کے ماہرین ہوا کرتے
ہیں اس لئے ان کا تذکرہ فن تصوف کا تذکرہ ہوا کرتا ہے۔
حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کا دربار
وہ عالی دربار ہے کہ جس کی نسبت اس دربار سے ہو جاتی ہے وہ
بہت ہی بڑا بن جاتا ہے اور اس کی شخصیت کا تذکرہ ستاروں کی
انجمن میں ہونے لگتا ہے خواہ وہ کیسا بھی ہو اور اس کی حیثیت
کچھ بھی ہو لیکن اس دربار میں آنے کے بعد وہ عالی وقار اور
عظیم شان و شوکت والا بن جاتا ہے اور وہ ایسا چمکتا ہے کہ اس
کی چمک کے سامنے ماہ و خورشید کی چمک بھی ماند پڑ جاتی ہے
اسی دربار عالی وقار کی نسبت پر سرکار اعلیٰ حضرت نے بھی فخر و
ناز کا اظہار کیا ہے ملاحظہ کریں

تواضع شہ مسکین نواز را نازم

کہ ہم چوں بندہ کند بوس پائے آل رسول

مسکین کو نوازنے والے بادشاہ کے تواضع پر میں ناز کرتا

ہوں

کہ ہم جیسے بے وقعت غلام کو حضرت آل رسول کے

کا متحمل نہیں..... سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فارسی شاعری میں جہاں اپنے پیر و مرشد کا نہایت ہی تفصیل سے ذکر کیا ہے وہیں آپ نے پیر و مرشد کے پیر و مرشد حضور اچھے میاں کا بھی ذکر کیا ہے..... آپ نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے یہاں اسی کو بیان کرنا میرا مقصد ہے..... حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مارہرہ شریف کے دوسرے تمام بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ان سے امداد کی التجائیں کی ہیں..... فارسی شاعری میں اس کا عنوان درج ذیل ہے

(سلسلہ سخن تاشاخ معلانی برکاتی رسیدن و بردر آقایان
خود برسم گدائی علی اللہی کشیدن)

ترجمہ..... سلسلہ سخن کو برکاتی بلند و بالا شاخوں تک پہنچنا اور اپنے آقاؤں کے دربار تک پہنچ جاؤں اور الہی گدا بن کر آگے بڑھوں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فارسی کلام میں سرکار اچھے میاں کے لئے کیا کہا..... اور ان کے کن کمالات کا ذکر کیا ہے..... اس بارے میں تو بعد میں گفتگو کی جائے گی مگر اس فارسی کلام کا چہرہ ہی بہت کچھ بتا رہا ہے..... مارہرہ مقدسہ کی سرزمین امام احمد رضا فاضل بریلوی کے لئے کس قدر متبرک اور بابرکت تھی؟ یہ بتانا بہت مشکل ہے لیکن یہ سوچ لیجئے کہ آپ مارہرہ کے ریلوے اسٹیشن سے خانقاہ تک ننگے پاؤں جایا کرتے تھے اور اس بات کا تصور فرمایا کرتے تھے کہ اس مقدس زمیں پر جوتی پہن کر چلنا ایک نوع سوء بے ادبی ہے..... یہ چہرہ ہی صوفیانہ شاعری کا نمائندہ اور ترجمان دکھائی دیتا ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعلیٰ حضرت

اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے..... ایک میں ہی نہیں بلکہ بہترے لوگوں نے دیکھا ہے اور اسے سمجھا بھی ہے..... تصوف میں اسی نسبت پر زور دیا جاتا ہے..... اور اگریوں کہا جائے کہ پورافن تصوف اسی نسبت عالی پر قائم ہیں تو کوئی غلط بات نہ ہوگی..... مثال کے طور پر مجھے نسبت ہے سرکار مفتی اعظم ہند سے اور انہیں سرکار اعلیٰ حضرت سے نسبت ہے اور اعلیٰ حضرت کو حضور آل رسول سے نسبت حاصل ہے..... اور انہیں سرکار اچھے میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے..... نسبت اور صاحب نسبت کا تذکرہ بھی صوفیائے کرام کے اثرات میں سے ہے اس بات کو نظر انداز نہ کیا جائے..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسی صوفیانہ اثر کا جا بجا تذکرہ فرمایا ہے اس بنیاد پر ان کی فارسی شاعری میں یہ اثرات بھی پائے جاتے ہیں..... بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا سلسلہ اور زیادہ دراز ہوتا ہے.....

حضرت سیدنا الشاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دادا پیر و مرشد ہیں..... آپ ۲۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ میں سرزمین مارہرہ شریف میں پیدا ہوئے اور سارے جہاں کو اپنی ضیاء بار کرونوں سے منور و تاباں فرما کر ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ میں وصال فرما گئے..... آپ کا مزار پاک مارہرہ شریف میں واقع ہے..... آپ کی زندگی کے حالات - تعلیم و تربیت کے تعلق سے معلومات حاصل کرنے کے لئے مولانا عبد المجتبیٰ صاحب کی کتاب ”مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ“ کا مطالعہ کریں اس کتاب سے آپ کی معلومات میں زبردست اضافہ ہوگا..... یہاں کسی تعارف کی اجازت نہیں کہ مقالہ اس

اے سراپا چشم گشتہ در شہود عین ہو
 زان سبب کردند نامت عینیا امداد کن
 عین ذات کے شہود میں اے سراپا چشم!
 اس لئے تیرا نام عینی ہے امداد کر
 یا ابو الفضل آل احمد حضرت اچھے میاں
 شاہ شمس الدین ضیاء الاصفیاء امداد کن
 اے ابو الفضل آل احمد حضرت اچھے میاں
 شاہ شمس الدین اے اصفیاء کی ضیا مدد کر
 وحی برجد تولا یا نائل اولو الفضل آمدہ است
 بندۂ بے برگ را فضل و غنا امداد کن
 تیرے جد پر وحی نازل ہوئی کہ فضل والے قسم نہیں کھاتے
 اس بندۂ ناچیز کے فضل و غنا امداد کر
 گو نہ ہجرت کردم از اثم و غی ارزم بقرب
 آخر این در رانیم مسکین گدا امداد کن
 اگرچہ میں گناہ و معصیت نہ چھوڑ سکا پھر بھی قرب پالیا
 آخر اس در پر مسکین و گدا بن کر آگیا امداد کر
 اے کہ تو شمس و کرامتہائے تو مثل نجوم
 اے عجب ہم مہر و ہم انجم نما امداد کن
 تو شمس ہے تیری کرامتیں ستاروں کی مثل
 کیا عجب! مہر و انجم کے رہ نما امداد کر
 من سرت کردم دے دیگر ز شرق خرق تاب
 آفتابا در شب داجم بیا امداد کن
 میں کچھ ہی چلا اور دوسرے مشرق سے چمکتا دکھتا
 اے آفتاب! میری سیاہ رات میں آ اور امداد کر

فاصل بریلوی اپنے بزرگوں سے فیوض و برکات کے حصول
 کے لئے چلتے ہی رہے ہیں..... کہیں آپ رکے نہیں۔ اور
 تصوف کے فن میں اسی طرح کے چلنے کو کامیاب مانا جاتا ہے
 کسی ایک مقام پر ٹھہر جانے کو ناقص اور غیر کامل تصور کیا جاتا
 ہے جیسا کہ تصوف کے مزاج کو جاننے کے بعد اندازہ ہوتا ہے
 اب ہم فارسی کے ان اشعار کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے ہیں
 جو حضور قبلہ اچھے میاں رضی اللہ تعالیٰ اور بزرگان مارہرہ شریف
 کے تعلق سے کہے گئے ہیں.....

شاہ برکات اے ابو البرکات اے سلطان جود
 بارک اللہ اے مبارک بادشاہ امداد کن
 شاہ برکات اے ابو البرکات اے بادشاہ کرم
 بارک اللہ اے مبارک بادشاہ امداد کر
 عشقی اے مقتول عشق اے خون بہایت عین ذات
 اے زجاں بگشتہ جاناں واصل امداد کن
 اے عشقی تو مقتول عشق اور خون بہا عین ذات
 اے جاں سے گزر کر جاناں تک واصل امداد کر
 بے خودا و باخدا آل محمد مصطفیٰ
 سیدا حق واجدا یا مقتدا امداد کن
 اے بے خود اور خدا والے آل محمد مصطفیٰ
 سردار! حق رسا! اے مقتدا امداد کر
 اے حریم طیبہ توحید را کوہ اُحد
 یا جبل یا حمزہ یا شیر خدا امداد کن
 اے حریم پاک! توحید کے کوہ اُحد
 اے جبل! اے حمزہ اے شیر خدا امداد کر

تاجدار حضرت مارہرہ یا آل رسول

اے خدا خواہ و جدا از ماعدا امداد کن

حضرت مارہرہ کے تاجدار اے آل رسول

اے خدا والے ماسوا سے جدا والے امداد کر

اے شہ والا عمیم آل عظیم المرتبہ

اے پئے الا ذبیح تیغ لا امداد کن

اے شہ والا، عام نعمت اور عظیم مرتبہ والے

اے الا کے پیرو کار اور شمشیر لا کے ذبیح امداد کر

نائل جود از نئے زانیم مرا سیراب ساز

نوگل جود از شے جانم فزا امداد کن

اے کرم والے اسی سمند کی نمی سے مجھے سیراب کر

کرم کے نوخیز گل خوشبو سے جاں فزا امداد کر

اے عجب غیبے ترا مشہود از غیب مشہود

دیدہ از خود بستی و دیدی خدا امداد کن

کیا عجب؟ غیب مشہود سے کوئی غیب مشہود ہو جائے

آنکھیں موند کر اے خدا میں امداد کر

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی فارسی شاعری کے مندرجہ

بالا اشعار نہایت ہی اہم ہیں اور بلند خیالات پر مبنی ہیں

..... ان میں جو جذبات و احساسات اور سوز دروں بیان کی گئی

ہے وہ صرف صوفیانہ اثرات ہی نہیں بلکہ ان میں کچھ ایسی

فضائی کیفیات پائی جاتی ہیں جو واقعی طور پر صوفیانہ اثرات

کے لئے سرچشمہ حیات ثابت ہوا کرتی ہیں..... عملی طور پر جن

لفظوں سے صوفیانہ اثرات نمایاں ہوتے ہیں ذیل میں درج

کیا جا رہے ہیں

عشقی..... مقتول عشق..... نگوں بہایت عین ذات

..... زجاں بگزشتنہ..... جانان و اصلا..... بے خود..... با خدا

..... حق واجدا..... سراپا چشم گشتہ..... شہود عین هو..... حمزہ

..... اچھے میاں..... ابو الفضل..... ضیاء الاصفیاء..... بندہ بے

برگ..... ارزم بقرب..... کرامتہائے..... آل رسول

..... خدا خواہ..... پئے الا..... تیغ لا..... نائل جود..... نمی زانیم

..... نوگل جود..... شے جانم فزا..... مشہود..... غیب مشہود..... وغیرہ

یہ وہ الفاظ ہیں جو دلوں کی ترجمانی کرتے ہیں اور

اندرون قلب کی کیفیات کو بیان کرتے ہیں اس کے ساتھ

ساتھ ان کے مفاہیم میں جو جمالیاتی کیفیات پائی جاتی ہیں وہ

ہمارے بیاں سے باہر ہیں ان میں سوز بھی ہے اور ساز بھی ہے

..... ان لفظوں میں تصوف کے بہت سے زاویے بھی کھلتے ہیں

..... اس قسم کے اثرات جہاں بھی بیان کئے جائیں..... نثر

میں یا نظم میں..... ہم کیا کوئی اور بھی ایسے ”شعری ادب“ کو

جس میں یہ اثرات پائے جائیں..... اسے تصوف کی شاعری

ہی کہے گا..... اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس میں جمالیاتی

تحریکات بھی ہیں اور اندرونی کرب و اضطراب بھی ہے

..... امید ورجا بھی پائے جاتے ہیں..... اور کہیں کہیں انتظار کی

کیفیت بھی..... واہ کیا شاعری ہے؟ جس سے روح کو تسکین

ہوتی ہے اور ذہن کو سکون ملتا ہے ایمان بھی تازہ ہوتا ہے اور

اسی سے مضحل دلوں کو قوت و طاقت بھی نصیب ہوا کرتی ہے

..... میں نے بہت سے شاعروں کے کلام کو دیکھا ہے اور اسے

پرکھا بھی ہے مگر جو بات اعلیٰ حضرت کی فارسی شاعری میں ہے

جو لطف و مزے ملتے ہیں وہ کہیں دستیاب نہیں..... اس طرح

کاں رسولی می رود غیرت برا امداد کن
اگر میں دوزخ میں چلا تو میں لوگ یہی کہیں گے
دیکھو! وہ رسولی جا رہا ہے اے غیرت والے آقا میری امداد کریں
عار باشد بر شبان دہ اگر ضائع شود
یک رسن در دشت یا حامی الحی امداد کن
چروہوں کے لئے باعث عار ہوتا اگر ضائع ہو جائے
ایک رسی جنگل میں، اے چراہ گاہوں کے نگہباں میری امداد
کریں۔

ان پانچ شعروں میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ امام احمد رضا
فاضل بریلوی کی فکر اور ان کے عرض حال کا خلاصہ ہے
..... ان شعروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو
اپنے پیر اور اپنے مرشد کے حوالہ کر دیا ہے..... واہ کیا انداز
سپردگی ہے؟

میں غلام آپ آقا! ایک غلام کے حق میں حکم تو آپ ہی
کا نافذ ہے..... تو پھر میں کیوں کہوں؟ مجھے چھوڑ دے
یا میری امداد کر..... آپ کریم ہیں اور خاندانی کریم
ہیں آپ ہم پر سختی کریں یا میری امداد کریں..... یہ سر
بھی حاضر ہے اور یہ جاں بھی پیش خدمت ہے..... یہ
تو آپ کا حق ہے..... آپ کے دست پاک میں اپنا
ہاتھ دیا ہے تو اس کا پاس و لحاظ بھی آپ ہی کریں گے تو
آپ جانیں آپ کیا کریں گے۔ بس میری تو یہ التجا ہے
میری مدد کریں..... اور اگر آپ کا یہ خانہ زاد غلام دوزخ
میں چلا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ایک رسولی جا رہا
ہے تو یہ آپ کو گوارا نہ ہوگا کہ آپ تو غیرت مند آقا ہیں

کی اور بھی بہت سی منزلیں ہیں جہاں امام احمد رضا فن تصوف
کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کی شخصیت کا جلوہ رنگیں
لفظوں کے آئینے میں اس طرح نمایاں ہوا ہے کہ کوئی اگر وہاں
سے اسے الگ کرنا چاہے جب بھی الگ نہیں کر سکتا ہے
..... اس منزل کو عبور کرتے ہوئے ایک بلند و بالا منزل پر چلتے
ہیں جہاں سب کچھ ہے.....

میں نے فارسی شاعری کے جن اشعار کے تعلق سے گفتگو
کی ہے اسی زمین اور اسی اسلوب میں پانچ اشعار ایسے ہیں
جنہیں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ”خلاصہ فکر و عرض حال
“ کا نام دیا ہے۔ ان اشعار پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے میں
مناسب سمجھتا ہوں پہلے یہ اشعار آپ کے گوش گزار کر دوں

بندہ ام والا مر امرک آنچہ دانی کن بمن
من نمی گویم مرا بگزار یا امداد کن
میں غلام ہوں اختیار آپ کو ہے جو چاہیں کریں
میں کچھ نہیں کہتا مجھے چھوڑ دیں یا میری امداد کریں
خانہ زادان کریمیاں گر بشدت می زیند
ایں من و اینک سرم درنے مرا امداد کن
خاندانی کرم والے اگر شدت سے کام لیں
میں ہوں اور میرا سر ہے ورنہ میری امداد کریں
دست من بگرفتی و برتست پاش بعد ازیں
یا تو دانی یا ہماں دست تو یا امداد کن
تو نے میرا ہاتھ تھام لیا ہے اس کا لحاظ فرمائیں
آپ جانیں یا پھر وہ دست پاک یا میری امداد کریں
گر بدوزخ می روم آخر ہی گویند خلق

روکی ہوا کرتی ہے یعنی نہایت ہی سبک روی کے ساتھ پانی چلتا ہے اور خراماں خراماں چلا کرتا ہے بچینہ یہی صورت دل کی گہرائیوں میں پائے جانے والے جذبات و احساسات کے روکی ہوا کرتی ہے..... عشق ہو یا محبت ہونہ اس میں طغیانی جیسی سرکشی پائی جاتی ہے اور نہ اس کی تلاطم خیزی کسی بربادی کی طرف لے جاتی ہے..... کہ کوئی محبت میں برباد نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی عشق کسی کے لئے بری خبر لے کر آتا ہے..... اور جب کوئی عشق میں خانہ خراب ہوتا ہے یا اس کی زندگی کا سب کچھ لٹ جاتا ہے اور عشق کرنے والا کہیں کا نہیں رہتا ہے تو صحیح معنی میں یہ عشق نہیں ہوتا ہے نفس پرستی ہوا کرتی ہے..... اور ایسا بھی ممکن ہے کہ عشق کے تعلق سے بربادی کا واقع ہونا..... یہ خیال ہمارے سماج کے کچھ افراد کا ہو..... انہوں نے اپنے خیال کی تشکیل میں کہیں نہ کہیں کسی غلط سوچ اور غیر معیاری فکر سے کام لیا ہے انہیں اپنے خیال کی اصلاح کر لینا چاہیئے..... اس بارے میں دانشوروں کا خیال ہے جو بھی خانہ خراب ہو رہا ہے یا اس کی زندگی میں بربادی نے قدم رکھ دیا ہے تو اس کی وجہ عشق نہیں اور نہ ہی محبت ہے..... اس کی بربادی کا سبب اس کی اپنی نفسانیت ہے اور نفسانی خواہشات ہے..... جس طرح کوئی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ لیتا ہے اسی طرح ہمارے سماج کے کچھ افراد نے نفسانی خواہشات کو عشق و محبت سمجھ رکھا ہے اور پھر بربادی کو عشق و محبت کی جانب منسوب کر دیا ہے..... جب کہ ایسا قطعاً نہیں ہے تاریخ میں ایسے ہزاروں افراد ہیں جنہوں نے عشق کیا اور عشق ہی میں مر گئے تو ان کا نام آج بھی روشن ہے ان کے کردار ماہ و خورشید

آپ ضرور میری مدد کریں گے..... ہاں! مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ چرواہوں کے لئے یہ بات باعث شرم ضرور ہوتی ہے جب اس کی کوئی رسی جنگل میں گم ہو جاتی ہے تو پھر میرا دوزخ میں جانا کیوں کر پسند کریں گے۔ اے چراگا ہوں کے نگہباں میری امداد کریں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں جن شعروں کا انتخاب کیا گیا ہے ان تمام شعروں کا تعلق بزرگان مارہرہ شریف سے ہے اور خاص طور سے حضرت سیدنا الشاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ان تمام شعروں میں جس رشتہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ رشتہ ایک غلام اور ایک آقا کا ہوا کرتا ہے..... ایک غلام کی حیثیت سراپا انتظار کی ہوا کرتی ہے اور آقا تو بہر حال آقا ہے وہ غلام کے جان و مال..... فکرو شعور..... اور روح و جسم کا مالک ہوا کرتا ہے آقا ہونے کی حیثیت سے انہیں اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے اس بارے میں کسی غلام کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے..... بس اسی جذبہ و احساس کا دوسرا نام ”صوفیانہ اثر“ ہے اور یہ اثر جس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اردو شاعری میں پایا جاتا ہے اسی طرح ان کی فارسی شاعری میں بھی پایا جاتا ہے.....

یہ بات کسی حد تک مشاہدہ میں آچکی ہے کہ عشق و محبت..... پیار و خلوص..... والہانہ عقیدت..... عجز و انکساری..... اور دلوں کی گہرائی میں جس قدر بھی جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں ان میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے مگر اس کی رفتار کا عالم وہی ہوتا ہے جو رفتار سمندر کی گہرائی میں پانی کی

کے تذکرے کو کہاں سے شروع کیا جائے اور کہاں پر ختم کیا جائے؟ ان کا تذکرہ ہی اس طرح کا ہے کہ اس کی ابتدا بھی انتہا کی مانند ہے اور انتہا بھی ابتدا کی طرح تاباں اور درخشاں ہے..... بہر حال کہیں نہ کہیں سے تو شروع کرنا ہی پڑے گا.....

امام احمد رضا اور وظیفہ قادریہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۳۲۱ھ میں ”وظیفہ قادریہ“ کے نام سے ایک نظم تحریر کی ہے اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس نظم میں جن احساسات و جذبات اور افکار و خیالات کو پیش کیا ہے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کے حوالے سے پیش کیا ہے براہ راست پیش نہیں کیا ہے..... سب سے پہلے انہوں نے حضرت غوث پاک کے ایک شعر کو پیش کیا ہے پھر آپ نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے اس کے بعد اپنے پاکیزہ اور لطیف خیالات کو پیش کیا ہے..... اس طریقہ پیش کش کو شاعری کی زبان میں ”تضمین“ کہا جاتا ہے..... تضمین کہنا آسان کام نہیں بلکہ اس کے لئے بہت سی دشواری اور مشکل ترین وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور جس کے کلام پر تضمین کی جا رہی ہے اس کے ہم خیال اور ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہوا کرتا ہے..... اس کے علاوہ ذہنی طور پر قربت بھی ضروری ہوا کرتی ہے بغیر اس ذہنی قربت کے کوئی تضمین کر ہی نہیں سکتا ہے..... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ”قصیدہ غوثیہ اور اپنی تضمین“ کو ”وظیفہ قادریہ“ کا نام دیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک وہ اس قدر محترم اور محتشم بالشان ہے کہ اسے اپنے ورد میں رکھا اور اسے

کی مانند چمکتے ہیں اور پھولوں کی مانند خوشبو دیا کرتے ہیں..... حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی عشق کیا..... عشق ہی سے کام لیا انہوں نے اپنے اکابر سے اپنے مشائخ سے اور اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے عشق کیا ہے..... ان کا عشق نہایت ہی پاکیزہ عشق تھا ان کے عشق نے ارتقائی سفر کیا..... اپنے پیرومرشد سے عشق کیا پھر حضور اچھے میاں سے عشق کیا حضرت شاہ برکات سے عشق کیا اسی طرح مرحلہ وار عشق کرتے ہوئے حضرت سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جناب میں حاضر ہوئے چونکہ ان کا قلب نازک نہایت درجہ تک صاف شفاف تھا..... اسی شفافیت کا نتیجہ ہے کہ ان کے عشق کی تابناکی دل کے حدود سے باہر نکلی اور چہرہ و مہرہ تک جا پہنچی اور وہاں سے منتقل ہو کر ان کے قلم میں ڈھل گئی اور پھر قلم پاک نے تحریروں میں تابناکی پیدا کر دی ہے یہی سبب ہے کہ ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ شب دیبجور میں ستاروں کی مثل چمک رہا ہے..... اسی لئے میں کہا کرتا ہوں انہوں نے بزرگوں کی شان میں جو کچھ بھی کہا ہے اس میں عشق کی روشنی پائی جاتی ہے اور خوشبوئیں رچی بسی ہیں..... ان کی شاعری سے کون کس قدر خوشبوؤں کو کشید کرتا ہے؟ یہ ان کی شخصیت اور اس کی صلاحیت پر موقوف ہے..... جس نے اس راز کو سمجھا اس نے استفادہ تام کیا اور جس نے نہیں سمجھا وہ استفادہ سے بھی نا سمجھ ہو گیا..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں سب سے زیادہ حضرت سیدنا غوث پاک کا ہی تذکرہ ملتا ہے..... آپ نے مختلف انداز میں اور مختلف جہتوں سے ان کا تذکرہ کیا ہے..... مجھے کیا بلکہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ان

مطلب خیز تشریح..... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے کلام میں لفظ ”الصلّا“ کا استعمال کیا ہے لغت میں اس کے دو معانی آتے ہیں..... اول معنی دعوت عام ہے اور دوسرا معنی اس لفظ کے ذریعہ کسی کو کھانے کے لئے بلا یا جاتا ہے گویا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یوں پکارا..... قادری دسترخوان سے بچی کھچی کھانے والو! آؤ! کہ قادری شاہ دینے پر ہے اور یہاں صہبا بھی جوش پر ہے..... اگر وہ دینے اور عطا کرنے پر نہ ہوتے تو پھر یہ انتظام و انصرام کس لئے ہے؟ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت دربارِ غوث میں ہمارے بھی نمائندے ہیں اور غوث پاک کی جانب سے قادریت کے ترجمان بھی ہیں.....

فارسی اشعار

سعنت و مشنت لنحوی فی کؤس
شد دواں در جامہا سویم رواں
والہ سکرم شدم در سردراں
شکر تو از ذکر و فکر اکبر بود
سکر کو چوں حکم خود بر می رود
سوئے مے بر بوئے مے مرداں رواں
بادہ خود سویت پپائے سر دواں
اردو ترجمہ.....

شراب خود جاموں میں ہو کر میری جانب دوڑی
ہوئی آئی..... شرابِ محبت پی کر میں سرداروں کے
درمیاں مدہوش ہو گیا..... تیرا شکر تو اللہ تعالیٰ کے فکرو
ذکر کے سبب ادا ہوا کرتا ہے..... اور سکر کو جو حکم ملتا

حصول برکت کے طور پر استعمال کیا اس کے ورد میں جو ساعتیں صرف ہوں وہ کس قدر پاکیزہ ہونگی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے اور میرا اذعان بول رہا ہے اس کے لکھنے میں میری جو ساعتیں صرف ہو رہی ہیں ان میں بھی میرے غوث پاک کی نظر عنایت برابر میرے اوپر رہیں گی اور اس دولتِ سرمدی سے نہ صرف ہم مالا مال ہونگے بلکہ وہ بھی مالا مال ہوگا جو اس کا مطالعہ کرے گا..... اسی جذبہِ خلوص کے ساتھ اس کا ترجمہ اور تشریح ذیل میں ملاحظہ کریں۔

فارسی اشعار

سقانی الحب کأسات الوصالی
فقلت لخمرتی نحوی تعالی
داد عشقم جام وصل کبریا
پس بگفتم بادہ ام را سویم مرا
الصلّا اے فضلہ خوران حضور
شاہ بر جود ست و صہبا در وفور
بخش کردن گر نہ عزم خسروی ست
آخر این نوشیدہ خواندن بہر چہست
اردو ترجمہ

عشق نے مجھے وصل کبریا کا جام دیا..... میں
نے شراب سے کہا میری طرف بھی آ..... دعوت عام
ہے اے حضور کے جھوٹا کھانے والوں کے لئے
..... کہ شاہِ بخشش پر ہے اور صہبا یعنی شرابِ جوش پر
..... اگر بادشاہ کا ارادہ کسی کو عطا کرنے کا نہیں..... تو
پھر یہ کھلانا اور پلانا کس لئے ہے.....

ہے وہ بجالاتا ہے..... شراب کی جانب شراب کی بو کے پیچھے لوگ دوڑتے آئے اور خود بادہ تیرے پاس سر کے پاؤں سے بھاگتی ہوئی آئی.....

تشریح..... کیا خوب انتظام میکدہ ہے کہ بادہ از خود جام میں ہو ہو کر سر پٹ دوڑتا ہوا آ رہا ہے..... ایک شکر ہوتا ہے اور دوسرا سکر..... شکر تو ذکر و فکر سے ادا ہو جاتا ہے اب رہی بات سکر کی تو اس کا یہ حال ہے کہ اسے جو حکم ملتا ہے وہی بجالیتا ہے..... اور لوگ تو مے کی بو کو سونگھ کر اس کے پیچھے بھاگا کرتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ مے خود سر پر پاؤں رکھ کر دوڑتی ہوئی آتی ہے..... یہ بلند رتبہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا.....

فارسی اشعار

فقلت لسائر الاقطاب لموا
بحالی وادخلوا انتم رجالی
گفتم اے قطباں بعون شان من
جملہ آسیدتاں مردان من
جمع خواندی تا قوی دلہا شوند
ہم از عون حال خود دادی کمند
ورنہ تا بام حضور تو صعود
حاش للہ تاب و یارائے کہ بود
اردو ترجمے.....

میں نے کہا: اے تمام جہاں کے
اقطاب! سب کے سب میری شان
بلندی کی حمایت میں آ جاؤ کہ تم سب
کے سب میرے ہی افر اور جال ہو تم نے

تمام اقطاب جہاں کو اس لئے جمع کیا
تاکہ ان کے دل قوی ہو جائیں..... اس
طرح آپ نے اپنی شان امداد کا کمند
سب لوگوں پر ڈال دیا..... ورنہ تیرے
حضور کی چوکھٹ پر کون آ سکتا ہے؟ نعوذ
باللہ کس میں ایسی طاقت تو انائی ہے؟

تشریح..... ویسے ان اشعار کا مطلب تو ظاہر ہے کہ
حضرت سید غوث اعظم کی شان بلندی؟ کیا کہنا؟ اس بارے
میں کون کیا کہہ سکتا ہے؟ انہوں نے سب کو اپنے ارد گرد اس
لئے بلایا تاکہ یہ سب کے سب قوی ہو جائیں ورنہ تیرے
حضور کی چوکھٹ پہ قدم رکھنے کی کس میں جرأت و ہمت ہے؟

فارسی اشعار

وہموا واشربوا انتم جنودی
فساقتی القوم بالوافی فی ملال
ہمت آرید وخورید اے لشکر
ساقیم دادہ لبالب از کرم
شکر حق جام تو لبریز مے ست
ہر لبالب را چکیدن درپئے ست
تا بما ہم آید انشاء اعظیم
آن نصیب الارض من کأس الکریم
اردو ترجمے.....

ہمت جھاؤ اور پیو اے میرے لشکروں..... کہ ساقی نے
مجھے کرم سے بھرا ہوا جام دیا ہے..... حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ تیرا
جام مے سے لبریز ہے..... اور ہر بھرے ہوئے جام کو ایک

یلے جود شہم گفتہ ملائے
مے طلب لانشنوی ایں جانہ لائے
اردو ترجمے.....

میں سرشار ہو گیا اور تم لوگوں نے
میرے جھوٹے کو چکھا..... تیرا چہرہ میری
بلندی اور قرب کو کیسے پہنچ سکتا ہے
؟..... ان کے جھوٹے پر گزر بسر کرنے
والے بادشاہ ہیں اور میں گدا..... میرا یہ
نصیب کہاں کہ میں اس شراب کی تلچھٹ
کا کوئی قطرہ چاہوں؟ واہ کیا خوب
میرے شاہ کی بخشش؟ کہا جائے کہ وہ
بھری پری ہے..... اسی لئے مے کا
طالب نہ لاسنتا ہے اور نہ ہی اسے تلچھٹ
دیا جاتا ہے بلکہ وہ دینے پر آتا ہے تو بھر
پور دیا کرتا ہے.....

تشریح..... میرے غوث کی کیا شان زیبائی ہے؟ کہ
جب وہ سرشار ہوا کرتا ہے تب کسی کو کچھ ملا کرتا ہے..... جب
یہ حالت ہے تو کوئی بھی ان کے قرب اور بلندی تک کیسے پہنچ
سکتا ہے؟ جب ان کے جھوٹے کھانے والے بادشاہ ہو جاتے
ہیں تو ہم جیسے گداؤں کا کیا ہوگا؟ مگر میرے شاہ کا کرم تو دیکھو!
جب وہ کسی کو دینے پر آتا ہے تو نہ تلچھٹ دیتا ہے اور نہ کسی کو کہتا
ہے..... جب وہ کسی کو نہ کہتا ہے اور نہ کسی کو تلچھٹ دیتا ہے تو پھر
مجھے بھی یقین ہے کہ وہ جب بھی دے گا تو بھر پور دے گا.....

مقام کمال علیٰ ولكن جمعا ولكن

کے بعد ایک کو چکھنا ہے..... اور مجھ تک بھی وہ جام آئے گا ان
شاء اعظم..... کیونکہ وہ زمین کا حصہ ہے کریم کے کاسہ سے
تشریح..... حضرت غوث اعظم نے اپنے دور کے تمام
اقطاب کو اپنے لشکروں میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: ہمت کرو
اور پیو کہ مجھے ساتی نے بھرا ہوا جام دیا ہے اس کے بعد اعلیٰ
حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر عظیم ہے کہ میرے غوث
کو بھرا ہوا جام ملا ہے اور جب ایسی بات ہے تو وہ جام مجھ تک
ضرور آئے گا کیونکہ کریم کے جام و مینا میں سوکھی ہوئی زمین کا
بھی حصہ ہوا کرتا ہے.....

مقام غوریہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بارگاہ
غوثیت سے یہ امید لگا رکھی ہے کہ جو جام محبت سرکار غوث کو ملا
ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے کہ شاہوں کے
جام میں سوکھی ہوئی زمین کا بھی حصہ ہوا کرتا ہے اپنے آپ کو
سوکھی ہوئی زمین سے تعبیر کرنا کس قدر معنی خیز ہے؟ اسے کون
بیان کر سکتا ہے بس یہی تعبیر انہیں اہل تصوف کی جماعت میں
اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے اسی لئے میں نے اپنے ایک مقالے کا
عنوان ہی ”مجدد اقداریت“ کو قرار دیا ہے جو ”مسلك اعلیٰ
حضرت منظر پس منظر جلد اول“ میں شامل ہے.....

نشر بتم فضلتي من بعد سکری
ولا نلتم علوی واتصالی
من شدم سرشار وسورم می چشید
رخت تا قرب وعلوم کے کشید
فضله خورانش شہاں و من گدائے
روئے آنم کو کہ خواہم قطرہ لائے

بریلوی نے اس میں صنعت اتصالی تربیحی سے کام لیا ہے

فارسی اشعار

انا فی حضرة التقريب وحدى
يصرفنى وحسبى ذوالجلال
یکہ در قریم خدا گردانم
حال و کافی آں جلیل واحدم
ایکہ می گردانت آں یک نہ غیر
حال ما گرداں زشرها سوئے خیر
تاج قربش شادماں برسر بنہ
شئی للہ قرب خود مارا بدہ
اردو ترجمے.....

خدا کے قرب میں، میں ایک ہوں..... جو میرے حال کو
پھیر رہا ہے وہ جلیل واحد میرے لئے کافی ہے..... وہ جو تجھے
پھیر رہا ہے ایک ہے اس کے سوا کوئی غیر نہیں..... میرے حال
کو بھی پھیر دے برائیوں سے خیر کی جانب..... تاج قربت
واہ واہ اپنے سر پاک پر رکھ لے اللہ کے لئے اپنے قرب میں
سے کچھ مجھے بھی عطا کر دے

تشریح..... اس مجلس قرب میں تنہا غوث اعظم ہیں ان کے
سوا کوئی غیر نہیں وہی ان کے احوال زندگی اور مقامات کو ترقی دیتا
ہے میرے غوث پاک کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اہل دنیا کی حاجت
نہیں..... سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بارگاہ غوثیت میں یہ
التماس پیش کی ہے اس قرب میں سے مجھے بھی کچھ عطا کر دے
..... میرا اذعان بول رہا ہے کہ غوث پاک نے اس قرب میں
سے عطا کر دیا ہے اسی لئے پوری دنیا میں ان کی ذات اور ان

مقامی فوقکم مازال عالی
جائے تاں بالا ولے جایم بود
فوق تاں از روز اول تا ابد
جات بالاتر زوہم جائہا
جائہا خود ہست بہر پائہا
پائہا چہ بود کہ سرہا زیر پات
پات ہم کے چوں فرود آئی زجات
اردو ترجمے.....

تم لوگوں کی جگہ بلند لیکن میری جگہ..... ان سے بلند روز
اول سے ابد تک..... تیری جگہ ان کی جگہوں کے وہم سے بھی بلند تر
..... خود ان کی جگہ تیرے پاؤں میں ہے..... پاؤں کی کیا بات
؟ ان کے سر تیرے زیر پائیں..... تیرے پاؤں کو بھی کیسے پہنچ
سکتے جب تو اپنے منصب سے نیچے آئے..... تو ظاہری بات ہے
ان اقطاب جہاں کے سر نیاز بھی نیچے ہوتے چلیں گے اس لئے
آپ کے پائے مبارک سے ان کے سروں کے مس ہونے کا کوئی
مطلب نہیں ہوتا..... ہاں حصول برکت کے لئے سارے جہاں
کے اولیا اپنے سروں کو غوث پاک کے مبارک تلوؤں سے مس کر
سکتے ہیں اور یہی قرین قیاس ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
اپنی اردو شاعری میں ارشاد فرماتے ہیں.....

واہ کیا مرتبہ؟ اے غوث! ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
اس بند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے امام احمد رضا فاضل

کے شرعی نظریات و رجحانات حق و باطل کے مابین امتیازی شان رکھتی ہیں..... یہ فیض و برکت ہے سیدنا غوث اعظم کی.....

فارسی اشعار

انا البازی اشہب کل شیخ
ومن ذا فی الرجال أعطی مثالی
باز اشہب ما وشیخان چوں حمام
کیست در مرداں کہ چوں من یافت کام
حبذا شہباز طیرستان قدس
اے شکار پنچہ ات مرغان قدس
شادماں بر قمری کو تر بزن
گہ نگہ برختہ چغدے ہم فلگن
اردو ترجمے

ہمارے شیخ طاقت و ر باز ہیں اور حضرات شیوخ مثل

کبوتر..... کون ہے؟ مردوں میں جو میری مانند مراد کو پالے..... مبارک ہو اے قدسی پرندوں کے شہباز..... اے شکار تیرا پنچہ مرغان قدس تک پہنچا ہوا ہے..... خوشیاں ہوں قمری کے لئے کہ وہ خوش آواز ہے..... اس زخمی کمترین پر بھی ایک نظر ہو۔

تشریح..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے آپ کو زخمی کہا ہے اور کمترین سے بھی تعبیر کیا ہے اس کے بعد بارگاہِ غوثیت سے نگاہِ کرم کی درخواست کی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے آپ کو غوث پاک کی محبت میں خود کو فنا کر دیا ہے اس کے ساتھ ہی آپ نے قمری جیسے خوش نغمہ سنج کے لئے جذبہ مسرت کا اظہار فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے دل میں

کسی قسم کا حسد کا مادہ نہیں ایک صوفی کا مزاج بھی اسی طرح کا ہوا کرتا ہے یہ بند خالص صوفیانہ جذبہ کی حامل ہے.....

یہ نظم بڑی طویل نظم ہے..... اس کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا غوث اعظم نے اپنے ہندی نژاد غلام کے لئے فیض و برکت کا دریا جاری کر دیا ہے..... اور امام احمد رضا فاضل بریلوی اس سے سیراب ہو رہے ہیں اور انوار و تجلیات سے نہال ہو رہے ہیں..... طبیعت چاہ رہی تھی کے اس پوری نظم پر گفتگو کروں مگر صفحات کی تنگی کے سبب ایسا نہ کر سکا..... میں نے اب تک جس قدر لکھ دیا ہے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے فارسی کلام میں تصوف کے اثرات کس حد تک پائے جاتے ہیں اور یہ اثرات کس قدر گہرے ہیں؟ سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فارسی کلام اور بھی ہیں..... مثنوی رد امثالیہ بھی ہے..... یہ مثنوی زبیاں و بیان..... فصاحت و بلاغت اور حسن بیان میں اپنی مثال آپ ہے اس میں بھی انفرادیت پائی جاتی ہے اب تک کسی بھی زبان و ادب کی مثنویوں کی جو روایت رہی ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس روایت سے ہٹ کر اپنی مثنوی رد امثالیہ تصنیف کی ہے اس کا رنگ و آہنگ اور زبان و بیان میں اسی طرح اس کے اسلوب میں ندرت و بانگین پایا جاتا ہے..... انشاء اللہ جب کبھی موقع ملے گا اس پر لکھنے کی کوشش کی جائیگی.....

محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی

صدر مدرس مدرسہ مئیس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

۱۹ ستمبر ۲۰۱۹ء

باب ہفتم تعاقبات

مسئلہ رویت ہلال: پس منظر و پیش منظر

ہوئی کہ سیل فون پر دستک شروع ہو جاتی ہے۔ علمائے کرام، ائمہ عظام اور مفتیان ذو الاحترام کے لیے بالخصوص ۲۹ رمضان المبارک کی شب سخت امتحان و آزمائش کی ہوتی ہے۔ مشکلات اور بھی بڑھ جاتی ہیں جب کہیں سے رویت ہلال کے حوالے سے کوئی اعلان منظر نامے پر نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرف تقریباً دس پندرہ سالوں سے ایک غلط ذہن کی پرورش ہو رہی ہے کہ سعودی عرب میں جس دن رمضان شریف کا آغاز ہو یا جس دن عید منائی جائے۔ ہندوستان میں اس کے ایک دن بعد رمضان المبارک کا آغاز یا عید کی نماز ادا کی جائے گی۔ فکر کے اس دائرے میں رہ کر رویت ہلال کے سلسلے میں کوشش و کاوش کا چراغ جلایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سال ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے والوں نے دیکھا بھی تو بے دلی کے ساتھ الا ماشاء اللہ کہ آج تو سعودی عرب میں رمضان شریف کا آغاز ہی نہیں ہوا تو ہمارے یہاں چاند کیوں کر نظر آئے گا۔ گویا چاند کا وجودی وعدی خاکہ اولاً ذہن و دماغ میں ہوتا ہے پھر اس کے بعد آسمان پر اسی خاکے کے تحت چاند تلاش کیا جاتا ہے۔ آپ غور فرما سکتے ہیں کہ نتائج کس قدر مثبت ہوں گے۔

ہم جس دور میں اپنی زندگی کی سانس لے رہے ہیں اگر اسے مادی ترقیات کا نقطہ عروج کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ آپ سوچیں اور اللہ دین کے چراغ والے جن کی طرح آپ کی ضروریات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ نت نئی ایجادات نے سہولتوں کی نہ جانے کتنی شاہ راہیں کھول دی ہیں۔ آسانیوں کے ساتھ نت نئی مشکلات کے بھی بہت سے ابواب کھل چکے ہیں اور کھل رہے ہیں۔ سماجی زندگی میں قدم قدم پر ہمیں نئے نئے مسائل درپیش ہیں۔ سوشل میڈیا جو ایک آفت بن کر نئی نسلوں کی اخلاقی باختگی کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ آج یہ آفت خود ایجاد پسند طبیعتوں کے لیے درد سببی ہوئی ہے۔ درپیش مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے نسخے آزمائے جا رہے ہیں اور یہی کہنا پڑ رہا ہے کہ۔

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں
نت نئی ایجادات کی زد میں عید کا چاند بھی آ کر گہن آلود
ہو رہا ہے۔ اب ۲۹ تاریخ کو مسلمان آسمان پر چاند تلاش کرنے کی کوشش میں کم مصروف رہتے ہیں سوشل میڈیا پر زیادہ مصروف نظر آتے ہیں۔ ابھی مغرب کی نماز مکمل بھی نہیں

مشعل راہ مقرر کر کے منزل کی جانب قدم بڑھانے کا نام عبادت ہے ورنہ نماز مقررہ اوقات، رکعتوں کی تعداد و ترکیب ہر چیز کے تعلق سے انسانی ذہن و فکر میں سوال پیدا ہو سکتے ہیں۔ ظہر کے وقت دو رکعات اور فجر کے وقت بیس رکعات ادا کر لی جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کی قید کیوں، ۲۹/۳۰ دنوں کی پابندی کس لیے۔ ۳۱ دنوں تک رکھ لیے جائیں تو کیا حرج ہے۔ ماہ رمضان کی قید کیوں؟ ان تمام سوالات کے جوابات میں صرف اور صرف ایک ہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور یہی حکم صادر فرمایا۔ ہم عبادت کی ادائیگی میں کسی اور کے نہیں نقش قدم رسول ہاشمی علیہ التحیۃ والثناء کے پابند ہیں۔ آپ کی اتباع و پیروی کا نام ہی عبادت ہے۔ انسانی رائے کے عمل دخل کے بعد عبادت عبادت نہیں رہ جاتی۔

۲۹ تاریخ کو چاند ہونے یا نہ ہونے کا قضیہ سامنے آئے اور آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ بھی محض بشری رائے سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا طریقہ کار بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات و تصریحات کی روشنی میں ڈھونڈنا ہوگا۔ چاند اور سورج اور ان کا طلوع و غروب ہماری عبادتوں کے محور نہیں بلکہ عبادت کا تمام تر دار و مدار اللہ و رسول کے فرمودات پر ہے۔ ورنہ اگر محض عقلی طور پر دیکھا جائے تو صبح صادق کے ایک منٹ بعد سحری یا غروب آفتاب سے چند سکنڈ قبل افطار کر لینا دین بھر کی محنت پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالتا۔ لیکن چون کہ یہ اللہ و رسول کے احکام کی

پہلی بات تو یہ کہ ایسا کوئی شرعی اصول اور مذہبی ضابطہ نہیں۔ بلکہ شریعت کی روشنی میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب درمختار میں ہے: اختلاف المطالع غیر معتبر علی المذہب و علیہ الفتویٰ فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رویة اولئک بطریق موجب۔

خرابی کی دوسری بڑی وجہ جو مجھے سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ ہم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو تہوار کی شکل دے دی ہے۔ جب کہ اسلامی تعلیمات سے معمولی واقفیت رکھنے والے شخص پر یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس میں تہوار کے لیے کہیں کوئی گنجائش نہیں۔ رمضان المبارک سے عید الفطر تک، عید الاضحیٰ سے لے کر محرم تک، عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر شب برأت تک تمام اہم یادگاری دنوں کا جائزہ لے لیجیے آپ پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس سلسلے میں جو اسلامی تصور دیا ہے وہ عبادت اور فقط عبادت کا ہے۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ کوئی تہوار نہیں بلکہ عبادت اور خالص عبادت ہیں لہذا ان کی تعمیل و تکمیل اور ادائیگی کے لیے ہمیں خالص اسلامی تصور و خیال کا قدم بقدم لحاظ و پاس رکھنا ضروری ہے۔ عبادت کے لیے قیود و شرائط بھی محض اسی تعمیل احکام ہی کے پیش نظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات و ارشادات کی تعمیل کا نام ہے عبادت۔ یہاں انسانی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اللہ و رسول نے اس سلسلے میں جو خطوط قائم فرمائے ہیں انہیں اپنے لیے

ترجمہ: مہینہ ۲۹ راتوں کا ہے لہذا روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو تو اگر چاند پوشیدہ ہو جائے تو مہینے کی گنتی تیس دنوں سے مکمل کر لو۔

فاكملوا العدة ثلثین کے تحت حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: فلا تصوموا حتی تروا الهلال ای حتی یثبت عندکم رویۃ ہلال رمضان بشہادۃ عدلین او اکثر ویثبت بعدل واحد عند ابی حنیفۃ اذا کان فی السماء غیم ولا تفطروا حتی تروہ ای ہلال شوال قال ابن مالک حتی تثبت رویۃ بشہادۃ عدلین لا باقل بالاتفاق لان الاصل بقاء الشہور فلا ینتقل الا بدلیل۔ (مرقات ج: ۴، ص: ۲۴۱)

ترجمہ: روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو یعنی رویت ہلال کی شہادت دو یا اس سے زائد عادل مردوں سے ثابت ہو جائے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک عادل مرد کی گواہی سے بھی چاند کا ثبوت ہو جائے گا جب کہ آسمان ابر آلود ہو۔ اور افطار نہ کرو (روزہ مکمل) یہاں تک کہ شوال کا چاند نہ دیکھ لو۔ حضرت ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ ہلال عید کی شہادت کم از کم دو عادل مردوں سے ثابت ہو اس سے کم کی گواہی بالاتفاق غیر معتبر ہے۔ اصل بات مہینوں کا باقی رہنا ہے تو کسی دلیل شرعی کے بغیر مہینہ نہ بدلے گا۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دینے والوں کا نظریاتی اور فکری اعتبار سے دو طبقہ

صریح خلاف ورزی ہے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی ارتکاب جرم ہے۔ لہذا اس جرم کی پاداش میں اس طرح کے تمام روزے کا عدم قرار پائیں گے بلکہ بعض صورتوں میں تو مرتکب پر بطور جرمانہ کفارہ لازم ہو جائے گا۔

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ ۲۹ تاریخ کو چاند ہونے یا نہ ہونے اور اسے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ کسی تہوار یا قومی تقریب کی تعیین کے لیے نہیں بلکہ ایک عبادت کے مکمل اور دوسری کے شروع ہونے کا ہے تو اس خالص مسئلہ عبادت کو اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں کیا خطوط متعین فرمائے ہیں اور آپ کی احادیث طیبہ کی روشنی میں فقہائے کرام نے کیا احکام بیان فرمائے ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا الہ۔ (بخاری جلد ۱ ص: ۲۵۶)

ترجمہ: روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور افطار یعنی تکمیل روزہ اس وقت تک نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو اگر اندا بر آلود ہو جائے تو حساب لگا لو (یعنی ۳۰ دن مکمل کر لو)

ایک دوسری روایت میں اس تعلق سے آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الشہر تسع وعشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین۔ (بخاری جلد ۱، ص: ۵۶)

صراحت ملتی ہے جو احادیث طیبہ، فقہاء و محدثین کی تصریحات سے مستفاد ہے۔ رویت، شہادت، شہادۃ علی الشہادۃ، کتاب القاضی الی القاضی، استفاضہ اس طرف کچھ دنوں سے یہ شدت پسند طبقہ بھی دو خانوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ ایک طبقہ تو شدت کے ساتھ اسلاف کرام کے قائم کردہ خطوط پر عمل پیرا ہو کر شرعی احکام بیان کر رہا ہے اور دوسرا گروہ عوامی دباؤ، سیاسی بہاؤ اور نمائشی ہاؤ بھاؤ کے پیش نظر رویت ہلال کے باب میں کچھ لچک پیدا کرنے کے نظریے پر رائے عامہ ہموار کر رہا ہے اس میں جو لبرل اور نرم رویہ اختیار کرنے والا طبقہ ہے وہ حالات کی سنگینی محسوس کرتے ہوئے کچھ فیصلے ایسے صادر کر رہا ہے جو اس شدت پسند طبقے کے خیالات و نظریات سے قطعی میل نہیں کھاتے اور اصول و نظریات سے اس کی تائید و حمایت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سال رواں عید کے موقع پر ۲۹ / رمضان المبارک کو ایک ایسا ہی اعلان اسی شدت پسند طبقے کی شاندار قیادت کرنے والے ایک ادارے کی جانب سے سوشل میڈیا پر دائرل ہوا۔ ادارہ شرعیہ بہار کے لیٹر پیڈ اور اس کے ذمہ دار مفتی کے قلم اور دستخط و مہر کے ساتھ مزین ہو کر دائرل ہونے والے اس اعلان کا متن یہ ہے:

”مفتی حسن رضا مطلع کرتے ہیں کہ پٹنہ اور اس کے مضافات میں چاند نظر نہیں آیا مگر ادارہ شرعیہ پورنیہ کمشنری کے قاضی شریعت مفتی زبیر صاحب نے علماء اور اپنے طلبہ کے ساتھ چاند دیکھا اور کٹیہار میں بھی عام طریقے سے چاند نظر آیا اس لیے ۲۹ کی رویت کا اعتبار کرتے ہوئے ۱۵ جون ۲۰۱۹ء بروز بدھ عید الفطر کی نماز ادا کی جائے گی۔“

ہے۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جس کے نزدیک شہادت کے باب میں بے پناہ وسعت و پھیلاؤ ہے۔ یہاں تک کہ شہادت و خبر کے درمیان شرعی اصطلاح کی روشنی میں جو فرق ہے اسے بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ موبائیل، ٹیلیفون۔ واٹس ایپ و دیگر ذرائع ابلاغ سے آنے والی خبروں کو بھی اپنے مفروضہ پیمانے کے مطابق درجہ شہادت دینے میں دریغ نہیں کرتا۔ جب کہ صداقت یہ ہے کہ شہادت اور خبر کے درمیان جو تکنیکی شرعی فرق ہے اس پر نظر کی جائے تو ان خبروں کو شہادت کا درجہ دینے کا کئی منطقی جواز نہیں بنتا۔ دنیاوی معاملات میں بھی جہاں تک خبروں کا تعلق ہے تو یقیناً اس میں بے پناہ پھیلاؤ اور بہت وسعت ہے۔ لیکن جب معاملہ شہادت اور گواہی کا آتا ہے تو یہاں بھی دائرہ تنگ نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت کے احکام میں قدم قدم پر بے پناہ احتیاط کا تقاضا ہے۔ جب دنیاوی معاملات میں وسعت اور پھیلاؤ کی گنجائش اس ترقی یافتہ دور میں نہیں نکالی جاسکی اور شہادت و خبر کے درمیان جو فرق ہے اسے صرف نظر نہیں کیا جا سکا تو پھر دینی و مذہبی معاملات میں شہادت و خبر کے درمیان پائے جانے والے فرق کو مٹانے کے لیے ہم یہ کیوں جبر و دباؤ ڈالا جاتا ہے؟

دوسرا طبقہ وہ ہے جسے شدت پسند سے تعبیر کرتے ہیں جو شرعی مسائل میں حالات کے سامنے سپر انداز ہونا نہیں جانتا جسے اہل سنت و جماعت عرف عام میں بریلوی کہتے ہیں۔ مسلکی اعتبار سے جس کی اکثریت حنفی ہے، اس طبقے کے نزدیک ثبوت رویت ہلال کے باب میں سات طریقوں کی

کرام نے پیش فرمایا ہے اس کے تمام پہلو پر غور و فکر فرمائیں اور اس اعلان کی قرار واقعی حیثیت متعین فرمانے میں فقہائے کرام نے جو شرعی دلائل پیش کیے ہیں ان کا ایک ناقدانہ جائزہ لیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں ۲۱ شوال المکرم مطابق ۲۵ جون کو ایک استفتاء راقم الحروف نے اہل سنت و جماعت کے مرکز بریلی شریف کے مختلف دارالافتاء میں حضرت مولانا صوفی عبد الصمد کی معرفت پیش کیا۔ جس کا متن درج ذیل ہے:

۷۸۶/۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام و فقہائے ذوی الاحترام مسئلہ ذیل میں کہ زید سنی حنفی عالم و مفتی ہے۔ اس نے اپنے اور اپنے ادارے کے نام سے ایک اعلان باس الفاظ واٹس ایپ کے ذریعے عام کیا کہ ”ہمارے شہر اور اس کے مضافات میں چاند کہیں نظر نہیں آیا، ہمارے ادارہ سے متعلق پورنیہ کمشنری کے فلاں عالم اور ان کے مدرسہ کے طلبہ نے چاند دیکھا لہذا ۲۹ رمضان ۱۴۴۰ھ کی رویت ہلال کا اعتبار کرتے ہوئے ۵ جون ۲۰۱۹ء کو عید ہوگی۔“

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ اعلان پٹنہ کے ایک عالم صاحب نے کیا۔ ان کا یہ اعلان تقریباً ۸ بجے شب کو عام ہوا۔ پٹنہ اور پورنیہ کی مسافت اتنی ہے کہ پورنیہ سے پٹنہ شہادت کے ارسال و ترسیل میں کم و بیش ۷-۸ گھنٹے درکار ہیں۔ ایسی صورت میں مغرب کے چند منٹوں کے بعد پٹنہ کے عالم صاحب کا اعلان شرعاً معتبر ہے؟ ان کے اعلان پر عید کرنا جائز ہے؟ جن لوگوں نے نماز عید ادا کر لی ان کے بارے میں

اس اعلان کے بعد مذہبی حلقوں میں مسلم آبادیوں میں رنگ تبدیل ہو گیا۔ ملک کے مختلف حصوں میں علماء اور ائمہ حضرات کی نقل و حرکت میں اضافہ ہو گیا۔ بھاگ دوڑ کا ایک ماحول بن گیا۔ شدت پسند طبقے نے وائرل ہونے والے اس اعلان کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور ۵ جون کو نماز عید الفطر کی ادائیگی کے فیصلے کے لیے جواز کی راہ نہ پائی اور جن لوگوں نے ۵ جون کو عید الفطر کا اعلان بھی کیا تو عام رویت کی بنیاد پر یا شہادت شرعیہ، شہادۃ علی الشہادۃ کی بنا پر جب کہ لبرل اور آزاد پسند طبق نے وائرل ہونے والے اس بیان کو بھی نماز عید الفطر کی ادائیگی کے لیے کافی و وافی مان کر اعلان کے جواز کی راہ تلاش کر لی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادارہ شرعیہ سے ہونے والے اس اعلان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسے کسی ذمہ دار ادارے کے حساس اور بیدار مغز مفتی کے قلم سے صادر ہونے والا فیصلہ قرار دیا جائے یا کوئی اخباری بیان؟ کیا علمائے اہل سنت و جماعت (بریلوی) کے نزدیک اس طرح کے اعلان کا کوئی شرعی جواز بنتا ہے؟

میری یہ حیثیت تو نہیں کہ میں ایک مذہبی ادارے کے مفتی کے قلم سے صادر ہونے والی تحریر کے خلاف کوئی بیان دے کر اپنی عاقبت خراب کروں یا پھر ان کی اس تحریر کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اپنی جانب سے کوئی فیصلہ صادر کرنے کی حماقت کروں۔ اس لیے میں نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی کم مائیگی کا اظہار یہ پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ حقیقت پسند قارئین اور صاحب نظر حضرات ادارہ شرعیہ کے حالیہ اعلان بسلسلہ رویت ہلال کا جائزہ جو مفتیان

حیثیت واضح فرمائی اور آخر میں پٹنہ سے ہونے والے حالیہ اعلان رویت ہلال عید الفطر کی قرار واقعی حیثیت واضح فرما کر اس غیر شرعی اعلان پر عمل کرنے والوں اور اعلان کرنے والوں پر شریعت کا حکم بیان فرمایا۔ آپ بھی جواب کا متن ملاحظہ فرمائیں:

الجواب: روزہ رکھنے اور عید کرنے کی بابت شریعت کا بنیادی حکم یہ ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید کرو اور ۲۹ کو چاند نہ دیکھے تو حساب پورا کرو، بخاری شریف میں ہے: لا تصوموا حتیٰ تروا الہلال ولا تفتطروا حتیٰ تروہ فان غم علیکم فاقدروا، لہذا روزہ رکھنے یا عید کرنے کا دار و مدار رویت ہلال پر یا شہادت شرعیہ پر ہے فی زمانہ آلات جدیدہ مثلاً موبائل ٹیلی فون فیکس وغیرہ کے ذریعہ چاند کی خبر غیر معتبر ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں تار محض بے اعتباریوں ہی ٹیلی فون اگر خبر دہندہ پیش نظر نہ ہو، دوسری جگہ رقم طراز ہیں: ٹیلی فون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے، کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے اگر وہ کوئی شہادت دے تو معتبر نہ ہوگی اگر وہ کسی بات کا اقرار کرے تو سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دو بدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلی

حکم شرع کیا ہے؟ ایسا اعلان کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟ اگر پٹنہ، دلی، لکھنؤ سے کوئی عالم اعلان کرتا ہے تو اس کا اعلان کہاں تک قابل عمل ہے؟ کیا کسی صوبے کی راجدھانی سے ہونے والا اعلان پورے صوبے کے مسلمانوں کے لیے کافی ہے؟ اگر شرعاً ایسا ہے تو پھر بریلی شریف، جمیر شریف وغیرہ کے اعلان پر پورے ملک کے مسلمانوں کے روزے رکھنے یا عید کرنے میں کیا کوئی شرعی حرج ہے؟

امید ہے کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف کے ذمہ دار فقہاء، علماء جن کی گردنوں پر شریعت کا بار ہے اور جن کے دست کرم میں امت کے ایمان و عمل کی اصلاح و ترغیب کی ڈور ہے وہ ضرور ضرور اپنی ذمہ داری اور ملی اتحاد کا پاس و لحاظ فرماتے ہوئے قرآن و سنت اور فتاویٰ اعلیٰ حضرت و مفتی اعظم ہند و علمائے حق کی روشنی سے ہم کو تاح نظروں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔ اطمینان و تصدیق کے لیے پٹنہ والے اعلان کی نوٹو کا پی ساتھ میں منسلک ہے۔

المستفتی محمد ملک الظفر سہسرامی

مہتمم دارالعلوم خیر یہ نظامیہ سہسرام بہار

اس سوال کے جواب میں مرکزی دارالافتاء بریلی شریف کے صدر مفتی حضرت علامہ مفتی محمد افضال رضوی کے قلم سے جو شرعی فتویٰ صادر ہوا ہے جس کی تائید و تصدیق جانشین تاج الشریعہ قاضی القضاة فی الہند حضرت علامہ مفتی عسجد رضا خان قادری بریلوی نے فرمائی ہے۔ اس فتوے میں اولاً حضرت مفتی صاحب نے رویت ہلال کے تعلق سے حکم شرع شریف بیان فرمایا، اس کے بعد آلات جدیدہ کی شرعی

فون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۴، ص: ۲۹/۵۲۸)

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اخبار یا ٹیلی فون یا ریڈیو وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ (فتاویٰ امجدیہ، ج: ۱، ص: ۳۹۳)

حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: تاریخ، ٹیلی فون وغیرہ کی خبر سے چاند ثابت نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ بحر العلوم، ص: ۲۵۶)

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف میں بھی فیصلہ ہوا کہ رویت ہلال کے وہ اعلان جو ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون کے ذریعہ ہوا گرچہ ایک شہر کے لیے ہو وہ نامعتبر ہے، لہذا جب پٹنہ میں چاند ۲۹ کو نظر نہیں آیا تو عالم صاحب کا اعلان شرعاً غیر معتبر و خلاف شرع ہے ایسے اعلان پر عید کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اعلان کرنے والے اور اس کے اعلان پر عید کرنے والوں پر علانیہ توبہ کرنا ضروری ہے اگر کوئی عالم پٹنہ، دہلی، یا لکھنؤ سے چاند کا اعلان مطابق شرع کرے گا تو اس کا دائرہ وہی شہر اور حوالی شہر ہوگا جس شہر سے اعلان ہوگا دوسرے شہر کے لیے غیر معتبر ہوگا۔ لہذا راجدھانی سے کیا گیا اعلان راجدھانی شہر اور اس کے مضافات کے لیے ہی معتبر ہوگا دوسرے شہر کے لیے نہیں۔

کتبہ محمد افضال رضوی۔

مرکزی دارالافتاء ۸۲

سوداگران بریلی شریف

۲۳ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ ۲۷ جون ۲۰۱۹ء

جامعۃ الرضا کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد صالح قادری بریلوی اپنے محتاط قلم سے مذکورہ فتوے پر تائیدی و تصدیقی کلمات تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله

وعلى آله واصحابه اجمعين۔

سائل کی بیان کردہ صورت حال مظہر ہے کہ عالم پٹنہ کا اعلان مذکور ثبوت ہلال کے طرق شرعیہ (مذکورہ فی الرضویہ وغیرہا من المعتمدات) کے برخلاف ہوا کیوں کہ ان کے حضور کوئی شہادت شرعیہ بر رویت ہلال نہیں آئی نہ شہادت پر شہادت شرعیہ پہنچی۔ لگتا ہے وہ اس نظریے کے پیرو ہیں کہ یہ جدید ذرائع ابلاغ کی خبر شرعاً معتبر ہے اسی لیے انہوں نے اپنے فیصلہ کی بنیاد عالم پورنیہ کی طرف سے آئے ہوئے فون کی خبر پر رکھی اور اسی کو کافی دانی مان لیا جس کا انہیں کوئی حق و اختیار نہیں تھا۔ بالجملہ ان سے اس (فیصلہ لینے اور اعلان کرنے) میں کھلی ہوئی خطا ہوئی ہے بے شک ان کا یہ اعلان غلط تھا شریعت کی موافقت میں ہرگز نہیں ہوا اس قسم کی روش و نظر کو کتابوں کی روشنی میں ضرور یہی کہنا ماننا پڑے گا کہ وہ اتباع شرع ہرگز نہیں بلکہ اتباع ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد صالح قادری غفرلہ

۲۳ شوال ۱۴۴۰ھ

۲۸-۰۶-۲۰۱۹

کیونکر درست ہو سکتی ہے اس کا وبال انہیں کے سر ہے۔
والجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فقیر قادری سید کفیل احمد غفرلہ

خادم الافقاء والتدریس منظر اسلام بریلی شریف

۲۹/شوال المکرم ۱۴۴۰ھ

دار العلوم میناسیہ، گونڈہ کے دار الافقاء کا قلمدان
سنجھانے والے مفتی حضرت مفتی امان الرب صدیقی بریلی
شریف کے اس شرعی فیصلے پر اپنی تائید و تصدیق کی مہر ثبت
کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:

پٹنہ کے عالم کا پورنیہ کے عالم کی محض موبائیلی خبر کو موجب
شرعی کی حیثیت دینا بہت بڑی جرأت ہے دین میں نئی شریعت
گڑھنے کے مترادف ہے۔ حضرت مفتی افضال صاحب
کافتویٰ حضرت بقیۃ السلف مفتی صالح اور ان کی تصدیق مع
التوضیح۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں مشمولہ رسولہ طرق اثبات
الہلال کے عین مطابق ہے جس پر چلنا راہ صواب ذریعہ
نجات ہے طرق اثبات ہلال جو سات ہیں اس سے ہٹ کر
کوئی خود ساختہ طریقہ ایجاد کرنا بدعت سمیہ ناجائز و گناہ ہے۔
قاضی القضاة فی الہند مفتی عسجد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ
العالی کا تائیدی دستخط دیکھ کر تاج الشریعہ کی مسلکی استقامت
کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

الجواب صحیح والمحبب نصح

امان الرب صدیقی قادری

۲۷/شوال المکرم ۱۴۴۰ھ

مطابق ۲۰۱۹-۲۰۲۰

بریلی شریف کے ایک ذمہ دار ادارہ مدرسہ منظر اسلام
کے دار الافقاء کا قلمدان روشن کرنے والے علامہ مفتی سید کفیل ہاشمی
نے اس فتوے کی تائید و تصدیق فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا:

۷۸۶/۹۲

سائل نے جو سوالات میں ذکر کیا ہے اگر وہ حق و صحیح ہے
تو یہ بہت افسوس کا مقام ہے کہ جس طرح عوام میں یہ بلا تیزی
سے سرایت کر چکی ہے کہ وہ بھی سعودیہ بلکہ دہلی لکھنؤ وغیرہ دیگر
شہروں میں چاند ہو جانا اور ٹی وی واٹس اپ کے ذریعہ اس کا
اعلان سن لینا اپنے زعم میں بڑا ثبوت سمجھتے ہیں اور چاند ہو گیا
ہو گیا کا شور مچانے لگتے ہیں مگر یہ تو عوام ہیں ان کے محض شور
مچانے سے کیا شرعی ثبوت کا حکم دے دیا جائے گا۔ دور حاضر
میں چند ایسے مولوی بھی پیدا ہو چکے ہیں جن کا ذہن ان ہی
عوام کے مثل ہو گیا ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا دینی
رہنما تصور کرنے لگے ہیں اور اسی زعم میں غیر شرعی اعلانات کر
رہے ہیں ہندوستان میں تو یہ بلا عام ہوتی جا رہی ہے مگر افسوس
اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب کسی ذمہ دار دار الافقاء یا دارالعلوم
کے مفتی کی طرف سے ایسا اعلان ہوتا ہے اور وہ بانگ دہلی یہ
اعلان کرتا ہے کہ فلاں شہر میں جو سیکڑوں کیلومیٹر کی دوری پر
ہے وہاں چاند ہو گیا فون سے موبائل سے خبر مل گئی ہے کہ فلاں
روز عید ہے شریعت اسلامیہ کے قوانین کو اپنی طبیعت کے
سامنے مردہ کرنا ہے حالانکہ انہیں بھی معلوم ہے وہ بھی علم رکھتے
ہیں کہ یہ مذہب کے سراسر خلاف ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں
ہے بہر حال پٹنہ کے عالم صاحب کا وہ اعلان ہرگز ہرگز درست
نہیں اور جب اعلان درست و شرعی نہیں تو پھر اس پر عید کی نماز

جامعہ مظہر اسلام اور رضوی دارالافتاء کے مفتی حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب اس فتوے پر تائید و تصدیق فرماتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:

الجواب: کیٹیہار وغیرہ میں عام طریقے سے چاند نظر آیا تو کیا پٹنہ کے عالم صاحب کے نزدیک اس کا ثبوت شرعی طریقے سے ہوا اگر شرعی طریقہ سے اس کا ثبوت ان کے نزدیک نہ ہوا تو پھر غیر شرعی طریقہ سے رویت کا اعلان چہ معنی دارد۔ کیا ان کے نزدیک درمختار کی یہ عبارت: یلزم اہل المشرق برویۃ اہل المغرب اذا ثبت عندہم رویتہ اولئک بطریق موجب، موجود نہیں۔ کیا ان کی نظر اس عبارت پر نہیں ہے بے شک ہے ضرور ہے ان سے یہ پوشیدہ نہیں پھر انہوں نے غیر شرعی طریقہ کیوں اختیار کیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ فون وغیرہ کی خبروں میں نہ صرف آڑ بلکہ کوسوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ ان پر کیوں احکام شرعیہ کی بناء ہو سکتی ہے۔ لہذا پٹنہ لکھنؤ، بریلی شریف وغیرہ کہیں بھی کسی مقام پر چاند ہو جائے تو پھر دوسری جگہ ان جگہوں کا اعتبار اسی وقت ہوگا جب کہ ان کے نزدیک شرعی طریقوں میں کسی بھی طریقہ سے چاند کا ثبوت ہو جائے۔ اگر دوسری جگہ چاند کا شرعی ثبوت قاضی شرع کے نزدیک ہو جائے اور وہ اعلان کر دے تو اس کا یہ اعلان اس کی حدود ولایت تک ہی معتبر ہوگا اس کی حدود ولایت سے باہر اس اعلان پر عمل درست نہ ہوگا کہ ہر قاضی اپنی حدود ولایت میں قاضی ہے اور

اپنی حدود ولایت سے باہر عوام کا ایک فرد یعنی ہر قاضی کی قضا اس کی حدود ولایت تک محدود و محصور رہے گی اور اس کی حدود ولایت سے باہر نافذ نہ ہوگی نہ اس کی حدود ولایت سے باہر اس کے حکم پر عمل واجب ہوگا ایک قاضی دوسرے شہر یا دوسرے صوبہ کے قاضی کو خود واٹس ایپ وغیرہ کے ذریعہ خبر دے تو اس پر عمل جائز نہیں کیوں کہ کسی قاضی کی خبر اس کی حدود ولایت سے باہر شرعاً حجت نہیں ہاں اس کا خط شرائط مخصوصہ کے ساتھ مقبول اور معتبر ہوگا۔ الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس فتوے پر مزید تائیدی و تصدیقی دستخط فرمانے والے چند مفتیان کرام و علمائے دین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت علامہ مفتی وصی احمد وسیم صدیقی سابق وائس پرنسپل جامعہ اسلامیہ، روناہی
حضرت علامہ مفتی محمد حامد القادری، مدرسہ سرکار نمازی مظفر پور۔

حضرت علامہ ڈاکٹر سید اقبال حسنی ناظم اعلیٰ جامعہ برکات منصور، گیا
حضرت علامہ مفتی انیس عالم سیوانی، سکریٹری امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ

مذکورہ استفتاء کی روشنی میں تقریباً یہی سوال الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سٹی کے ناظم اعلیٰ الحاج سید ولی الدین رضوی نے مختلف دارالافتاء کو روانہ فرمائے ان میں سے کچھ کے جوابات

لا یقبل الكتاب الا بشهادة رجلین او رجل وامرأتین لان الكتاب یشبه الكتاب۔ چنانچہ مجدد دین و ملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے پہلی بھیت والوں کے لیے اپنی مہر شدہ تحریر کی بابت فرمایا۔ ”وہ پرچے دوسرے بلاد میں نہ بھیجے گئے تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دیئے ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا بعض لوگوں نے پہلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا بلاد بعیدہ کو کیونکر بھیجے جاتے؟“

تصریحات مذکورہ کی روشنی میں اس اعلان پر روزہ چھوڑنا عید منانا ہرگز جائز نہیں تھا کہ وہ نہ شہادت رویت ہے نہ شہادت علی الشہادۃ نہ شہادت علی الحکم والقضا۔ نہ کتاب القاضی الی القاضی نہ استفاضہ بس اڑتی ہوئی خبر ہے زبانی طیور کی پھر یہ اعلان تو خود پٹنہ میں کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دیگر بلاد و مواضع کے لیے اس میں پٹنہ و مضافات میں چاند نہ دکھنے کی بات کہی گئی ہے تو رویت نہ ہونے پر شہادت درکار اور پورنیہ و کٹیہار میں اگرچہ رویت ہوئی اس کی یہاں نہ شہادت گزری نہ ہی اعلان میں شہادت کا کوئی ذکر اگر شہادت بھی گزرتی تو اعلان مذکورہ پر عمل درست نہیں ہوتا پھر ۲۹ م کی رویت کا اعتبار کیا؟ یہ اعلان جس میں اخباری زبان استعمال کی گئی ہے کہ ”مفتی صاحب مطلع کرتے ہیں“ خود بتا رہا ہے کہ یہ مفتی صاحب مذکور کی طرف سے نہیں بلکہ کسی اخباری نمائندہ کی جانب سے اعلان ہوا اگرچہ اخیر میں خود مفتی صاحب نے دستخط اور مہر سے اس اعلان پر طغیان کو مزین فرمایا ہے و لا حول

آئے کچھ کا انتظار ہے۔ آنے والے فتاویٰ میں اہم فتویٰ حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمن رضوی مظفر پوری رضوی دارالافتاء جامعۃ الخضر اء مروان مظفر پور کا ہے۔ آپ سوال کے تمام پہلوؤں کا بہت دقت نظری کے ساتھ جائزہ لے کر اپنے محتاط اور ذمہ دار قلم سے شریعت کا حکم بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

الجواب بعون الملک الوہاب

دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضی شرع سے خاص ہے جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات پر والی کیا ہے یہاں تک حکم کا خط بھی مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی) وهو نقل الشہادۃ حقیقۃ (ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام) ائمہ تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں، ہرگز نہ سنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارہ خط منعقد ہوا ہے لہذا پیام اپیلچی اور خود بیان قاضی بھی اس سے جدا ہے فتح القدیر ص: ۲۹۱ میں ہے: الفرق بین رسول القاضی و بین کتابہ حیث یقبل کتابہ ولا یقبل رسولہ۔ اور قاضی شرع کا نامہ بھی صرف اسی وقت مقبول۔ جب دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں عادل دارالقضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہرگز مقبول نہیں اگرچہ ہم اس قاضی کا خط بھی پہچانتے ہوں اور اس کی مہر بھی لگی ہو اور اس نے خاص اپنے آدمی کے ساتھ بھیجا بھی ہو ہدایہ میں ہے:

سوائے طلاق لسانی کوئی لیاقت درکار نہیں۔ خصوصاً جب کہ خاص مسائل رویت ہلال میں جمیع ائمہ سے تفرد ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص: ۵۶۵/ اسی کے ۵۷۲/ میں فرماتے ہیں: علم دین فقہ و حدیث ہے۔ منطق و فلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے۔ اگرچہ حدیث و تفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہے پھر بھی عالم دین نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی عالم دین بھی ہو ادارہ رجسٹرڈ بھی ہو اور اس کا اعلان تصریحات فقہاء کے خلاف ہو تو ہرگز لائق عمل نہیں چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، ص: ۵۸۳/ میں ہے۔ ”تو یہ اعلان کہ فلاں شہر میں چاند ہو یا فلاں فلاں نے دیکھا یا فلاں روز سے روزہ رکھا مجرد حکایت ہے جس پر اصلاً التفات نہیں بلکہ یا تو اپنے معائنہ کی شہادت ہو یا شہادت پر شہادت ہو یا قضا پر شہادت یا شرعی شہرت مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے۔ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیان علم بلکہ بعض ذی علم بھی ناواقف پائے“

رہا دائرہ اثر تو گزر چکا کہ اعلیٰ حضرت کا قلمی پرچہ پہلی بھیت کے لیے حجت نہیں تو ماوشا کا واٹس اپنی اعلان پورے ملک کے لیے کیا بلکہ دیگر بلاد و امصار کے لیے بھی بلکہ خود اس عالم کے شہر کے لیے بھی لائق التفات نہیں کہ شرعی اعلان بھی اسی کے شہر کے لیے لائق عمل ہے اور دوسرے کے لیے وہی شرعی طریقہ ہے جو صدر جواب میں گزرا۔ یہ اگر کافی ہوتا تو دارالقضا کی شاخیں کیوں جب ایک شہر کا قاضی اعلان کرے اور پورے ملک میں اس پر عمل ہو تو شاخوں کی ضرورت ہی کیا رہی؟ یہی حکم بریلی شریف اور دوسرے شہروں کے لیے بھی ہے۔

ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ کیا نہ گزرا کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے شہر میں جو اعلان کرایا اس میں بھی یہ تحریر کیا کہ ”میرے سامنے شہادتیں گزریں، پھر بھی اپنی دستخطی و مہری تحریر کو ایک گھنٹے کی مسافت والے پہلی بھیت کے لیے ناکافی بتایا اس کے لیے دو شاہد عادل کی شرط لگائی اور یہاں تو پرچہ نہیں چرچا جو دین و دیانت کا پرچہ اڑا رہا ہے کہ روزہ و عید سب برباد کرے بھلا وہ کس طرح درست ہو سکتا ہے یہیں سے نماز روزہ چھوڑنے والوں پر اپنی اور اس کا خلاف شرع حکم دینے والوں پر اپنے علاوہ دوسرے کا وبال بھی ہے پھر ۳۰/ رمضان کو یکم شوال ماننا دوسرا گناہ اور اس میں عید پڑھنا تیسرا گناہ جس سے سب پر توبہ لازم اور ۲۹/ رمضان کے چاند کا ثبوت شرعی نہ ہو تو روزہ کی قضا واجب کہ اس صورت میں اکمال عدت کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

رجسٹریشن۔ اس کا مطلب کسی ادارے یا تنظیم کی موجودگی کا گورنمنٹ کے دفتر معلومات میں (ریکارڈ) میں اندراج کرانا ہے تاکہ قانونی تحفظ مل جائے۔ یہ سند علم ہے نہ وثیقہ فضیلت اور محض سند خواہ وہ کسی جامعہ کی ہو وہ بھی کافی نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ سند کوئی چیز نہیں بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی ان کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی۔ علم ہونا چاہیے اور علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو، فتاویٰ رضویہ ص: ۱۳۱/ جلد ۹ اور فرماتے ہیں: ”آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے

احمد رضا، سرکار مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصریحات و فتاویٰ کی روشنی میں رویت ہلال کا پیچیدہ ترین مسئلہ ان کے ناخن تدبیر سے حل ہو جاتا ہے تو علمائے کرام و ائمہ عظام کے لیے ہر سال کی دردسری سے نجات دلادے گا اور امت مسلمہ باہمی تفریق و انتشار کی راہ پر جانے سے محفوظ ہو جائے گی۔ وقت کا یہ ایسا جبری مسئلہ ہے کہ اس کا حل نکالنا بے حد اہم و ضروری ہے۔

جو قوم تین سو ساٹھ دن علمائے کرام کی دست بوسی کرتے نہیں تھکتی ان کا خطبہ پڑھنا اپنا وظیفہ حیات گردانتی ہے، ان کی جو تیاں سیدھی کرنا باعث فخر و نجات سمجھتی ہے، ان کے چشم ابرو کے اشاروں کی منتظر رہتی ہے، لب ہلے نہیں کہ عقیدت مند و نیاز مند تکمیل کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے مضطرب و بے چین نظر آتے ہیں۔ لیکن ۲۹ رمضان کی تاریخ ایسی ہوتی ہے کہ قوم اس موڑ پہ آ کے دیدہ بدل دیتی ہے، عقیدت مندی و نیاز مندی کی تمام زنجیریں توڑ کر آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے، غلامی کا طوق گردن سے نکال پھینکتی ہے اور عملاً باغیانہ ذہن و فکر کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔ لہذا اس نازک و حساس ترین مسئلہ پہ مفتیان کرام سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی حل تجویز فرمائیں تاکہ جماعت میں پھیلے ہوئے انتشار و اختلاف کی آگ سرد ہو سکے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ کسی نجی مجلس میں جماعت کے ایک صاحب نظر مفتی نے فرمایا تھا کہ سیدی اعلیٰ حضرت کی تصریحات کی روشنی میں مسئلہ رویت ہلال کا حل ان کی نظر میں ہے ان سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنی تحقیق ایتق سے یہ پیچیدہ گتھی سلجھادیں۔

مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تو کمال عدت یعنی تیس ۰ ۳ کی گنتی پوری کرنے کا حکم ہے: ”فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین“ مگر پورنیہ کٹیہار، دلی، کلکتہ، بنگلور، پھلواری، پٹنہ خواہ کہیں سے چاند تلاش کرنے کا حکم اور ایک ہی دن پوری دنیا یا پورے ملک و صوبہ یا کم از کم صوبے کے اکثر اضلاع میں عید منانے کا جزیہ کہاں ہے؟ موبائیل، واٹس ایپ، فیس بک، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعے گھر گھر چاند پہنچانے کا وجوب یا کم از کم استحباب ہی کہاں؟ یہ محض العوام کا لانعام اور ارباب اقتدار کی نظر میں اپنی یا ادارے کی حیثیت عرفی منوانے کا غیر شرعی ذریعہ اور اپنی شہرت و مقبولیت، با اثری و مرجعیت میں سبقت حاصل کرنے کا سیاسی حربہ ہے۔ قال علیہ السلام: اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانظر الساعة۔ مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق رفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان المبارک کو رویت ہلال کے تعلق سے ہونے والے اعلان پر جن مفتیان کرام کے شرعی فیصلے نقل کیے گئے وہ تمام حضرات ذمہ دار دارالافتاء کا قلمدان سنبھالنے والے صاحب فقہ و فتاویٰ ہیں جماعت میں ان کے فتوے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ تقریباً تمام مفتیان کرام نے اس اعلان کو غیر شرعی فرمایا، علمائے متقدمین و فقہ حنفی کی تصریحات سے اس اعلان کی تائید و توثیق نہیں ہوتی یہ بھی وضاحت فرمائی۔

راقم الحروف مفتیان کرام و فقہائے عظام کی بارگاہ میں عرض گزار ہے کہ اگر شرعی قوانین کی حفاظت و صیانت ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اسلاف کرام بالخصوص اعلیٰ حضرت سیدی امام

باب ہشتم تنقیدات

حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات

نام کتاب: حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات

مؤلف: مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

صفحات: ۲۸۸

قیمت: ۲۵۰

ناشر: رضادار المطالعہ پوکھریا، سینٹامڑھی، بہار

مبصر: مولانا ملک النظر سہسرامی

حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حبیب الرحمن

عباسی قادری قدس سرہ الہادی جو اپنے مجاہدانہ کارناموں کی بنیاد پر طبقہ عوام و خواص میں نام سے کم اور مجاہد ملت سے زیادہ جانے پہنچانے جاتے ہیں، آپ کی ذات و شخصیت کا تصور جہاں ہوتا ہے تو خود بخود توکل، استغنا، حق گوئی و بے باکی، عزیمت، قربانی، جہد مسلسل، انہی کے ساتھ ساتھ زہد تقویٰ، پرہیزگاری جیسی صفات مومنانہ پس منظر سے ابھرا بھر کر سامنے آتی ہیں۔

آپ کی حیات و خدمات کے منظر نامے پر جن حضرات کی نظر ہے یقیناً ان پہ یہ امر مخفی و پوشیدہ نہیں کہ پروردگار عالم نے دین و ملت کے درد سے بھرا ہوا سینہ آپ کو عطا فرمایا

تھا، یوں تو آپ کی ولادت باسعادت ایک امیر ترین گھرانے میں ہوئی، رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی، گھر کا پورا ماحول امیرانہ شان و شوکت کی عکاسی کر رہا تھا لیکن شعور کی آنکھ کھلی تو آپ کے مزاج نے امارت و ریاست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، رؤفہ اسٹیٹ کے آپ تنہا مالک و وارث تھے جو اسٹیٹ سالانہ انچاس ہزار روپے برٹش گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتا تھا، لیکن دنیا سے بے رغبتی اور استغنا کا جو مزاج تھا اس نے امارت سے رشتہ بحال رکھنا قبول نہ کیا اور پھر ریاست سے رشتہ توڑ کر درویشی و فقیری آپ کا اوڑھنا بچھونا ہو گئی، ہم عصر علما میں آپ کو توکل، استغنا، فقر، بے نیازی، دنیا سے بے رغبتی، جرأت و بے باکی، حق گوئی و پامردی جیسی صفات عالیہ کی بنیاد پر نشان امتیاز حاصل تھا، بھیڑ میں بھی یکہ و تنہا دکھائی پڑتے تھے۔

کیا حسن ہے، جمال ہے، کیا رنگ و روپ ہے

وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے

حضور مجاہد ملت اپنے اوصاف حمیدہ کے سبب علما و صلحا کی بھیڑ میں بھی امتیازی شان کے مالک نظر آئے، ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے میں آپ کا نام سرفہرست

تھی جس کی بنیاد پر الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جج نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جو برسر عام عوامی اسٹیج سے ایسے شخص کو اپنی کھلی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جسے ہندوستان میں لوگ قابل پرستش مقام پر بٹھاتے ہیں۔

عزیز گرامی مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی ذات سے حد درجہ عقیدت حاصل ہے، وہ اپنی عقیدت مندی و نیاز مندی کا اظہار نعروں کی گونج سے نہیں کرتے بلکہ خموش انداز میں تعمیر طرز فکر اختیار کر کے باغ رضویات میں گل بوٹے کھلاتے رہتے ہیں، اسباب و وسائل کے اعتبار سے بظاہر تہی دامن ہونے کے باوصف سال میں اس حوالے سے دو چار کتابیں منظر عام پر آجاتی ہیں، مولانا موصوف کے دل و دماغ پر اعلیٰ حضرت کی عقیدت و محبت کا اس قدر گہرا اثر ہے کہ جو حضرات مسلک اعلیٰ حضرت یعنی افکار و خیالات اعلیٰ حضرت کی ترجمانی میں سرفہرست رہے ان کے افکار و خیالات کی خوشبوؤں سے قوم و ملت کی نسلوں کو متعارف کرانے میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور ان کی حیات و خدمات اور زریں کارناموں کا تاج محل تعمیر کرنے میں خود کو مصروف رکھتے ہیں، زیر تبصرہ کتاب ”حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات“ انہی پاکیزہ جذبات کی ترجمانی و عکاسی کرنے والی قابل قدر کتاب ہے۔

حضور مجاہد ملت لاریب پہلو دار شخصیت کے مالک تھے، دن کے اجالوں میں اگر معقولات و منقولات کی خیرات تقسیم فرماتے ہوئے نظر آتے تو رات کی تاریکیوں میں عابد شب زندہ دار بھی، پہاڑ سے زیادہ مضبوط حزم و استقلال آپ کی

آتا ہے، سیاسی شعبہ بازوں نے سیاست کے میدان میں جو ڈرامائی شکل اختیار کر رکھی تھی آپ اس سے سخت برہمی و بیزاری کا اظہار فرماتے، آپ کی سیاست میں مصلحت بھی تھی، دور اندیشی بھی، مسلک کی سالمیت بھی تھی، حقوق انسانی کی بحالی بھی، وہ ملک کی سالمیت بحال دیکھنا چاہتے تھے، عوام الناس کی خوش حالی، عدل و انصاف کی بحالی، امن و امان اور خیر سگائی کا ماحول دیکھنا چاہتے تھے، اپنا مطالبہ جب احتجاج کی شکل میں پیش فرماتے تو حکومت کے کان کھڑے ہو جاتے اور عوامی مطالبات کو بے باکی سے پیش کرنے والے اس مرد قلندر کو قید و بندگی کی صعوبتوں سے بھی دو چار کیا جاتا ہے، چنانچہ حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں آپ کو ملک و بیرون ملک آٹھ مرتبہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا گیا، ۱۳۵۳ھ ۱۹۳۳ء میں عامۃ الناس پہ بے جا ٹیکس نافذ کئے جانے کے خلاف جب آپ میدان عمل میں ایک احتجاجی تحریک کی شکل میں سامنے آئے تو حکومت وقت نے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آپ کو گرفتار کر لیا، اس طرح یہ گرفتاری اور مرد مجاہد کے عملی جہاد کا ابتدائیہ ہے، قید و بند کی صعوبتیں، جیل کی سلاخیں اور بیڑیاں آپ کی جرأت و بے باکی کا گراف مزید بلند کرتی رہیں، آپ اپنی تقریروں اور حق بات میں جس جرأت و بے باکی کے ساتھ حکومت وقت کو تنقید کا نشانہ بناتے وہ آپ کے جذبہ خود اعتمادی و خدا اعتمادی کا اعلانیہ اور اشاریہ ہے، ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی مرد قلندر کے تعلق سے کہا ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیر وں کو آتی نہیں رو باہی

حضور مجاہد ملت کی جرأت و بے باکی کی یہی وہ ادا

ملی، مذہبی اور سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی مخلصانہ قیادت کا بھر پور اور مکمل حق ادا فرما کر اللہیت، راست بازی اور جرأت و بے باکی کی تاریخ رقم فرمائی، آپ کے ان اوصاف جلیلہ کی علمائے کرام قسمیں کھاتے ہیں، آپ کو اپنے معاصر علما میں اپنی اوصاف کی بنا پر شان امتیاز حاصل تھی، آپ روفیہ اسٹیٹ اڑیسا کے مالک تھے جو اس زمانے میں برٹش گورنمنٹ کو انچاس ہزار روپے سالانہ ٹیکس ادا کرتا تھا، اس کے باوصف آپ کی زندگی میں فقیرانہ مزاج پایا جاتا تھا، آپ کی کتاب حیات کا پیش لفظ، مقدمہ اور افتتاحیہ سب کچھ مذہبی درد اور ملی کرب سے عبارت تھا، اگر حضور مجاہد کا تعارف ایک جملے میں تحریر کیا جائے تو یہی ہے کہ وہ مذہبی درد و کرب کی تصویر تھے، اس دور میں ملی درد و کرب کو مجسم و متشکل دیکھنا ہو تو حضور مجاہد ملت کو دیکھا جائے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ سیدی اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھے، ایک مذہبی قائد کی حیثیت سے آپ کے مزاج میں عدل و انصاف کے عناصر شامل تھے، اسی کے ساتھ یہ بھی تھا کہ سیاست کے میدان میں جب آپ کی آواز احتجاج کی شکل اختیار کرتی تو اس میں آپ کی جرأت و بے باکی، حق گوئی و حق طلبی کے ساتھ امن پسند مزاج کی جھلک بھی صاف طور پر محسوس کی جاتی، آپ پورے ملک میں امن و امان اور سکون و قرار کی پر بہار فضا دیکھنا پسند فرماتے تھے، ایک ایسی فضا دیکھنے کے خواہاں تھے جس میں ظلم و نا انصافی کی کٹافٹوں کی آلودگی نہ ہو، بلا تفریق مذہب و ملت وہ ظلم و ستم، جور و جفا اور نا انصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا تسلسل اس قدر

طبیعت کو حاصل تھا، جہاں مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالک کو پسینے چھوٹ جائیں، وہاں آپ جرأت و بے باکی اور بے پناہ پامردی کے ساتھ سینہ سپر ہو کر حالات کا مقابلہ فرماتے۔

کتاب کا خاص حصہ حضور مجاہد ملت کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے جو مولانا صدیقی کے خامہ زرنگار سے تحریر ہو کر تقدیم کے تحت شامل کتاب ہوا ہے، دراصل یہی کتاب کی روح اور اس کی اساس و دنیادہ ہے، اس میں مولانا نے بہت سلیقے سے حضور مجاہد ملت کی حیات و خدمات کا اجمالی اور کہیں کہیں تفصیلی ذکر کیا ہے، کچھ مقامات پر ان کا درد و کرب کا غدی، پیرھن اختیار کر کے متشکل ہوتا ہے تو حساس دل رکھنے والے کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی اپنے سینے میں حساس دل پالتے ہیں، اس لیے جماعتی بے حسی، غیر حکیمانہ طرز ادا، اور نظم و ضبط سے عاری جمعیت و تنظیم پہ کھی دل کی صدائیں درد و کرب کا اشاریہ بن کر سامنے آجاتی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی ذات و شخصیت بہت تہ دار تھی، وہ اپنے آپ میں ایک انجمن تھے، اکیلے تھے مگر قدرت نے ویرانے آباد کرنے کی صلاحیتوں سے سرفراز فرما رکھا تھا، وہ مست بادۃ الست اور اسیر عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء تھے، ان کے عزم و ارادے کا تاج محل یقین محکم سے تیار ہوا تھا، ان کے عہد میں مذہب و مسلک کے نام پر فتنہ گروں کی جو فتنہ ساما نیاں تھیں وہ اپنی جگہ پر! سیاسی محاذ پر بھی مسلمان نشانے پر تھے، حکومت کا رویہ غیر منصفانہ اور نہایت جارحانہ تھا، اس طرح کے ماحول میں آپ نے اپنی عمر کے پچاس سال دینی

مرد مجاہد کی آواز کی بازگشت آج بھی سنائی نہ دیتی ہو، اسی سبب سے آپ محبوب خلائق تھے، آپ سے کرامتوں کا ظہور بھی ہوا ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ کا پورا وجود ہی کرامت تھا، آپ ناخن اقدس سے تاموئے سر کرامت تھے، آپ سے وابستہ کرامتوں کو اگر سنجیدگی سے سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، آپ اکابر علمائے اہلسنت کی نظر میں وحید عصر تھے، آپ حقیقی معنوں میں ملت کے بے باک مجاہد تھے، آپ عہد آفریں اور انقلابی شخصیت کے مالک تھے، سیدی اعلیٰ حضرت کا روحانی فیضان حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی شاہ حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ الباری کے توسط سے آپ پر جھوم جھوم کر برسوں، میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد آپ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوئے، مگر بیڑیاں، زنجیریں اور جیل کی سلاخیں آپ کے عزائم کی دیواروں سے ٹکرائیں اور خود ہمت ہار بیٹھیں، مگر اس مرد آہن کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر چلک محسوس نہیں کی گئی، ”تحریک خاکساران حق“ کے نام سے ایک نیم عسکری تنظیم بھی آپ نے تشکیل دی جو ملک میں امن و امان کی بحالی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی اتحاد کی فضائے نگار بنانے میں مؤثر رول ادا کرتی۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے یہ حاشیے اور بین السطور ہیں، اگر آپ حضور مجاہد ملت کی کتاب حیات کی تفصیلات جاننا چاہتے ہیں تو ”حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات“ کا مطالعہ کریں، کتاب میں حضور مجاہد ملت کی حیات کے بہت سارے خفیہ نقوش ابھارے گئے ہیں، صاحب کتاب

آپ کو فکر مند کر دیتا کہ راتوں کی نیند اڑ جاتی، انسداد فساد کے تعلق سے آپ نے حکومت کے سامنے پانچ نکاتی فارمولہ پیش فرمایا، مخالف جماعت کے سرکردہ افراد سے بھی اس سلسلے میں آپ کی مراسلت ہوئی اور اپنی حق پسند آواز سے آواز ملانے کی ان سے بھی اپیل کی۔

لا ریب حضور مجاہد ملت دینی درد و کرب کا استعارہ تھے، مسلمانوں کے حقوق اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کو یقینی بنائے جانے کے لیے حکومت وقت کے سامنے بہت بے باکی کے ساتھ اپنے مطالبات رکھے، ان کا نقطہ نظر بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے کر چلنے کا تھا، مسلمانوں کو دین اور صاحب دین سے جوڑنا چاہتے تھے، سیاسی محاذ پہ بھی مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لئے وہ تادم واپسی جنگ لڑتے رہے، صدر جمہوریہ سے لے کر وزیر اعظم تک سے اس سلسلے میں آپ نے مراسلت کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کی زندگی کا مطالعہ ہمیں دعوت فکر و عمل دیتا ہے، اسلام کے ایک جاں فروش سپاہی کی حیثیت سے اپنی زندگی گزاری، اخلاقیات میں آپ کا آشیانہ بہت بلندی پہ تھا، انسانی درد و کرب آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ملک میں جمہوریت کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے آپ نے جو تحریریں پیش کی ہیں وہ ملک کی سالمیت، قومی یک جہتی اور فروغ امن و امان کی راہ میں مؤثر رول ادا کرنے والی ہیں نیز آج جمہوریت کے نام نہاد دعویداروں کے فکر و عمل کو ہمیز کرنے والی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی میں بے پناہ پھیلاؤ نظر آتا ہے، مذہب و ملت کے حوالے سے وہ کونسا گوشہ ہے جہاں اس

وضبط کا جو ہر نظر نہیں آ رہا ہے، نتیجہ یہ سامنے آ رہا ہے کہ کام ہو کے بھی کامیابی کی صبح طلوع نہیں ہو پا رہی ہے، ہم نے قدر شناسی اور شخصیت شناسی کا جو خود ساختہ پیمانہ مقرر کر رکھا ہے اس سے باہر نکل کر کام کرنا نہیں چاہتے، نعروں کی گونج میں تقاریر ہو گئیں، اعراس کی دھوم دھام، چادر گاگر، گنبد و روضہ کی آرائش وزینائش کو قدر شناسی کا معیار بنا لیا گیا ہے، اس خود ساختہ خمول سے ان عبقری شخصیات کو باہر نکالنے کی ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت کی ذات ان شخصیات میں ہے جو اپنے اندر تاریخ کا رخ موڑ دینے کی اہلیت و صلاحیت رکھتی ہیں، جو وقت اور حالات کے رخ پہ نہیں چلتی بلکہ وقت اور حالات کو صحیح سمت پہ لگا دیتی ہیں، اگر یہ جو ہر گر انما یہ دوسری قوم کی زینیل میں ہوتا تو اس کی چمک دمک سے اقوام عالم کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں، اس تعلق سے مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کا درد و کرب لفظوں کی قبازیب تن کرتا ہے تو خاکہ یہ سامنے آتا ہے۔

”اگر آپ کسی دوسری قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو آپ کی زندگی سے وابستہ ہر سانس کو قرینے سے محفوظ کیا جاتا اور آپ کو عالمی شخصیات میں نمایاں مقام دیا جاتا مگر ہم نے ان کی ذات کو صرف عرس اور نذر و نیاز تک محدود کر دیا ہے، سال میں صرف ایک بار ان کے آبائی گاؤں میں ان کا عرس منایا جاتا ہے، لنگر لٹائے جاتے ہیں اور پورے ملک میں خاموشی ہوتی ہے، جبکہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں ان کے نام اور کام پہ محافل و مجالس، ذکر و اذکار اور تقریر و تقریر کا اہتمام ہو نا چاہیے، ان کی شخصیت سے جڑے ہوئے وصف کو

نے اعترافات کے باب میں جماعت اہلسنت کی بڑی بڑی شخصیات کے تاثرات کو جگہ دی ہے، جنہوں نے شخصیت شناسی کا کھل کر اعتراف و اقرار کیا ہے، اس انجمن میں چند اسمائے گرامی تو ایسے ہیں کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات یقیناً قدر شناسی کا مکمل عکس و آئینہ ہیں، مثلاً حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی، صدر الا فاضل حضرت علامہ مفتی سید شاہ نعیم الدین مراد آبادی، شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی عبدالمقتدر بدایونی، امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور، شمس العلماء حضرت علامہ مفتی شمس الدین احمد رضوی جوئی پوری، قطب مدینہ حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی، حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارکپوری، حضرت علامہ سید شاہ قتیل دانا پوری، سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی قدست اسرار ہم، ان اساطین امت اور اکابرین ملت کے علاوہ اور بھی اہم شخصیات ہیں جن کی قیمتی تحریریں حضور مجاہد ملت کی شخصیت شناسی میں نئی نسل کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، کتاب کا آخری حصہ مناقب پر مشتمل ہے، جس میں جماعت اہلسنت کے چند نامور شعرائے کرام کے قلم سے تحریر کردہ مناقب شامل کر کے کتاب کی زیب و زینت دو چند کر دی گئی ہے۔

حضور مجاہد ملت کے دینی، ملی اور علمی کارناموں کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ ان کے قرار و واقعی تعارف کے لیے ٹیم ورک کی ضرورت ہے، جو کام بھی ہو رہا ہے اس میں نظم

مجوزہ خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے ملت کے سرکردہ افراد کا جو تعاون مطلوب تھا نہ مل سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خاکہ بھی رنگ بھرنے والوں کی راہ تکتا رہ گیا، آپ کے وصال کے بعد تو کچھ اور ہی نقشہ بن گیا، اس تعلق سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا تیور دیکھئے۔

”اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مجاہد ملت کون ہیں؟ تو چند جملوں میں میرا جواب ہوگا کہ مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اعلیٰ حضرت کی تحریک تحفظ ناموس رسالت کو مرنے نہ دیا بلکہ اپنی علمی شان اور عملی آن بان سے اس کے تن نازنین میں نئی جان ڈال دی، مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے حضور حجۃ الاسلام کی اجازت و خلافت کا نہ صرف بھرم رکھا بلکہ دنیا کے سامنے اپنے کردار و عمل سے رضوی خلافت کا اصلی مقام اس سوز و گداز سے پیش فرمایا کہ دنیا عیش و عشرت اور اٹھی، مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے اپنے شخصی طغیانیہ اور بے تکلفانہ دوستی کے باوصف حضور مفتی اعظم ہند سے نیاز مندانہ ملنے میں اپنی سعادت سمجھی، مجاہد ملت وہ ہیں جن کی تخیلاتی سروں کی شاخ طوبیٰ پر بریلی کی یادوں کا عندلیب بے تکان چمکتا ہی رہا، مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے اپنے مجاہدانہ کردار سے قوم و ملت کی زلف برہم سنوارنے میں زندگی گزار دی۔“ (حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات)

حضور مجاہد ملت یوں تو سلسلہ نقشبندیہ میں رئیس الاولیاء حضرت علامہ شاہ محمد عبدالکافی قدس سرہ کے دست حق پرست

بڑے پیمانے پر جا گر کیا جانا چاہیے، اس طرح نسل نو ان سے قریب ہوتی اور اس کے اندر ملک و ملت کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔“

حضور مجاہد ملت نے مسلک کی سالمیت، امن و امان کی بحالی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے ”تحریک خاکساران حق“ کا خاکہ ترتیب دیا اور اس کا مضبوط دستور العمل مرتب فرما کر اسے زمینی حقیقت عطا کی، اگر اس تحریک کو بال و پر فراہم کیا گیا ہوتا اور آپ کے ملی کرب اور قومی درد کو طبقہ خواص کی زبان مل گئی ہوتی تو آج ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا بہت حد تک بحال ہو گئی ہوتی، اقلیتوں کے حقوق کی بحالی کی ممکن راہیں ہموار ہوتیں، لیکن افسوس کہ اس تنظیم کو حضور مجاہد ملت کا جذبہ اخلاص تو ملا مگر قدر ناشاسوں کے ہجوم میں اخلاص و للہیت کے جذبے سے سرشار یہ نعرہ نفاذ خانے میں طوطی کی گونج بن گیا۔

حضور مجاہد ملت نے دین کی سرفرازی اور مسلمانوں کی ترقی و خوش حالی کے لیے ”آل انڈیا تبلیغ سیرت“ کا مضبوط پلیٹ فارم تشکیل دیا، اس تحریک کے پس پردہ آپ کا جذب دروں یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کر کے ان کی شیرازہ بندی کر دی جائے اور بھٹکی ہوئے آہوں کو سوائے حرم لے کر چلا جائے، نیز معاشی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں ان کی زبوں حالی دور کرنے کی کوشش کی جائے، وہ ہندوستان میں مسلمانوں کو تعلیم یافتہ اور امن و امان کے ساتھ ان میں زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے، لیکن اس خواب کی تعبیر کے لیے اور اس

گے مگر جو درد ان حضرات کے سینوں میں تھا وہ درد اور تڑپ رکھنے والے خال خال نظر آئیں گے کاش! مجاہد ملت و دیگر اکابر امت کے نام پر روٹی سینکنے والوں کو ان کے اخلاص للہیت اور راست بازی سے بھی کچھ حصہ مل گیا ہوتا تو آج جماعت اس دور آزمائش سے نہیں گزر رہی ہوتی، اس تعلق سے مولانا رحمت اللہ صدیقی جماعتی دکھ درد کی تصویر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضور مجاہد ملت کے سینے میں جو ملی درد تھا، جو تڑپ تھی اور حق کا جو آتش فشاں تھا آج اس درد، تڑپ اور آتش فشاں کو، کوئی قبول کرنے کے لیے آمادہ و تیار نہیں ہوتا، ان کے عشق کی تپش اور ان کی زندگی کا پاکیزہ حسن نقلی مجنوں کے ہجوم میں چھپتا جا رہا ہے، ان کے عشق اور ان کی حیات کے تابندہ نقوش کو وقت کے نقلی مجنوں سے بچانے کی اشد ضرورت ہے، حضور مجاہد ملت نے بے راہ روی، بد عقیدگی اور صلح کلیت کی نسوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا، آج ان کی تعمیر کردہ چہار دیواری میں صلح کلیت کا اڑدھا ٹہلتا دکھائی دیتا ہے، انھوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا جو حصار باندھا تھا آج لوگ اس حصار کو توڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں، انہوں نے اپنے خون جگر سے خوش عقیدگی، جرأت و بے باکی اور صدق و صفا کے جو چراغ روشن کئے ہیں ان چراغوں کی روشنی کو تیز سے تیز کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ آزاد خیالی، فکری آوارگی اور مسلک بیزار عناصر کے منصوبے خاک

پر شرف بیعت اور ارادت و خلافت رکھتے تھے لیکن حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی شاہ حامد رضا خاں قادری بریلوی سے اجازت کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں عام طریقے پر لوگوں کو بیعت و ارادت سے نوازتے رہے، بعض خواص کی خواہش پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت و ارادت سے سرفراز کرنے کی روایت بھی ہے، وہ اعلیٰ حضرت کے نادیدہ نیاز مند و عقیدت مند تھے، اعلیٰ حضرت کی وفا کشیوں کی اولین فہرست کا بہت نمایاں نام تھے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں سرگرم رہنے والا یہ مجاہد اپنی خدمات کے پس منظر میں اپنے عقیدت کیشوں اور نیاز مندوں سے بطور خراج انہی جذبوں کا مطالبہ کر رہا ہے، مجاہد ملت جہاں ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت بن کر رہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی نقابت و ترجمانی آپ کا بہترین تعارف نامہ ہے، اس تعلق سے مولانا رحمت اللہ صدیقی نے بہت درست تبصرہ کیا ہے۔

حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت یہ عنوان حضور مجاہد ملت کی زندگی کا سرنامہ بھی ہے اور شناخت نامہ بھی، حضور مجاہد ملت کو آپ جتنے خانوں میں تقسیم کریں گے، ہر خانے کا رشتہ اسی عنوان سے آکر ملتا ہے بلکہ آپ کی پوری زندگی اسی عنوان پر گردش کرتی نظر آتی ہے اور بد عقیدگی کے طوفان بد تمیزی سے قوم و ملت کے افراد کو بچانے کے لیے حضور مجاہد ملت و دیگر اکابرین امت نے جس اخلاص اور پامردی کے ساتھ مجاہد کو سنبھالا اور صلح کلیت کے خلاف نعرہ حقانیت بلند کیا، حیف آج جماعت میں ان کے نام پہ نعرے لگانے والے تو ملیں گے، ان کا خطبہ پڑھ کر واہ واہی لوٹنے والے تو نظر آئیں

شادمانی کا احساس ہے کہ یہ کتاب حضور مجاہد ملت کی وسیع حیات و خدمات کا ایک اجمالی اشاریہ بن کر منظر عام پر آئی ہے، اب اس پہ مزید تاج محل کی تعمیر کا تقاضا ہے، اس سلسلے میں حضور مجاہد ملت کی زندگی کے پھیلے ہوئے گوشوں میں سے بعض اہم گوشوں کی جانب انہوں نے جماعت کے حساس، بیدار مغز صاحب صلاحیت افراد کی علمی و فکری توجہ کا مطالبہ رکھا ہے، کاش چند صاحبان دل اس جانب توجہ فرمائیں تو حضور مجاہد ملت کی فرار واقعی خدمات سے دنیا کو بخوبی آگاہی ہو سکے، کتاب اپنی پیش کش کے اعتبار بہ سے بہتر ہے، کاغذ عمدہ اور طباعت معیاری ہے، رب کی رحمت اور مولانا کے خلوص سے امید ہے کہ کتاب اہل علم، اہل عقیدت اور اہل ذوق میں قبولیت حاصل کرے گی۔

مکتبہ رحمانیہ رضویہ، محلہ سوداگران، بریلی شریف سے کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

میں مل جائیں، انہوں نے جماعتی وقار کو جس حوصلے سے اعتبار بخشا ہے، اس حوصلے کے فروغ میں اگر کوئی طاقت مزاحم ہوتی ہے تو اس طاقت کو شدت سے پکڑ دینے کی ضرورت ہے، ان کی کتاب حیات میں ہمارا تابناک مستقبل محفوظ ہے۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر کا ہر اقتباس جماعتی درد و کرب کی تصویر ہے، اس کتاب میں جا بجا ملی کرب اور بے چینی کا ظہار ملے گا، کہیں کہیں اس اظہار میں لہجے کی کاٹ تیز ہو گئی ہے، لیکن عمل جراحی سے گزرتے ہوئے فاسد مادوں کو نکالنے کے لیے سینے پہ پتھر رکھنا پڑتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مولانا رحمت اللہ صدیقی کا یہ اخلاص ہے کہ جماعت کی زبوں حالی پہ درد و کرب بھرا مرثیہ لکھ کر قوم کے حساس اور بیدار مغز حضرات کے روبرو کر دیا۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر کی پختگی اور شعور کی بالیدگی دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی، مجھے بے پناہ مسرت و

حرا کا چاند

نام کتاب: حرا کا چاند

شاعر: مولانا عبدالرزاق راہی ضیائی

صفحات: ۶۴

ہدیہ: ۷۰ روپے

ناشر: ضیاء پبلی کیشنز، دارالعلوم ضیاء الحیب، مرولیا، پرولیا، مغربی

بنگال

ملنے کے پتے: نشاط بکڈ پو، بمقابل فار اسٹیشن، آسنسول، مدرسہ

اہل سنت مخدوم العلوم شری پور بازار بردوان۔

تبصرہ: مولانا ملک الظفر سہسرامی، دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

(بہار)

اسلامی نقطہ نظر سے نفس شاعری قابل تحسین نہیں رہی

بلکہ شعراء کی آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی کے سبب اسلام

کے نزدیک شاعری قابل مذمت ہی سمجھی گئی۔ چنانچہ جب

شعراء کی مذمت میں آیت قرآنیہ کا نزول ہوا تو اسلام کے

دامن سے وابستگان کی نیند حرام ہو گئی اور روتے روتے ان کا

حال خراب ہو گیا۔ لیکن اسی اسلام نے جب شعر و سخن کا قبلہ

درست کیا، آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی کو پابند سلاسل

کیا، بھٹکے ہوئے آہو کو حرم کا راستہ دکھا کر ان کے افکار و خیالات

کی تطہیر فرمائی تو حضرت حسان بن ثابت انصاری، حضرت

کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے دوسرے اصحاب

کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شعر و سخن سے بھی گلشن

اسلام کی آبیاری اور حسن کاری کی قابل قدر زریں خدمات

انجام دیں اور آج تک ان کی اتباع و پیروی میں شعراء

حضرات فن شاعری کا استعمال حمد باری تعالیٰ، نعت پاک مصطفیٰ

علیہ التحیۃ والثناء میں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جس طرح

دشمنان اسلام اور شائمان رسول علیہ التحیۃ والثناء کی گوشمالی اور

ان کی ہجو قرن اول کے پاک طینت اصحاب کی خصوصیت تھی

آج بھی ان کی اقتدا و پیروی میں شعراء اسلام اس ذمہ

داری سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ اس قبیل کے شعراء کو آقائے

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہم ایدہ بروح القدس، جیسی پاکیزہ

دعاؤں سے نواز کر دولت بے بہا عطا فرمادی۔ میرے خیال

میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک دعا قیامت تک کے ان

تمام مسلم شعراء عظام کے حق میں ہے جنہوں نے اصحاب

کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اقتدا و پیروی میں شعر

و سخن کی بیاض روشن کی۔

نعتیہ شاعری ہر دور میں مسلمانوں کے بے قرار جذبوں

غالب جیسے استاذ اور قادر الکلام شاعر نے نعتیہ شاعری کے میدان میں قدم رکھے تو یہ بھاری پتھران سے نہ اٹھ سکا اور اپنے فکروں کی سلامتی اسی میں محسوس کی۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدیست

اوصاف محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کے بیان میں قادر الکلام شاعر نعت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اسی عجز بیان کو اپنی نعتیہ شاعری کا دیباچہ و اختتامیہ بناتے ہوئے گویا نظر آتے ہیں۔

تیرے تو وصف عیب تنہا ہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

عاجزی و در ماندگی کے تمام تر اقرار و اعتراف کے باوصف ہر دور میں مخلص ارباب فکر نے بے قرار جذبوں کی تسکین کے لیے نعت کی بیاض سجائی سنواری۔ حضرت راہی ضیائی بھی انہی مخلص ارباب فکر و خیال کی ایک کڑی ہیں جنہوں نے نام و نمود سے دور رہ کر ایوان نعت کو اپنے اشعار سے سجانے سنوارنے کی کوشش کی۔ آپ کا تعلق شعرائے کرام کی اس نسل سے ہے جو لفظوں کی شیشہ گری سے زیادہ معانی کے لعل و گہر تلاش کرنے میں رہتی ہے۔ زیر تبصرہ مجموعہ نعت ”حرا کا چاند“ موصوف کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ بیچس ۱۹۷۱ء سے

کی تسکین کا سامان بنتی رہی اور اس گلستاں میں عقیدت و محبت کے گل و لالہ کی کاشت ہر دور کے خوش بخت مسلمانوں کا ایمانی شیوہ رہا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے ذکر جمیل سے اپنے فن کو جلا بخشنے کی سعادتیں حاصل کی جاتی رہیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ کی بوقلمونیوں کا احاطہ شاعری میں کیا گیا لیکن حق یہ ہے کہ نعتیہ شاعری کا حق کسی سے ادا نہ ہو سکا اور نہ ادا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ کا بیان انسانی دسترس سے باہر ہے۔

لا یمكن الشاء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
ان کی تعریف و ستائش میں ہر بیان ناقص اور ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ خدا کے بعد انہیں سب کچھ کہا جاسکتا ہے۔
خدا کے بعد انہیں سب کہو خدا نہ کہو۔ اصغر گونڈوی کی زبان میں کہا جائے تو

اگر خموش رہوں میں، تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود
اس بارگاہِ ناز میں ہر بیان عجز بیان کا نمونہ بن کر سامنے آتا ہے جب ہی تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ شاعری کی شاہ راہ سے گزرتے ہوئے اپنی اسی بے بسی کا اظہار فرماتے ہیں:

ماان مدحت محمداً بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

۱۸۹۱ء تک تحریر کئے جانے والے نعتیہ کلام شامل کیے گئے

ہیں۔ اس مجموعہ؟ کلام میں حضرت راہی ضیائی نے اپنا کوئی تعارف نامہ شامل کرنے سے قصداً گریز فرمایا ہے میرے خیال میں وہ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ۔

میں غلام رسول اکرم ہوں
یہ تعارف بڑا تعارف ہے

(منیر قصوری)

یقیناً ان کا یہ مختصر لیکن باوزن مجموعہ نعتیہ شاعری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا اظہار یہ بن کر سامنے آیا ہے اور ایک دیندار مسلمان کا اس سے بہتر کوئی دوسرا تعارف نامہ تحریر نہیں کیا جاسکتا۔

”حرا کا چاند“ عقیدت و نیاز مندی کی بیاض ہے تو عقائد و نظریات کا غیر مبہم اشاریہ بھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بوقلموں صفات کا عکس و آئینہ ہے تو وہیں اس میں عشق رسول کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار جاں فزا بھی عقائد باطلہ فاسدہ کے رد و تردید کی جولانیاں ہیں تو استدلال کا زور بیان بھی، فکر و نظر کی پاکیزگی ہے تو تخیلات کی بلندیاں بھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان حسن و جمال پہ ہر صاحب فکر کا تخیل دست بستہ نظر آتا ہے کوئی قلم ایسا نہیں جو آپ کے بے کراں حسن و جمال کا عکس و آئینہ بنا سکے، کوئی بیاض ایسی تیار نہیں ہوئی جس میں آپ کے جمال جہاں آراء کا مباحثہ بیان آسے کا ہو۔ سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے آپ کے حسن و جمال کا خاکہ مرتب فرمایا تو یہی کہا۔

واجمل منک لم تر قبط عینی
واحسن منک لم تلد النساء
خلقت مبراً من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

حضرت منیر قصوری نے آپ کی اتباع و پیروی فرمائی تو یہ قطعہ اردو داں طبقے کے سامنے بطور ترجمہ پیش فرمایا۔

حضور آپ سے بڑھ کر کوئی حسین و جمیل نہ میری آنکھ نے دیکھا، نہ عورتوں نے جنا حضور آپ تو ہر عیب سے مبرا ہیں کہ جیسا آپ نے چاہا خدا نے خلق کیا

فکر و خیال کی تمام تر بوقلمونیوں کے باوصف نعت کے میدان میں عجز بیانی ہر بلند فکر و خیال شاعر کا اعتراف نامہ بنا۔

شان ان کی سوچئے، اور سوچ میں کھوجائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جائیے
قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پہ روشنی لکھوں
مجھے تو فیتق دے یارب کہ میں نعت نبی لکھوں

نعتیہ شاعری اگر جذبات و احساسات کی ترجمان رہی ہے تو وہیں عقائد و نظریات کا اظہار یہ و اشاریہ بھی، اگر دردِ دل کی تڑپ کا احساس اس میں نمایاں ہوتا ہے تو وہیں وہ امت شکستہ حال کا شہر آشوب بھی اور بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ و الثناء میں

یقیناً دین و دنیا کی تمام بہاریں آپ کی ذات اقدس کا صدقہ و خیرات ہیں۔ آپ کے نقش قدم پہ مر مٹنے والے دارین میں تاجدار بنے نظر آتے ہیں۔

اے زہے قسمت اگر دشت جہاں میں آپ کے نقش پا پر چلتے، چلتے نقش پا ہو جائیے

یہی اظہار خیال حضرت راہی ضیائی کی شاعری کا بھی حصہ بنتا نظر آ رہا ہے۔

شعور زندگی ٹھہرا، فراز بندگی ٹھہرا
وہ رستہ جو نبی کے پائے اطہر کے نشاں تک ہے

وہ راستہ جو ہے منسوب ان کے قدموں سے
وہی تو خلد کا رستہ دکھائی دیتا ہے

دکھلاتا ہے جو منزل مقصود کا رستہ
وہ سرور عالم کے کف پا کا نشاں ہے

نعتیہ شاعری ہر دور میں مسلمانوں کے بے قرار جذبوں کی تسکین کا سامان بنتی رہی اور اس گلستان عقیدت و محبت میں گل و لالہ کی کاشت ہر دور کے خوش بخت مسلمانوں کا ایمانی شیوہ رہا۔ نعت پاک کی ابتدا کے سلسلے میں دانشوروں کے مختلف خیالات اور الگ الگ آراء ہیں۔ لیکن اعتراف حقیقت یہ ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری اور اس کی شاخیں بے پناہ پھلی ہوئی ہیں، پیش لفظ کے تحت ڈاکٹر سید محمد اکمل اجملی رقمطراز ہیں۔

”نعت کی تاریخ عظیم ہی نہیں اس کی جڑیں کافی دور

استغاثہ اور فریاد بھی ہے۔ حضرت راہی ضیائی بھی اس چارہ ساز بے کساں، والی امت کے حضور استغاثے کی زبان بن کر فریادی نظر آتے ہیں۔

ذلیل و خوار، پریشاں کی داستان سینے
غموں کے مارے مسلمان کی داستاں سینے

شکستہ حال یہ امت سلام کہتی ہے
حضور! میری عقیدت سلام کہتی ہے

خدا نے آپ کو بخشا ہے اختیار جہاں
مٹائیے مرے ماتھے سے کلفتوں کے نشاں

ہر ایک ساعت کلفت سلام کہتی ہے
حضور! میری عقیدت سلام کہتی ہے

لا ریب دارین کی تمام بہاریں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ہیں۔ عزت و سرخ روئی کا دیباچہ ان کے مقدس قدموں سے لپٹ کر، خاک پائے ناز چوم کر تحریر ہوتا ہے۔ زندگی و بندگی کے تمام اوراق پر انہی کے نقش قدم سے روشنی و تابانی ہے، اجالوں کی تمام کرنیں انہی کے عارض منور سے خیرات لے کر طلوع ہو رہی ہیں، ان کے نقش قدم سے الگ ہٹ کر نہ زندگی، زندگی ہے اور نہ ہی بندگی، بندگی۔ یقیناً اس بابرکت ذات سے۔۔۔۔۔ ع

سب	حروف	روشن	ہیں
سب	ورق	سنہرے	ہیں
زیست	کی	کتابوں	کے

تک اپنا پھیلاؤ رکھتی ہیں، قرآن و حدیث کے مطابق جو نعت گوئی کے لیے اصل سرچشمہ اور آپس میں اجمال و تفصیل کی حیثیت رکھتے ہیں نعت کی ابتداء خدائے پاک کی خلقت اول سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیات لَمْ نُقِمْ بِهَذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حَلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ يَا اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰئِكَتُهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى النَّبِيِّ اَيُّهَا الْمُرُوْءُ مِمَّنْ لَّمْ يَلٰئِيْ اِلَّا قَلِيْلًا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ یونہی حروف مقطعات مثلاً ط، یس، المص، یہ سب نعت محمدی کی واضح و روشن دلیلیں اور تاریخ نعت کی اہم کڑیاں ہیں، یہ تو چند مثالیں ہیں جو میں نے دی ہیں ورنہ پورا قرآن کریم نعت محمدی سے پر ہے۔ اور پھر پروردگار عالم جل جلالہ کے حکم سے نہ صرف اس کے مقدس فرشتوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو کر نور محمدی کو تعظیم دی اور عملی طور پر خود کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مداحوں میں شریک و ثابت کیا بلکہ خدائے پاک کی تمام مخلوقات میں ان کی صفات کے گن گائے اور ان کی خوبیوں کو بیان کیا، بالخصوص انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں ان کے اوصاف و کمالات بیان کیے اور ان کی آمد کی پیشگوئی فرمائی، ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام نے ان کے اوصاف بیان کیے اور انہیں اپنا وسیلہ بنایا، جناب شیث علیہ السلام نے انکا ذکر کیا، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی صفات گنائیں، سیدنا ادریس علیہ السلام نے ان کی تعریف کی، ابو

الانبياء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بعثت کے لیے دعاء کی اور ان کے علم و حکمت کے گیت گائے اور حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے کردار و عمل سے ان کے صبر و استقامت کو خراج پیش کیا۔ غرضیکہ رسول عربی کا نور پاک جس جس کی پیشانی میں چکا ان سبھوں نے آپ کی انفرادیت اور کمال یکتائی کے گیت گائے، اس لیے کہ یہی نور پاک سب کی نجات کا باعث تھا، اسی نور کی بدولت سارے لوگ مامون و محفوظ تھے۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجینا

رفعت مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کے تعلق سے بعض کج فہم حضرات کا یہ اعتراض ہے کہ ہم مداحان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نعت نگاری کے مرحلے سے گذرتے ہوئے مبالغے سے کام لیتے ہیں بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ گذرے ہیں کہ ثنائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم غلو کی حد سے گذر جاتے ہیں، اولاً ایسا کوئی خوش عقیدہ شاعر پیش نہیں کیا جاسکتا جس نے عبد و معبود کا فرق ملحوظ نظر رکھے بغیر نعت گوئی کی ہو۔ دوم یہ کہ حد سے گذرنے کا دعویٰ اس وقت قابل قبول ہوگا جب مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کی حد مقرر کر دی جائے۔ رفعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیمانہ مقرر کر دیا جائے، ورنہ لک ذکر کر، اے محبوب ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند فرمایا،

میرے خیال میں آج تک ایسا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہو سکا جو مقام رفعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کی حد مقرر کر سکے

یہاں تو بس اگر کوئی حد ہے تو یہی ہے۔ ع

خدا کے بعد انہیں سب کو خدا نہ ہو

اور اسی اسلامی فکر کے زیر اثر شعرائے کرام بیاض نعت میں سرکار دو جہاں فخر موجودات، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جمال جہاں آراء کی تصویر کشی و منظر نگاری کرتے ہیں نیز ان کی بوقلموں صفات کے بیان سے نعتیہ شاعری کو تلب و تاب دیتے نظر آتے ہیں۔ حضرت راہی ضیائی بھی اسی لئے میں لئے ملاتے ہوئے نعتیہ شاعری کا سفر تدریجاً طے کرتے نظر آتے ہیں۔

انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری کو اپنے عقائد و نظریات کا ترجمان بنا کر پیش کیا ہے۔ سلف سے خلف تک جمہور مسلمین کا جن عقائد و نظریات پہ اتفاق تھا آج ان کے خلاف منصوبہ بند انداز میں محاذ آرائی کی جا رہی ہے، اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان و اسلام کو ہی قرآن مقدس نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے معیار مقرر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ”فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اھتدوا“

جن عقائد و نظریات کے خلاف آج شرک و بدعت کے نعرے لگائے جا رہے ہیں وہ قرن اول کے مقدس مسلمانوں کا نشان امتیاز رہا ہے۔ حضرت راہی ضیائی کا یہ مجموعہ نعت ”حرا کا چاند“ بھی انہی اسلامی عقائد و نظریات کا ترجمان بن کر ابھرتا ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں اگر تعلق باللہ کا اظہار ہے تو وہیں رسول کو نبین ﷺ سے رشتہ غلامی مضبوط کرنے پہ بھی زور صرف کیا گیا ہے۔

سرزمین نجد سے اہانت رسول کی ایک مہم کا آغاز ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ کے غیر اسلامی افکار و نظریات کے فروغ میں محمد بن عبدالوہاب نجدی نے نام نہاد توحید خالص کا علم بلند کیا اور توحید کے پرستاروں کو ایک نئی راہ پہ لگا دیا۔ نئے عقائد و نظریات کی داغ بیل ڈالی جس کا تانا بانا اسلام اور دین سے قطعی نہیں ملتا۔ رسول کو نبین ﷺ کی صفات عالیہ پر حملے کیے گئے، ان کے علم و فضل پہ نکتہ چینیاں کی گئیں، علم غیب عطائی کا نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ تمسخر و استہزاء کے انداز میں گفتگو کی گئی، اختیارات مصطفیٰ کا انکار کیا گیا۔ ان باطل افکار و نظریات کے رد و ابطال میں علمائے اہل سنت ہمیشہ نثر و نظم کے ذریعے سرگرم عمل رہے۔

حضرت راہی ضیائی بھی انہی حق پسند، حق گو علماء کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں اور اشعار میں انہوں نے ان باطل عقائد و نظریات کا سنجیدگی کے ساتھ بھرپور رد فرمایا ہے۔ آقائے کونین ﷺ سے بڑے بھائی کا رشتہ قائم کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والے کو رچشموں سے مخاطب فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

بعد میں کیجئے دعویٰ مشیت پہلے تو سین تک تو گذر جائیے

لا ریب تمام رفعت افلاک جس کی گرد راہ ہو، جو مقام ”قاب قوسین او ادنیٰ“ سے گذر رہا ہو اس سے مشیت اور ہمسری کا دعویٰ فکری و نظریاتی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔ اس مقام پہ تو ایک مومن کامل کا عقیدہ حضرت راہی کی زبان میں

یہی بول رہا ہے۔

اللہ رے مختار دو عالم کا تصرف

یارائے سخن پائے حجر دیکھ رے ہیں

منزل قاب قوسین ان کو ملی

اپنے جیسا انہیں کس طرح ہم کہیں

ادب و احترام بارگاہ نبوی علیہ التحۃ والثناء کا درس تو ہمیں
اصحاب کرام سے ملا قرآن مقدس کے روشن صفحات میں بارگاہ
نبوی کے تعلق سے ادب و احترام کی شمع قدم بقدم تابناک نظر
آتی ہے۔ حضرت راہی اس بارگاہ ناز میں پلکوں سے چلنا بھی
بے ادبی تصور کرتے ہیں اور بے ادبوں کو ایمان کی مکمل
حرارت کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔

ایسے گستاخ اور دریدہ دہنوں کو مکمل استدلالی قوت کے ساتھ
جواب دیتے ہیں۔

اے کج نگاہ! دیکھ صداقت کی آنکھ سے

اعجاز و اختیار جو شق القمر میں ہے

جلیں تو جلتے رہیں دشمنان دین و خرد

جنہیں ہے پاس ادب وہ قیام کرتے ہیں

اس شعر میں ”صداقت کی آنکھ سے“ کا استعمال بھی

بہت معنی خیز محسوس ہوتا ہے۔ ایک مفہوم تو بالکل ظاہر ہے۔
لیکن دوسرا معنی یہ بھی نکلتا ہے کہ معجزہ شق القمر کو حضرت سیدنا
صدیق اکبر و دیگر جاں نثار اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمعین کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
جو سراپا ابھرتا ہے وہ ایک مجبور کا نہیں بلکہ مختار کل کا۔ لیکن
اختیار کی یہ تمام بہاریں دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ اسے
نظر آئیں گی جسے صداقت کی نظر نصیب ہوئی ہے۔ منافقت کی
نگاہ سے یہ تجلیات نہیں دیکھی جاسکتیں۔

عقیدے کے اس شعر میں کس قدر برجستگی ہے، کیا حسین
پیرایہ بیان ہے ”جلیں تو جلتے رہیں“ اور پھر ”دشمنان دین
و خرد“ کی ترکیب بھی بہت بلند اور معنی خیز ہے یعنی آداب
بارگاہ نبوی میں ادب و احترام کی تصویر بن جانے والے
عقیدت مند مسلمانوں پر جو لوگ چسپنجیں ہو رہے ہیں وہ
دشمنان دین ہی نہیں عقل و خرد سے بھی پیدل ہیں۔

ہر شاعر کی فکر اور اس کا تخیل رفعت و عظمت مصطفیٰ علیہ

التحیۃ والثناء کے بیان میں عجز بیان کا شکار نظر آتا ہے اور مقام
مصطفیٰ کے بیان میں اپنی بلندی فکر اور پرواز تخیل کی بے بسی کا
اسے قدم بقدم احساس ہوتا ہے۔

آنکھ والے تیرے جو بن کا تماشا دیکھے

دیدہ کو رکو کیا آئے نظر؟ کیا دیکھے

منکرین اختیار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدات کے اجالے

میں اختیار مصطفیٰ کی بہاریں دکھاتے ہوئے حضرت راہی
فرماتے ہیں:

یہاں تو ہر بیان عجز بیان کا نمونہ بن جاتا ہے پرواز تخیل
میں حضرت راہی ضیائی بھی اسی بے بسی اور عجز بیانی کا ظہار

ہر سمت گھٹا ہے ظلمت کی

کرتے ہیں۔

اے نور خدا اے نورِ مبین

زمیں سے آسماں تک یا مکاں سے لامکاں تک ہے

اے عظمت کعبہ آجاؤ

خدا جانے مرے سرکار کی عظمت کہاں تک ہے

شکستہ حال ہیں اب خیر امت کے لقب والے

سرکارِ دو عالم کے حسن سراپا اور جمال جہاں آرا کے بیاں

خدا را کیجئے بندہ نوازی یا رسول اللہ

میں ہر عقیدت مند و نیاز مند نے نجوم و کہکشاں کی بارات سجائی

نہ کر دے مجھ کو خائف کفر کی یہ تیز و تند آندھی

ہے لیکن حضرت ام معبد نے رسول کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن

اغثنی یا رسول اللہ اغثنی یا رسول اللہ

و جمال کی جو تصویر کشی کی ہے اور جو خاکہ مرتب فرمایا ہے اس

یوں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اسیر تمام
مسلمان نظر آتے ہیں لیکن محبت کے اس دعوے پہ مالک کو نین
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر تصدیق مثبت فرمادی اور اسے اپنی غلامی
میں قبول فرمالینے کے شرف سے نواز دیا تو یقیناً اس مومن کی
غلامی کی معراج ہے اسی آرزو و تمنا کا اظہار حضرت راہی ضیائی
بھی کرتے ہیں۔

کے سامنے تو ہر بیان پھیکا پھیکا سا لگتا ہے، تاہم عقیدت مانتی

کب ہے؟ حضرت راہی ضیائی نے بھی اس راہ میں عقیدت

و نیاز مندی کے چراغ جلائے ہیں اور اجمال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بوقلموں حسن و جمال کی تصویر کشی خوبصورت انداز میں کر

کے گذر جاتے ہیں۔

جس پہ قربان ہے کائنات جمال

وہ حسین داستاں یا نبی آپ ہیں

تیور بدلتے ہیں اور لب و لہجہ کو نیارنگ و آہنگ دیتے

ہیں تو پھر اس طرح کا مضمون نظم ہوتا ہے۔

کبھی راہی ضیائی کاش کہہ دیں سرورِ عالم

کہ ترے درد کا رشتہ ہمارے آستاں تک ہے

حضرت راہی ضیائی کی تڑپ، اضطراب اور بے چینی کا یہ
تیور ملاحظہ کیجئے جس میں تمنا اور آرزوؤں میں چل رہی ہیں۔

تعالی اللہ حسن پائے ناز احمد مرسل

کہ اس کی ضوفشانی منزل ہفت آسماں تک ہے

بس اک تبسم جاں بخش سے مرے آقا

نواز دیجئے راہی کو جانکنی کے قریب

یہ شعر بھی اضطراب کے اسی تیور میں ملاحظہ کیجئے۔

”چراغِ حرا“ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال

جہاں آراء کا بیان بھی ہے اختیارات و معجزات کا دیباچہ بھی اور

شکستہ حال امت کا استغاثہ بھی

میں ڈوبتی سانسوں کو جاں بخش بنالوں گا

ہے روح پریشاں امت کی

ضیائے چہرہ زیبا سے ہے جمال سحر
 کمال شمع شبستاں ہے گیسوؤں کا اثر
 لیکن اس بے پناہ بلند فکر کے حامل خوبصورت شعر میں
 چہرہ زیبا کی ترکیب گراں ہو جا رہی ہے جب کہ یہاں اس امر
 کی بخوبی گنجائش تھی کہ۔

ضیائے روئے منور سے ہے جمال سحر
 کمال شمع شبستاں ہے گیسوؤں کا اثر

”چراغِ حرا“ یقیناً اپنے متن و مافیہ کے اعتبار سے نعتیہ
 شاعری کے گلشن میں ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا محسوس ہوتا
 ہے۔ جس کے لمس سے ذہن و فکر اور قلب و روح میں ایک
 تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

کونین کے آقا کا اے کاش نظارا ہو
 ”ڈوبتی سانسوں کو جاں بخش بنا لینے“ میں جو خوبصورت
 استعارہ ہے حضرت راہی کی نعتیہ شاعری کا خاص تیور اور انوکھا
 انداز ہے۔

یقیناً یہ مجموعہ نعت اس دور کی نعتیہ شاعری کی آنکھوں میں
 آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہیں
 کہیں کاتب کا تصرف بے جا کھٹکتا ہے ایک مقام پہ ہے۔

ہم مانگ وہ لائیں گے انوارِ مدینے سے
 یہ ربط مسلسل ہے ایمان و عقیدے کا
 حضرت راہی ضیائی کی زبان و بیان کی لطافت اور لب
 و لہجے کی جو پاکیزگی ہے اس سے یہ شعر میل نہیں کھاتا۔

والضحیٰ واللیل اذا سجدی کی روشنی میں حضرت راہی ضیائی کا
 تخیل اور ان کی فکر بہت عمدہ اور نفیس مضمون بندی کے مرحلے
 سے گذرتی ہے۔

باب نہم شعریات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
وہ کنواری پاک مریم و نفخت فیہ کا دم
یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
فَإِذَا فَرَّغْتَ فَانصَبْ يہ ملا ہے تم کو منصب
وَإِلَى اللَّهِ فَارْغَبْ کر عرض سب کے مطلب
ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
ہمیں اے رضا ترے دل کا پتہ چلا بمشکل
کبھی خندہ زیر لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی خاک پر پڑا ہے سر چرخ زیر پا ہے
کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کہ بارش
کبھی وہ چپک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل
کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگ نو کا خواہاں
کبھی گم کبھی عیاں ہے کبھی سرد گہ تپاں ہے
یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہیں مشکل

ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقتِ بخشش آیا
کہ تمہیں کو تکتے ہیں سب کروان پر اپنا سایا
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہو اخدایا
در روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا
کبھی پیشِ در کھڑا ہے سر بندگی جھکایا
کبھی وہ ہجومِ نالاش کوئی جانے ابر چھایا
کبھی وہ لہک کہ بالکل چمنِ جناں کھلایا
وہ جیا کہ مرگِ قرباں وہ موا کہ زیست لایا
کبھی زیر لب نغاں ہے کبھی چپ کہ دم نہ تھایا
تیری قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا

تجھے حمد ہے خدایا
کوئی تم سا کون آیا
وہی سب سے افضل آیا
تجھے یک نے یک بنایا
کرو قسمتِ عطایا
بنو شافعِ خطایا
نہ کوئی گیا نہ آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا
نہ اسی نے کچھ بتایا
تو قدم میں عرش پایا
بڑی جوششوں سے آیا
گلِ قدس لہلہایا
کہے روح ہاں جلایا
رخ کام جاں دکھایا
میں انہیں شفیع لایا

سید اولادِ رسولِ قدسی

شریعت کے روح رواں اعلیٰ حضرت

شریعت کے روح رواں اعلیٰ حضرت
 فقہت کے ہیں آسماں اعلیٰ حضرت
 ہے دم کس میں اتنا مٹا پائے ان کو
 ہیں دل میں ہمارے نہاں اعلیٰ حضرت
 گریں بجلیاں باطلوں کے دلوں پر
 لیا نام ان کا جہاں اعلیٰ حضرت
 بتاؤ ہمیں ڈھونڈ کر ہر طرف تم
 جہاں میں کوئی ہے کہاں اعلیٰ حضرت
 نہیں ملتے مدحت کے الفاظ موزوں
 ہیں ایسے بلیغ البیاء اعلیٰ حضرت
 سر اپنا پٹکتے رہیں گے مخالف
 رہیں گے یونہی ضوفشاں اعلیٰ حضرت
 انہیں دیکھ کر فن کی آنکھیں ہیں خیرہ
 سخن کے ہیں روشن سماں اعلیٰ حضرت
 ہے حقانیت ان پہ سرشار و قرباں
 ہیں ایمان کی قلب و جاں اعلیٰ حضرت

شریعت، طریقت، حقیقت کے باوصف
 در معرفت کے نشاں اعلیٰ حضرت
 گلستانِ تجدید کے ہیں گلِ تر
 ہیں خوشبوئے عزمِ جواں اعلیٰ حضرت
 اٹھا ہی نہیں سکتا حاسد کبھی سر
 ہیں عظمت کے کوہِ گراں اعلیٰ حضرت
 یہ ممکن نہیں ہم کو بہکادے کوئی
 ہمارے ہیں جب پاسباں اعلیٰ حضرت
 ہے اندازِ عشقِ نبی ان کا شاہد
 ہیں حقدارِ باغِ جناں اعلیٰ حضرت
 بسا کر دلوں میں نبی کی محبت
 ہمیں کر گئے شادماں اعلیٰ حضرت
 زمانہ ہے مداح آج ان کا قدسی
 نبی کے ہیں یوں مدح خواں اعلیٰ حضرت

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی

{ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی ایک جھلک }

یہ بات یقیناً حقیقت پر مبنی ہے کہ عالم اپنے عہد اور ماحول کا ترجمان ہوتا ہے..... جس فکر سے قوم و ملت کی دینی، ملی، مسلکی رنگوں کو چوٹ لگتی ہے اس کا احساس عالم ہی کو ہوتا ہے اور وہی اس فکر کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے..... حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی کا شمار ایسے ہی درد مندان ملت میں ہوتا ہے..... انہیں باطل کے مقابلے میں کبھی خوف زدہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا..... اس کا اظہار ان کی قلمی لسانی نگارشات سے ہوتا ہے..... انہوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے..... ان کی کتابوں سے ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے..... ان کی تحریرات میں پیچیدگی ہوتی ہے..... ژولیدگی نہیں ہوتی..... وہ اپنے قاری کو ریاضت کی دعوت دیتے ہیں..... ان کا قلمی میدان اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت، اور اسلاف شناسی ہے..... ذیل میں ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی فہرست ملاحظہ کریں اور اگر مطالعہ کا شوق بیدار ہو تو ان سے رابطہ کر کے ان کی کتب حاصل کریں..... ویسے عرس اعلیٰ حضرت میں،، مکتبہ ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت“ کے نام سے ان کا مکتبہ لگتا ہے.....

مطبوعہ کتابیں

- (۱)..... خنجر حق..... (خلیل بدایونی گروپ کی ”کتاب اظہار حق“ کا جواب)
- (۲)..... حقیقت یا صرف افسانہ“ (نعت کا شرعی محاسبہ“ کا بہترین جواب)
- (۳)..... سلک السلوک (حضرت بخشیش علیہ الرحمۃ کی فارسی کتاب ”سلک السلوک“ کا اردو ترجمہ)
- (۴)..... آفتاب و ماہتاب (بدایوں شریف کے چھوٹے بڑے سرکار کے تذکروں پر مشتمل ہے)
- (۵)..... دعوت اسلامی کا تجزیاتی مطالعہ.....
- (۶)..... مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر
- (۷)..... مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات و خصوصیات
- (۸)..... مسلک اعلیٰ حضرت تعریفات و خصوصیات
- (۹)..... مذہب و مسلک کا حقیقی عرفان

غیر مطبوعہ کتابیں

- (۱)..... مفتی اعظم ہند اپنے عشق و عرفان کے تناظر میں
- (۲)..... شخصیات شناسی
- (۳)..... حضور شمس العلماء حیات و خدمات
- (۴)..... تذکرہ محمد سلیمان صاحب بھاگل پوری
- (۵)..... کنز الایمان پہ بعض تحقیقات کا منصفانہ جائزہ
- (۶)..... امام احمد رضا اور ان کے نوذرات

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کی تاریخی پیشکش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر ہم دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں

ملنے کا پتہ:

مکتبہ حضرت ضیاء الدین بخشیش محلہ چودھری سرائے شکیل روڈ بدایوں
مکتبہ رضویہ رحمانیہ، محلہ سوداگران، بریلی شریف

نوادرات کوثر

سیوان کی سرزمین مذہب پرستی، مسلک نوازی اور اسلاف شناسی میں ممتاز ہے۔ زمین اپنے پیڑ پودوں، گل بوٹوں اور سبزی و شادابی سے پہچانی جاتی ہے۔ ماضی قریب میں سیوان کی زمین نے دانش ور علما کی اچھی فصل تیار کی ہے انہیں دانشور علما میں حضرت مولانا کوثر امام قادری رضوی کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا موصوف کی علوم فنون کی مختلف شاخوں پر گہری نظر ہے۔ ان علوم و فنون میں فن حدیث و اصول حدیث سے ان کی گہری وابستگی ہے۔ انہوں نے اپنی حدیث دانی سے اپنے ہم عصر علما و مشائخ کو متاثر کیا ہے۔ زبان و قلم میں بھی ان کو خاص عبور حاصل ہے۔ ان کی حدیث دانی و روایت بیانی کے تناظر میں اگر انہیں محدث عصر کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا موصوف ہمیشہ ملک و ملت، دین شریعت اور اصول طریقت کی مشاطگی میں مصروف رہتے ہیں ان میں بصیرت بھی ہے اور بصارت بھی۔ ان کی زبان و قلم سے نکلے ہوئے جواہر ریزے بڑی تعداد میں کتابی شکل میں منظر عام پر آکر اپنے عصر کو متاثر کیا ہے۔ ذیل میں ان کی چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب و رسائل کی ایک فہرست اس نیت سے دی جا رہی ہے کہ اہل ذوق ان کی مطبوعہ کتب و رسائل سے استفادے کی راہ تلاش کریں اور اپنی روحانی آسودگی کا سامان کریں۔

غیر مطبوعہ

مطبوعہ

- * شیخ البانی افکار و نظریات
- * مجمع الاخبار من المسانید والاثار (عربی)
- * کلمات بدیعہ فی تراجم حنفیہ (عربی)
- * الفیض السماوی فی احادیث البیضاوی (عربی)
- * از الة الغواشی عن احادیث اصول الشاشی (عربی)
- * ہندوستان میں فروغ حدیث
- * فروغ حدیث میں عورتوں کا کردار
- * غوث و خواجہ کی انقلابی تحریکات
- * کس کی جائے ولادت ہے بیتِ حرم؟
- * تاج شریعت
- * میزان الحدیث
- * مشکل الحدیث
- * مسند علی ایک مطالعہ
- * صحیفہ علی ایک تحقیقی جائزہ
- * تدفین رسول میں تاخیر کیوں؟
- * قرآن اور عصر جدید
- * صدقہ فطر کا نصاب
- * نقاب و حجاب
- * اسرار الحدیث
- * شعیب الحدیث
- * فرقہ شمع نیاز یہ
- * مسئلہ بیعت و خلافت
- * انوار تصوف
- * مساجد میں عورتوں کی نماز
- * تاریخ رسالت کو یز

- * تنویر السنن (عربی)
- * بستان الحدیث
- * میں کیا پڑھوں؟
- * صلاة النبی
- * فیض العزیزی فی شرح ترمذی (اول)
- * عظمت شب برأت ایک تحقیقی مطالعہ
- * اولین علوی
- * منظوم اصول حدیث
- * ایک ہاتھ سے مصافحہ کی حدیثیں ایک جائزہ
- * جلسہ و جلوس احادیث کی روشنی میں
- * اسلام اور فلسفہ نکاح
- * انقلابی تقریریں
- * سیرت فخر الاولیاء

ملنے کا پتہ: امام احمد رضا اکیڈمی، صالح پور، بریلی شریف، یوپی

حضرت علامہ الحاج محمد فرخند علی نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے دینی جذبوں کا عکس جمیل
 علامہ کامل سہسرامی علیہ الرحمہ کی تمناؤں کا مرکز اور صوبہ بہار میں مسلک اعلیٰ حضرت کا قدیم ترجمان

دارالعلوم خیرہ نظامیہ سہسرام

زیر سرپرستی: حضرت علامہ مفتی محمد ملک الظفر صاحب سہسرامی



دارالعلوم کی پر شوکت عمارتیں

جس کی بہترین تعلیم و تربیت کا ایک زمانہ معترف ہے جس کی آغوش تربیت میں پروان چڑھ کر نہ جانے کتنے افراد آج ملک و بیرون ملک دین اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس کی معیاری تعلیم کے پیش نظر بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ نے یہاں سے جاری ہونے والی سند فضیلت و عالمیت کو ملحق مدارس میں بحالی کے لیے تسلیم کیا ہے نیز ہمدردیونیورسٹی، دہلی، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی نے اپنے یہاں داخلے کے لیے منظوری دی ہے۔ شاہ راہ علم پہ اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے مخلص و دیندار حضرات کے تعاون کی قدم بقدم ضرورت ہے۔

دارالعلوم میں اعدادیہ سے لے کر دورہ حدیث تک اور حفظ و قرأت کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام ہے۔ محنتی اور باصلاحیت اساتذہ کی ایک بڑی جماعت دن رات نو نہالان اسلام کی آفاقی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس کے سالانہ اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اہل خیر حضرات سے مالی، اخلاقی اور فکری تعاون کی اپیل ہے۔ ”ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ“ سنی صحافت کا ایک معیاری نام ہے۔ ہم ”نور مصطفیٰ“ کے ”امام اہل سنت نمبر“ کی تاریخی پیش کش پہ نور مصطفیٰ کے بانی و رفقا کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اپیل کنندہ: مولانا قاری رضوان الہدیٰ مجلس منتظمہ دارالعلوم خیرہ نظامیہ، بارہ دری سہسرام، پن ۸۲۱۱۱۵

نوری ایجوکیشن چیریٹیبل ٹرسٹ کے ماتحت چلنے والے ادارے

گجرات کا دینی، علمی اور مرکزی ادارہ

جامعہ مدینۃ العلوم

رتن پور، ضلع کھیڑا، گجرات

اب تک جامعہ سے ۲۶ / فاضل ۱۵ عالم ۸۹ / قاری ۱۸ / امام ۱ / مفتی کل ۲۹۱ / فارغ ہو چکے ہیں۔ مجتہدہ تعالیٰ فی الوقت جامعہ میں ۳۶۰ / طلبہ اور ۱۲۰ / طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ لڑکیوں کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ ابھی جامعہ میں ۱۹ / مدرس، ۵ / باورچی اور ۶ / دفتری ملازم ہیں۔
ایک طالب علم کا ماہانہ خرچ 1,500 روپے ہے۔



لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا مرکزی ادارہ جامعۃ الصالحات للبنات

رتن پور، ضلع کھیڑا، گجرات

جامعۃ الصالحات سے ۲۰۱۳ء سے اب تک ۸ / عالمہ، فاضلہ فارغ ہو چکی ہیں۔ مجتہدہ تعالیٰ بچیوں کی تعداد: ۱۲۰ / ہے۔ * جامعۃ الصالحات میں ۱۰ / معلمات، ۱ / مفتی اور دو دفتر ملازم مصروف عمل ہیں۔ * جامعہ مدینۃ العلوم کا سالانہ بجٹ تقریباً ۲۵ لاکھ روپے * ایک طالبہ کا ماہانہ خرچ 1,800 روپے ہے۔
 لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے رتن پور میں جامعۃ الصالحات کا سنگ بنیاد نوری ایجوکیشن وقف کمیٹی احمد آباد، رجسٹریشن نمبر 0178 کے ماتحت رکھا گیا ہے جس کا تعمیراتی کام جلد ہی شروع ہونے والا ہے، اس کا سنگ بنیاد پیر طریقت، ہمدرد قوم ملت الحاج سید دادا بابو، ساور کنڈلا، پیر طریقت، شہزادہ خواجہ محمود ریائی دولہا، حضرت علامہ سید صفی اللہ بابو، خلیفہ حضور تاج الشریعہ، خطیب گجرات حضرت علامہ مفتی اشرف رضا برہانی اور سادات کرام، علمائے عظام کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔
 اہل خیر حضرات زکاۃ، صدقات، خیرات، فطرات اور مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے تعمیراتی ساز و سامان وغیرہ دے کر، دلو کر ثواب دارین حاصل کریں۔ اور اس اکاؤنٹ میں ڈال کر ہمیں خبر کریں۔

9879325786 / 9998025510 / 9574339263

A/C Name Noori Education Vakaf Comitty A/C No:916010082434998 (AXIC Bank) IFSC Code:UTIB0000453

اعلیٰ حضرت مجدد، دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات ستودہ صفات عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے دینی قدروں کے فروغ میں قائدانہ رول ادا کیا ہے۔ ان کی حیات کا سرنامہ پیش لفظ اور نشان امتیاز عشق رسول ﷺ تھا خود فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اعلیٰ حضرت کی دینی، ملی اور علمی خدمات میں بڑی وسعت ہے ان کی تعلیمات، پیغامات اور ارشادات میں دین اسلام کی ساری پاکیزہ تصویریں متن میں دیکھی جاسکتی ہیں اسی لیے ان کی ذات نشان منزل و نشان امتیاز ہے۔ ان کا نام لیتے ہی باطل کا پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ ان کے نام میں اتنی برکت ہے کہ اگر گھر کے دروازے پہ ان کا نام لکھ دیا جائے تو برکتیں اتنے لگتی ہیں اور بلائیں واپس ہو جاتی ہیں۔ ہم ادارہ ”نور مصطفیٰ پٹنہ“ کی اس عظیم پیش کش امام اہلسنت نمبر کی اشاعت پہ جناب سید محمد ولی الدین رضوی، حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی، حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی اور حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کو بہت بہت مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی حافظ محمد اشرف صاحب رضوی بانی و سربراہ ادارہ ہذا، پور بندر، گجرات

صوبہ جھارکھنڈ ضلع لاکھنپور میں مسک اعلیٰ حضرت کا نقیب و ترجمان

الثقافة الحنفية فاؤنڈیشن للبنات

زیر سرپرستی: شہزادہ حضور حافظ ملت حضرت علامہ عبدالحمید صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

صدارت: حضرت علامہ مفتی محمد ملک الظفر صاحب دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

ناظم اعلیٰ: حضرت مولانا مشتاق احمد ضیائی

مسلم بچیوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کا شاندار مرکز جس میں مقامی و بیرونی بچیوں کی تعلیم و تربیت کا تمام تر تحفظات کے ساتھ بہترین انتظام ہے۔

زکوٰۃ، صدقات اور دوسری عطیات سے ادارے کا تعاون کریں۔ چونکہ دینی ادارے ذہن و فکر کی تطہیر اور شخصیت کی تعمیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور بچے اور بچیاں قوم و ملت کا مستقبل ہوتی ہیں۔

الجمعة الرضویہ پڑھنے فکر رضا کا ترجمان ادارہ ہے اس کے قیام کے مقاصد میں بنیادی مقصد مسک اعلیٰ حضرت کی ترویج و تشہیر ہے۔ اس کی روشن مثال ”ماہنامہ نور مصطفیٰ“ کا زیر نظر ”امام اہل سنت نمبر“ ہے۔ الثقافة الحنفیہ کے اراکین و رفقا اس تاریخ ساز پیش رفت پر الجمعة الرضویہ کودل کی گہرائیوں کے ساتھ مبارک باد اور ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور اس کی قبولیت کے لیے دعا گو ہیں۔

وادی رضا کی ہے کوہ ہمالہ رضا کا ہے جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

اوروں نے بھی لکھا ہے بہت علم دین پر جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تہا رضا کا ہے

ترسیل زر کا پتہ: الثقافة الحنفیہ فاؤنڈیشن۔ دیپا ٹولی، مہوا ڈانڈ، ضلع لاکھنپور جھارکھنڈ

ASSAQFATUL HANFIA FOUNDATION

PH:9430328211/9546113479

خانقاہ غیاثیہ شریفیہ، سہسرام

حضرت علامہ سید غیاث الدین حسن رضوی شریفی

ملک العلماء حضرت علامہ سید شاہ ظفر الدین بہاری رضوی برکاتی قدس سرہ کے رفیق و ہم درس، مدرسہ منظر اسلام کے پروردہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تلمیذ، مرید اور خلیفہ جنہیں آپ نے بذریعہ ڈاک خلافت سے سرفراز فرمایا۔

چشتی مشرب سے وابستگی کے تحت آپ نے جواز سماع پہ ایک رسالہ تحریر فرمایا لیکن اعلیٰ حضرت کی مرضی نہ پا کر اسے شائع کرنے کا قصد و ارادہ ترک فرما دیا۔ آج بھی وہ یادگار مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ رشد و ہدایت اشاعت و تبلیغ آپ کی ترجیحات میں تھی۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ تصوف پہ ”غیاث الطالبین“ خطبات کا مجموعہ ”غیاث الخطیب“ زور طبع سے آراستہ ہیں۔

ہم اراکین خانقاہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمی، فکری ادبی و شعری خدمات پہ پانچ سو صفحات پر مشتمل ”نور مصطفیٰ“ کے معیاری و باوقار خصوصی شمارہ ”امام اہل سنت نمبر“ کی گراں قدر اشاعت پہ دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سید محمد اختر نواب ڈاکٹر سید معراج الاسلام

خانقاہ غیاثیہ شریفیہ۔ دائرہ، سہسرام، بہار، پین ۸۲۱۱۱۵

مہدی عظمیٰ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان

مدرسہ مدینۃ الاسلام وکرولی (ایسٹ) ممبئی

زیر اہتمام: سنی رجیمی مسجد (ٹرسٹ)

زیر سرپرستی: خلیفہ حضور کمیل اشرف الحاج ریاض احمد اشرفی

زیر صدارت: حضرت علامہ مفتی محمد ملک الظفر صاحب دارالعلوم خیر نیہ نظامیہ سہسرام

ناظم اعلیٰ: حضرت مولانا قاری محبوب اصدق

وکرولی، ممبئی میں حفظ و قرأت کی تعلیم و دینی تربیت کا بہترین مرکز، جس میں مقامی و بیرونی بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا معقول و بہترین انتظام ہے آپ کی عنایتوں کے لیے چشم براہ ہے۔ اہل خیر حضرات زکوٰۃ، صدقات، فطرات اور دوسرے عطیات سے ادارے کا تعاون کریں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا عالم اسلام کی عبقری شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے دین اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا تعاقب کیا۔ اور ان کے فتنوں سے مسلمانوں کو بچایا۔ انہوں نے محبت رسول ﷺ کے نور سے مسلمانوں کے دلوں کو روشن کیا۔ ان کی ذات ستودہ صفات اہل حق کی علامت اور معیار سنیت ہے۔ ہم ”ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ“ کے ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی قبولیت و شہرت کی دعا کرتے ہیں۔

جو مسلک رضا سے رکھے پیر قلب میں اس شخص سے شدید ہمیں اختلاف ہے۔

رابطہ: دارالعلوم مدینۃ الاسلام، گروپ نمبر ۸ بی، ٹیکورنگر، وکرولی (ایسٹ) ممبئی ۴۳

Mob:9702622935/7977147242/8169094141

اہل سنت و جماعت کا قدیم ادارہ

مدرسہ حسنیہ، سہسرام

شیر شاہ سوری کے والد حسن خاں سوری کے مقبرے کے احاطے میں واقع قدیم سنی درس گاہ جو طوطی ہند حافظ حدیث حضرت علامہ الحاج قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت علامہ حکیم حسن علی علیہ الرحمہ کی علمی یادگار ہے۔ برسوں سے اس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بند تھا۔ کمیٹی کے حساس و زندہ ضمیر حضرات نے نئے عزم و حوصلے کے ساتھ اس کی نشاۃ ثانیہ فرمائی ہے اور بچوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کے لیے اس کا آغاز کر دیا ہے رب قدیر ان کے عزم و ارادے کو قوت پرواز کی دولت عطا فرمائے۔ اہل خیر حضرات زکوٰۃ، صدقات، فطرات اور دوسرے عطیات سے ادارے کا تعاون کریں۔

مدرسہ حسنیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے افکار و خیالات کا داعی و پیامی ہے۔ ادارہ اپنے ابتدائی دنوں ہی سے اس فکر کی شدت سے مخالفت کرتا رہا ہے جو فکر اعلیٰ حضرت سے متصادم رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت ہماری جماعتی شناخت اور پہچان ہیں۔ آج ہمارے دلوں میں عشق مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا جو چراغ روشن ہے یہ اس مجدد و وقت کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔ ہم ”ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ“ کے ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت پر رفقائے ادارہ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ رب کائنات اس تاریخی، تعمیری اور دستاویزی نمبر کو قبول عام بنائے۔ سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

زیر اہتمام: مقبرہ حسن خاں سوری مسجد کمیٹی، سہسرام روہتاس، پن، 821115

Ph:8709896667/8084829663



جامعہ اہلسنت صادق العلوم

شاہی مسجد ناسک مہاراشٹر (انڈیا)



بیادگار قطب ناسک حضرت پیر سید صادق شاہ حسینی مدنی رضی اللہ عنہ

(الحمد للہ! فیضانِ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند حضور سیدنا محدث اعظم حضرت مفتی نانا پارہ علیہم الرحمہ کے طفیل اس جامعہ میں اعدادیہ تادور حدیث، وشعبہ حفظ وقرأت، ناظرہ، انگلش، کتابت، کمپیوٹر کی عمدہ تعلیم وتر بیت کا نظم ہے مقامی طلبہ کے علاوہ دیگر صوبہ جات مثلاً مہاراشٹر، یوپی، ایم پی، بہار، بنگال، آسام، نیپال، وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔ ہاسٹل میں مقیم ۱۲۵ طلبہ کے لئے کھانا، ناشتہ علاج و معالجہ وغیرہ ادارہ کی طرف سے مفت ہے۔

۱۱ محرک اراکین کے ساتھ ۱۶ مخلص مدرسین اور ۵ ملازمین مصروف کار ہیں۔ اس ادارے سے اب تک سینکڑوں عالم، حافظ، قاری کی ڈگری لیکر تبلیغ و اشاعتِ اسلام و مسلک اعلیٰ حضرت میں مشغول ہیں۔ اسلامی کتابوں اور لٹریچر کے ذریعے قوم کو عقائدِ حقہ اور دینی معلومات فراہم کرنے کے لئے شعبہ نشر و اشاعت اور رضالائبریری نیز مسائل کے حل کے لئے حسینی دارالافتا کا بہترین نظم ہے۔ اراکین ادارہ کا خواب ہے کہ مختلف شعبہ جات کے لئے الگ الگ ہال اور کمرے ہوں ادارہ شایانِ شان ہو اس لئے مخیر قوم و برادران اہلسنت سے اپیل ہے کہ اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے مالی تعاون دے کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال ہوں۔

اگر دنیا میں جینا ہو تو اچھے کام کر جاؤ

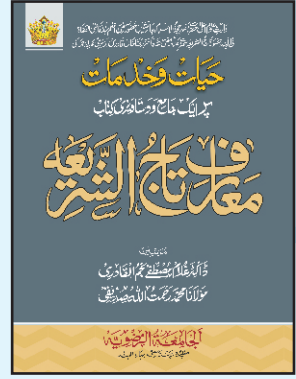
خدا توفیق دے تو خدمت اسلام کر جاؤ

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کی تاریخی پیشکش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر ہم دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں

حاجی محمد یونس رضوی (سکریٹری و ناظم تعلیمات)

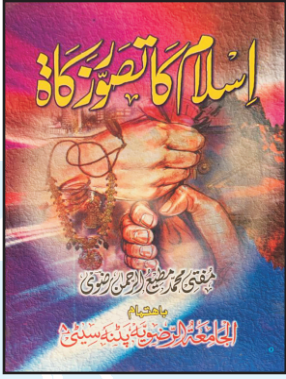
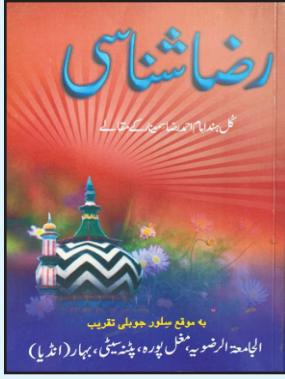
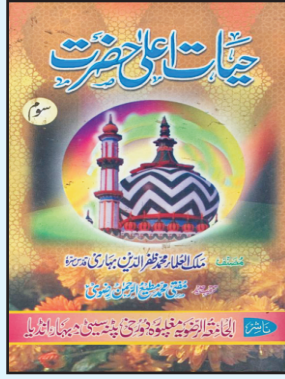
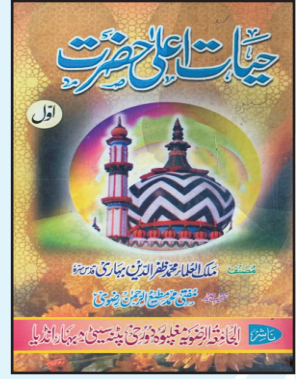
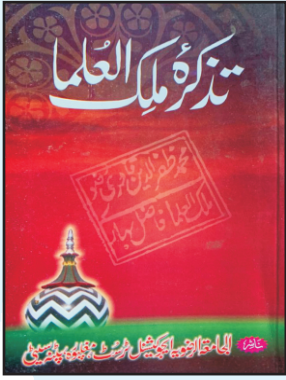
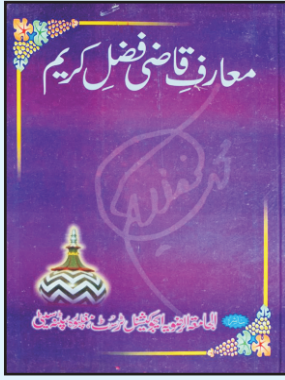
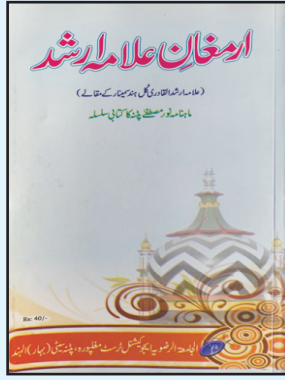
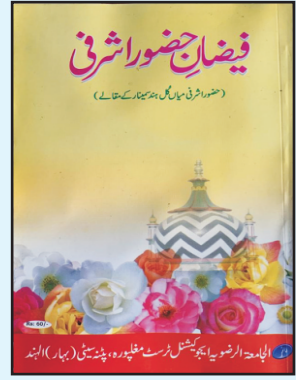
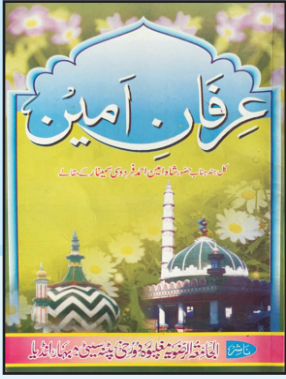
وجملہ اراکین جامعہ اہلسنت صادق العلوم شاہی مسجد ناسک مہاراشٹر (انڈیا)

فون نمبر 0253-2508682



الجامعۃ السیومیہ

مغلپورہ، پیٹنہ سیٹی، بہار، الہند
کی
اسلاف شناسی کی اشاعتی جھلکیاں



حضرت علامہ شاہ قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر نور مصطفیٰ پٹنہ کا ایک نامکمل خاکہ

قاضی عبدالوحید فردوسی: حیات و خدمات	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا عشق رسول ﷺ	قاضی عبدالوحید فردوسی: کی اشاعتی خدمات
قاضی عبدالوحید فردوسی: کا خاندانی پس منظر	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا احقاق حق	قاضی عبدالوحید فردوسی: اور ملک العلماء ایک مطالعہ
قاضی عبدالوحید فردوسی: بحیثیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا پیر خانہ	مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں
قاضی عبدالوحید فردوسی: کی دینی و ملی خدمات	قاضی عبدالوحید فردوسی: اور امام احمد رضا بریلوی	قاضی عبدالوحید فردوسی کا کردار
قاضی عبدالوحید فردوسی: کا تعلق فی الدین	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا دعوتی و تبلیغی مشن	قاضی عبدالوحید فردوسی، قاضی عبدالودود کی نظر میں

اہل زبان و قلم سے قلمی تعاون کی اپیل ہے۔

خانوادہ برکاتیہ کا ایک نادر عمل

درویش شریف: حضور سیدی و مرشدی تاج العلماء اولاد رسول سید شاہ محمد میاں صاحب قبلہ مارہروی قدس سرہ العزیز کے مقدس ارشاد کے بموجب خانوادہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے عملیات میں درج ذیل عمل ایک نادر و موثر وظیفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

فتوح ظاہری و باطنی اور وسعت رزق و حصول مال حلال کے لیے اس درویش شریف کو روزانہ کوئی مناسب وقت مقرر کر کے کم از کم چالیس یوم ورنہ اکیس یوم یہ درود انچاس بار اس طرح پڑھے کہ سات سات مرتبہ قبلہ کی طرف منہ کر کے، سات مرتبہ پیٹھ کے پیچھے، سات بار داہنی، سات بار بائیں، سات مرتبہ آسمان، سات مرتبہ زمین کی طرف اور سات مرتبہ سامنے خود اپنے اوپر پڑھ کر دم کرے مذکورہ تمام مقاصد میں انشاء اللہ تعالیٰ خوب خوب فائدہ حاصل ہو۔ درویش شریف یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَعْدَ اَنْوَاعِ الرِّزْقِ وَالْفَتْوَحَاتِ
وَعَلَىٰ اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَيَا بَاسِطَ الذِّمِّيِّ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اُبْسُطْ عَلَيَّ رِزْقًا وَاِسْعًا مُتَّسِعًا اَبْلًا
مُحْنَةً وَبِغَيْرِ مِنَّةٍ خَلْقٍ بِحَقِّ يَا بَاسِطُ

الہ العالمین! اس محبوب و وظیفہ کا ایک ایک لفظ جب تک روئے زمین پہ موجود ہے اور اس کے عمل کا سلسلہ جب تک جاری رہے گا تو اس کے صدقے اور اپنے محبوب کے طفیل مجھے مع اہل و عیال اس کے خیرات و حسنات سے سرفراز فرما اور میرے والدین کریمین کی ارواح کو اس کا ثواب عطا فرما۔

”نور مصطفیٰ“ کے ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

منجانب: الحاج نسیم الدین زردہ بھون کی شہید، سہسرام، رہتاس۔

وَظِيْفَةُ نُورَانِي

حضور اقدس سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نورانی زیارت کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک جامع اور موثر عمل تحریر فرمایا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا أَمَرْتَنَا أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْهِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا هُوَ أَهْلُهُ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى لَهُ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْأَجْسَادِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْقُبُورِ صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

بعد نماز عشاء ۱۴۱ یا ۱۰۱ یا ۱۰۰ مرتبہ روزانہ طاق بار جتنا نبھ سکے حصول زیارت اقدس وظیفہ مذکورہ پڑھے۔ مگر خیال رہے کہ خالص تعظیم شان اقدس کے لیے پڑھے۔ اس نیت کو ہرگز جگہ نہ دے کہ مجھے زیارت نصیب ہو ہی جائے گی۔ آگے سرکار کا کرم بے حد و انتہا ہے۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

منہ مدینہ شریف کی طرف ہو اور دل حضور اقدس ﷺ کی طرف۔ دست بستہ پڑھے اور یہ تصور باندھے کہ روضہ انور کے حضور حاضر ہوں۔ اور یقین جانے کہ حضور اقدس ﷺ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میری آواز سن رہے ہیں۔ میرے دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔

الہ العالمین! اس محبوب وظیفے کا ایک ایک لفظ جب تک روئے زمین پہ موجود ہے اور اس کے عمل کا سلسلہ جب تک جاری رہے گا تو اس کے صدقے اور اپنے محبوب کے طفیل مجھے مع اہل و عیال اس کے خیرات و حسنات سے سرفراز فرما اور میرے والدین کریمین کی ارواح کو اس کا ثواب عطا فرما۔

”نور مصطفیٰ“ کے ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

منجانب: الحاج محمد ولی خان رضوی، کھدولی چناری، رہتاس۔

ممبئی کی سرزمین پہ عصری تعلیم کا قابل اعتبار نام

ANSARI FOUNDATIONS

AL-REHMAN ENGLISH HIGH SCHOOL

Group No.: 8-A, Tagore Nagar, Vikroly (East) Mumbai-83
Tel: 022-2574 5564

Admission Starting From January 2020
For Acedmic Year 2020-2021

Nursery / Jr.KG / Sr.KG

STD: I, II. III. IV. V. VI. VII

Office Timing:

9:00 a.m. to: 2:00 p.m.

office closed

Friday & Sunday

قوم کی فلاح و بہبود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی خدمات کے جلی عنوان میں سے ہیں۔ سیاسی، معاشی، اقتصادی اور تعلیمی میدان میں وہ قوم کی خاطر خواہ نمائندگی کے خواہاں تھے۔ ان کے افکار و خیالات کو عصری اسالیب اور وقت و حالات کی زبان دینا اس دور کا جبری تقاضا ہے۔ نور مصطفیٰ پٹنہ کے دستاویزی خصوصی شمارے ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارکباد۔

منجانب: **عبدالرحمان انصاری**، بانی و چیئرمین انصاری فاؤنڈیشن و کرولی (ایسٹ) ممبئی 83

”مولانا بریلوی نے جس انداز فکر
کی نشاندہی کی ہے اگر اس کو اپنا لیا جائے تو آج
ہمارے پڑھے لکھے نوجوان جدید افکار و خیالات سے
اتنے مرعوب اور اسلامی فکر و خیال سے اتنے بیگانے نظر نہ
آئیں گے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ خود سائنس داں قرآن سے روشنی
حاصل کرتے تو جہاں آج پہنچ رہے ہیں صدیوں قبل پہنچ چکے ہوتے“
اسی پس منظر میں اعلیٰ حضرت کے افکار و خیالات کی اشاعت وقت
کی پکار ہے۔ نور مصطفیٰ پٹنہ کی دستاویزی پیش کش ”امام اہل سنت
نمبر“ کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارکباد۔

منجانب

محمد راشد احمد، واہلیہ

سرائے روڈ، سہسرام بہار۔

الحبامعة الرضوية ايجو كيشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام
صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ میں دینی و عصری تعلیم کا ممتاز ادارہ

الجامعة الرضوية



- ★ جس کی پرشکوہ دو منزلہ عمارت تشنگان علوم کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔
- ★ جس میں عربی و فارسی اور حفظ و قرأت کی معیاری تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔
- ★ جس میں دینی علوم کے ساتھ عصری تعلیم سے بھی نونہالان ملت کو روشناس کرایا جاتا ہے۔
- ★ جس نے اشاعتی اور صحافتی میدان میں نئی نسلوں کو بیداری کا پیغام دیا ہے۔
- ★ جس نے مقتدیان کرام کی مقدس جماعت تیار کر کے جماعتی سطح پر ملت کی اشد ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔
- ★ جس نے مستقل آمدنی کے بغیر سوسے زائد یتیم و نادار طلباء کی کفالت کا بارگراں اپنے دوش ناتواں پر اٹھا رکھا ہے۔
- ★ جس میں مہمانان رسول کے لئے تمام ضروریات زندگی مثلاً درسی و غیر درسی کتب و رسائل، طعام و قیام، پانی بجلی اور روشنی کے علاوہ علاج و معالجہ بلکہ لباس کا بھی بہترین نظم ہے، جہاں سے اسلاف کرام کی کتب و رسائل کی اشاعت بھی ہوتی رہتی ہے۔

ان خدمات کی بنا پر یہ ادارہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

Al jamiatur Razvia Educational Trust

Mogalपुरa, Patna City-800008, Bihar, India, Ph.: 0612-2631150 M. 9304339389